فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن)

فَاِنَّمَا شِفَآءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحدیث)

نجم الفتاوی

جلد رابع

کتاب النکاح (۱)

نکاح کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً آٹھ سو
اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف:

حضرت شیخ الحدیث مفتی سیّد نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم

رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن عفی عنہ

نگران شعبۂ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

Marfat.com

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن) فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحدیث)

نجم الفتاویٰ

جلد رابع

کتاب النکاح

نکاح کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً آٹھ سو
اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف: حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن
نگران شعبۂ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر
شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

DATA ENTRED

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

کتاب کا نام : نجم الفتاویٰ

مؤلف : حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب : مفتی فرحان حسن عفی عنہ (استاذ دارالعلوم یاسین القرآن)

کمپوزنگ : بھائی شکیل احمد صدیقی صاحب

سن اشاعت : 1437ھ بمطابق 2016ء

مطبع : ادارۂ طباعت 0333-2136180

ناشر : شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)
0301-2113944, 0334-3957443

○

۱۵۹۳۵۲
جلد ۴

ملنے کے پتے:

ملک کے مشہور اسلامی کتب خانوں سے طلب فرمائیں!

اسٹاکسٹ : ادارۃ النور

شاپ نمبر 2، پلاٹ نمبر 4/ G.R.E.672 انور مینشن، بنوری ٹاؤن، کراچی

Ph: +92-21-34914569
Email: idaratunnoor@gmail.com

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اجمالی فہرست (نجم الفتاوی جلد رابع)

باب الحكم الشرعی للنكاح ومشروعيته ---- ۲۹

باب ما ينعقد به النكاح وفی آدابه وشرائطه ---- ۵۱

فصل فی الشهادة علی النكاح ---- ۱۷۹

فصل فی خطبة النكاح ---- ۲۲۱

فصل فی وعد النكاح ---- ۲۴۲

فصل فی رؤية المرأة قبل النكاح ---- ۲۷۱

فصل فی ألفاظ النكاح ---- ۲۸۸

باب فی الأنكحة الصحيحة ---- ۲۹۷

فصل فی النكاح بالكتابة والهاتف والرسائل ---- ۳۴۱

فصل فی الإكراه علی النكاح ---- ۳۵۲

Marfat.com

باب من یحل به النکاح ومن لا یحل ---------- ۳۵۵
فصل فی نکاح أهل الکتاب والفرق المختلفة ---------- ۳۹۳
باب من یحرم به النکاح، وفیه فصول
فصل فی المحرمات بالنسب ---------- ۴۰۶
فصل فی المحرمات بالرضاع ---------- ۴۱۵
فصل فی الحرمة المصاهرة ---------- ۴۲۵
فصل فی المحرمات بالجمع ---------- ۴۷۳
فصل فی المحرمات لاختلاف الدین ---------- ۴۹۰
فصل فی المحرمات لحق الغیر ---------- ۵۰۵
باب فی الأنکحة الفاسدة ---------- ۵۱۲
فصل فی المتعة والنکاح المؤقت والمسیار ---------- ۵۵۸
فصل فی نکاح زوجة المفقود والغائب ---------- ۵۸۵
باب فی أحکام الکفر والارتداد ---------- ۵۹۵
باب فی الرسوم ---------- ۵۹۹

Marfat.com

آئینہ عناوین

نجم الفتاوی جلد ۴

کتاب النکاح [۱]

	باب الحکم الشرعی للنکاح ومشروعیته (نکاح کی شرعی حیثیت اور اسکی مشروعیت کا بیان)	۲۹
(۱)	نکاح کی مشروعیت کب ہوئی ؟ نیز گزشتہ شرائع میں نکاح کا طریقہ کار کیا تھا؟	۲۹
(۲)	نکاح کی شرعی حیثیت (یعنی نکاح کا مسنون، واجب اور حرام ہونا)	۳۱
(۳)	بیوی کے حقوق ادا نہ کر سکنے کے خوف سے نکاح نہ کرنے کا حکم	۳۲
(۴)	لڑکی کا اپنی زندگی والدین اور بھائیوں کو بخش دینے کا حکم	۳۴
(۵)	ادائیگی قرض سے قبل نکاح کا حکم	۳۵
(۶)	شادی کیلئے قرض لینے پر ایک شبہ کا حل	۳۶
(۷)	ساری زندگی عبادت یا تعلیم و تعلم میں گزارنا افضل ہے یا نکاح کرنا؟	۳۸
(۸)	لڑکے کا والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنے کا حکم	۴۰
(۹)	مرید کا بیعت کی وجہ سے شادی نہ کرنے کا حکم	۴۱
(۱۰)	تبلیغی جماعت کیلئے زندگی وقف کر کے تاحیات نکاح نہ کرنے کا حکم	۴۲

Marfat.com

(۱۱)	بچی بیوی کی یا دیس زندگی گزارنا	۳۵
(۱۲)	لڑکی کی تعلیم مکمل ہونے تک شادی کو مؤخر کرنا	۳۶
(۱۳)	کیا بڑی لڑکی سے قبل چھوٹی لڑکی کا نکاح کر دینا انسانیت کے خلاف ہے؟	۳۸
(۱۴)	بیوہ کیلئے تجرد کی زندگی بہتر ہے یا دوسرا نکاح؟	۳۹
	باب ما ینعقد بہ النکاح وفی آدابہ وشرائطہ ومستحباتہ	۵۱
	نکاح کے انعقاد کی مختلف صورتوں اور آداب، مستحبات اور شرائط کا بیان	
(۱۵)	شادی کا مسنون طریقہ کار	۵۱
(۱۶)	رخصتی شریعت کے مطابق کیسے کی جائے؟	۵۳
(۱۷)	لڑکی کی رخصتی کیلئے بارات لے جانے کا شرعی حکم	۵۶
(۱۸)	شب زفاف میں کئے جانے والے اعمال	۵۸
(۱۹)	تجدید نکاح اور عام نکاح کے احکام یکساں ہیں	۶۰
(۲۰)	حلالہ کے لئے تمام شرائط نکاح ضروری ہیں	۶۱
(۲۱)	عورت میراث کی شرعی حیثیت	۶۳
(۲۲)	بہن کا عورت میراث کر لینے کے بعد بھائیوں کا اسے صحیح نہ ماننا کیسا ہے؟	۶۶
(۲۳)	اٹھارہ سال سے کم عمر بچیوں کا نکاح نہ کر سکنے کا قانون بنانا	۶۷
(۲۴)	شادی کے موقع پر دولہا کو تحفہ دینا شرعاً کیسا ہے؟	۶۹
(۲۵)	نکاح کے موقع پر مٹھائی یا چھوارے تقسیم کرنے کا حکم	۷۰
(۲۶)	کن صفات کے حامل شخص سے نکاح پڑھوایا جائے؟	۷۱
(۲۷)	نکاح مسجد میں اور نیک شخص سے پڑھوانا مستحب ہے۔	۷۳
(۲۸)	کافر جج کے سامنے نکاح کا حکم	۷۴
(۲۹)	تبرک کے حصول کیلئے کسی دینی اجتماع میں نکاح پڑھوانے کا حکم	۷۵
(۳۰)	اپنا نکاح خود پڑھا دینے کا حکم	۷۶
(۳۱)	مسجد میں نکاح کر کے مسجد کی چھت پر ہی دعوتِ نکاح کرنے کا حکم	۷۷

Marfat.com

(۳۲)	نکاح خواں کا نکاح پڑھانے پر فیس وصول کرنے کا حکم	۷۸
(۳۳)	نکاح کے موقع پر دولہا سے تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانے کا حکم	۷۹
(۳۴)	نکاح کے وقت زوجین سے کلمہ طیبہ اور ایمان مجمل، مفصل پڑھوانا	۸۰
(۳۵)	کیا قاضی (نکاح خواں) کا حکومت سے رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے؟	۸۱
(۳۶)	چار عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کا طریقہ	۸۳
(۳۷)	کیا برادری میں نکاح کرنا ضروری ہے؟	۸۴
(۳۸)	لڑکی کا خفیہ طور پر گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا حکم	۸۵
(۳۹)	مہر مقرر کئے بغیر فقط ایجاب وقبول سے کئے گئے نکاح کا حکم	۸۶
(۴۰)	اگر والدین اور اولاد کی پسند میں اختلاف ہوجائے؟	۸۷
(۴۱)	بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح پڑھا دینے کا حکم	۸۸
(۴۲)	باپ کا بیٹے کی غیر موجودگی میں اس کا نکاح کر دینے کا حکم	۸۹
(۴۳)	نکاح کا اقرار کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۹۰
(۴۴)	نکاح اور طلاق کے اقرار سے انعقاد میں فرق کی وجہ	۹۱
(۴۵)	رشتہ داروں کے ڈر سے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کو تسلیم کر لینے کا حکم	۹۲
(۴۶)	نکاح کھلے عام اعلان کر کے کیا جائے	۹۳
(۴۷)	حالتِ احرام میں نکاح کا حکم	۹۴
(۴۸)	ایک سال کی بچی کا تین سال کے بچے سے نکاح کرا دینے کا حکم	۹۵
(۴۹)	نابالغ لڑکے اور لڑکی کا از خود نکاح کر لینے کا حکم	۹۶
(۵۰)	بچپن میں نکاح کے بعد لڑکی کے باپ کا رخصتی سے انکار کرنا	۹۷
(۵۱)	گونگی لڑکی سے نکاح میں لڑکے کا بھی اشارے سے قبول کرنے کا حکم	۹۷
(۵۲)	دورانِ درس استاذ کا اپنی بیٹی کے نکاح کا ایجاب اور شاگرد کے قبول کر لینے کا حکم	۹۸
(۵۳)	بیٹے کے نکاح میں اپنے لئے قبول کے الفاظ استعمال کر لینے سے نکاح کس کا ہوا؟	۹۹

Marfat.com

	رسالة: تحرير النقول فی مسئلة عدم الجهر بلفظ القبول	۱۰۱
(۵۴)	نکاح میں قبول کے الفاظ آہستہ کہہ دینے کا حکم	
(۵۵)	مذکورہ فتوے پر فاضل مستفی کا استدراک	
(۵۶)	ہیڈ ماسٹر کا گناہ سے بچانے کیلئے والدین کی غیر موجودگی میں نکاح پڑھا دینے کا حکم	۱۱۴
(۵۷)	خفیہ نکاح میں نکاح فارم کے جعلی نکلنے کی صورت میں نکاح کا حکم	۱۱۵
(۵۸)	دولہا دلہن کے نام کے ساتھ والد کے نام لینے کی شرعی حیثیت	۱۱۶
(۵۹)	صرف "بنت فلاں" کہہ کر نکاح پڑھا دینے کا حکم	۱۱۷
(۶۰)	بوقت نکاح منکوحہ کی تعیین کی مختلف صورتیں	۱۱۸
(۶۱)	بوقت نکاح دولہا کے نام میں غلطی ہو جانے کا حکم	۱۱۹
	رسالة: نهاية الضدين فی وقوع الخطاء عند نكاح الاختين	۱۲۱
(۶۲)	دو بہنوں کے نکاح کے وقت نام بدل جانے سے نکاح کے متعلق مفصل تحقیق	
(۶۳)	بوقت نکاح والد نے بھول کے اپنی دوسری بیٹی کا نام لے لیا تو کیا حکم ہے؟	۱۴۶
(۶۴)	بوقت نکاح دلہن کے نام میں غلطی اور سہواً دوسری بہن کا نام لے لینے کا حکم	۱۴۷
(۶۵)	زوجین کے والد اور دادا کا نام لینے کا حکم	۱۴۸
(۶۶)	زوجین کی ولدیت میں غلطی ہو جانے کا حکم	۱۴۹
(۶۷)	لڑکی کے دو نام ہوں تو نکاح کس نام سے پڑھایا جائے؟	۱۵۰
	رسالة: قواعد الفقهاء فی خطاء القاضی عند تلفظ الأسماء	۱۵۱
(۶۸)	نام کے تلفظ میں غلطی یا نام غلط لکھ دینے کا حکم	
(۶۹)	حنا کی جگہ ھنا کے نام سے نکاح پڑھا دینے کا حکم	۱۵۳
(۷۰)	دولہا کا اپنی ولدیت میں سوتیلے باپ کا نام ذکر کرنے سے نکاح پر اثر نہیں ہوگا	۱۵۵
(۷۱)	لڑکے کے اصل والد کا نام نہیں بتایا گیا تو فسخ نکاح کا حکم	۱۵۶
(۷۲)	کیا بیوی کو جیب خرچی دینا بھی ضروری ہے	۱۵۷

Marfat.com

	رسالة: الحكم الموافق فی الفرق بين الشرائط توافق العقد و تخالف	۱۵۹
(۷۳)	مقتضائے عقد کے موافق اور مخالف شروط کے معنی	
(۷۴)	میکے سے کہیں نہ لے جانے کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم	۱۶۴
(۷۵)	عورت کا اپنی باری پہلی بیوی کو دینے کی شرط پر نکاح کرنا	۱۶۵
(۷۶)	لڑکی کے باپ کا دو لاکھ لینے کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم	۱۶۶
(۷۷)	بیوہ سے (اس کی بیٹی کا) اپنے بیٹے سے نکاح کی شرط پر شادی کرنا	۱۶۷
(۷۸)	ایام عدت میں شادی کی غرض سے خرچ کئے پیسوں کا حکم	۱۶۸
(۷۹)	معلق بالشرط اور مقرون معہ الشرط نکاح کے حکم میں فرق	۱۷۰
(۸۰)	کیا نکاح فارم انعقادِ نکاح کے لئے ضروری ہے؟	۱۷۱
(۸۱)	بیماری نہ ہونے کی شرط پر نکاح کرنا اور بعد میں بیماری ظاہر ہونا	۱۷۲
(۸۲)	شوہر اول کے بچوں کا نفقہ دینے کی شرط پر عورت سے نکاح کا حکم	۱۷۳
(۸۳)	بدلے میں نکاح نہ کرنے پر دو لاکھ کی شرط لگانے کا حکم	۱۷۴
(۸۴)	طلاق کا اختیار لڑکی کو ہونے کی شرط پر نکاح کا حکم	۱۷۵
(۸۵)	ایجاب وقبول کے وقت تفویض طلاق کا حکم	۱۷۶
(۸۶)	نکاح کیلئے اپنے فائدے کی مخصوص شرائط لگانے کا حکم	۱۷۷
	فصل فی الشهادة على النكاح (نکاح میں گواہوں کا بیان)	۱۷۹
(۸۷)	نکاح کے وقت دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے	۱۷۹
(۸۸)	لڑکے لڑکی کا تنہا اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر نکاح کرنے کا حکم	۱۷۹
	رسالة: العقود الدرية فی تحقيق حكم النكاح بدون الشهود عند المالكية	۱۸۱
(۸۹)	بغیر گواہوں کے نکاح اور اس سے متعلق مالکیہ کے مذہب کی تحقیق	
(۹۰)	گواہوں کا ایجاب وقبول سننا کافی ہے یا سمجھنا بھی ضروری ہے؟	۱۸۴
(۹۱)	گواہوں کے ایجاب وقبول کے الفاظ سمجھنے سے متعلق متضاد عبارات	۱۸۵

Marfat.com

(۹۲)	گواہوں کا ایجاب وقبول سننا ضروری ہے یا سمجھنا بھی؟	۱۸۶
(۹۳)	ایک گواہ بہرہ ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی نکاح منعقد نہ ہوگا	۱۸۷
(۹۴)	ایسی جگہ جہاں پر مسلمان گواہ میسر نہ ہوں، نکاح کا حکم	۱۸۹
	رسالة: التقاطع فی شهادة الفاسق والتسامع	۱۹۰
(۹۵)	فاسق کی شہادت سے نکاح کا حکم	
(۹۶)	تحریر أنکاح میں لڑکی کے پاس دو گواہ ہوں تو نکاح کا حکم	۱۹۳
(۹۷)	مجلس عقد میں شادی کے گواہوں کی حاضری ضروری ہے یا وکیل کے گواہوں کی؟	۱۹۴
(۹۸)	تین مرد اور ایک عورت کی موجودگی میں ہونے والے نکاح کو نہ ماننے والوں کا حکم	۱۹۵
(۹۹)	لڑکی لڑکے کا، گواہوں کی موجودگی میں از خود ایجاب وقبول کرنا اور بعض جزئیات کا حکم	۱۹۶
(۱۰۰)	ایک شخص کا لڑکی کے والدین کو گواہ بنا کر نکاح کرنا کیسا ہے؟	۱۹۹
(۱۰۱)	بغیر زبان سے کچھ بولے صرف دستخط کردینے سے نکاح کا حکم	۲۰۰
(۱۰۲)	کیا لڑکی سے اجازت لیتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے؟	۲۰۱
(۱۰۳)	بغیر گواہوں کے نکاح باطل ہے یا فاسد؟	۲۰۱
(۱۰۴)	عورت کا پردے کے پیچھے سے نکاح قبول کرنے کا حکم	۲۰۳
(۱۰۵)	نکاح نہ کرنے کی قسم کھا کر نکاحِ فاسد کرنا	۲۰۴
(۱۰۶)	غیر مسلم گواہوں کی موجودگی میں کئے گئے نکاح کا حکم	۲۰۴
	رسالة: الخنثی واحکامه للشهادة فی الشریعة الاسلامیة	۲۰۶
(۱۰۷)	خنثیٰ کے گواہ یا قاضی بننے کے احکام	
(۱۰۸)	گواہ عیسائی ہونے کی صورت میں نکاح کا حکم	۲۰۹
(۱۰۹)	کیا اہل کتاب سے نکاح کیلئے گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے؟	۲۱۰
(۱۱۰)	فاسق کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے	۲۱۱
(۱۱۱)	بغیر گواہوں کے ہونے والے نکاح کا بعد میں مشہور ہونا	۲۱۲
(۱۱۲)	وکیل کا پردے کے پیچھے سے قبول کرانے کا حکم	۲۱۳

Marfat.com

(۱۱۳)	اگر دو مرد کسی ایک عورت سے نکاح پر گواہ پیش کر دیں	۲۱۴
(۱۱۴)	غیر کی بیوی کو زبردستی گواہوں کے ذریعہ اپنی بیوی ثابت کرنے کا حکم	۲۱۵
(۱۱۵)	مذکورہ فتوے پر ایک استدراک کا جواب	۲۱۶
(۱۱۶)	شہادت زور سے نکاح کا حکم	۲۱۷
(۱۱۷)	عورت کا مرد پر جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کرنے کا حکم	۲۱۹
	فصل فی خطبة النکاح (خطبہ نکاح کا بیان)	۲۲۱
(۱۱۸)	خطبہ نکاح کی شرعی حیثیت	۲۲۱
(۱۱۹)	خطبہ نکاح کھڑے ہو کر پڑھا جائے یا بیٹھ کر؟	۲۲۲
(۱۲۰)	خطبہ نکاح پہلے پڑھا جائے یا ایجاب وقبول؟	۲۲۲
(۱۲۱)	کافر کا خطبہ نکاح پڑھانے کا حکم	۲۲۳
(۱۲۲)	خطبہ نکاح کا سننا واجب ہے یا مسنون؟	۲۲۴
(۱۲۳)	**رسالة: حفظ المتاع فی رفع التعارض عن الآیات الواردة فی خطبة النکاح** خطبہ نکاح میں وارد احادیث میں اختلاف آیات سے متعلق مفصل تحقیق	۲۲۵
(۱۲۴)	اردو میں نکاح کا خطبہ پڑھنا	۲۳۷
(۱۲۵)	نکاح کا خطبہ کیسے پڑھا جائے؟	۲۳۷
(۱۲۶)	جمعہ یا ظہر کی نماز میں دعا کے فوراً بعد ہی نکاح پڑھانے کا حکم	۲۳۸
(۱۲۷)	خطبہ نکاح کے سننے کا وجوب کہاں سے ثابت ہے؟	۲۳۹
(۱۲۸)	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج مطہرات سے نکاح میں خطبہ وغیرہ کی تفصیلات	۲۴۰
	فصل فی وعد النکاح (منگنی کے مسائل کا بیان)	۲۴۲
(۱۲۹)	منگنی کی شرعی حیثیت	۲۴۲

Marfat.com

(۱۳۰)	منگنی کیا ہے اور کیا دورِ نبوی میں اس کا رواج تھا؟	۲۴۲
(۱۳۱)	منگنی اور اس کے بعد کی رسوم و نیوتہ کی شرعی حیثیت	۲۴۴
(۱۳۲)	منگیتر سے ملاقات اور فون پر بات چیت کرنے کا حکم	۲۴۵
(۱۳۳)	منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانے کا حکم	۲۴۶
(۱۳۴)	منگیتر سے ملنا اور بات چیت کرنا	۲۴۸
(۱۳۵)	منگنی کے وقت ایجاب وقبول نکاح ہی شمار ہوگا	۲۴۹
(۱۳۶)	"کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی؟" منگنی ہے یا نکاح؟	۲۵۰
(۱۳۷)	"فلاں کے بیٹے کو اپنی بیٹی دے دی" منگنی شمار ہوگا یا نکاح؟	۲۵۱
(۱۳۸)	منگنی توڑنا وعدہ خلافی ہے	۲۵۲
(۱۳۹)	بے دینی کی وجہ سے منگنی توڑنا جائز ہے	۲۵۳
(۱۴۰)	پسند بدل جانے کی وجہ سے منگنی توڑنے کا حکم	۲۵۴
(۱۴۱)	لڑکے کی معذوری کی وجہ سے منگنی توڑنا کیسا ہے؟	۲۵۶
(۱۴۲)	لڑکا آوارہ گرد نکلے تو منگنی توڑنے کا حکم	۲۵۶
(۱۴۳)	لڑکے کے ڈاڑھی رکھ لینے کی وجہ سے منگنی توڑنے کا حکم	۲۵۷
(۱۴۴)	حلفیہ وعدہ نکاح کے بعد پتہ چلا کہ لڑکی شیعہ ہے	۲۵۹
(۱۴۵)	منگنی کے تحائف اور خرچہ کا تقاضا کرنا	۲۵۹
(۱۴۶)	باپ کی منگیتر کے ساتھ نکاح کا حکم	۲۶۰
(۱۴۷)	منگنی کی تقریب میں ہی نکاح بھی ہوجائے تو رخصتی سے قبل ہمبستری کا حکم	۲۶۱
(۱۴۸)	منگیتر کی پسند ناپسند معلوم کرنے کے لئے ۳، ۴ گھنٹے ساتھ رہنا	۲۶۲
(۱۴۹)	منگنی میں کھانے کا اہتمام لڑکی والے کریں یا لڑکے والے؟	۲۶۳
(۱۵۰)	منگنی میں دعاء وغیرہ کرنا نکاح شمار نہ ہوگا	۲۶۴
(۱۵۱)	منگنی کو اپنی اغراضِ فاسدہ کی وجہ سے نکاح کہنے والوں کا حکم	۲۶۴
(۱۵۲)	منگیتر کو طلاق دینے کا حکم	۲۶۷

Marfat.com

(۱۵۳)	منگنی کے بعد پسند بدل جانے کی وجہ سے منگنی توڑنا	۲۶۸
(۱۵۴)	لڑکا شرابی نکلنے کی صورت میں منگنی توڑنے کیلئے استخارہ کرنا	۲۶۹
(۱۵۵)	نکاح سے قبل منگیتر سے انٹرنیٹ یا فون پر بات کرنے کا حکم	۲۷۰
	فصل فی رؤیة المرأة قبل النکاح (نکاح سے قبل مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کا بیان)	۲۷۱
(۱۵۶)	پیغام نکاح دینے سے قبل لڑکے کا لڑکی کو دیکھنا	۲۷۱
(۱۵۷)	نکاح سے قبل اندیشہ شہوت کے باوجود لڑکی کو دیکھنا جائز ہے	۲۷۲
	رسالة: الإجابة فی رؤیة المرأة قبل النکاح والإراءة	۲۷۳
(۱۵۸)	نکاح سے پہلے لڑکے کا لڑکی کو دیکھنے پر اصرار کرنا	
(۱۵۹)	نکاح سے قبل سسر کا بہو کو دیکھنے نیز لڑکی والوں کیلئے اپنی لڑکی کو دکھانے کا حکم	۲۷۸
(۱۶۰)	پیغام کے وقت لڑکی کا لڑکے کو دیکھنے کا مطالبہ	۲۸۰
(۱۶۱)	بیوہ سے نکاح کیلئے اس کے بچوں کو دیکھنے پر اصرار کا حکم	۲۸۲
(۱۶۲)	لڑکے کے گھر کی خواتین کا لڑکی کو دیکھ کر اس کی صفات بیان کر دینا	۲۸۳
(۱۶۳)	شادی سے قبل لڑکی کی تصویر دیکھنے کا حکم	۲۸۴
(۱۶۴)	براہ راست انٹرنیٹ پر مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کا حکم	۲۸۵
(۱۶۵)	نظر الی المخطوبہ سے متعلق حدیث کا حکم	۲۸۶
	فصل فی ألفاظ النکاح (الفاظِ نکاح کا بیان)	۲۸۸
(۱۶۶)	میں نکاح کرتا ہوں کے الفاظ سے نکاح کا حکم	۲۸۸
(۱۶۷)	الفاظِ کنائی سے نکاح کا حکم	۲۸۹
(۱۶۸)	حال یا امر کے الفاظ سے نکاح کا حکم	۲۹۰
(۱۶۹)	گونگا شخص ایجاب وقبول کیسے کرے گا؟	۲۹۱

Marfat.com

(۱۷۰)	گونگا لکھنا جانتا ہو تو اس کے اشارے کا حکم	۲۹۱
(۱۷۱)	"میں نے اسے بیوی قبول کیا" کے الفاظ سے نکاح کا حکم	۲۹۳
(۱۷۲)	قبول میں "ان شاء اللہ" کہہ دینے سے نکاح کا حکم	۲۹۳
(۱۷۳)	لڑکے کے باپ نے کہا "قبول ہے" تو نکاح کس کا ہوا؟ خیر الفتاویٰ کا تسامح	۲۹۴
(۱۷۴)	"میں نے اپنی لڑکی تمہیں دیدی" کے الفاظ سے نکاح کا حکم	۲۹۶
	باب فی الأنکحة الصحیحة (انکحہ صحیحہ کا بیان)	۲۹۷
(۱۷۵)	باپ کا کسی عورت سے اور بیٹے کا اس عورت کی بیٹی سے نکاح کا حکم	۲۹۷
(۱۷۶)	منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کا حکم	۲۹۸
(۱۷۷)	چوتھی بیوی کے غائب ہوجانے کی صورت میں نکاح کا حکم	۲۹۹
(۱۷۸)	حلالہ کی نیت سے نکاح کا حکم	۲۹۹
(۱۷۹)	ہیجڑے کے نکاح اور کفاءت کا حکم	۳۰۰
(۱۸۰)	ہیجڑے اور خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم	۳۰۱
(۱۸۱)	دو بھائیوں کا کسی ماں بیٹی سے نکاح کرنے کا حکم	۳۰۲
(۱۸۲)	بیوہ عورت کا بعد از عدت نکاح کرنا	۳۰۳
(۱۸۳)	لڑکی کا ماں کی ناراضگی کے باوجود کفو میں نکاح منعقد ہوجائے گا	۳۰۴
	رسالة: الإجابة عن تحذیر بعض الناس من نکاح القرابة	۳۰۷
(۱۸۴)	فرسٹ کزن (قرابت داری) میں نکاح پر مفصل تحقیق	
(۱۸۵)	زانی کے زانیہ سے نکاح کا حکم	۳۲۲
(۱۸۶)	نامحرم سے آپریشن کروانا اور پھر اس لڑکی کے نکاح کا حکم	۳۲۴
(۱۸۷)	مطلقہ ہونے کی دعویدار عورت سے نکاح کا حکم	۳۲۵
(۱۸۸)	کیا بھتیجے کی بیوی بھی بہو شمار ہوگی؟	۳۲۵
(۱۸۹)	باپ کا بیوہ سے نکاح کی صورت میں کیا بیوہ کی بیٹی بہن شمار ہوگی؟	۳۲۷

Marfat.com

(۱۹۰)	لڑکی نے بعد از بلوغ خلع کی ڈگری لے لی تو نکاح کا حکم	۳۲۸
(۱۹۱)	نابالغہ چچازاد بہن سے اپنا نکاح کر لینے کا حکم	۳۲۸
(۱۹۲)	نکاحِ بیوگان کو برا سمجھنے والوں کا حکم	۳۲۹
(۱۹۳)	استانی سے نکاح جائز ہے	۳۳۰
(۱۹۴)	استاذ کا اپنی شاگردہ سے نکاح کا حکم	۳۳۱
(۱۹۵)	زانی کے بیٹے کا مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کرنا	۳۳۲
(۱۹۶)	مزنیہ سے حالتِ حمل میں نکاح جائز ہے	۳۳۳
(۱۹۷)	غیر زانی کا مزنیہ حاملہ عورت سے نکاح کا حکم	۳۳۳
(۱۹۸)	غیر ثابت النسب لڑکی سے نکاح کا حکم	۳۳۴
(۱۹۹)	کافر کا بعد از اسلام فوراً نکاح کرنے کا حکم	۳۳۵
(۲۰۰)	قادیانی لڑکی سے بعد از اسلام نکاح کرنا	۳۳۶
(۲۰۱)	جس سنی لڑکے کا باپ شیعہ ہو، اس سے نکاح کا حکم	۳۳۶
(۲۰۲)	صحیح العقیدہ لڑکی سے دوسرا نکاح اور اس کے بعض احکام	۳۳۷
(۲۰۳)	کافر جوڑا مسلمان ہو جائے تو نکاح کا حکم	۳۳۹
(۲۰۴)	حالتِ کفر کے عدت میں کئے گئے نکاح کا حکم	۳۴۰
	فصل فی النکاح بالکتابة والهاتف والرسائل (تحریر، موبائل، خط، میسج اور جدید آلات وغیرہ کے ذریعے نکاح کا حکم)	۳۴۱
(۲۰۵)	ٹیلیفون کے ذریعہ نکاح کا حکم	۳۴۱
(۲۰۶)	میسج پر نکاح منعقد نہیں ہوگا	۳۴۲
(۲۰۷)	انٹرنیٹ پر نکاح	۳۴۳
(۲۰۸)	بذریعہ کانفرنس کال یا کیمرے والے موبائل کے ذریعے نکاح کرنے کا حکم	۳۴۴
(۲۰۹)	فیس بک اور ٹیوٹر پر نکاح پڑھانے کا حکم	۳۴۵
(۲۱۰)	موبائل وغیرہ پر نکاح کے عدم انعقاد پر ایک شبہ کا جواب	۳۴۶

Marfat.com

(۲۱۱)	خط کے ذریعے نکاح کا حکم	۳۴۸
(۲۱۲)	بذریعہ ٹیلیفون کئے گئے نکاح سے پیدا شدہ بچے ثابت النسب ہوں گے	۳۴۹
(۲۱۳)	بذریعہ تحریر نکاح اور طلاق کے وقوع میں فرق کی وجہ	۳۵۰
(۲۱۴)	جانبین کے خط سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۳۵۱
	فصل فی الاکراہ علی النکاح (نکاح میں اکراہ کا بیان)	۳۵۲
(۲۱۵)	زبردستی ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے	۳۵۲
(۲۱۶)	عورت کو اغواء کر کے زبردستی دستخط کروانے کا حکم	۳۵۳
(۲۱۷)	زبردستی انگوٹھا لگوانے سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا	۳۵۴
	باب من یحل به النکاح ومن لا یحل (نکاح کیلئے حلال اور حرام عورتوں کا بیان)	۳۵۵
(۲۱۸)	کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے ناجائز؟	۳۵۵
(۲۱۹)	کسی عورت کو خون دینے سے وہ محرم نہیں بنتی	۳۵۷
(۲۲۰)	بیوی مرتدہ ہوجائے تو اس کی بہن سے نکاح کرنا	۳۵۸
(۲۲۱)	ارتداد سے قتل میں مرد اور عورت میں فرق کی وجہ	۳۵۹
(۲۲۲)	ممانی سے نکاح کا حکم	۳۶۱
(۲۲۳)	منہ بولی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے	۳۶۲
(۲۲۴)	چچا کی پوتی سے نکاح جائز ہے	۳۶۳
(۲۲۵)	نانی کی بہن کی بیٹی سے شادی کرنے کا حکم	۳۶۳
(۲۲۶)	نانی کی دوسرے شوہر سے ہونے والی لڑکی سے نکاح کا حکم	۳۶۴
(۲۲۷)	سابقہ شوہر کے بھانجے اور چچی کے ساتھ نکاح کا حکم	۳۶۴
(۲۲۸)	بیٹی کا نکاح رشتے کے پوتے سے کرنا جائز ہے	۳۶۵

Marfat.com

(۲۲۹)	پہلی بیوی کی لڑکی سے بیٹے کے نکاح کا حکم	۳۶۶
(۲۳۰)	باپ شریک بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز نہیں	۳۶۶
(۲۳۱)	دو سگے بہن بھائی اپنے بچوں کا رشتہ آپس میں کرا سکتے ہیں	۳۶۷
(۲۳۲)	خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے	۳۶۸
(۲۳۳)	باپ کی چچازاد بہن سے نکاح کا حکم	۳۶۹
(۲۳۴)	وٹہ سٹہ کے نکاح سے ہونے والے بچوں کا آپس میں نکاح کا حکم	۳۶۹
(۲۳۵)	دو طلاق والی عورت سے بعد از عدت دوبارہ نکاح کا حکم	۳۷۰
(۲۳۶)	بھائی کی ربیبہ (سوتیلی بیٹی) سے نکاح جائز ہے	۳۷۰
(۲۳۷)	حق زوجیت ادا کرنے سے پہلے اپنی ربیبہ سے نکاح جائز ہے	۳۷۱
(۲۳۸)	سوتیلے باپ کی بہن (سوتیلی پھوپھی) کے ساتھ نکاح جائز ہے	۳۷۲
(۲۳۹)	سگے اور سوتیلے میں فرق	۳۷۳
(۲۴۰)	لڑکی کا اپنی سوتیلی دادی کے بیٹے کے ساتھ نکاح کا حکم	۳۷۵
(۲۴۱)	بہن کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے	۳۷۶
(۲۴۲)	سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے نیز نکاح میں شرطِ فاسد لگانا	۳۷۶
(۲۴۳)	سوتیلی خالہ سے نکاح جائز ہے	۳۷۸
(۲۴۴)	باپ کی سوتیلی بہن سے نکاح جائز ہے	۳۷۹
(۲۴۵)	لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا	۳۷۹
(۲۴۶)	بیوی کی سوتیلی ماں محرم نہیں	۳۸۰
(۲۴۷)	عورت اور اس کی سوتیلی پوتی سے نکاح کا حکم	۳۸۰
(۲۴۸)	حقیقی سالی محرم نہیں بیوی کے مرنے کے بعد نکاح جائز ہے	۳۸۱
(۲۴۹)	کیا عورت کی موت پر شوہر عدت گزارے گا؟	۳۸۲
(۲۵۰)	داماد کی بہن سے نکاح کا حکم	۳۸۳
(۲۵۱)	بھابھی سے بھائی کے انتقال کے بعد نکاح جائز ہے	۳۸۴

Marfat.com

(۲۵۴)	بیٹے کی ساس نامحرم ہے پردہ ضروری ہے	۳۸۵
(۲۵۳)	باپ اور بیٹے کا دو سگی بہنوں سے نکاح کا حکم	۳۸۵
(۲۵۴)	بھائی کی ساس سے نکاح کا حکم	۳۸۷
(۲۵۵)	سوتیلے دادا اور سوتیلی نانی کی بہن سے نکاح کے جواز پر مفصل تحقیقی فتوی	۳۸۷
(۲۵۶)	بیوہ سمدھن سے نکاح کا حکم	۳۹۰
(۲۵۷)	بھائی یا بہن کسی کا دودھ پئیں تو رضاعت ثابت نہیں ہوتی	۳۹۰
(۲۵۸)	بیٹے کی مرضعہ سے نکاح کا حکم	۳۹۱
(۲۵۹)	ممانی کے مرضعہ ہونے کا شک ہو تو اس کی نواسی سے نکاح کا حکم	۳۹۱
(۲۶۰)	بھائی کی مرضعہ خالہ کے بیٹے سے نکاح جائز ہے	۳۹۲
	فصل فی نکاح أهل الكتاب والفرق المختلفة (اہل کتاب اور دیگر مذاہب اور فرقوں میں نکاح کا بیان)	۳۹۳
(۲۶۱)	کتابیہ سے نکاح کا حکم	۳۹۳
(۲۶۲)	اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے نکاح کا حکم	۳۹۶
(۲۶۳)	کیا آج کے زمانے میں صحیح اہل کتاب موجود ہیں؟	۳۹۷
(۲۶۴)	اہل کتاب سے نکاح جائز اور مشرکہ سے ناجائز ہونے کی وجہ	۳۹۸
(۲۶۵)	اہل کتاب مرد سے شادی قطعاً حرام ہے	۴۰۰
(۲۶۶)	ملازمت کے لئے جا کر غیر ملک میں عیسائی عورت سے نکاح کر لینا	۴۰۰
(۲۶۷)	بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والے سے نکاح کا حکم	۴۰۱
(۲۶۸)	بدعات کے مرتکب گھرانے میں نکاح کا حکم	۴۰۲
(۲۶۹)	غیر مقلد لڑکے سے نکاح کا حکم	۴۰۳
(۲۷۰)	مودودی ذہنیت رکھنے والے سے نکاح کرنا	۴۰۴

Marfat.com

	باب من یحرم به النکاح، وفیه فصول فصل فی المحرمات بالنسب (بوجہ نسب حرام عورتوں کا بیان)	۴۰۶
(۲۷۱)	محارم کون ہیں؟	۴۰۶
(۲۷۲)	محرمات ابدیہ سے نکاح جائز نہیں	۴۰۷
(۲۷۳)	خالہ کا بھانجے سے نکاح جائز نہیں	۴۰۸
(۲۷۴)	سوتیلے ماموں اور سوتیلی خالہ سے نکاح کا حکم	۴۰۸
(۲۷۵)	ساس کا داماد سے نکاح حرام ہے	۴۰۹
(۲۷۶)	دادا وغیرہ کی بہن سے نکاح کا حکم	۴۱۰
(۲۷۷)	بیٹے نے بہو کو دخول سے قبل طلاق دی تو بہو سے نکاح کا حکم	۴۱۱
(۲۷۸)	سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے	۴۱۱
(۲۷۹)	بیوی کی سوتیلی بہن اور داماد سے نکاح حرام ہے	۴۱۲
(۲۸۰)	دو جڑی ہوئی بہنوں کے نکاح کا حکم	۴۱۳
(۲۸۱)	دو جڑی ہوئی بہنوں کے نکاح سے متعلق بعض شبہات کا جواب	۴۱۳
	فصل فی المحرمات بالرضاع (بوجہ رضاعت حرام عورتوں کا بیان)	۴۱۵
(۲۸۲)	حرمت رضاعت سے کن لوگوں سے نکاح حرام ہوجاتا ہے	۴۱۵
(۲۸۳)	حرمت رضاعت اور نسب میں کن رشتوں میں فرق ہے	۴۱۶
(۲۸۴)	رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے	۴۱۸
(۲۸۵)	رضاعی ماموں سے نکاح درست نہیں	۴۱۹
(۲۸۶)	رضاعی ماں کی اخیافی بہن سے نکاح کا حکم	۴۲۰
(۲۸۷)	اگر نانی کا دودھ پیا ہو تو اپنی خالہ زاد سے نکاح جائز نہیں	۴۲۰

Marfat.com

(۲۸۸)	بیوی کی رضاعی یا سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کا حکم	۴۲۱
(۲۸۹)	رضاعی بہن بھائی کے سگے بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز ہے	۴۲۱
(۲۹۰)	رضاعی ماں کی نواسی سے نکاح جائز نہیں	۴۲۲
(۲۹۱)	جنس تبدیل کرانے سے رضاعت کے احکام	۴۲۳
	فصل فی الحرمة المصاهرة (حرمت مصاھرت کا بیان)	۴۲۵
(۲۹۲)	حرمت مصاہرت کے ثبوت کی شرائط	۴۲۵
(۲۹۳)	حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لئے لڑکی کا نو برس کا ہونا شرط ہے	۴۲۶
(۲۹۴)	حرمت مصاہرت سے بیوی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوجاتی ہے	۴۲۷
(۲۹۵)	حرمت مصاھرت میں [المرأة کالقاضی] کے قاعدہ کا اجراء	۴۲۷
(۲۹۶)	شوہر کی تصدیق کے بعد بیوی کا رجوع عن الاقرار درست نہیں	۴۲۹
(۲۹۷)	حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقط شوہر کی تصدیق کی اہمیت کیوں؟	۴۳۰
(۲۹۸)	شامیہ کی ایک عبارت مے سسر اور دیور کی تصدیق بھی ضروری ہونے کے شبہ کا جواب	۴۳۳
(۲۹۹)	کسی کی عزت و وجاہت کی وجہ سے حرمت ساقط نہیں ہوتی	۴۳۵
(۳۰۰)	شہوت سے چھونے سے حرمت مصاہرت موجب حد نہیں	۴۳۵
(۳۰۱)	شہوت کے ساتھ چھوئی ہوئی عورت کی بیٹی سے نکاح کا حکم	۴۳۶
(۳۰۲)	نانا کا نواسے کی بیوی کو شہوت سے چھونا	۴۳۷
(۳۰۳)	سوتیلی بیٹی کو شہوت سے چھونے کا حکم	۴۳۷
(۳۰۴)	بوڑھے سسر کا بہو سے بوسہ لینے کا حکم	۴۳۹
(۳۰۵)	نکاح اور زنا سے ثابت حرمت مصاہرت میں فرق	۴۴۱
(۳۰۶)	شک کی بنا پر حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی	۴۴۳
(۳۰۷)	وسوسہ والا شخص کیا کرے؟	۴۴۴
(۳۰۸)	حرمت مصاہرت میں مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز نہیں	۴۴۵

Marfat.com

(۳۰۹)	حرمت مصاہرت کی حدیث میں راوی ابو ہانی یا ام ہانی کی تحقیق	۴۴۶
(۳۱۰)	زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے	۴۴۷
(۳۱۱)	زانیہ کی بیٹی سے نکاح کا حکم	۴۴۸
(۳۱۲)	بیٹے کو شہوت سے چھونے کے باوجود حرمت ثابت نہ ہونے کی وجہ	۴۴۹
(۳۱۳)	عورت کے جماع کے قابل بچے کو چھونے سے حرمت ثابت ہوجائے گی	۴۵۰
(۳۱۴)	سسر کا شہوت سے بہو کے چہرے پر ہاتھ لگانے کا حکم	۴۵۱
(۳۱۵)	ساس سے مصافحے کا حکم	۴۵۳
(۳۱۶)	باپ کا بہو سے زنا کرنے کی وجہ سے قطع تعلق کا حکم	۴۵۴
(۳۱۷)	خبیث الطبع باپ کا شہوت سے بیٹی کو سینے سے لگا لینے کا حکم	۴۵۴
(۳۱۸)	باپ کا بیٹی سے زنا کرنے سے بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی	۴۵۵
(۳۱۹)	کافرہ عورت سے زنا کی صورت میں حرمت مصاہرت	۴۵۶
	رسالة: رموز النصّ اذا أخطا فی المس	۴۵۸
(۳۲۰)	شہوت کے ساتھ بیٹی کو ہاتھ لگ جانے کا حکم	
(۳۲۱)	مذکورہ فتوی پر ایک اشکال کا جواب	
(۳۲۲)	وطی فی الدبر سے حرمت مصاہرت کا حکم	۴۶۲
(۳۲۳)	خون دینے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت	۴۶۲
(۳۲۴)	موٹر سائیکل پر عورت کو ساتھ بٹھانے سے حرمت مصاہرت کا حکم	۴۶۳
(۳۲۵)	اسکول میں مس سے مصافحہ کرنے کا حکم	۴۶۴
(۳۲۶)	سسر کے پاؤں دبانے سے نکاح کا حکم	۴۶۵
(۳۲۷)	بخار چیک کرنے کیلئے ماتھے پر ہاتھ رکھنے سے حرمت مصاہرت کا حکم	۴۶۶
(۳۲۸)	چوڑیاں پہنانے سے حرمت مصاہرت کا حکم	۴۶۷
(۳۲۹)	کسی عورت سے ٹکرا جانے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت	۴۶۸
(۳۳۰)	ہیجڑے سے حرمت مصاہرت کا حکم	۴۶۹

Marfat.com

(۳۳۱)	شہوت سے چھونے کی صورت میں انزال ہوجانے کا حکم	۴۷۰
(۳۳۲)	ثبوت مصاہرت کے بعد اگر لڑکی کے لئے علیحدگی کی کوئی سبیل نہ ہو	۴۷۱
	فصل فی المحرمات بالجمع (جن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے)	۴۷۳
(۳۳۳)	کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے	۴۷۳
(۳۳۴)	کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں	۴۷۴
(۳۳۵)	بیوی اور اس کی رضاعی یا سوتیلی ماں کو جمع کرنے میں فرق کی وجہ	۴۷۵
(۳۳۶)	دو بہنوں کو کسی صورت میں نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں؟	۴۷۷
(۳۳۷)	پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے نکاح کالعدم ہوگا	۴۷۸
(۳۳۸)	کیا جمع بین الاختین کے اصول سے کوئی صورت مستثنیٰ ہے	۴۷۹
(۳۳۹)	بھانجی، خالہ سے بیک وقت نکاح ناجائز ہے	۴۸۰
(۳۴۰)	بیوی کے محرم سے نکاح یا زنا کے بعد بیوی سے ہمبستری کا حکم	۴۸۱
(۳۴۱)	مطلقہ عورت کی بھتیجی سے نکاح کرنا	۴۸۲
(۳۴۲)	بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو ایک نکاح میں جمع کرنے پر ایک اشکال و جواب	۴۸۳
(۳۴۳)	بیوی کی عدت میں اسکی بہن سے نکاح کرنے کا حکم	۴۸۴
(۳۴۴)	سالی کی لڑکی سے بیوی کی موجودگی میں نکاح حرام ہے	۴۸۵
(۳۴۵)	عورت کا اپنے بہنوئی سے حلالہ کرانے کا حکم	۴۸۶
(۳۴۶)	باپ بیٹے کا دو سگی بہنوں کے ساتھ نکاح کا حکم	۴۸۷
(۳۴۷)	باپ شریک بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے	۴۸۸
(۳۴۸)	بیوی کے غائب ہونے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح کا حکم	۴۸۹

Marfat.com

	فصل فی المحرمات لاختلاف الدین (دین کے اختلاف کے باعث حرام عورتوں کا بیان)	۴۹۰
(۳۴۹)	عیسائی مرد سے نکاح قطعاً باطل ہے	۴۹۰
(۳۵۰)	شیعہ لڑکے سے نکاح کا حکم	۴۹۱
(۳۵۱)	آغاخانیوں سے نکاح حرام ہے	۴۹۲
(۳۵۲)	اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھنے والے شخص سے نکاح کا حکم	۴۹۳
(۳۵۳)	آغاخانی، اسماعیلی اور بوہریوں سے نکاح کا حکم	۴۹۴
(۳۵۴)	کیا ہندو لڑکی سے نکاح اہل کتاب سے نکاح شمار ہوگا؟	۴۹۸۰
(۳۵۵)	جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق نہ سمجھے اس سے نکاح کا حکم	۴۹۹
(۳۵۶)	کافرہ عورت سے نکاح کی صورت میں بچے کے نسب کا حکم	۵۰۱
(۳۵۷)	ہندو لڑکی سے زنا کے بعد پیدا شدہ بچے کے نسب اور اسلام کا حکم اور شامیہ کی تحقیق	۵۰۱
(۳۵۸)	کفار کے آپس میں کئے گئے نکاح کا حکم	۵۰۳
	فصل فی المحرمات لحق الغیر (غیر کے حق کی بناء پر حرام عورتوں کا بیان)	۵۰۵
(۳۵۹)	منکوحۃ الغیر سے نکاح کا حکم	۵۰۵
(۳۶۰)	مطلقہ ثلاثہ سے اس کی عدت میں نکاح کرنے کا حکم	۵۰۶
(۳۶۱)	عورت سے عدت میں نکاح کرنا حرام ہے	۵۰۷
(۳۶۲)	عدت میں کئے گئے نکاح کی عدت کا حکم	۵۰۸
(۳۶۳)	دعویٰ تنسیخ نکاح کے بعد قاضی کا دوسرا نکاح پڑھا دینے کا حکم	۵۰۹
(۳۶۴)	منکوحہ کا جان بوجھ کر دوسرا نکاح پڑھانے والے کا حکم	۵۱۰
(۳۶۵)	کیا پھانسی کی سزا سے بیوی کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے	۵۱۱

Marfat.com

	باب فی الأنکحة الفاسدة (انکحہ فاسدہ کا بیان)	۵۱۲
(۳۶۶)	نکاحِ فاسد میں مہر اور عدت کا حکم	۵۱۲
(۳۶۷)	نکاحِ فاسد میں احصان کا ثبوت؟	۵۱۳
(۳۶۸)	نکاحِ فاسد میں مرد کے دخول سے انکار کا حکم	۵۱۴
(۳۶۹)	دوران عدت معتدہ کیلئے اپنی بیٹی کی منگنی کرانے کا حکم	۵۱۴
	رسالة: الحد الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل	۵۱۷
(۳۷۰)	نکاح فاسد اور باطل کی جامع تعریف، فرق اور ان کا حکم	
(۳۷۱)	لڑکی کا بوقتِ نکاح انکار کے بعد راضی ہونے کا حکم	۵۳۸
(۳۷۲)	خنثیٰ کے نکاح کے احکام	۵۳۹
	رسالة: درر البحار فی النکاح الشغار	۵۴۰
(۳۷۳)	ادلے بدلے (وٹہ سٹہ) کے نکاح کی شرعی حیثیت	
(۳۷۴)	عمر یا تعلیم وغیرہ میں دھوکہ دہی سے فسخِ نکاح کا اختیار ہوگا یا نکاح کالعدم ہوگا	۵۴۳
(۳۷۵)	نکاح فاسد کی صورتیں اور حکم	۵۴۴
(۳۷۶)	گواہوں کے بغیر خفیہ نکاح کا حکم	۵۴۶
(۳۷۷)	کیا نکاح فاسد میں قاضی سے تفریق کرانا ضروری ہے	۵۴۷
(۳۷۸)	نکاحِ فاسد میں تین طلاقیں دینے کے بعد حلالے کا حکم	۵۴۸
	رسالة: تحریر الکاتب فی بیان أحکام النکاح الفاسد	۵۴۹
(۳۷۹)	نکاحِ فاسد کے احکام اور تفریق کیلئے متارکت یا فسخ کرنا	
(۳۸۰)	غیر کفوء میں نکاح سے پیدا شدہ بچے کے نسب کا حکم	۵۵۴
(۳۸۱)	نکاح فاسد میں بچے کے نسب کے ثبوت پر اشکال کا جواب	۵۵۴

۱۵۹۳۰۲
Marfat.com

	فصل فی المتعة والنکاح المؤقت والمسیار (متعہ اور نکاح موقت کی حرمت اور نکاح مسیار کا بیان)	۵۵۸
(۳۸۲)	متعہ کی حقیقت	۵۵۸
(۳۸۳)	رسالة: کشف الظنون عن مصداق متعة خیر القرون متعہ کے مصداق سے متعلق مفصل تحقیق اور بعض شبہات کا ازالہ	۵۵۹
(۳۸۴)	نکاح موقت باطل ہے نیز نکاح بشرط الطلاق کا حکم	۵۷۶
(۳۸۵)	ایک سال تک ساتھ رہنے کی شرط پر نکاح کرنا	۵۷۷
(۳۸۶)	متعہ اور موقت عقد میں فرق	۵۷۸
(۳۸۷)	بنیت طلاق نکاح کا حکم	۵۷۹
(۳۸۸)	واپسی پر طلاق کی نیت سے بیرون ملک میں شادی کرنا	۵۸۰
(۳۸۹)	نکاح مسیار کا حکم	۵۸۲
	فصل فی نکاح زوجة المفقود والغائب (مفقود اور غائب شخص کی بیوی سے نکاح کا بیان)	۵۸۵
(۳۹۰)	غائب شخص کی بیوی کے نکاح کا حکم	۵۸۵
(۳۹۱)	تبلیغ میں جانے والے شخص کے غائب ہوجانے کا حکم	۵۸۷
(۳۹۲)	جہاد میں غائب شخص کی بیوی سے نکاح کا حکم	۵۸۸
(۳۹۳)	سیلاب میں لاپتہ شخص کی بیوی کیلئے حکم	۵۹۰
(۳۹۴)	پھانسی کے سزایافتہ کی بیوی کے نکاح کا حکم	۵۹۱
(۳۹۵)	عمر قید کے سزایافتہ کی بیوی کا حکم	۵۹۲
(۳۹۶)	مفقود کی واپسی پر عورت کیلئے عدت گزارنے کی وجہ	۵۹۳

Marfat.com

	باب فی أحکام الکفر والارتداد (نکاح میں کفر اور ارتداد کا بیان)	۵۹۵
(۳۹۷)	عورت کا یہ کہنا کہ "ایسی شریعت کو آگ لگادو"	۵۹۵
(۳۹۸)	لڑکی کے عیسائی ہوجانے سے نکاح ٹوٹنے پر ایک اشکال کا جواب	۵۹۶
(۳۹۹)	امداد کیلئے قادیانیت کے اقرار نامے پر دستخط کا حکم	۵۹۷
	باب فی الرسوم (شادی میں رائج رسوم کا بیان)	۵۹۹
(۴۰۰)	شادی کی تقریبات سادہ اور سنت کے مطابق ہونی چاہئیں	۵۹۹
(۴۰۱)	مایوں کی رسم کی شرعی حیثیت	۶۰۰
(۴۰۲)	مہندی کی مروّجہ رسم نیز رخصتی کا شرعی طریقہ کار	۶۰۱
(۴۰۳)	جوتا چھپائی کی رسم شریعت کی نظر میں	۶۰۳
(۴۰۴)	بوقتِ حمل لڑکے کے گھر والوں کو کپڑے وغیرہ دینے کا حکم	۶۰۴
(۴۰۵)	نیوتہ کی رسم کی شرعی حیثیت	۶۰۶
(۴۰۶)	ننھیاری اور چھوچھک نامی رسوم کا حکم	۶۰۷
(۴۰۷)	دولہا کو پھولوں یا نوٹوں کا ہار اور انگوٹھی پہنانے کا حکم	۶۰۹
(۴۰۸)	شادی میں ڈھول بجانے کو دف پر قیاس کرنا	۶۱۰
(۴۰۹)	رخصتی کے وقت لڑکی پر قرآن کا سایہ کرنا	۶۱۳
(۴۱۰)	شادی کے موقع پر سہرا باندھنا	۶۱۳
(۴۱۱)	شادی کے موقع پر سفید کپڑے اور سیاہ عمامہ باندھنا	۶۱۴
(۴۱۲)	دولہا سے پیسے لینا، شادی میں فائرنگ اور روپوں کا ہار ڈالنے کا حکم	۶۱۵
(۴۱۳)	شادی کارڈ چھپوانے اور شادی کیلئے ہال بک کرانے کا حکم	۶۱۶
(۴۱۴)	لڑکے والوں سے ہی پیسے لے کر ان کی دعوت کرنا	۶۱۷

Marfat.com

(۴۱۵)	کیا لڑکی پر چچازاد کا حق ہے	۶۱۸
(۴۱۶)	ون ڈش پر پابندی اور بارہ بجے ہال بند کرانے کا حکم	۶۱۹
(۴۱۷)	مسجد میں نکاح پڑھوانے کا حکم	۶۲۰
(۴۱۸)	شادی میں کن چیزوں کیلئے قرض لیا جاسکتا ہے	۶۲۱
(۴۱۹)	کیا خوشی کے وقت ہر رسم جائز ہوتی ہے؟	۶۲۳
(۴۲۰)	شادی کے موقع کی مختلف رسوم اور امور سے متعلق چند سوالات	۶۲۴
(۴۲۱)	رسم ورواج دنیا وآخرت کے نقصان کا باعث ہیں	۶۲۵

Marfat.com

Marfat.com

كتاب النكاح [١]

Marfat.com

Marfat.com

باب الحکم الشرعی للنکاح ومشروعیتہ

(نکاح کی شرعی حیثیت اور اسکی مشروعیت کا بیان)

(۱) نکاح کی مشروعیت کب ہوئی؟ نیز گزشتہ شرائع میں نکاح کا طریقہ کار کیا تھا؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کی سنت کب جاری ہوئی؟ اور سابقہ شرائع میں اس کا کیا طریقہ تھا؟ خاص طور پر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح کیسے ہوا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے لغوی معنی دو چیزوں کو ملانا یا آپس میں تداخل کرنا ہے اور اصطلاح شریعت میں مرد وعورت میں سے ایک کا ایجاب اور دوسرے کا قبول کرنا یا ایک شخص کا کلام جو طرفین کے کلام کے قائم مقام ہو سکے، کو نکاح کہا جاتا ہے۔ نکاح کا حکم اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مرد کو اپنی بیوی کے تمام اعضاء سے فائدہ اٹھانے کیلئے مخصوص کر دیا جائے۔ نکاح کا مقصد اصلی توالد وتناسل اور پاکیزگی نفس وعفت کا حصول ہے۔ نکاح کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ نکاح کے اندر رکن اصلی ایجاب وقبول کرنا ہے جیسا کہ خرید وفروخت کے وقت اصل ایجاب وقبول ہوتا ہے، اس لئے کہ نکاح من وجہٍ ایک معاملہ ہے۔

نکاح کے حکم اور اس کے مقصد کی وضاحت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس حکم اور مقصد کیلئے نکاح کو مشروع قرار دیا گیا ہے وہ تمام انسانوں میں برابر پایا جاتا ہے۔ اسی علت کی بنیاد پر نکاح تمام مذاہب کے اندر جائز رہا ہے اور اسلام نے بھی کفار وغیر مسلمین کے وہ نکاح جو ان کے درمیان ان کے عقائد ونظریات کی بنیاد پر منعقد ہوئے ہوں ان کو روا رکھا ہے بلکہ زمانہ جاہلیت کے جو نکاح اسلام سے قبل ہوئے ان کو بھی شریعت نے نکاح ہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ولدت من نکاح لا من سفاح"

''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، زنا سے نہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ نکاح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

Marfat.com

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے منعقد کیا ہے جیسا کہ تاریخ طبری اور المنتظم فی تاریخ الملوک والامم میں اس بات کی صراحت ہے اسی کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ ہے:

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرة: ٣٥)

دیگر انبیاء کرام کی شرائع میں بھی نکاح کا یہی طریقہ رہا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کا واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے:

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ الآية

مبتدا شرائط وغیرہ میں جزوی اختلاف عین ممکن ہے لیکن اصل کیفیت ایجاب وقبول ہی رہی ہے شریعت اسلامیہ میں بھی نکاح کو اسی اصل پر باقی رکھ کر اس کی شرائط وحدود کو مقرر کیا گیا ہے جس کی تفصیل آیات قرآنیہ اور کتب احادیث وفقہ میں موجود ہے (مثلاً مہر کا واجب ہونا، گواہوں کا شرط ہونا وغیرہ) اس تمام تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نکاح انبیاء مرسلین کی سنت ہے اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک نکاح کا جزء اصلی ایجاب وقبول رہا ہے یہی طریقہ انبیاء کرام کے نکاحوں کا اور دیگر تمام انسانوں کے نکاحوں کا رہا ہے جو آج تک لوگوں میں رائج ومروج ہے۔

[illegible] وقول شعيب عليه السلام: إني أريد أن أنكحك الآية ظاهر في أنه عرض لرأيه على موسى عليه السلام واستدعاء منه للعقد ـــ وقال بعضهم: يجوز أن تكون الشرائع مختلفة في أمر الانكاح فلعل إنكاح المبهمة جائز في شريعة شعيب عليه السلام ويكون التعيين للولي أو للزوج وكذا جعل خدمة الولي صداقا ـــ والذي يميل إليه القلب اختلاف الشرائع في موجب النكاح

وفي تاريخ طبري (١/٥٠): عن ابن مسعود رضي الله عنه فأخرج إبليس من الجنة حين لعن وأسكن آدم الجنة فكان يمشي فيها وحشاً ليس له زوج يسكن إليها فنام نومة فاستيقظ فإذا عند رأسه امرأة قاعدة خلقها الله من ضلعه فسألها ما أنت؟ قالت امرأة قال ولم خلقت؟ قالت لتسكن إلي قالت له الملائكة ـــ ما اسمها يا آدم؟ قال حواء. قالوا لم سميت حواء؟ قال لأنها خلقت من شيء حي فقال الله تبارك وتعالى يا آدم اسكن أنت وزوجك الجنة ـــ وبعد أسطر: حتى خلق الله تعالى من ضلعه تلك زوجه حواء فسواها امرأة ليسكن إليها فلما كشف عنه السنة وهب من نومته رآها إلى جنبه فقال فيما يزعمون والله أعلم لحمي ودمي وزوجتي فسكن إليها فلما زوجه الله عز وجل وجعل له سكنا من نفسه قال له الخ

وفي الدر المختار (٣/١٨٣): (كل نكاح صحيح بين المسلمين فهو صحيح بين أهل الكفر) خلافا

Marfat.com

لمالك ويرده قوله تعالى {وامرأته حمالة الحطب} وقوله عليه الصلاة والسلام ولدت من نكاح لا من سفاح۔

وفی الردّ تحته:قوله {وامرأته حمالة الحطب} أي فهذه الإضافة قاضية عرفا ولغة بالنكاح۔۔۔ قوله (ولدت من نكاح لا من سفاح)۔۔۔وقد استدل بالحديث المذكور في الفتح أيضا ووجهه أنه سمى ما وجد قبل الإسلام من أنكحة الجاهلية نكاحا۔

(۲) نکاح کی شرعی حیثیت (یعنی نکاح کا مسنون، واجب اور حرام ہونا)

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص نے تمام عمر شادی نہیں کی یا عورت نے شادی نہیں کی کیا وہ گناہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ شادی کرنا اسلام میں ضروری اور مستقل سنت ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

نکاح کرنا تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے اگر کوئی شخص نکاح پر قدرت کے باوجود ساری عمر نکاح نہیں کرتا تو وہ تارک سنت ہوگا۔ اگر زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو، اور مہر اور نفقہ پر بھی قادر ہو تو نکاح کرنا واجب ہے، اگر نکاح نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا اور اگر نکاح کرنے کے بعد ظلم اور بیوی کے حقوق ضائع ہونے کا یقین ہو تو نکاح کرنا حرام ہے اور اگر یقین نہ ہو بلکہ اندیشہ ہو تو نکاح کرنا مکروہ ہے۔ عام حالت میں جب مہر اور نفقہ وغیرہ پر قدرت ہو تو اصح قول کے مطابق نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس صورت میں بھی نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

لما في القرآن الكريم (الرعد:۳۸): وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَّأْتِيَ بِآيَةٍ ۔الآية۔

وفيه أيضا (النساء:۳):وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفی الصحيح للمسلم (۴۴۹/۱): عن أنس رضی اللہ عنہ أن نفرا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم سألوا أزواج النبي صلى الله عليه وسلم عن عمله في السر فقال بعضهم لا أتزوج النساء وقال بعضهم لا آكل اللحم وقال بعضهم لا أنام على فراش فحمد الله وأثنى عليه فقال ما بال أقوام قالوا كذا وكذا

Marfat.com

لكني أصلي وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني ۔

وفی الشامیة(٣/٧): قوله(سنة مؤكدة في الأصح) وهو محمل القول بالاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنةوقيل فرض كفاية وقيل واجب كفاية وتمامه في الفتح وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حال الاعتدال الاقتداء بحاله في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله۔۔۔ قوله(فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة بحر۔

(٣) بیوی کے حقوق ادا نہ کرسکنے کے خوف سے نکاح نہ کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بندہ کہتا ہے میں شادی نہیں کروں گا کیونکہ میں جہاد کروں گا، دوسرا بندہ کہتا ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحدیث سے اعراض کررہے ہو، وہ شخص جواب میں کہتا ہے کہ میں سنت سے اعراض نہیں کررہا ہوں بلکہ مجھے اپنے آپ پہ بھروسہ نہیں کہ میں اپنی بیوی کے حقوق ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟

برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ کون حق پر ہے؟ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

فقہائے کرام نے نکاح کے چھ (٦) درجے بیان کئے ہیں:

١۔حالت اعتدال میں سنت مؤکدہ ہے یعنی جب ایک آدمی جماع، مہر اور بیوی کے نان نفقہ کی طاقت رکھتا ہو نیز زنا اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو، اسی طرح فرائض اور سنن کے چھوڑنے کا خوف بھی نہ ہو تو اس حالت میں نکاح سنت مؤکدہ ہے۔

٢۔اگر نکاح نہ کرنے کی وجہ سے زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو تو واجب ہے۔

٣۔اگر زنا میں واقع ہونے کا یقین ہو تو فرض ہے۔

٤۔اگر بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے اور اس پر ظلم کرنے کا خطرہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

٥۔اگر بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے اور اس پر ظلم کرنے کا یقین ہو تو حرام ہے۔

٦۔اگر صرف یہ خطرہ ہو کہ بیوی کے حقوق ادا نہیں کرسکے گا تو مباح ہے۔

پس صورت مسئولہ میں اگر یہ شخص اس وجہ سے نکاح نہیں کرتا کہ اسے اپنے آپ پر یہ بھروسہ نہیں کہ وہ بیوی کے حقوق ادا کرسکے گا یا نہیں، تو اس حالت میں وہ سنت سے اعراض کرنے والا نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ شخص جماع پر قدرت رکھتا ہے نیز مہر نان نفقہ اور

Marfat.com

سکنی کا انتظام کرسکتا ہے تو اس کے حق میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہوگا۔

لمافی المرقاة(٦/٢٣٧):قال بعضهم هو واجب بالإجماع لأنه يغلب على الظن أو يخاف الوقوع في الحرام وفي النهاية إن كان له خوف وقوع الزنا بحيث لا يتمكن من التحرز إلا به كان فرضا وعند خوف الجور مكروه وأما في حالة الاعتدال فدؤاد وأتباعه من أهل الظاهر على أنه فرض عين على القادر على الوطء والإنفاق تمسكا بقوله تعالى فانكحوا ما طاب لكم من النساء النساء واختلف مشايخنا فقيل فرض كفاية وقيل واجب على الكفاية وقيل مستحب وقيل سنة مؤكدة وهو الأصح وهو أقرب إلى العبادات حتى أن الاشتغال به أفضل من التخلي عنه لمحض العبادة۔

وفی الدرالمختار، كتاب النكاح (٣/٦):(ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية ۔۔۔ (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال) أي القدرة على وطء ومهر ونفقة ۔۔۔ (ومكروها لخوف الجور) فإن تيقنه حرم ذلك۔

وفی الشامية (٣/٧) : مطلب كثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: قوله (سنة مؤكدة في الأصح) وهو محمل القول بالاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة وقيل فرض كفاية وقيل واجب كفاية وتمامه في الفتح وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حالة الاعتدال الاقتداء بحاله ﷺ في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اه وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي للنوافل قوله (فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة ، بحر ۔۔۔۔ قوله (أي القدرة على وطء)۔۔۔ والمراد حالة القدرة على الوطء والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور وترك الفرائض والسنن فلو لم يقدر على واحد من الثلاثة أو خاف واحدا من الثلاثة أي الأخيرة فليس معتدلا فلا يكون سنة في حقه كما أفاده في البدائع اهـ۔۔۔ قوله (ومكروها) أي تحريما ،بحر قوله (فإن تيقنه) أي تيقن الجور حرم لأن النكاح إنما شرع لمصلحة تحصين النفس وتحصيل الثواب وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد بحر وترك الشارح قسما سادسا ذكره في البحر عن

Marfat.com

المجتبی وهو الإباحة إن خاف العجز عن الإيفاء بموجبه اهـ أي خوفا غير راجح وإلا كان مكروها تحريما لأن عدم الجور من مواجبه والظاهر أنه إذا لم يقصد إقامة السنة بل قصد مجرد التوصل إلى قضاء الشهوة ولم يخف شيئا لم يثب عليه إذ لا ثواب إلا بالنية فيكون مباحا أيضا كالوطء لقضاء الشهوة۔

(۴) لڑکی کا اپنی زندگی والدین اور بھائیوں کو بخش دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے جب کوئی لڑکی شادی نہیں کرنا چاہتی تو کہتی ہے کہ میں نے اپنی زندگی والدین یا بھائیوں کو بخش دی اور میں شادی نہیں کروں گی پھر خاندان کا کوئی فرد اسے مجبور نہیں کرتا آیا اس طرح کا طرز عمل درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

احادیثِ طیبہ میں نکاح کے جتنے فضائل اور ترغیب بیان ہوئی ہے اسے دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی شان یہ نہیں کہ وہ بغیر نکاح کے زندگی گزارے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق یہ علم ہوا کہ وہ بغیر نکاح کے پوری زندگی نماز، روزوں اور عبادات میں گزارنا چاہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سخت تردید کرتے ہوئے فرمایا:

"ما بال أقوام قالوا كذا و كذا لكنی أصلی وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فليس منی"

"یعنی ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایسی باتیں کرتے ہیں لیکن میں تو نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، پس جو بھی میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ (میرے متبعین میں) سے نہیں۔"

(مسلم ۱/۴۴۹)

خصوصاً ایک عورت ذات کا مسئلہ انتہائی نازک ہوتا ہے وہ چاہے معاشرے میں جس حیثیت کی بھی حامل ہو مرد کی محتاج رہتی ہے۔ یہ پہاڑ جیسی زندگی عورت کے لئے تنہا بغیر نکاح کے گزارنا انتہائی نامناسب ہے۔ نکاح سے تو انسان کی عزت و عصمت محفوظ ہوتی ہے اور وہ ایک کامیاب زندگی گزارنے کا اہل بنتا ہے۔ بغیر نکاح کے انسان کسی نہ کسی پر مستقل بوجھ بن جاتا ہے نیز معاشرے میں بھی اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

ایک حدیث شریف میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ "من تبتل فليس منا" جو بے نکاحی کی

Marfat.com

زندگی اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (کنز العمال ۱۶/ ۲۷۲)

نیز آپ ﷺ کی اسوۂ مبارکہ ہمارے لئے راہِ عمل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں متعدد نکاح فرمائے ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ان عورتوں کو اپنا طرزِ عمل تبدیل کرنا ضروری ہے ورنہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ ان کا یہ کہہ دینا کہ ہم نے اپنی زندگی والدین یا بھائیوں کو بخش دی شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں نیز والدین اور بھائیوں کو بھی اپنے کندھوں پر عائد اس بھاری ذمہ داری کا ادراک کرتے ہوئے چاہیئے کہ جوڑ کا رشتہ ملتے ہی سمجھا بجھا کر ان کا نکاح کر دیں اور اپنے اوپر عائد اس ذمہ داری سے بطریقہ احسن سبکدوش ہو کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کی کوشش کریں ورنہ آخرت میں پکڑ کا اندیشہ ہے۔ یہی قرآن و سنت کا راستہ ہے اور اسی میں خیر و برکت ہوگی۔

لما في المسلم (۴۴۹/۱۰): عن أنس رضی اللہ عنہ أن نفرا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم سألوا أزواج النبي صلى الله عليه وسلم عن عمله في السر فقال بعضهم لا أتزوج النساء وقال بعضهم لا آكل اللحم وقال بعضهم لا أنام على فراش فحمد الله وأثنى عليه فقال ما بال أقوام قالوا كذا وكذا لكني أصلي وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني ۔

وفي الشامية (۷/۳) : مطلب كثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: قوله (سنة مؤكدة في الأصح) وهو محمل القول بالاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة۔ وقيل فرض كفاية وقيل واجب كفاية وتمامه في الفتح وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حالة الاعتدال الاقتداء بحاله صلى اللہ علیہ وسلم في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اهـ۔۔۔ قوله (فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم۔

(۵) ادائیگی قرض سے قبل نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں چاہتا ہوں، میرا نکاح جلدی ہو جائے، لیکن میرے اوپر قرضہ ہے، یہ بات لڑکی کے گھر والوں کو بھی معلوم ہے، لہٰذا اگر وہ نکاح کرنے میں تاخیر کریں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟؟؟ کیا قرضے کی ادائیگی تک نکاح کو مؤخر کرنا درست ہے؟ برائے مہربانی اطمینان بخش جواب عنایت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

مقروض آدمی قرض کی ادائیگی سے پہلے شادی کرسکتا ہے۔مقروض ہونا نکاح کے درمیان شرعاً رکاوٹ نہیں۔آپ کو یقین ہو کہ نکاح کے بعد حقوق زوجیت صحیح طور پر ادا کرسکیں گے نیز لڑکی کے نان ونفقہ اور رہائش کا بھی انتظام کرسکیں گے تو لڑکی والوں کیلئے کسی قسم کا اعتراض کرنا اور رکاوٹ ڈالنا درست نہیں۔اگر آپ کو نفس پر کنٹرول نہ ہونے کا یقین ہو اور گناہ میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہو اور نان ونفقہ وغیرہ پر قدرت بھی ہو تو نکاح کرنا ضروری ہے البتہ اگر آپ قرض کی وجہ سے نان ونفقہ نہیں دے سکتے تو آپ کے لئے نکاح کی گنجائش نہیں،اس صورت میں آپ روزے رکھ کر اپنی خواہش کو دبائیں۔آپ اور آپ کے والدین لڑکی کے والدین سے مشورہ کریں اور مشورہ میں جو بات طے ہو،اس پر عمل کریں۔

لمافی المشکوۃ (۲۶۷): قال رسول اللہ ﷺ: " یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء "

وفی حاشیة المشکوۃ فی قوله (الباءۃ) : فیه حذف المضاف أی مؤنة الباءۃ من المهر والنفقة لأن قوله ومن لم یستطع عطف علی من استطاع ولو حمل الباءۃ علی الجماع لم یستقم۔

وفی الشامیة (۶/۳): (قوله:وعند التوقان)--- والمراد شدة الاشتیاق کما في الزیلعي أي بحیث یخاف الوقوع في الزنا لو لم یتزوج --- قوله (وهذا إن ملك المهر والنفقة) --- قلت ومقتضاه الکراهة أیضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أیضا۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۵۱۶/۹):ورأی الحنفیة: أن الزواج واجب إذا خاف المرء الوقوع في الفاحشة بعدم الزواج خوفاً دون الیقین، وکان قادراً علی مؤن الزواج، من مهر ونفقة، ولایخاف ظلم المرأة ولا التقصیر في حقها --- یستحب عند الجمهور غیر الشافعي الزواج إذا کان الشخص معتدل المزاج، بحیث لا یخشی الوقوع في الزنا إن لم یتزوج، ولا یخشی أن یظلم زوجته إن تزوج وحالة الاعتدال هذه هي الغالبة عند أکثر الناس۔

(۶) شادی کیلئے قرض لینے پر ایک شبہ کا حل

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہاء نے نکاح کیلئے استدانۃ (قرض لینے) کو مستحب لکھا ہے۔خاص طور پر علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار میں اس کا مندوب (یعنی مستحب) ہونا نقل کیا ہے۔میں ذرا تشویش کا شکار ہو گیا ہوں

Marfat.com

چند سال قبل درسِ نظامی سے فاضل ہوں اور ایک مدرسے میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔ یہ مسئلہ کچھ عجیب نوعیت کا لگا، کیونکہ ہم نے تو آج تک یہ پڑھا پڑھایا تھا کہ بوقت استطاعت نکاح سنت مؤکدہ ہے عندالتوقان واجب ہے اور عندعدم الاستطاعۃ یعنی جب قادرعلی النفقہ وغیرہ نہ ہوتو حرام ہے، جبکہ یہاں قرض لینے کو مستحب کہا جارہا ہے، وہ بھی مہر اور نفقہ وغیرہ کیلئے۔ پھر تو یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سب کا ضمان اللہ تعالیٰ پر ڈال دیا ہے کہ یہ شخص قرض لیتا رہے ضمان اللہ تعالیٰ پر ہے۔ مفتی صاحب میرے اشکال کا جواب مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے شادی کے اخراجات (سادگی کے ساتھ اداء کرنے) کیلئے قرضہ لینے کی گنجائش دی ہے جس میں مہر اور دیگر ضروری اخراجات داخل ہیں۔ البتہ نان نفقے کیلئے آدمی کو ملازمت تلاش کرنی چاہیئے اور حتی الوسع کوشش کر کے تنخواہ کی رقم سے بیوی کے اخراجات پورے کرے، لیکن اگر کچھ کمی رہ جاتی ہو تو اس کے لئے قرض لینا بھی مستحب ہے، البتہ اتنی بات یاد رہے کہ قرض لینا اسی وقت مستحب ہے جب لوٹانے پر قادر ہو یا ظن غالب ہو کہ لوٹادوں گا ورنہ گنجائش نہیں۔

اس تشریح سے آپ کے اشکال کا جواب واضح ہوگیا کہ جب استطاعت نہ ہو تو نکاح حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قادرعلی الجماع نہ ہو یا کسی بھی قسم کی ملازمت یا کاروبار وغیرہ نہ ہو تو ایسے شخص کیلئے نکاح حرام ہے البتہ جو ایک حد تک نفقہ ادا کرسکتا ہو اس کے لئے بقیہ نفقہ، مہر وغیرہ کیلئے قرض لے کر نکاح کرلینا مستحب ہے، خاص طور پر جب زنا کا خطرہ لاحق ہو۔ نیز قرضہ اتنا لینے کی گنجائش ہے جو وہ بظاہر اسباب کے درجے میں لوٹا سکتا ہو لہٰذا عفتِ نفس کی نیت سے اگر ایسا شخص نکاح کرتا ہے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائیں گے گویا اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ضامن بن جائیں گے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے حوالے سے جو اللہ تعالیٰ پر ضمان کا ذکر کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ الغرض برسرِ روزگار شخص کیلئے مہر، شادی کے ضروری اخراجات اور بقدر ضرورت نفقہ کیلئے قرضہ لے کر شادی کرنا مستحب ہے اور بالکل بے روزگار شخص جو بیوی کے حقوق نان ونفقہ پورے نہ کرسکتا ہو اس کے لئے نکاح کی گنجائش نہیں اور اداء کی امید نہ ہونے کی بناء پر قرض لینے کی بھی گنجائش نہیں۔

لمافی الدرالمختار(۸/۳):ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد ۔۔۔ والاستدانة له۔

وفی الرد تحته: قوله (والاستدانة له) لأن ضمان ذلك على الله تعالى فقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه ثلاث حق على الله تعالى عونهم المكاتب الذي يريدالأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله تعالى ذكره بعض المحشين وتقدم تمام الكلام على ذلك۔

وفی الشامية (٦/٣):(وهذا إن ملك المهر والنفقة)۔۔۔قلت ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضا وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له

Marfat.com

قال في البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف اه ومقتضاه أنه يجب إذا خاف الزنا وإن لم يملك المهر إذا قدر على استدانته وهذا مناف للاشتراط المذكور إلا أن يقال الشرط ملك كل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة أو يقال هذا في العاجز عن الكسب ومن ليس له جهة وفاء۔۔۔ وقدمنا أن المراد عدم قدرته على الوفاء في الحال مع غلبة ظنه لو اجتهد قدر وإلا فالأفضل عدمه وينبغي حمل ما ذكر من ندب الاستدانة على ما ذكرنا من ظنه القدرة على الوفاء۔

(۷) ساری زندگی عبادت یا تعلیم وتعلم میں گزارنا افضل ہے یا نکاح کرنا؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک بھائی عالم ہے جو کافی عبادت کرتا ہے اس کے پاس مال بھی موجود ہے اور صحت مند بھی ہے لیکن وہ کہتا ہے میں شادی نہیں کروں گا ساری زندگی عبادت میں گزاروں گا تو کیا ان کا یہ فعل شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ آیا شادی کرنا افضل ہے یا ساری زندگی عبادت میں گزارنا افضل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جب چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باتیں پہنچیں کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ نکاح نہیں کریں گے تاکہ باقیماندہ زندگی، دن کے روزے اور رات کی عبادت سے منور ہو تو چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم متغیر ہوا اور انتہائی بلیغ انداز میں ان کی تردید فرمائی کہ میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ (تو تمہیں کیا ہوا ہے کہ بجائے میری اتباع کے اپنی رائے پر عمل کرنا چاہتے ہو، حالانکہ میں تمہارے لئے نمونۂ حیات ہوں) پس جو میری سنت (نکاح) سے اعراض کرے گا وہ مجھ (میرے متبعین میں) سے نہیں۔ (رواہ مسلم ۱/۴۴۹ مکتبہ قدیمی)

مذکورہ حدیث کے ذیل میں شادی کرنا ہر شخص پر لازم ہونا چاہیئے تھا، لیکن فقہاء رحمہم اللہ علیہم نے مراد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھانپ کر شادی کے حکم کو مزاجِ انسانی پر رکھا ہے۔ چونکہ حالات اور طبائع مختلف ہوتی ہیں لہٰذا مختلف لوگوں کے لحاظ سے نکاح کا حکم بھی مختلف ہوگا:

(۱) اگر کسی شخص کو نان ونفقہ پر قدرت ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا یا بدنظری وغیرہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو تو ایسے شخص پر نکاح فرض ہوگا۔

(۲) اگر گناہ میں مبتلا ہونا اندیشے کی حد تک ہو تو نکاح واجب ہوگا۔

(۳) اگر گناہ وغیرہ میں پڑنے کا کوئی خطرہ نہ ہو (یعنی معتدل المزاج ہو) تو نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہوگا۔

Marfat.com

(۴) اگر نکاح کرنے سے حقوقِ زوجیت میں ناانصافی برتنے یا بیوی پر ظلم کرنے کا ظنِ غالب ہو تو نکاح کرنا مکروہ ہوگا۔

چونکہ صورت مسئولہ میں سائل کا بھائی مالدار، صحتمند اور ماشاء اللہ عالم بھی ہے، لہٰذا وارثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ناطے انہیں اتباع مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم (نکاح) سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے، ورنہ ترک پر گنہگار ہوگا۔ نیز معتدل المزاج شخص کیلئے ساری زندگی عبادت یا تعلیم و تعلم میں گزارنے سے شادی کرنا افضل ہے، کیونکہ نکاح کے فوائد کثیر اور متعدی ہیں۔

لمافی مبسوط السرخسی (۱۹۲/۴) دارالفکر:ثم يتعلق بهذا العقد أنواء من المصالح الدينية والدنيوية من ذلك حفظ النساء والقيام عليهن والإنفاق ومن ذلك صيانة النفس عن الزنى ومن ذلك تكثير عباد الله تعالى وأمة الرسول صلى الله عليه وسلم۔

وفی فتح القدیر(۱۸۸/۳) دارالفکر: وقيل مستحب وقيل إنه سنة مؤكدة وهو الأصح وهو محمل قول من أطلق الاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة۔

وبعد أسطر:وبالجملة فالأفضلية في الاتباء لا فيما يخيل للنفس أنه أفضل نظرا إلى ظاهر عبادة وتوجه ولم يكن الله عز وجل يرضى لأشرف أنبيائه إلا بأشرف الأحوال وكان حاله إلى الوفاة النكاح فيستحيل أن يقرره على ترك الأفضل مدة حياته وحال يحيى بن زكريا عليهما السلام كان أفضل في تلك الشريعة وقد نسخت الرهبانية في ملتنا ولو تعارضا قدم التمسك بحال النبي صلى الله عليه وسلم وعن ابن عباس رضي الله عنهما تزوجوا فإن خير هذه الأمة أكثرها نساء ومن تأمل ما يشتمل عليه النكاح من تهذيب الأخلاق وتوسعة الباطن بالتحمل في معاشرة أبناءالنوع وتربية الولد والقيام بمصالح المسلم العاجز عن القيام بها والنفقة على الأقارب والمستضعفين وإعفاف الحرم ونفسه ودفع الفتنة عنه وعنهن ودفع التقتير عنهن بحبسهن لكفايتهن مؤنة سبب الخروج ثم الاشتغال بتأديب نفسه وتأهيله للعبودية ولتكون هي أيضا سببا لتأهيل غيرها وأمرها بالصلاة فإن هذه الفرائض كثيرة لم يكد يقف عن الجزم بأنه أفضل من التخلي بخلاف ما إذا عارضه خوف الجور إذ الكلام ليس فيه بل في الاعتدال مع أداء الفرائض والسنن۔

وفی الشامیة (۷/۳): قوله (سنة مؤكدة في الأصح)۔۔۔ وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حال الاعتدال الاقتداء بحاله في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اه وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي

Marfat.com

للنوافل قوله (فيأثم بتركه) --- قوله (ويثاب إن نوى تحصينا).

(۸) لڑکے کا والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری عمر تقریباً ۳۰ سال ہے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں گھر سے الگ ہو کر شادی کرنا چاہوں تو کرسکتا ہوں یا والدین کی رضامندی لازمی ہے؟؟؟ مجھ سے چھوٹی دو بہنیں اور ایک بھائی ہے اور ایک بڑے بھائی کی شادی ہونے والی ہے۔ شریعت کی روشنی میں واضح فرمادیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ (والدین میری شادی کیلئے ابھی رضامند نہیں ہیں)۔

الجواب بعون الملک الوھاب

والدین اور سرپرست پر لازم ہے کہ جب اولاد بالغ ہوجائے اور ان کے جوڑ کا رشتہ مل جائے تو ان کی شادی میں تاخیر نہ کریں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر مت کرو، ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب اولاد بالغ ہوجائے تو والدین کو ان کی شادی میں جلدی کرنا چاہیئے۔ آجکل عموماً یہ ذہنیت ہے کہ جب لڑکا پاؤں پر کھڑا ہوگا تو ہی شادی ہوگی۔ اس طرح عمر گزرتی رہتی ہے، والدین کو پرواہ نہیں ہوتی، پھر اولاد غلط قدم اٹھالیتی ہے۔ لہٰذا بہر صورت والدین کی اطاعت لازم ہے، تاہم اگر شادی نہ کرنے سے آپ کے معصیت میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو اور آپ بیوی کے مہر نان ونفقہ ادا کرنے پر قدرت رکھتے ہوں تو آپ پر نکاح کرلینا واجب ہے، نیز والدین کو حکمت سے سمجھایا جائے تاکہ رضامندی سے کام ہوجائے۔

لمافی القرآن الکریم (العنکبوت:۸): وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔

(النساء:۳): فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ...الآية۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۲/۲۶۷): عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء"

وفيه أيضاً (ص۲۶۷): وعنه رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض"

وفی الدرالمختار (۳/۶): (ويكون واجبا عند التوقان) فان تيقن الزنا الابه فرض، نهاية

Marfat.com

وهذا ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بتركه۔

وفی الشامیه (۶/۳): قلت ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضا وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له قال في البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف اهـ ومقتضاه أنه يجب إذا خاف الزنا وإن لم يملك المهر إذا قدر على استدانته وهذا مناف للاشتراط المذكور إلا أن يقال الشرط ملك كل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة أو يقال هذا في العاجز عن الكسب ومن ليس له جهة وفاء۔

(۹) مرید کا بیعت کی وجہ سے شادی نہ کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند سال پہلے میں نے ایک بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔اس سال میں شادی کرنے والا ہوں جب لوگ یہ سنتے ہیں کہ میں شادی کرنے والا ہوں تو بعض لوگ کہتے ہیں مرید کو شادی نہیں کرنی چاہیئے۔اگر مرید شادی کرلے گا تو اس کی اصلاح کیسے ہوگی؟ سوال یہ ہے کہ کیا مرید کو شادی کرنی چاہیئے، کیا شادی اصلاح کے اندر روکاٹ ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ نے نکاح کو انسان کی عفت وپاکدامنی کا ذریعہ بنایا ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتّق الله فی النصف الباقی" (مشکوۃ ۲/ ۲۶۸) یعنی بندہ جب نکاح کرلے تو وہ اپنے نصف دین کو مکمل کرلیتا ہے باقی نصف دین کیلئے اسے اپنے اللہ سے تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے۔اگر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو اور آدمی نکاح کی طاقت بھی رکھتا ہو یعنی وہ عورت کو نان نفقہ اور رہائش فراہم کرسکتا ہو تو اس صورت میں نکاح واجب ہوجاتا ہے۔ نیز اگر ان ساری چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی نکاح نہ کرے تو حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری امت میں سے نہیں۔بہرحال آپ بعض لوگوں کی احمقانہ باتوں پر نہ جائیں، بلکہ فوراً شادی کریں، کیونکہ اسی میں انسان کی اصلاح پوشیدہ ہے۔ہاں! اگر آپ کو آپ کے پیر ومرشد کسی مصلحت کی وجہ سے کچھ عرصہ کیلئے منع کررہے ہوں تو اس صورت میں شادی کو مؤخر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما فی القرآن الكريم (النسآء:۳): فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

Marfat.com

وفی البخاری (۷۵۸/۲): حدثنا عمر بن حفص بن غياث ـــ فقال عبد الله رضی اللہ عنہ: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم شبابا لا نجد شيئا، فقال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا معشر الشباب، من استطاع الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء۔

وفی الترمذی (۲۰۶/۱): عن أبي أيوب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواك والنكاح۔

وفی کنز العمال (۲۷۱/۱۶): النكاح سنتی فمن لم يعمل بسنتی فليس منی۔

وفی الشامية(۷/۳): قوله (سنة مؤكدة في الأصح) وهو محمل القول بالاستحباب وكثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة وقيل فرض كفاية وقيل واجب كفاية وتمامه في الفتح وقيل واجب عينا ورجحه في النهر كما يأتي قال في البحر ودليل السنية حالة الاعتدال الاقتداء بحاله صلی اللہ علیہ وسلم في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اه وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي للنوافل قوله (فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة بحر ـــ قوله (ويثاب إن نوى تحصينا) أي منع نفسه ونفسها عن الحرام وكذا لو نوى مجرد الاتباء وامتثال الأمر۔

(۱۰) تبلیغی جماعت کیلئے زندگی وقف کرکے تاحیات نکاح نہ کرنے کا حکم

سوال

ہمارے محلے کے ایک تبلیغی ساتھی نے عین عالم جوانی میں اپنی پوری زندگی تبلیغ کے لئے وقف کردی اور گھر والوں کو بتا کر تاحیات زندگی لگانے کا ارادہ لے کر نکل گئے (یعنی واپس تو آئیں گے لیکن نکاح وغیرہ نہیں کریں گے)۔ پوچھنا یہ ہے کہ فرض کفایہ کی ادائیگی کے لئے تاحیات نکاح نہ کرنے کا عزم کیسا ہے؟ نیز والدین اور بہن بھائیوں کے حقوق کا کیا کرنا ہوگا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے دور میں کیا اس کی کوئی نظیر ہے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا ہو کہ اپنی زندگی دین کیلئے وقف کرکے نکاح نہ کیا ہو؟ ان کی زندگی کی کچھ جھلک بیان کردیں۔ میرا دل اس شخص کی حرکت پر مطمئن تو نہیں ہے میں نے کہا آپ سے تحریری صورت میں پوچھ لوں۔

Marfat.com

ازراہِ کرم میرے سوال کے تمام پہلو کے جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور احادیث میں کثرت سے اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ اس کے ذریعہ آدمی بہت سے معاصی اور گناہوں سے محفوظ ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نکاح نفلی عبادت کیلئے اپنے آپ کو فارغ کردینے سے بہتر ہے۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس سنت پر عمل کیا ہے اور بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب اس کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ میں تو نکاح کرتا ہوں۔ لہٰذا سنت یہی ہے کہ آدمی دین کا کام بھی کرے لیکن اس کے ساتھ اس سنت پر بھی عمل کرے، اسی میں اس شخص کے دنیا اور آخرت کا نفع مضمر ہے۔

والدین کی خدمت کے بھی بہت سے فضائل احادیث میں آئے ہیں اور والدین کے حقوق کو اداء کرنا فرض ہے حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جہاد جیسی عبادت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ والدین کی خدمت کرو یہی تمہارے لئے جہاد ہے اور علماء نے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد وغیرہ میں جانے سے منع فرمایا ہے (جبکہ فرض عین نہ ہو)۔

لہٰذا اس شخص کو چاہیئے کہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ اور جو حقوق ذمہ میں ہیں ان کو بھی اداء کرے اور سنت یہی ہے کہ نکاح بھی کرے اس لئے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہی امت کی ہدایت اور تبلیغ کے لئے گیا تھا اور ان سے بڑا مبلغ اور داعی اور کون ہوسکتا ہے۔ انبیاء کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سارے کے سارے دین کے داعی اور مبلغ تھے، اپنی زندگیاں اس کیلئے وقف کی ہوئی تھیں لیکن پھر بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس سب کے ساتھ نکاح بھی کیا اور تمام حقوق والدین، رشتہ داروں کے بھی اداء کئے۔ تبلیغی جماعت کے اکثر اکابرین کا بھی یہی حال ہے کہ انہوں نے نکاح بھی کئے ہیں اور ساتھ میں تبلیغ بھی کررہے ہیں۔ نصاب بھی ایسا رکھا ہے کہ آدمی سارے حقوق بھی ادا کرسکتا ہے اور ساتھ ساتھ تبلیغ بھی کرسکتا ہے۔

البتہ پھر بھی کسی شخص کو یہ غالب گمان ہو کہ اگر وہ نکاح کرے گا تو دین کی خدمت نہیں کرسکے گا اور بیوی بچوں میں پھنس جائے گا اور اسے یہ یقین بھی ہے کہ بغیر نکاح کے گناہ میں بھی مبتلا نہیں ہوگا اور والدین نے بھی اس کو اجازت دیدی ہے کہ وہ دین کا کام کرے تو ایسے شخص کے لئے نکاح نہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اس کی مثالیں تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے دور میں اور اسلاف میں موجود ہیں، چنانچہ شیخ عبداللہ ابن ابی نجیح مکی رحمۃ اللہ علیہ جو تابعین میں سے ہیں اور امام بخاری کے شیوخ سفیان ثوری، سفیان ابن عیینہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے ان سے روایت کی ہے انہوں نے علم کی مشغولی کی بناء پر نکاح نہیں کیا۔ اسی طرح علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث اور بزرگ ہیں انہوں نے بھی نکاح نہیں فرمایا۔ بہت سے اکابرین ہیں جنہوں نے علم کی مشغولیت یا دعوت یا اسی طرح اور دینی خدمات کی بناء پر نکاح نہیں فرمایا۔[1]

---

[1] تفصیل کیلئے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی کتاب "العلماء العزاب" کی طرف رجوع فرمائیں۔ ازمرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

لمافى الترمذى (٢٦/١):عن أبي أيوب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواك والنكاح۔

وكذا فيه (٢٩٦/١) ابواب الجهاد: عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال جاء رجل إلى النبى صلى الله عليه وسلم يستأذنه فى الجهاد فقال: ألك والدان؟ قال نعم. قال: ففيهما فجاهد۔

وفى المرقاة (١٨٧/٦) كتاب النكاح ط امداديه:قال ابن الهمام التجرد عند الشافعي أفضل لقوله تعالى ''وسيدا وحصورا'' آل عمران يمدح يحيى عليه الصلاة والسلام بعدم إتيان النساء مع القدرة لأن هذا معنى الحصور۔۔۔ فالأولى في جوابه التمسك بحاله ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة فإنه صريح في عين المتنازع فيه وهو ما في الصحيحين أن نفرأ من أصحاب النبي ﷺ سألوا أزواجه عن عمله في السر فقال بعضهم لا أتزوج النساء وقال بعضهم لا آكل اللحم وقال بعضهم لا أنام على فراش فبلغ ذلك النبي ﷺ فحمد الله وأثنى عليه وقال ما بال أقوام قالوا كذا لكني أصلي وأنام وأصوم وأفطر وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني فرد هذا الحال ردا مؤكدا حتى تبرأ منه وبالجملةفالأفضلية في الاتباء لا فيما تخيل لنفس أنه أفضل نظرا إلى ظاهر عبادة وتوجه ولم يكن الله عز وجل يرضى لأشرف أنبيائه إلا بأشرف الأحوال وكان حاله إلى الوفاة النكاح فيستحيل أن يقره على ترك الأفضل مدة حياته۔

وفى العلماء العزاب(٣٣) ط غفورية:وجب الدعوة وارادة النهوض بالعالم الاسلامى صرف الكثيرمن رجال الاصلاح عن الزواج طول حياتهم او جزء اكبيرا من حياتهم والأمثلة كثيرة على مجرى التاريخ۔

وفى الدرالمختار (٦/٣) : (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض، نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه، بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال) أي القدرة على وطء ومهر ونفقة ورجح في النهر وجوبه للمواظبة عليه والإنكار على من رغب عنه (ومكروها لخوف الجور) فإن تيقنه حرم ذلك۔

وفى الشامية (٧/٣):ودليل السنية حال الاعتدال الاقتداء بحاله في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني كما أوضحه في الفتح اهـ وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي

Marfat.com

للنوافل ۔۔۔ قوله (للمواظبة عليه والإنكار الخ) فإن المواظبة المقترنة بالإنكار على الترك دليل الوجوب وأجاب الرحمتي بأن الحديث ليس فيه الإنكار على التارك بل على الراغب عنه ولا شك أن الراغب عن السنة محل الإنكار ۔

وفی الدرالمختار (۱۲۴/۴): لا يحل سفر فيه خطر الا باذنهما وما لا خطر فيه يحل بلا اذن ۔

(۱۱) پہلی بیوی کی یاد میں زندگی گزارنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک سرحد کا رہنے والا دوست ہے اس کی بیوی کا تین سال قبل انتقال ہوگیا۔ اب ہم دوستوں نے اسے بہت سمجھایا کہ دوسرا نکاح کرلو مگر وہ کہتا ہے کہ میں پہلی بیوی کی یاد میں زندگی گزارلوں گا مگر اس سے رخ نہیں موڑوں گا۔ مفتی صاحب ہمارا دوست ابھی جوان ہے کیا اس کا اس طرح زندگی گزارنا جائز ہے نیز اب وہ عورت جو مرگئی اس کی نامحرم نہیں ہوگئی کیا اس بات کا گناہ نہیں ہوگا کہ نامحرم کو سوچ سوچ کر زندگی گزار رہا ہے؟ واضح جواب عنایت فرمائیں۔

اسی طرح بعض احباب جب عشق مجازی میں ناکام ہوجائیں تو اپنی زندگی برباد کرلیتے ہیں اور نکاح نہیں کرتے ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ ازراہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) شریعت مطہرہ نے بے نکاح کی زندگی چاہے مرد کیلئے ہو یا عورت کیلئے پسند نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے افراد پر جو بے نکاحی کی زندگی گزارنا چاہتے تھے نکیر فرمائی ہے یہ خلافِ سنت اور اپنے آپ کو فتنے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

(۲) عام اوقات میں جب انسان نان نفقہ دینے پر قادر ہو تو نکاح کرنا اس کے لئے سنت ہے اور اگر بغیر نکاح کے اس کے کسی فتنے (زنا وغیرہ) میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو نکاح کرنا واجب ہے۔

اس لئے صورتِ مسئولہ میں اولاً تو آپ کے دوست کو چاہیئے کہ وہ دوسرا نکاح کرلے اور اپنی آئندہ زندگی صلاح وتقوی سے گزارنے کی کوشش کرے، ثانیاً اگر پہلی بیوی کا خیال اس کے ذہن میں آتا ہے تو یہ معصیت نہیں بلکہ وہ عورت چونکہ ایک عرصہ اس کی رفیقہ حیات رہی ہے لہٰذا یہ ایک لازمی امر ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کا خیال آتا تھا اور آپ ان کی صفاتِ حمیدہ کا ذکر کرتے تھے۔ البتہ اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ان عورت کی اچھی باتوں کا خیال آنا درست ہے اس سے تلذذ اور تسکین کے حصول کی کوشش کرنا جائز نہیں۔ اس خواہش کو پورا کرنے کیلئے نکاحِ ثانی معین ہے۔ نیز وہ احباب جو عشقِ مجازی میں مبتلا ہو کر نامحرم عورتوں کے خیالات میں اپنی زندگی برباد کرتے ہیں ایسے لوگ ایک حرام اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں

Marfat.com

ان پر اپنے عمل سے توبہ واستغفار کرنا واجب ہے۔ نامحرم لڑکی سے نکاح سے قبل روابط رکھنا جائز نہیں، ایسے حضرات کو چاہیئے کہ نکاحِ مسنون کریں اور صلاح کی زندگی گزارنے کا عزم کریں۔

لمافی مشکوۃ المصابیح (۱۸/۱): عن أبي هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "إن الله تعالى تجاوز عن أمتي ما وسوست به صدورها ما لم تعمل به أو تتكلم"

وفی المرقاۃ (۲۳۸/۶): (وعن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال ردّ رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل) اى الانقطاع عن النساء وكان ذلك من شريعة النصارى فنهى النبى صلی اللہ علیہ وسلم عنه امته ليكثر النسل ويدوم الجهاد۔ الخ۔

وفی حاشیۃ المشکوۃ (۱۸/۱): وظاهر الحديث ان العبد لايؤاخذ مالم يعمل وان هم بمعصية وعزم عليها واليه ذهب بعض العلماء أخذا بظاهر الحديث والصواب الذى عليه اكثر الفقهاء والمحدثين أنه يؤاخذ على العزم دون الهم۔

وفی المرقاۃ (۱۸۶/۶): ثم قال بعضهم هو واجب بالإجماع لأنه يغلب على الظن أو يخاف الوقوع فى الحرام وفى النهاية ان كان له خوف وقوع الزنا بحيث لا يتمكن من التحرز الا به كان فرضا وعند خوف الجور مكروه واما فى حالة الاعتدال فداؤد واتباعه من اهل الظاهر على أنه فرض عين على القادر على الوطء والانفاق تمسكا بقوله تعالى فانكحوا ما طاب لكم من النساء واختلف مشائخنا فقيل فرض كفاية وقيل واجب على الكفاية وقيل مستحب وقيل سنة مؤكدة وهو الأصح۔

وفی فتح القدیر (۱۱۱/۲): فروع لا يغسل الزوج امرأته ولا أم الولد سيدها خلافا للشافعي في الأول ولزفر في الثاني لأنهما صارتا أجنبيتين وعدة أم الولد للاستبراء لا أنها من حقوق الوصلة الشرعية بخلاف عدة الزوجية فلذا تغسل هي زوجها وإن كانت محرمة أو صائمة أو مظاهرا منها إلا أن تكون معتدة عن نكاح فاسد۔

(۱۲) لڑکی کی تعلیم مکمل ہونے تک شادی کو مؤخر کرنا

سؤال

کیا فرماتے علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شریعت کے مطابق لڑکیوں کی شادی کس عمر میں کردینی

Marfat.com

چاہیئے۔ بعض حضرات اپنی لڑکیوں کی شادی ان کی دنیاوی تعلیم پوری ہونے تک نہیں کرتے یعنی ۲۵ یا ۲۸ سال کی عمر تک وہ اپنی تعلیم مکمل کرتی ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ دیر سے شادی کرنے پر کیا کوئی سخت وعید ہے اور جلدی شادی نہ کرانے پر ماں باپ گناہ گار ہوں گے؟ مہربانی فرما کر صحیح راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی جب بالغ ہوجائے اور اس کے جوڑ کا رشتہ مل جائے تو اس کی شادی میں جلدی کرنی چاہیئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز جب اس کا وقت ہوجائے، جنازہ جب حاضر ہوجائے اور غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح میں جب اس کا کفو (جوڑ کا رشتہ) مل جائے۔ آج کل "لڑکے کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے" یا "لڑکیوں کی تعلیم مکمل ہونے کے انتظار" میں شادی میں تاخیر کرنا عام معمول بن گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب ایسی جگہ سے رشتہ آئے جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے اچھا ہو تو شادی کردینی چاہیئے، اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو زمین میں فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب اولاد بالغ ہوجائے اور والدین ان کی شادی نہ کریں، اگر اس وقت اولاد کسی گناہ کی مرتکب ہوجائے تو باپ بھی اس کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔ چنانچہ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد دینی واخلاقی اعتبار سے اچھے لڑکے کا رشتہ ملنے پر جلد از جلد شادی کردینی چاہیئے، تعلیم وغیرہ کے مکمل ہونے کے انتظار میں تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔

لمافی الترمذی (۲۶۷): وعنه رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض " . رواه الترمذي۔

وفی المشکوۃ (۲۷۱/۲): وعن أبي سعيد وابن عباس رضی الله عنهم قالا : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه "۔

وفی کنز العمال (۵۱۳/۳): ثلاث لا تؤخر هن: الصلاة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت كفؤا . "ت ك" عن علي۔

وفی الشامیۃ (۷/۳): ودليل السنية حال الاعتدال الاقتداء بحاله في نفسه ورده على من أراد من أمته التخلي للعبادة كما في الصحيحين ردا بليغا بقوله فمن رغب عن سنتي فليس مني ۔۔۔ وهو أفضل من الاشتغال بتعلم وتعليم كما في درر البحار وقدمنا أنه أفضل من التخلي للنوافل۔

Marfat.com

(۱۳) کیا بڑی لڑکی سے قبل چھوٹی لڑکی کا نکاح کر دینا انسانیت کے خلاف ہے؟

سوال

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ہمارے معاشرے میں رواجاً ایک سلسلہ یہ چل رہا ہے کہ اکثر لڑکے والے کسی گھر میں لڑکی کا رشتہ لینے جاتے ہیں تو وہ خوبصورتی اور عمر وغیرہ ہی کو مدّنظر رکھ کر رشتہ کی بات چلاتے ہیں۔ ایسی صورت میں بعض وقت ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ گھر میں دو (۲) لڑکیاں ہیں۔ دین کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ ان میں ایک بڑی عمر کی ہے اور شکل وصورت (خوبصورتی) میں کم ہے۔ دوسری لڑکی اس کی عمر کم ہے اور خوبصورتی میں بڑی سے زیادہ ہے۔

یہاں پر لڑکے والے خوبصورتی اور کم عمری کو دیکھتے ہوئے چھوٹی لڑکی کو پسند کر کے لڑکی کے والدین سے اس کو مانگتے ہیں۔ لڑکی کے والدین اس صورت میں بھی کہ لڑکے والے صرف خوبصورتی اور کم عمری کو دیکھ کر یہ رشتہ کر رہے ہیں، اس کو منظور کر لیتے ہیں۔ اس رشتہ کی وجہ سے بڑی لڑکی کو غم ہوتا ہے۔

۱) کیا والدین کا یہ فعل انسانیت کے خلاف ہے اور بڑی لڑکی پر ظلم کے مترادف ہے؟

۲) کیا والدین پر شرعاً یہ لازم ہے کہ وہ لڑکے والوں کو پہلے بڑی لڑکی کا رشتہ ہونے یا لینے پر مجبور کریں؟

دوسرے صاحب کا کہنا یہ ہے کہ لڑکے والے اگر بڑی لڑکی کو چھوڑ کر چھوٹی کا رشتہ منظور کر لیتے ہیں تو ان کو اس فعل کی شرعاً اجازت ورخصت ہے اور وہ عنداللہ ایسا کرنے پر کسی قسم کے گناہ کے مرتکب نہیں ہونگے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکے کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ شادی سے قبل لڑکی کو ایک نظر دیکھ لے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوبصورتی کی بناء پر کسی کو لینا اور کسی کو نہ لینا اس کی شریعت میں اجازت ہے۔ وہ دوسرا حکم یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر جوڑ کا رشتہ مل جائے تو فوراً نکاح کر دو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جگہ کوئی والدین چھوٹی لڑکی کا رشتہ بڑی سے پہلے کر دیں تو یہ جائز ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔ ازراہِ کرم مفصل جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو (بلکہ جلدی کیا کرو)۔

(۱) نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے۔

(۲) جنازے میں جب وہ حاضر ہو جائے۔

(۳) بے نکاح عورت کے نکاح میں جب اس کے جوڑ کا رشتہ مل جائے۔

Marfat.com

صورت مسئولہ میں جب چھوٹی لڑکی کو جوڑ کا رشتہ مل جائے اور دونوں خاندان والے حضرات آپس میں اس رشتہ پر راضی ہوں تو شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں، اور نہ اس صورت میں بڑی لڑکی پر ظلم ہے، اور نہ بڑی لڑکی کی وجہ سے چھوٹی لڑکی کا رشتہ چھوڑنا مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں تم ان کے ساتھ نکاح کرو۔ جب لڑکے والوں کو چھوٹی لڑکی پسند ہے تو بڑی لڑکی چھوڑ کر چھوٹی کے ساتھ نکاح کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور نہ والدین کا یہ فعل انسانیت کے خلاف ہے، بلکہ بسا اوقات بڑی لڑکی کے رشتے کے انتظار میں چھوٹی لڑکی کی عمر بھی گزر جاتی ہے جو کہ مشکلات میں مزید اضافہ در اضافہ کا سبب ہوتا ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۳):فَانكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ۔

وفی صحیح البخاری(۷۶۲/۲):عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك۔"

وفی الترمذی (۴۳/۱):عن على بن أبي طالب رضی اللہ عنہ أن النبی صلى الله عليه وسلم قال له: يا على ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا اتت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفؤا۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۲۶۷/۲): وعنه رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:" إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض"

وفی المفصل فی أحكام المرأة والبيت المسلم (۳۵۹/۶): واذا أخلّ الولیّ بواجبه فی الاسراء بتزويج موليته كان رفض الخاطب الكفو الذی تقدم لخطبة موليته فان الاثم يلحقه جزاء تقصيره فی حقها بتاخير تزويجها ورفضه الخاطب الكفوء۔

(۱۴) بیوہ کیلئے تجرد کی زندگی بہتر ہے یا دوسرا نکاح؟

سوال

میں بہت سخت پریشان ہوں، میرے شوہر ایک فیکٹری میں کام کرتے تھے، حادثے کا شکار ہو گئے۔ میری زندگی پر قیامت ٹوٹ پڑی، میں دن رات رونے لگی، مرنے سے چند گھنٹوں قبل انہوں نے مجھے تاکید کی کہ میرے انتقال کے بعد فوراً نکاح کر لینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تاکید ہے۔ پیرانِ پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے شوہر کی آغوش یا قبر کی مٹی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

اس وقت تو میں ہوش میں نہ تھی، لیکن اب آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ میں کیا کروں؟ کیونکہ میری عدت ختم ہو چکی ہے، لیکن اگر نکاح کرتی ہوں تو معاشرہ بدنام کرے گا، لوگ کیا کہیں گے، دوسری طرف شوہر کی وصیت یاد آتی ہے میرا ایک چھوٹا بچہ دانیال بھی ہے۔

Marfat.com

آپ راہنمائی فرمادیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس بارے میں کوئی ارشاد ہوتو تحریر فرمادیں، نیز حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول اوپر ذکر ہوا، کیا انہوں نے عورتوں کے بارے میں یہ کہا ہے؟؟؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے مرد اور عورت کے غیر شادی شدہ رہنے کو پسند نہیں کیا اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ جب کوئی مرد یا عورت جوانی کو پہنچ جائے تو اگر ان میں اتنی قوت اور استطاعت ہو کہ وہ نکاح کے بعد کی زندگی گزار سکیں تو بہتر یہی ہے کہ وہ نکاح کرلیں، اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ آپ نے نوجوانوں کی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا، تم میں سے جو کوئی شادی کرسکتا ہو تو وہ شادی کرلے، اس لئے کہ یہ آنکھوں اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی نکاح کے بے شمار فوائد ہیں، لہٰذا آج کل معاشرے کے بگڑتے ہوئے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ شریعت مطہرہ کے اس حکم کو پورا کرنے میں دیر نہ کیجئے، باقی رہی معاشرے میں رہنے والے لوگوں کی باتیں، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو پورا کرنے کی خاطر لوگوں کی باتوں کی پرواہ مت کیجئے، اللہ عزوجل آپ کا حامی و ناصر ہو۔ (شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ان کی کتاب غنیۃ الطالبین میں مذکور ہے)۔

لما فی صحیح المسلم (۴۴۸/۱): قال لنا رسول الله ﷺ یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء۔

وفی السنن الکبری للبیهقی (۲۳۷/۱) کتاب النکاح: قال قال رسول الله ﷺ تزوجوا فإنی مکاثر بکم الأمم یوم القیمة، ولا تکونوا کرهبانیة النصری۔

وفی المغنی لإبن قدامه (۲۳۶/۷): ولأن مصالح النکاح أکثر فإنه یشتمل علی تحصین الدین وإحرازه وتحصین المرأة وحفظها والقیام بها وإیجاد النسل وتکثیر الأمة وتحقیق مباهاة النبي صلی الله علیه وسلم وغیر ذلك من المصالح الراجح أحدها علی نفل العبادة بمجموعها أولی۔

وفی غنیة الطالبین (۹۶/۱): لیس شئ خیرا لامرأة من زوج أو قبر، وقال ﷺ مسکین مسکین رجل لیس له امرأة، قیل یا رسول الله و إن کان غنیا قال و إن کان غنیا، وقال أیضا مسکینة مسکینة امرأة لیس لها زوج قیل یا رسول الله و إن کانت غنیة من المال؟ قال ﷺ وإن کانت غنیة من المال۔

Marfat.com

باب ما ینعقد به النکاح وفی آدابه وشرائطه ومستحباته

نکاح کے انعقاد کی مختلف صورتوں اور آداب، مستحبات اور شرائط کا بیان

(۱۵) شادی کا مسنون طریقہ کار

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اِس مسئلہ سے متعلق کہ شادی اور منگنی کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ اس میں کتنے مہمان شریک ہونے چاہئیں اور کتنا خرچہ کرنا چاہیئے؟ اس میں کون سی رسم شرعی ہے اور کون سی غیر شرعی؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بتایئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے دیگر عبادات کی طرح نکاح کو بھی ایک عبادت قرار دیا ہے حتیٰ کہ اس کو "نصف دین کی تکمیل" کہا گیا ہے اور اس کے متعلق واضح راہنمائی پیش کی ہے، لہٰذا دیگر عبادات کی طرح اس میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی تقلید لازم ہے۔

شادی بیاہ کے بارے میں شرعی احکام اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

(۱) لڑکا اور لڑکی بالغ ہوں تو نکاح سے قبل ان سے رضامندی حاصل کی جائے، خاص طور پر لڑکی کی رضامندی کے حصول کے بارے میں شرعی اصولوں کی پاسداری ضروری ہے۔

(۲) شریعت نے بے شمار دینی ودنیوی مصالح کے پیش نظر لڑکے اور لڑکی کے درمیان کفاءت (برابری) کو ملحوظ رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ کفاءت میں چند اوصاف کا اعتبار کیا گیا ہے: نسب، دینداری، پیشہ اور مالداری۔ ان اشیاء میں لڑکا، لڑکی کا ہمسر یا اس سے زیادہ ہو، اس کفاءت کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عمر (یعنی دونوں کی عمر میں توازن وتناسب ہو اور بہتر یہ ہے کہ لڑکے کی عمر لڑکی سے کسی قدر زیادہ ہو)، حسن وجمال،، تعلیم وغیرہ میں بھی توازن کا لحاظ رکھا جائے۔

البتہ ان سب امور میں دینداری کو فوقیت دی جائے کیونکہ دینداری کے نغیر مذکورہ تمام اوصاف بے فائدہ ہیں اور تنہا دینداری تمام اوصاف پر بھاری ہے۔ دینداری کے سلسلے میں اس زمانے میں اس بات کی بھی تحقیق کر لینی چاہیئے کہ لڑکے یا لڑکی کا تعلق کسی گمراہ فرقے، ملحدین، مبتدعین اور دور حاضر کے نام نہاد تجدد پسندوں سے نہ ہو۔

Marfat.com

مذکورہ تمام امور کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں طرف کے اولیاء زبانی یا خط وکتابت کے ذریعے نکاح کی تاریخ طے کرلیں اور اس سلسلے میں جتنی غلط قسم کی رسومات رائج ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔ نسبت طے ہوجانے کے بعد طے شدہ تاریخ کے مطابق رشتہ داروں اور دوستوں کی موجودگی میں انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح کردیا جائے۔

(۳) نکاح کے آداب ومستحبات یہ ہیں: نکاح علی الاعلان کیا جائے، مسجد میں نکاح کیا جائے اور جمعے کے دن کیا جائے، خطبہ نکاح نیک اور متقی عالم دین سے پڑھایا جائے۔ نکاح کے بعد رخصتی بھی نہایت سادگی کے ساتھ ہونی چاہیئے بایں طور کہ لڑکی کا سرپرست یا لڑکی کے گھرانے کی کسی خاتون وغیرہ یا لڑکے والوں کے یہاں سے آئی ہوئی عورتوں کے ہمراہ دلہن کو بھیج دیا جائے۔

رخصتی کے بعد حسب استطاعت بلا تکلف وتفاخر ولیمہ کرنا بھی مسنون ہے، اس دعوت میں غریبوں اور مساکین کو بھی مدعو کیا جائے، حدیث میں ایسا ولیمہ جس میں صرف امراء مدعو ہوں کو شر الطعام (بدترین کھانا) کہا گیا ہے۔

(۴) منگنی کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں، کیونکہ یہ لڑکے اور لڑکی کے اولیاء کا آپس میں محض ایک معاہدہ ہے جو کہ زبانی بات چیت کے ذریعہ یا خط وکتابت کے ذریعہ یا کسی دوست وغیرہ کے توسط سے بھی ہوسکتا ہے۔ اس عہد کو حتی الامکان نبھانا چاہیئے ورنہ بدعہدی کا گناہ ہوگا لیکن اس موقع پر تمام رشتہ داروں کو جمع کرنا اور دیگر رسومات وخرافات اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

(۵) شریعت نے شادی بیاہ میں خرچہ اور مہمانوں کی تعداد کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوہ کو سامنے رکھ کر چند امور کی رعایت ضروری معلوم ہوتی ہے:

وسعت سے زیادہ خرچ نہ کیا جائے، نمود ونمائش اور تفاخر نہ ہو، قرض لیکر زیر بار نہ ہوا جائے، مہر زیادہ نہ ہو بلکہ درمیانے درجے کا ہو، جہیز دینا فی نفسہ خلاف شرع نہیں، کیونکہ یہ والدین کی طرف سے لڑکی کیلئے ہدیہ اور تحفہ ہے لیکن اس میں افراط اور غلو کرنا [کہ والدین کی پریشانی اور شادی میں تاخیر کا سبب بنے] شرعاً جائز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز ہمارے لئے نمونہ اور لائق اتباع ہے: دو چکیاں، پانی کے لئے دو مشکیزے، چمڑے کا گدا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک چادر۔ غرضیکہ تمام معاملات میں اعتدال اور سادگی کو ملحوظ رکھا جائے، حدیث میں ہے:

وعن عائشة رضی الله عنها قالت: قال النبی صلی الله علیه وسلم: "إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة".

یعنی نکاح میں جتنا خرچ کم ہوگا اسی قدر برکت زیادہ ہوگی۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۶۸)

(۶) شادی بیاہ کے موقع پر غیر شرعی رسومات ومنکرات کی فہرست طویل ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اصلاح الرسوم" میں سو سے زائد رسومات شمار کی ہیں۔ البتہ بطور اختصار چند چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے: تصویریں کھنچوانا، مووی بنانا، ناچ گانوں کا اہتمام کرنا، مایوں اور مہندی کی رسم کرنا، جہیز اور بری کے سامان کی نمائش کرنا، منگنی کے موقع پر کی جانے والی تمام رسومات، رخصتی اور شب زفاف میں کی جانے والی تمام رسومات وغیرہ قابل ترک ہیں۔

Marfat.com

لما فی القرآن الکریم (الاحزاب:۲۱): لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا۔

وفيه أيضاً (بنی اسرائيل:۳۴): وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

وفيه أيضاً (بنی اسرائيل:۲۷): إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔

وفيه أيضا: (الاعراف:۳۱): وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔

وفی مشكوة المصابيح (ص۲۶۸): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "تنكح المرأة لأربع : لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"۔

وفيه أيضا (ص۲۷۸): عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة فقال : " ما هذا ؟ " قال : إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب۔ قال : " بارك الله لك أولم ولو بشاة"۔

وفيه أيضا(ص۲۷۸): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الأغنياء ويترك الفقراء ومن ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله"۔

وفی المشكوة أيضا(ص۲۵۲): وعن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين"

وفيه أيضاً(ص۲۵۲): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه"۔

وفيه ايضاً (۲۷۷): عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال : ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عند الله لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتي عشرة أوقية۔

وفی تنوير الابصار (۸۶/۳ تا ۹۰): (وتعتبر)۔۔۔(نسبا فقريش)۔۔۔ (أكفاء)۔۔(و) ۔۔(العرب) ۔۔ (أكفاء)۔۔۔(و)۔۔۔ (وأبوان فيهما كالآباء)۔۔۔ (و)۔۔۔ (ديانة)۔۔۔ (ومالا)۔۔۔ (وحرفة)۔

وفی الدرالمختار(۸/۳): ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد و شهود عدول والاستدانة له والنظر إليها قبله وكونها دونه سنا وحسبا وعزا ومالا وفوقه خلقا

Marfat.com

وأدبا وورعا وجمالا وهل يكره الزفاف المختار لا إذا لم يشتمل على مفسدة دينية۔

وفی الدرالمختار(٦/٣٤٨ و ٣٤٩): (دعي إلى وليمة وثمة لعب أو غناء قعد وأكل) لو المنكر في المنزل فلو على المائدة لا ينبغي أن يقعد بل يخرج معرضا لقوله تعالى { فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين }--- (وإن علم أولا) باللعب (لا يحضر أصلا) سواء كان ممن يقتدى به أو لا لأن حق الدعوة إنما يلزمه بعد الحضور لا قبله ابن كمال وفي السراج ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر قال ابن مسعود صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات قلت وفي البزازية استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلاة والسلام استماء الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر أي بالنعمة فصرف الجوارح إلى غير ما خلق لأجله كفر بالنعمة لا شكر فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روي أنه عليه الصلاة والسلام أدخل اصبعه في أذنه عند سماعه۔

(١٦) رخصتی شریعت کے مطابق کیسے کی جائے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی میں رخصتی کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ نیز نکاح مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا نہیں؟ اگر گھر میں زیادہ لوگ جمع ہوگئے تو گھر میں نکاح پڑھ لیا جائے کیونکہ مسجد میں نماز کے بعد بہت کم لوگ ہوتے ہیں؟ کیا مجلسِ نکاح میں لوگوں کی کثرت کو نہیں دیکھا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح ایک عبادت ہے اس لئے مسجد میں اس کا انعقاد افضل ہے، چونکہ مسجد میں بلا کسی تکلف کے مجمع اکٹھا ہوجاتا ہے اور خیر وبرکت کا ماحول بھی ہوتا ہے، اس لئے اگر گھر کے مجمع کو مسجد میں لاکر مجلس نکاح منعقد کی جائے تو یہ صورت زیادہ مناسب ہے، گو گھر وغیرہ پر ہی مجمع میں نکاح کرلیا جائے تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، تاہم مسجد کی خیر وبرکت کا حصول اس صورت میں نہ ہوسکے گا۔

پھر نکاح کے بعد لڑکی کو دولہا کے گھر پہنچا دیا جائے اور اس موقع پر اگر رشتہ دار خواتین وحضرات اور دوست واحباب جمع ہوجائیں اور غیر شرعی امور و بے جا تکلفات سے اجتناب کیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں (گو بالکل خشک ماحول بھی مطلوب

Marfat.com

نہیں)،لیکن ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے کہ کہیں عورتوں کا مجمع ہواور وہاں بے پردگی،مرد وزن کا اختلاط،نمازوں کا ضیاع نہ ہو،اس لئے ایسے پرمسرت موقع پران معاصی،خرافات اورغفلت پیدا کرنے والے ماحول سے خصوصی طور پرزیادہ سے زیادہ بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ غرض اسلامی مزاج ومذاق یہ ہے کہ جتنی سادگی اور بے تکلفی سے آدمی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو یہ زیادہ بہتر اور قابل ستائش ہے۔اس میں میزبانوں کیلئے بھی آسانی ہے اور مہمانوں کو بھی راحت ہے۔

لمافی القرآن الکریم (الأحزاب:۲۱):لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا

وفی الصحیح للامام البخاری (۷۷۵/۲):عن عائشة رضي الله عنها: " تزوجني النبي صلى الله عليه وسلم، فأتتني أمي فأدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن: على الخير والبركة، وعلى خير طائر"۔

وفی روایة أخری:ثم أخذت شيئا من ماء فمسحت به وجهي ورأسي، ثم أدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن على الخير والبركة، وعلى خير طائر، فأسلمتني إليهن، فأصلحن من شأني، فلم يرعني إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى، فأسلمتني إليه، وأنا يومئذ بنت تسع سنين۔

وفی عمدة القاری (۱۴۶/۲۰): لأن العادة أن أم العروس إذا أتت بالعروس إلى بيت زوجها يكون معها نساء قليلات كن أو كثيرات فأم عائشة ومن معها والعروس هن مدعو لهن والنسوة من الأنصار اللاتي كن في البيت هن الداعيات لقوله فيه فقلن على الخير إلى آخره۔

وفيه أيضا (۱۴۸/۲۰):(باب البناء بالنهار بغير مركب ولا نيران)أي هذا باب في بيان جواز دخول الرجل على امرأته بالنهار ولا يختص بالليل قوله:بغير مركب أي بغير ركوب ناس للإعلان ويروى بغيرموكب۔۔۔ قوله:ولا نيران أي ولا نيران توقد بين يدي العروس وحاصله أن زيادة الإعلان بركوب القوم بين يدي العروس أو بإيقاد النيران مكروه وقد روي سعيد بن منصور من طريق عروة بن رويم أن عبد الله بن قرظ الثمالي وكان عامل عمر رضي الله تعالى عنهما على حمص فمرت به عروس وهم يوقدون النيران بين يديها فضربهم بدرته حتى تفرقوا عن عروسهم ثم خطب فقال إن عروسكم أوقدوا النيران و تشبهوا بالكفرة والله مطفىء نارهم۔

وفی صحیح البخاری (۷۷۵/۲):عن أنس رضي الله عنه، قال: أقام النبي صلى الله عليه وسلم بين

Marfat.com

خيبر والمدينة ثلاثا يبنى عليه بصفية بنت حيي، فدعوت المسلمين إلى وليمته۔۔۔ الى قوله۔۔۔ فلما ارتحل وطى لها خلفه ومد الحجاب بينها وبين الناس۔

دعاء الناس الى الوليمة بغير تسمية ولا تكلف وهى سنة، (عمدة القارى،٢٠/١٥١)

وفى اعلاء السنن (١١/٩): فان النكاح له شبه عظيم بالعبادات دون المعاملات ۔۔۔ فإن العلة انما هى الاعلان والمسجد اولى له لكونه جامعا للمسلمين من غير حاجة الى الاهتمام بالتداعى ولذا استحب له يوم الجمعة لهذه العلة بعينها۔

وفيه أيضا (ص١٤) وكل ذلك مقيد بأن لا يشتمل على مفسدة دينية، وقلما يخلو اجتماء النساء منها، فتراهن فى الولائم لايصلين الصلوات لأوقاتها، ولا يحتجبن من الأجانب ولا يراعين آداب الاجتماء فى المجالس والى الله المشتكى۔

وفى الدر المختار (٣/٨۔٩):ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة ۔۔۔ وهل يكره الزفاف المختار لا إذا لم يشتمل على مفسدة دينية۔

وفى الرد تحته:قوله (ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي أعلنوا هذا النكاح وجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف فتح ۔۔۔ قوله(يوم جمعة) أي وكونه يوم جمعة فتح تنبيه قال في البزازية والبناء والنكاح بين العيدين جائز وكره الزفاف والمختار أنه لا يكره لأنه عليه الصلاة والسلام تزوج بالصديقة في شوال وبنى بها فيه وتأويل قوله عليه الصلاة والسلام لا نكاح بين العيدين إن صح أنه عليه الصلاة والسلام كان رجع عن صلاة العيد في أقصر أيام الشتاء يوم الجمعة فقاله حتى لا يفوته الرواح في الوقت الأفضل إلى الجمعة اهـ

وفى الشامية أيضا(٣/٩): قوله (وهل يكره الزفاف) هو بالكسر ككتاب إهداء المرأة إلى زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماء النساء لذلك لأنه لازم له عرفا أفاده الرحمتي۔

(١٧) لڑکی کی رخصتی کیلئے بارات لے جانے کا شرعی حکم

سوال

میرا ایک دوست ہے جو ماشاء اللہ بہت ہی نیک ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہر کام سنت کے مطابق کرے، اب اس کی

Marfat.com

شادی ہونے والی ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ میں شادی سنت کے مطابق کروں گا، بارات وغیرہ لے کر نہیں جاؤں گا، صرف چند افراد جا کر لڑکی لے آئیں گے لیکن اس بات پر اس کے گھر والے راضی نہیں، وہ کہتے ہیں کہ تمام برادری والے جائیں گے۔ میرا دوست کہتا ہے کہ اگر گھر والے میری بات پر راضی نہیں تو میں اکیلے جا کر لڑکی لے آؤں گا۔

آپ حضرات سے چند سوالوں کے جوابات معلوم کرنے ہیں:

(۱) شادی کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

(۲) لڑکی کی رخصتی کیلئے بارات لے جانا مسنون ہے یا اکیلے دولہا کا جانا مسنون ہے؟

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا رخصتی کے بارے میں کیا معمول تھا؟

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلہن کے گھر بارات لے جانا ثابت ہے یا نہیں؟

(۵) اگر ثابت ہے تو اس میں برادری کے تمام افراد شامل تھے یا چند افراد جا کر لڑکی لے آتے تھے؟

برائے مہربانی شادی کے بارے میں جو مسنون طریقہ ہو جلد بیان کر کے ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس کی ترغیب بھی بہت سی روایات میں آئی ہے۔ شادی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے عقد نکاح ہو، بہتر یہ ہے کہ عقد نکاح مسجد میں ہو، تاکہ سب لوگوں کو اس کا علم ہو جائے۔ اس کے بعد رخصتی کا عمل ہو، پھر شب زفاف کے بعد ولیمہ کا انعقاد ہو جائے۔

لڑکی کی رخصتی کیلئے باقاعدہ طور پر بارات لے جانا، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شادی میں دلہن کو لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا ہے، خود دلہن کے گھر نہیں گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا رخصتی کے بارے میں عام معمول یہ تھا کہ لڑکی کا باپ یا ولی لڑکی کو تیار کر کے خود یا کسی اور کے واسطے سے دولہا کے گھر پہنچا دیتا، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے متعلق روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ لڑکی والے خود دلہن کو دولہا کے گھر پہنچائیں۔ اگر وہ پہنچانے کیلئے تیار نہ ہوں تو پھر دولہا خود یا کسی ایسے شخص کو (جو دلہن کا محرم بنتا ہو) لڑکی کو لانے کیلئے بھیج دے۔ مروجہ طریقوں سے بارات لے جانا اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، البتہ اگر خلاف شرع امور سے اجتناب کرتے ہوئے لڑکے کے خاندان کے چند افراد بارات کی صورت میں جائیں اور لڑکی کو رخصت کر کے لے آئیں تو اس کی گنجائش ہے۔

لما فی صحیح البخاری (۷۷۵/۲): عن عائشة رضي الله عنها: " تزوجني النبي ﷺ فاتتني أمي فأدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن: على الخير والبركة، وعلى خير طائر"

Marfat.com

وفی جامع الترمذی (۲۰۷/۱): عن عائشة رضي الله عنهاقالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف۔

وفی إعلاء السنن تحت هذا الحديث(۱۱/۵۔۷) قال الفقهاء: المراد بالدف مالا جلا جل له ۔۔۔ فائدة:۔۔۔(واجعلوه فی المساجد) ۔۔۔ فإن العلة إنما هی الإعلان والمسجد أولی له لكونه جامعا للمسلمين من غير حاجة إلى الاهتمام بالتداعی، ولذا استحب له يوم الجمعة لهذه العلة بعينها واقتصر فی "الفتح" (ص۳: ۱۰۲) على الجواب الأول، قال ويستحب عقدالنكاح فی المسجد لأنه عبادة وكونه يوم الجمعة۔

وفی الاستيعاب فی معرفة الأصحاب (۴۰۱/۴۔ ۴۰۲): وروی عن سعيد عن قتادة أن النجاشی زوج النبی ﷺ أم حبيبة بنت ابی سفيان رضی الله عنهمابأرض الحبشة وأصدق عنه بمائتی دينار۔۔ (الی أن قال) زوجها إياه النجاشی وجهزها اليه واصدقها اربعمائة دينار، و أولم عليها عثمان بن عفان لحما وثريداً وبعث اليها رسول الله ﷺ شرحبيل ابن حسنة فجآء بها۔۔الخ۔

(۱۸) شب زفاف میں کئے جانے والے اعمال

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عنقریب میری شادی ہونے والی ہے، میں چاہتا ہوں کہ پہلی رات (شب زفاف) سنت کے مطابق گذاروں۔آپ سے گذارش ہے کہ اس رات کے گزارنے کا مسنون طریقہ بیان فرمادیں، تاکہ میں اس پر عمل کروں اور اللہ ﷻ ہماری آئندہ زندگی میں برکت دے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شب زفاف گذارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اولاً زوجین وضو کر کے دو رکعت صلاۃ الحاجت پڑھیں، پھر خیر وبرکت، اور توافق ومحبت، پاکیزگی کے ساتھ ساتھ دوام بقاء، نیز صالح اولاد کے حصول کیلئے دعا کی جائے۔پہلی ملاقات میں کلام وگفتگو سے پہلے سلام کرے، پھر عورت کی پیشانی اور اس کے بالوں پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے:

"اللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ"

اس کے بعد اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ زوجین شادی سے پہلے اجنبی اور غیر مانوس ہوتے ہیں لہٰذا جماع اور صحبت میں جلد

Marfat.com

بازی نہ کرے، بلکہ پہلے انسیت ومحبت اور خوش طبعی کی باتیں ہوں پھر آہستہ آہستہ بیوی کو اپنی طرف مائل وقریب کرے۔

عورت گھر کی ملکہ بھی ہے اور فطری طور سے محبوبہ بھی، آپ کی رفیقہ حیات اور دکھ درد میں معاون و مددگار بھی، اس لئے محبت و الفت کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا وقار ومقام بھی ملحوظ رکھا جائے۔اس کے بعد جماع سے قبل یہ دعا پڑھے:

"بِاسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا"

ہمبستری کے وقت اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لینا چاہیئے، برہنہ ہوکر ہمبستری نہ کرنی چاہیئے۔جماع کے موقع پر قبلہ رخ نہ ہو، یہ احترام قبلہ کے خلاف ہے۔جماع نفس کی خواہش پورا کرنے کی نیت سے نہ ہو، بلکہ اچھی نیت سے کیا جائے۔مثلاً: عفت، پاکدامنی کا حصول، بیوی کا حق ادا کرنا اور اولاد صالح پیدا ہو اور داعی الی اللہ بنے وغیرہ وغیرہ امور کی نیت کرے تاکہ لطف ولذت کے ساتھ ساتھ ثواب بھی ملے۔میاں بیوی کو رات کی باتیں اپنے دوست واحباب کے سامنے بیان کرنے سے گزیر کرنا چاہیئے، یہ شرم وحیا کے خلاف ہے۔

مزید راہنمائی کیلئے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۲۳):نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ۔

وفی البخاری (۷۷۶/۲):عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: " أما لو أن أحدهم يقول حين يأتي أهله: باسم الله، اللهم جنبني الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا، ثم قدر بينهما في ذلك، أو قضي ولد، لم يضره شيطان أبدا"

وفی سنن ابي داؤد(۲۹۳/۳):عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضی اللہ عنہ عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: إذا تزوج أحدكم امرأة أو اشترى خادما فليقل اللهم إني أسألك خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذ بك من شرها ومن شر ما جبلتها عليه وإذا اشترى بعيرا فليأخذ بذروة سنامه وليقل مثل ذلك۔

وفی الدر المختار(۳/۳): كتاب النكاح :ليس لنا عبادة شرعت من عهد آدم إلى الآن ثم تستمر في الجنة إلا النكاح والإيمان (هو) عند الفقهاء (عقد يفيد ملك المتعة) أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي۔

وفی الفقه الاسلامی(۲۶۴۴/۴):آداب الجماع :للجماع آداب كثيرة ثابتة في السنة النبوية منها مايأتي: تستحب التسمية قبله، ويقرأ { قل هو الله أحد }، ويكبر، ويهلل، ويقول ولو مع اليأس عن الولد:باسم الله العلي العظيم، اللهم اجعلها ذرية طيبة، إن كنت قدرت أن تخرج ذلك من صلبي ,اللهم جنِّبني الشيطان، وجنب الشيطان مارزقتنی،رواه أبوداودو ينحرف

Marfat.com

عن القبلة، ولا يستقبل القبلة بالوقاء، إكراماً للقبلة وأن يتغطى نفسه هو وأهله بغطاء، وألا يكونا متجردين فذلك مكروه كما سيأتي وأن يبدأ بالملاعبة والضم والتقبيل وإذا قضى وطره، فليتمهل لتقضي وطرها ، فإن إنزالها ربما تأخر ويكره الإكثار من الكلام حال الجماء، ولا يخليها عن الجماء كل أربع ليال مرة بلا عذر وتأتزر الحائض بإزار ما بين السرة والركبة إذا أراد الاستمتاع بها. ومن أراد أن يجامع مرة ثانية فليغسل فرجه، ويتوضأ؛ لأن الوضوء ينزيد نشاطاً ونظافة وليس في السنة استحباب الجماء في ليال معينة كالاثنين أو الجمعة، ومن العلماء من استحب الجماء يوم الجمعة ويكره الوطء وهما متجردان ـ لما روى ابن ماجه عن عتبة بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال. رسول الله صلّى الله عليه وسلم : إذا أتى أحدكم أهله فليستتر، ولا يتجردان تجرد العَيْرين والعَيْر: حمار الوحش، شبههما به تنفيراً عن تلك الحالة. ويكره تحدثهما بما جرى بينهما، وحرمه بعضهم لما فيه من إفشاء السر، وهو حرام ومن الآداب ألا يحلق شعره، ولا يقلم أظفاره، ولا يخرج دماً، وهو جنب ويستحب في ليلة الزفاف قبل الجماء أن يأخذ الرجل بناصية المرأة ويقول: اللهم إني أسألك من خيرها وخير ما جبلتها عليه، وأعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه ـ

(۱۹) تجدید نکاح اور عام نکاح کے احکام یکساں ہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ان الفاظ سے طلاق دی جن سے عورت بائنہ ہو جاتی ہو یا ایک طلاق رجعی دی تھی اور عورت کی عدت گزر گئی اب دوبارہ رجوع کیلئے تجدید نکاح کرنا ہوتا ہے، کیا اس نکاح میں بھی گواہوں اور وکیل وغیرہ کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ یا صرف کسی آدمی کے سامنے ایجاب وقبول کرلے تو نکاح منعقد ہو جائے گا؟ براہ کرم تجدید نکاح کا طریقہ کار بتادیں اللہ ﷻ آپ کا حامی وناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح چاہے ابتداءً ہو یا اس کی تجدید ہو دونوں صورتوں میں مہر مقرر کرنے، وکیل بنانے اور ایجاب وقبول کے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنے کا حکم یکساں ہے۔ شریعت مطہرہ میں نکاح کا ایک ہی طریقہ کار ہے البتہ اگر تجدید نکاح فقط برائے تجدید ہو کسی غرض (مثلاً عورت کا بائنہ یا مرتدہ ہو جانے کی وجہ) سے نہ ہو تو دوبارہ مہر امقرر کرنا ضروری نہیں، پچھلا مہر ہی کافی ہے۔

Marfat.com

ن الكريم (النساء:٣): فانكِحُوا ما طَابَ لكم مِنَ النِّساءِ مثنى وثلاث ورباع فإن
عدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوا ۔

(٢٧٠/١): الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به: ينعقد بالإيجاب والقبول
ي أو وضع أحدهما للمضي والآخر لغيره مستقبلا كان كالأمر أو حالا كالمضارع كذا
ئق۔

(٤٢/١): والاحتياط أن يجدد الجاهل إيمانه كل يوم ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين
رة أو مرتين ، إذ الخطأ وإن لم يصدر من الرجل فهو من النساء كثير۔

سلامی (٦٥٨١/٩): خلاصة شروط الزواج في كل مذهب على حدة :الحنفية: للزو اج
يغة وفي العاقدين وفي الشهود:أما شروط الصيغة : (وهي الإيجاب والقبول) فهي:
ون بألفاظ مخصوصة: وهي إما صريحة وإما كناية۔۔۔(٢)أن يكون الإيجاب
مجلس واحد۔(٣) ألا يخالف القبول الإيجاب۔(٤)أن تكون الصيغة مسموعة
٥) ألا يكون اللفظ مؤقتاً بوقت كشهر، وهونكاح المتعة۔۔۔۔ وأما الشهادة: فهي
الزواج، وتكون بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين، ولو كانا محرمين بالنسك۔

کے لئے تمام شرائط نکاح ضروری ہیں

سوال

ے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے بیوی کو تین طلاقیں دیں، اب وہ حلالہ کرانا
ناجارہا ہے کیونکہ وہ یہ بات خاندان میں ظاہر نہیں کرنا چاہتا، دوسری طرف جو شخص حلالے کے لئے تیار ہے وہ کہیں
۔آپ اسے ایک گاڑی مکینک کہہ سکتے ہیں۔اب کیا کیا جائے؟ مولوی صاحب سے پوچھا، انہوں نے کہا کوئی
یں والدین کی رضا کے بغیر نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، اب آپ ہی بتائیں کہ کیا حلالہ کے نکاح کے لئے تمام شرائط
ں ہے یا کچھ تخفیف ہوسکتی ہے؟

Marfat.com

میں) کفاءت شرط ہے اسی طرح حلالہ کا حکم ہوگا، جس طرح ایک لڑکی بغیر ولی کی رضامندی کے غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ فاسد قرار پاتا ہے اسی طرح حلالہ کیلئے نکاح میں اگر عورت نے بغیر ولی کی رضا کے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو وہ نکاح بھی فاسد قرار پائے گا اور عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی، کیونکہ حلالہ کے صحیح ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ نکاح صحیح کیا جائے، اس کے بعد وطی ہو پھر عورت طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد عدت پوری کر کے پہلے شوہر کیلئے حلال ہوتی ہے۔

لہٰذا جس عورت کو تین طلاقیں ہوگئی ہیں وہ اگر غیر کفو میں، ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرتی ہے تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہوگی بلکہ ایسی عورت کو چاہیئے کہ کفوء میں نکاح کرے یا اگر غیر کفوء میں ہی نکاح کرنا ہے تو ولی کو راضی کرے۔

البتہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ایسے شخص کے ساتھ پیش آتا ہے جو صاحبِ اولاد ہوتا ہے اور غلطی سے طلاق دے بیٹھتا ہے، اس صورت میں اولیاء کو خبر ہونا خاندان میں بے عزتی کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ لڑکی کے سرپرست عموماً اس صورتِ حال میں لڑکی کو گھر بلا لیتے ہیں اور پھر بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے اور قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ خاندان تباہ ہو جائے، جبکہ یہ اپنے فعل پر نادم بھی ہوتا ہے، لہٰذا ایسے گھرانوں کیلئے جائے خلاصی یہ ہے کہ کسی عالم کے سامنے جا کر اپنا مسئلہ رکھیں اور چونکہ عالم کا علم ہر چیز کا کفو ہے، یہاں تک کہ عالم کو عربیہ کا بھی کفوء قرار دیا گیا ہے، اس لئے کسی عالم کے سامنے تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا مسئلہ بیان کریں اور انہیں حلالہ کے نکاح کیلئے راضی کریں، وہ عالم بچوں کی اصلاح اور میاں بیوی کے مستقبل کو بچانے کیلئے نیز دیگر امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ان کا غالب ظن یہ ہو کہ یہ خاندان اس امر کا محتاج ہے اور نہ کرنے کی صورت میں بچوں وغیرہ کے ضیاع کا قوی اندیشہ ہو تو وہ یہ نکاح کر لیں البتہ اس نکاح میں طلاق وغیرہ کی شرط نہ لگائی جائے۔ بعد از مباشرت وہ عالم، بغیر کسی دباؤ کے، خود ہی طلاق دے دیں تو وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی کیونکہ وہ عالم سب کا کفوء ہے اور لڑکی کا از خود بغیر اولیاء کی رضامندی کے کفوء میں کیا گیا نکاح نافذ اور منعقد ہے، اس لئے یہ نکاح درست شمار ہوگا اور وہ عورت شوہر اول کیلئے حلال ہو جائے گی۔

یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ حلالہ درحقیقت شوہر اول کیلئے ایک سزا ہے، لیکن چونکہ اس شوہر سے غلطی ہوگئی ہے اور وہ نادم بھی ہے نیز پورا گھر داؤ پر لگا ہوا ہے لہٰذا ان ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مشورہ دیا گیا ہے جیسا کہ کتب فقہ میں بچوں کے مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے بغیر شرط کے حلالہ کر دینے پر شوہر ثانی کیلئے ثواب کی امید بھی تحریر ہے۔

نوٹ:..... حلالہ شرعیہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دیدے، وہ عورت عدت گزر جانے کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ نکاحِ صحیح کرے، وہ دوسرا شخص اس عورت سے وطی بھی کر لے، اس کے بعد اس دوسرے شوہر کی وفات ہو جائے یا زندگی کے کسی موڑ پر یہ شخص اس عورت کو خود ہی طلاق دیدے، اس صورت میں عدت گزارنے کے بعد یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جاتی ہے۔

- باقاعدہ حلالہ کی شرط رکھ کر نکاح کرنا اور پھر وطی کے بعد چھوڑ دینا یہ درست نہیں، حدیث میں ایسے شخص پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

Marfat.com

والعالم الفقير يكون كفؤا للغني الجاهل والوجه فيه ظاهر لأن شرف العلم فوق شرف النسب فشرف المال أولى۔

(۲۱) کورٹ میرج کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کورٹ میرج کا نکاح شرعاً معتبر ہوتا ہے؟ کیا ایسا منعقد ہوجاتا ہے جس میں لڑکا اور لڑکی راضی ہوں، مگر دونوں کے والدین راضی نہ ہوں یا یہ کہ دونوں میں سے کسی ایک کے والدین راضی نہ ہوں، دوسرے کے راضی ہوں۔ براہ کرام تینوں صورتوں کا واضح جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کورٹ میرج کے نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ جاننے سے قبل یہ جاننا چاہیئے کہ اللہ عزوجلّ نے والدین اور اولاد کے درمیان جو رشتہ محبت کا قائم کیا ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں، اسی کی وجہ سے والدین اولاد کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ جس طرح والدین کے دل میں اللہ تعالی نے اولاد کی محبت ڈالی ہے، ایسے ہی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم بھی دیا ہے، کہ اولاد، والدین کی ہر جائز بات میں اطاعت کرے اور ان کے مشورہ سے اپنے اُمور کو سرانجام دے، نہ یہ کہ اولاد ایسے اسباب پیدا کرے جن سے والدین کی عزت وآبرو پہ حرف آئے، برادری اور خاندان میں رسوائی کا سبب ہو۔

منجملہ اِن اُمور کے ایک اَمر نکاح ہے کہ جس طرح یہ اولاد کے لئے خوشی اور فرحت کا سبب ہے اس سے زیادہ یہ والدین کے لئے بھی فرحت اور خوشی کا سبب ہے۔ اس میں والدین کی جائز آرزوؤں اور خواہشوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اولاد کے نکاح کی ذمہ داری اور ولایت والدین پر عائد ہوتی ہے کہ اگر والد موجود ہے تو وہ اولاد کا بہتر سے بہتر جگہ نکاح کرے، لیکن اگر اولاد خواہشات اور شہوات نفسانیہ میں ڈوب کر یا کسی اور وجہ سے ایسی صورت اپنالے، جو والدین کے لئے عار اور رُسوائی کا سبب ہو اور اولاد انہیں اعتماد میں لئے بغیر کورٹ میرج کے ذریعے سے نکاح کرلیں تو اس طرح کیا ہوا نکاح کس حد تک معتبر ہے؟ اس میں تفصیل ہے۔

وہ یہ کہ اگر لڑکا اور لڑکی نابالغ ہوں اور وہ اپنا نکاح بلا اجازتِ ولی (والد) خود کرلیں تو یہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا اور اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہو اور وہ اپنا نکاح غیر کفوٴ میں کرلے (یعنی لڑکا حسب ونسب، مال، دینداری وغیرہ میں لڑکی سے کم درجہ کا ہو) تو اس صورت میں لڑکی کا کیا ہوا نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا اور اگر لڑکا عاقل بالغ ہو اور وہ اپنا نکاح ایسی جگہ کرلے جو کہ غیر کفوٴ ہو تو اس صورت میں اس کا کیا ہوا نکاح شرعاً درست ہے، اس لئے کہ کفاءت کا اعتبار عورتوں میں ہوتا ہے، مردوں میں نہیں۔

Marfat.com

ایک اور صورت یہ ہے کہ لڑکی اپنا نکاح ایسی جگہ کرلے جو اس کا کفوٴ ہو (یعنی لڑکا حسب ونسب، مال، دینداری وغیرہ میں لڑکی کے ہم پلہ ہو یا اس سے بڑھ کر ہو) تو اس صورت میں (اگر دیگر شرائطِ نکاح موجود ہوں تو) لڑکی کا کیا ہوا یہ نکاح درست ہے، اگرچہ والدین اس سے ناراضگی کا اظہار کریں، البتہ بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ بہر صورت والدین کی مرضی کو مدنظر رکھا جائے اور ان کو ہر ممکن طریقے سے راضی کرنے کی کوشش کی جائے، والدین کو بھی چاہیئے کہ ایسے معاملات میں اگر کسی اور نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو اولاد کے جذبات کی قدر کریں اور برضا ورغبت مسنون اور شرعی طریقے سے ان کا نکاح کردیں تاکہ کسی قسم کے فتنے میں ابتلاء نہ ہو۔

لمافی المشکوة (ص۲۷۰): وعن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی ﷺ قال :الأیم أحق بنفسها من وَّلیها والبکر تستأذن فی نفسها واذنها صماتها الخ۔

(ص:۲۷۲): وعن عائشةرضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم أعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف۔

وفی الهندیة (۲۹۰/۱): الکفاءة معتبرة في الرجال للنساء للزوم النکاح کذا في محیط السرخسي ولا تعتبر في جانب النساء للرجال کذا في البدائع فإذا تزوجت المرأة رجلا خیرا منها فلیس للولي أن یفرق بینهما فإن الولي لا یتعیر بأن یکون تحت الرجل من لا یکافئوه کذا في شرح المبسوط للإمام السرخسي الکفاءة تعتبر في أشیاء منها النسب۔۔۔ومنها إسلام الآباء۔۔۔ ومنها الحریة۔۔۔(ومنها الکفاءة فی المال) وهو ان یکون مالکا للمهر والنفقه وهو المعتبر فی ظاهر الروایة۔۔۔ومنها الدیانة تعتبر الکفاءة في الدیانة وهذا قول أبي حنیفة وأبي یوسف رحمهما الله تعالی وهو الصحیح کذا في الهدایة فلا یکون الفاسق کفئا للصالحة۔۔۔ سواء کان معلن الفسق أو لم یکن ۔۔۔ (ومنها الحرفة) فی ظاهر الروایة عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ لاتعتبر الحرفة۔۔۔ ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غیر کفء صح النکاح فی ظاهر الروایة ۔۔۔ ولکن للأولیاء حق الاعتراض وروی الحسن عن أبي حنیفة رحمه الله تعالی أن النکاح لا ینعقد وبه أخذ کثیر من مشایخنا رحمهم الله تعالی کذا في المحیط والمختار في زماننا للفتوی روایة الحسن وقال الشیخ الإمام شمس الأئمة السرخسي روایة الحسن أقرب إلی الاحتیاط۔

وفی الشامیة (۵۵/۳): (قوله ولایة ندب) أی یستحب للمرأة تفویض أمرها إلی ولیها کی لا تنسب إلی الوقاحة۔۔۔ (۵۶/۳)(قوله فی غیر الکفء) أی فی تزویجها نفسها من غیر کفء، وکذا له الاعتراض فی تزویجها نفسها باقل من مهر مثلها حتی یتم مهر المثل او یفرق القاضی ۔۔۔ (وقوله بعدم جوازه أصلاً) هذه روایة الحسن عن ابی حنیفة، وهذا اذا کان لها ولیّ لم یرض به قبل العقد فلا

Marfat.com

يفيد الرضا بعده ـــ (قوله وهو المختار للفتوى) وقال شمس الائمة وهذا اقرب الى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لانه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل۔

وفي الشامية أيضا (٣ ٨٣): فإن حاصله أن المرأة إذا زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مكافئة له أو لا فإنه صحيح لازم۔

(۲۲) لڑکی کا کورٹ میرج کر لینے کے بعد بھائیوں کا اسے صحیح نہ ماننا کیسا ہے؟

سؤال

لڑکی اور لڑکا دونوں بالغ ہیں اور دونوں نے اپنی مرضی سے جج کے سامنے کورٹ میرج کر لی اور دو گواہ بھی موجود تھے، لڑکی کا ایک بھائی کہتا ہے کہ میں یہ نکاح نہیں مانتا، یہ شریعت کے مطابق نہیں، دونوں خاندان غریب ہیں، البتہ برادری دونوں کی الگ ہے۔ لڑکی کا بھائی یہ بھی کہہ رہا ہے کہ آپ نے یہ حرام کام کیا ہے اور اب اگر لڑکی کا بھائی یہ کہے کہ ہم لڑکی کو نہیں بھیجتے، اس صورت میں شریعت کے مطابق کیا کیا جائے؟؟؟

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات کی راہنمائی فرمائیں کہ کیا یہ نکاح از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟ لڑکی کو گھر میں روکے رکھنا اور لڑکے کے حوالہ نہ کرنے کی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں کیونکہ یہ دونوں کی زندگی کا مسئلہ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جواب سے قبل چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱) شرعاً نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرنے کو کہتے ہیں۔

(۲) بالغہ لڑکی اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کفو (برابری) میں نکاح کرتی ہے تو اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

(۳) بالغہ لڑکی اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرتی ہے تو اس کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، بلکہ فاسد قرار پاتا ہے۔

(۴) بالغہ لڑکی کیلئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے نکاح کے معاملے کو اپنے ولی کے سپرد کر دے اور ولی بھی بالغہ لڑکی کی رضا کو ملحوظ رکھے کیونکہ نکاح کا معاملہ بہت نازک ہے، اس لئے دونوں ایک دوسرے کی رعایت رکھیں تاکہ فتنہ وفساد نہ ہو۔

(۵) کفو (برابری کا ہونا) میں چھ چیزوں کا اعتبار ضروری ہے۔

۱) آزادی۔ ۲) اسلام۔ ۳) نسب: اس کا اعتبار عربوں میں ہے عجمیوں میں نہیں، ہاں اگر کوئی شخص

Marfat.com

معروف النسب ہو جیسے سیّد وغیرہ تو ان میں کفوء کا اعتبار ہوگا۔ ۴) دیندار ہونا: جب لڑکی اور اس کے گھر والے دیندار ہوں۔
۵) مالداری۔ ۶) پیشہ: یعنی کسی ایسے پیشے والا ہونا کہ لوگ اس پیشے کو کرنے میں عار محسوس نہ کرتے ہوں۔

لہٰذا صورت مسئلہ میں اگر لڑکی اور لڑکے نے دو گواہوں کی موجودگی میں کورٹ میرج کر لی ہے اور لڑکا کفو بھی ہے تو شرعاً نکاح درست ہے، چنانچہ لڑکی کو گھر میں روکے رکھنا اور لڑکے کے حوالے نہ کرنا شرعاً جائز نہیں اور لڑکی کے بھائی کا یہ کہنا کہ [یہ نکاح شریعت کے مطابق نہیں ہوا اور آپ نے حرام کام کا ارتکاب کیا ہے] صحیح نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ برادری الگ ہے تو برادری کے الگ ہونے سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ہاں اگر لڑکا لڑکی کا کفو نہ ہو (یعنی ان مذکورہ اشیاء میں لڑکا لڑکی کے ہم پلہ یا اس سے زیادہ نہ ہو) تو نکاح منعقد نہیں ہوا، اس صورت میں نکاح فاسد ہو جانے کی بناء پر لڑکی کو رخصت کرنا بھی ضروری نہ ہوگا، فقط متارکت یا فسخ کرا لیا جائے، (یعنی لڑکا یا لڑکی اس نکاح کو فسخ کرنے کے الفاظ استعمال کر دیں)۔

لما فی الدر المختار (۳/۹، ۲۱، ۲۲): (وینعقد) ملتبسا (بإیجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر۔۔۔ (و) شرط (حضور) شاهدین (حرین) أو حر وحرتین (مکلفین سامعین قولهما معا)۔۔۔ (مسلمین) لنکاح مسلمة ولو فاسقین أو محدودین في قذف أو أعمیین أو ابني الزوجین أو ابني أحدهما

وفی الشامیة تحته: قوله (ولو فاسقین الخ) اعلم أن النکاح له حکمان حکم الانعقاد وحکم الإظهار فالأول ما ذکره والثاني إنما یکون عند التجاحد فلا یقبل في الإظهار إلا شهادة من تقبل شهادته في سائر الأحکام کما في شرح الطحاوي فلذا انعقد بحضور الفاسقین والأعمیین و المحدودین في قذف وإن لم یتوبا وابني العاقدین وإن لم یقبل أداؤهم عند القاضي کانعقاده بحضرة العدوین۔

وفی الشامیة أیضا (۳/۸۴): فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من کفء لزم علی الأولیاء وإن زوجت من غیر کفء لا یلزم أو لا یصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مکافئة له أو لا فإنه صحیح لازم۔

(۲۳) اٹھارہ سال سے کم عمر بچوں کا نکاح نہ کر سکنے کا قانون بنانا

سوال

پاکستان میں فیملی لاء آرڈیننس (عائلی قوانین) کے نام سے ایوب خان کے دور میں ایک قانون نافذ ہوا تھا، جس کے مطابق

Marfat.com

اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکا اور سولہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح ہندوستان میں برطانوی دور اقتدار میں ''شاردا بل'' کے نام سے ایک ایسا ہی قانون پورے ہندوستان کیلئے نافذ ہوگیا تھا کہ اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکا اور چودہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا، اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ قانون شریعت کے اصولوں سے متصادم ہے؟

(۲) نیز اس کے نفاذ کے بعد ان عمروں سے کم کے نوجوانوں کا نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

(۳) کافر اور مسلمان حکومتوں کے درمیان اس قانون کے نافذ کرنے میں فرق ہوگا یا نہیں؟

(۴) کیا اسلام میں کوئی عمر نکاح کیلئے مقرر ہے؟

(۵) کافر ملک کا تو سمجھ آتا ہے کیونکہ کافر تو کافر ہے، مگر مسلمان ملک میں اس کا نفاذ سمجھ نہیں آتا، کچھ تو دلیل ہوگی جو پاکستان میں اس کا نفاذ ہوا۔

براہ کرم ان دلائل کے جوابات بھی مرحمت فرمائیں اور مسئلے کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈال دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شرعاً نکاح کیلئے کوئی مدتِ متعینہ نہیں بلکہ عمر کے کسی بھی حصے میں نکاح ہوسکتا ہے، اگر بچے یا بچی پر علاماتِ بلوغ ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال کی عمر میں اسے بالغ سمجھا جائے گا البتہ بلوغت سے قبل بھی نکاح منعقد ہوسکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی مانع نہیں، لیکن مصالح نکاح کے حصول کیلئے بہتر یہ ہے کہ نکاح بلوغت کے بعد ہو کیونکہ چھوٹی عمر میں نکاح کے بعد ممکن ہے بالغ ہونے تک لڑکے یا لڑکی کی ترجیحات بدل جائیں اور پھر اس بندھن کو باقی رکھنا مشکل ہوجائے لہٰذا بلوغت کے بعد دیکھ بھال کر رشتہ کرنا بہتر ہے، بہرحال اگر بچے کے والدین چھوٹی عمر میں ہی بچے کے نکاح میں فائدہ دیکھیں تو بلاشبہ نکاح کیا جاسکتا ہے، لہٰذا آپ کے سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) یہ قانون خلافِ شرع ہے۔

(۲) اس کے نفاذ کے بعد بھی ان عمر سے کم عمر کے بچوں کا نکاح ہوسکتا ہے، اس ذیل میں یہ قانون غیر مؤثر ہوگا۔

(۳) دونوں طرح کی حکومتیں برابر ہیں۔

(۴) اسلام میں نکاح کی کوئی خاص عمر مقرر نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔

(۵) مسلمان ملک میں ایسے قانون کا نفاذ کسی دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ مغرب کے پروپیگنڈے اور اس سے متاثر مسلمانوں کی بناء پر ہے شریعت یا دلیل سے اس قانون کا کوئی تعلق نہیں۔ جدت پسندوں کی طرف سے نکاح کے شرعاً آسان معاملے کو مشکل بنانے کیلئے ایسے اقدامات سامنے آتے رہتے ہیں۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۶): وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ

وفی المشکوۃ (ص۲۷۱): وعن أبي سعيد رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی الله عنهما قالا: قال رسول الله صلى

Marfat.com

الله عليه وسلم : " من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه " ۔

وفی الدرالمختار(۹/۳) :(وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي) لأن الماضي أدل على التحقيق (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك۔

(۲۴)شادی کے موقع پر دولہا کو تحفہ دینا شرعاً کیسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر دولہا کو عزیز و اقارب اور قریبی دوست اپنی اپنی مرضی سے کچھ رقم بخوشی دیتے ہیں۔کیا شرع میں اس کا کوئی جواز ہے؟ یہ بدعت یا رسم ورواج میں تو نہیں آتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دولہا کو تحفہ وغیرہ دینا یہ مسنون طریقہ ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ہدیہ دے کر بھیجا تھا، لہٰذا مذکورہ صورت میں شادی کے موقع پر دولہا کو رقم یا ہدیہ وغیرہ دینا یہ بدعت نہیں بلکہ مسنون ہے، البتہ اس معاملے میں حد سے تجاوز کرنا اور اسے لازم سمجھ کر لینا دینا اور نہ دینے والے پر طعن وتشنیع یا برے جذبات دل میں لانا ان امور سے اجتناب کرنا چاہیئے، اور اگر ایسے عوامل کے پیشِ نظر ہدایا کا لین دین ہو رہا ہو تو اسے ترک کر دینا چاہیئے۔

لما فی البخاری (۷۷۵/۲): باب الهدية للعروس: وقال إبراهيم: عن أبي عثمان واسمه الجعد، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: مر بنا في مسجد بني رفاعة، فسمعته يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا مر بجنبات أم سليم دخل عليها فسلم عليها، ثم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم عروسا بزينب، فقالت لي أم سليم: لو أهدينا لرسول الله صلى الله عليه وسلم هدية، فقلت لها: افعلي، فعمدت الى تمر وسمن وأقط، فاتخذت حيسة في برمة، فأرسلت بها معي إليه، فانطلقت بها إليه، فقال لي:ضعها ، ثم أمرني فقال:ادع لي رجالا سماهم وادع لي من لقيت قال: ففعلت الذي أمرني، فرجعت فإذا البيت غاص بأهله، فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يديه على تلك الحيسة وتكلم بها ما شاء الله، ثم جعل يدعو عشرة عشرة يأكلون منه۔الخ۔

وفی الترمذی (۳۴/۲):عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: تهادوا فإن الهدية تذهب وحر الصدر ولا تحقرن جارة لجارتها ولو شق فرسن شاة۔

Marfat.com

وفی عمدة القاری (۱۵۱/۲۰): وفيه فوائد الأولى كونه أصلا في هدية العروس وكان الإهداء قديما فأقرها الإسلام۔

(۲۵) نکاح کے موقع پر مٹھائی یا چھوارے تقسیم کرنے کا حکم

سوال

ہمارے علاقے میں لوگ نکاح کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک عزیز نے شادی میں چھوارے تقسیم کئے، میں نے ایک صاحب سے وجہ پوچھی کہنے لگے یہ مسنون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمر تقسیم کئے تھے۔

دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) تمر کا کیا مطلب ہے؟ کیا تمر کا اطلاق چھوارے پر ہوسکتا ہے؟ یا کھجور ہی کو تمر کہتے ہیں؟

(۲) کوئی اور میٹھی چیز بتاشہ وغیرہ مسجد میں نکاح کے بعد بانٹنا [پھینک کر یا ہاتھوں میں دیکر] یہ مسنون ہوگا یا نہیں؟ ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۳) اگر ضعیف احادیث میں ایسے مواقع پر اس قسم کے افعال کا ذکر ہے تو ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے؟ انہیں جائز کہیں گے یا استحباب کی حدود میں داخل کرسکتے ہیں۔؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ عقد نکاح ایک خوشی کا موقعہ ہے، اور ایسے موقع پر کھجور یا کوئی اور میٹھی چیز تقسیم کرنا فی نفسہ جائز اور مباح ہے، البتہ یہ عمل ثواب کی نیت سے نہ کیا جائے۔ میٹھی چیز کے پھینکنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ تر چیز (چاہے کھجور ہو یا کوئی اور مٹھائی وغیرہ) کا پھینکنا مطلقاً ممنوع ہے، چاہے مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر، کیونکہ مسجد میں ہو تو مسجد کی تلویث ہوگی ورنہ کپڑے خراب ہوں گے، زمین پر گرنے کی صورت میں وہ چیز خراب ہوگی۔ خشک چیز کا مسجد میں اور مسجد سے باہر پھینکنا جائز تو ہے، البتہ نہ پھینکنا بہتر ہے، آرام سے ہاتھوں میں تقسیم کردیا جائے۔

لہٰذا شادی کے موقع پر میٹھی چیز ثواب کی نیت سے تقسیم کرنا کہ احادیث سے ثابت ہے درست نہیں، اس لئے کہ مذکورہ احادیث اس درجہ کی نہیں کہ ان سے اس کے استحباب کو ثابت کیا جاسکے، البتہ صرف اباحت اور جواز کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۲/۱۱) باب استحباب الوليمة (ط ادارة القرآن): وكتاب النبی ﷺ إلى النجاشی يأمره أن يخطبها للنبی ﷺ ويزوجها منه، ففعل ۔۔۔ ثم أرادوا أن يقوموا، فقال: اجلسوا فإن سنة الأنبياء عليهم الصلوة والسلام اذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج،

Marfat.com

فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا قلت: وليس ذلك بوليمة، بل هو طعام التزويج ويلتحق به ما تعارفه المسلمون من نثر التمر ونحوه فى مجلس النكاح، فقد روى البيهقى عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بسند فيه ضعف وانقطاع "أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم حضر فى املاك (أى نكاح) فأتى بطباق عليها جوز ولوز وتمر، فنثرت فقبضنا أيدينا فقال: مابا لكم لا تأخذون؟ فقالوا: لأنك نهيت عن النهبى فقال: مانهيتكم عن نهبى العساكر خذوا على اسم الله، فجاذبنا وجاذبناه" واغرب إمام الحرمين فصححه من حديث جابر رضی اللہ عنہ، وهو لا يوجد ضعيفا فضلا عن صحيح، وفى "مصنف ابن ابى شيبة" عن الحسن والشعبى: "انهما كانا لا يريان بأسا بالنهب فى العرسات والولائم، وكرهه أبو مسعود وابراهيم وعطاء وعكرمة رحمهم الله كذا فى "التلخيص الحبير"۔

وفى السراجية (ص۷۵) كتاب الكراهية (ط سعيد): لا بأس بنثر السكر والدراهم فى الضيافة وعقد النكاح۔

وفى الهندية (۳۴۵/۵) كتاب الكراهية (ط حقانية):الباب الثالث عشر في النهبة ونثر الدراهم والسكر وما رمى به صاحبه: ذكر في فتاوى أهل سمرقند أن النهبة جائزة إذا أذن صاحبه فيها إذا وضع الرجل مقدارا من السكر أو عددا من الدراهم بين قوم وقال من شاء أخذ منه شيئا أو قال من أخذ منه شيئا فهو له فكل من أخذ منه شيئا يصير ملكا له ولا يكون لغيره أن يأخذ ذلك منه كذا في الذخيرة ۔۔۔ لا بأس بنثر السكر والدراهم في الضيافة وعقد النكاح كذا في السراجية۔

(۲۶) کن صفات کے حامل شخص سے نکاح پڑھوایا جائے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح پڑھانے والا شخص کیسا ہونا چاہیئے؟ کیسی صفات کا مالک ہو جس سے نکاح پڑھوایا جائے؟ کیا اس میں کوئی قید ہے؟ نیز خطبہ، نکاح کے انعقاد کیلئے ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک اعتبار سے نکاح عبادت ہے لہٰذا نکاح پڑھانے والا شخص بھی ایسا ہونا چاہیئے جو متبع شرع ہو، باوقار ہو اور ایجاب وقبول اور خطبہ مسنون پڑھنا جانتا ہو، تاکہ سنت کے موافق نکاح منعقد ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے تشہیرِ نکاح کا حکم دیا ہے، چنانچہ یہ مستحب

Marfat.com

ہے کہ نکاح مسجد میں ہو، جمعہ کے دن عصر کے وقت ہو۔

خطبہ کے بغیر اگرچہ نکاح درست تو ہوجاتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ اس میں خطبہ پڑھ لیا جائے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد الجذماء". (المشكوة: ص ۲۷۲)

یعنی ہر وہ شادی جس میں خطبہ (حمد وثناء) نہ ہو وہ مجذوم (کوڑھ زدہ) ہاتھ کی طرح ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد في الصلاة والتشهد في الحاجة قال: التشهد في الصلاة: "التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله". والتشهد في الحاجة: "إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله". ويقرأ ثلاث آيات۔ الخ۔ (مشكوة: ۲۷۲/۲)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نکاح وغیرہ کی مستقل تعلیم دی ہے، لہذا خطبہ نکاح کا پڑھ لینا مستحب اور بہتر ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النور: ۳۳): وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

وفی مرقاة المفاتیح (۲۸۲/۶): عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال علمنا رسول الله التشهد في الصلاة والتشهد في الحاجة أي من النكاح وغيره۔

وفيه أيضا: (۲۸۴/۶): وعن أبي هريرة قال قال رسول الله كل خطبة بكسر الخاء وهي التزوج ليس فيها تشهد أي حمد وثناء على الله فهي كاليد الجذماء أي المقطوعة التي لا فائدة فيها لصاحبها والجدم سرعة القطع وقيل الجذماء من الجذام وهو داء معروف تنفر عنه الطباء۔

وفی المغنی لابن قدامة (۴۳۳/۷): والخطبة غير واجبة عند احد من اهل العلم علمناه الا داؤد فانه اوجبها الخ۔

وفی الدرالمختار (۸/۳): ويندب: اعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول۔

Marfat.com

وفى الفقه الاسلامى (٦٦١٦/٩):يستحب للزواج ما يأتي:١- أن يخطب الزوج قبل العقد عند التماس التزويج خُطبة مبدوءة بالحمدلله والشهادتين، والصلاة على رسول الله صلّى الله عليه وسلم مشتملة على آية فيها أمر بالتقوى وذكر المقصود، عملاً بخطبة ابن مسعود رضي الله عنه --- والمستحب خطبة واحدة --- فالخطبة مستحبة غير واجبة-

وفيه أيضا (٦٥٢٠/٩):ويدل لكونه عبادة أمر النبي صلّى الله عليه وسلم ، والعبادة تتلقى من الشرع، فالزواج من قبيل العبادة، لما يشتمل عليه من المصالح الكثيرة التي منها تحصين النفس وإيجاد النسل-

وفيه أيضا(٦٦١٨/٩):أن يعقد النكاح يوم الجمعة مساء، لحديث أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً:أمسكوا بالملاك، فإنه أعظم بركة ولأن الجمعة يوم شريف ويوم عيد، والبركة في النكاح مطلوبة، فاستحب له أشرف الأيام طلباً للبركة، والإمساء به، لأن في آخر النهار من يوم الجمعة ساعة الإجابة-

(٢٧) نکاح مسجد میں اور نیک شخص سے پڑھوانا مستحب ہے۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں نکاح پڑھانا شریعت کی رو سے درست ہے یا نہیں نیز نکاح میں خطبہ پڑھنے کا کیا حکم ہے اور نکاح کیسے شخص سے پڑھوانا چاہیئے؟؟؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح مسجد کے اندر کرنا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے اسی طرح خطبۂ نکاح پڑھنا بھی مستحب ہے جبکہ کسی بزرگ ہستی سے نکاح پڑھانا ایک نیک شگون ہے۔

لمافى الترمذى (٢٠٧/١):عن عائشة رضى الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف"

وفى المشكوة (٢٧٢/٢):وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد الجذماء"

وفى نيل الأوطار (ج٣ جز٦ ص٢٤٤،٢٤٥): عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: علّمنا رسول الله صلى الله عليه

Marfat.com

وسلم التشهد فى الصلاة والتشهد فى الحاجة ـــ وفى رواية للبيهقى "اذا اراد احدكم ان يخطب لحاجة من النكاح اوغيره فليقل: الحمد لله نحمده ونستعينه ـ الخ ـ" ـــ وقد استدل بحديث ابن مسعود رضي الله عنه هذا على مشروعية الخطبة عند عقد النكاح وعند كل حاجة ـ

وفى المرقاة (٢٨٥/٦): "عن عائشة رضى الله عنهاقالت قال رسول الله اعلنوا هذا النكاح واجعلوه فى المساجد" وهو امالأنه ادعى الى الاعلان او لحصول بركة المكان وينبغى أن يراعى فيه أيضا فضيلة الزمان ليكون نورا على نور و سروراً على سرور قال ابن الهمام رحمه الله : ويستحب مباشرة عقد النكاح فى المسجد لكونه عبادة وكونه فى يوم الجمعة ـ

وفى الدرالمختار(٨/٣):ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول ـ

وفى الرد تحتة: قوله: (قوله : ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي {أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف } فتح (قوله : وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد ـــ (قوله : في مسجد) للأمر به في الحديث ط ـــ (قوله : بعاقد رشيد وشهود عدول) فلا ينبغي أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ، ولا مع عصبة فاسق ـ

(٢٨) کافر جج کے سامنے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیرون ممالک مثلاً برطانیہ وغیرہ میں نکاح کا طریقہ کار یہ ہے کہ اگر لڑکی وہاں اور لڑکا مثلاً پاکستان میں ہو اور وہ نکاح کرنا چاہتے ہوں تو لڑکے کو وہاں بلا کر غیر مسلم جج کے سامنے ایجاب وقبول کرنا پڑتا ہے۔ تردد اس بات کا ہے کہ نہ خطبہ ہوتا ہے نہ دعاء وغیرہ بس ایک فارملٹی سی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟ کیا وہ لڑکا اس لڑکی سے استمتاع کر سکتا ہے یا دوبارہ نکاح مسلمان قاضی سے پڑھوانا فرض ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ عقد نکاح کیلئے ایجاب وقبول ارکان میں سے ہیں، جبکہ گواہوں کا ہونا اور عاقدین کا عاقل بالغ ہونا وغیرہ شرائط نکاح میں سے ہیں۔ جہاں تک خطبہ نکاح اور دعاء وغیرہ کا تعلق ہے تو خطبہ مستحب ہے، لہٰذا خطبہ پڑھے بغیر بھی نکاح جائز ہے، اگرچہ

Marfat.com

خلاف سنت ہے۔قاضی کا ہونا بھی کوئی ضروری نہیں، چنانچہ صورت مسئولہ میں اگر لڑکا لڑکی عقدِ نکاح کے اہل ہوں اور انہوں نے مسلمان گواہوں کے سامنے باقاعدہ ایجاب وقبول کرلیا ہوتو نکاح منعقد ہوگیا اور لڑکے کیلئے لڑکی سے استمتاع جائز ہے اگرچہ کافر جج کے سامنے یہ ایجاب وقبول ہوا ہو، البتہ مسلمان قاضی کے سامنے مسجد میں نکاح کرنا بہتر ہے اور اسلامی حمیت کا تقاضہ بھی یہی ہے، البتہ صورتِ ھذا میں دوبارہ مسلمان قاضی سے نکاح پڑھوانا ضروری نہیں۔

لمافی الهندية (۲۶۷/۱) : أما تفسيره فهو عقد يرد على ملك المتعة قصدا ـــ وأماركنه فالايجاب والقبول ـــ وأما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية فى العاقد ـــ ومنها الشهادة قال عامة العلماء انها شرط جواز النكاح۔

وفى حاشية الطحطاوى على الدر (۵/۲):(قوله وتقديم خطبة) اى على العقد اطلق فى الخطبة كصاحب البحر والنهر وغيرهما فافاد بذلك انها ليس لها الفاظ معينة ـــ (وشهود عدول) ليكون العقد متفقا عليه۔

وفى الدرالمختار (۸/۳) :ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول۔

وفى الرد تحته:قوله (وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد وأما بكسرها فهي طلب التزوج وأطلق الخطبة فأفاد أنها لا تتعين بألفاظ مخصوصة وإن خطب بما ورد فهو أحسن۔

(۲۹) تبرک کے حصول کیلئے کسی دینی اجتماع میں نکاح پڑھوانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں اس سال تبلیغی اجتماع کیلئے رائیونڈ گیا، ماشاء اللہ کافی لوگ موجود تھے جو بزرگوں کے بیانات یکسوئی کے ساتھ سننے کا اہتمام کرتے تھے وہاں کا ماحول مجھے بڑا پسند آیا لیکن ایک بات میں نے عجیب دیکھی کہ اعلان ہوا ''ابھی نکاح ہوں گے''۔میں نے ایک تبلیغی بھائی سے معلوم کیا تو وہ کہنے لگے ''چونکہ یہاں بڑے بڑے بزرگ موجود ہوتے ہیں، لوگ خیر وبرکت کیلئے ان سے نکاح پڑھواتے ہیں''۔میں نے اس وقت ارادہ کیا کہ آئندہ سال میں بھی اجتماع میں اپنا نکاح پڑھواؤں گا، لیکن جب اپنے امام صاحب سے بات کی تو انہوں نے فرمایا: ''یہ ایک فضول حرکت ہے، ناواقف تبلیغی ایسا کرتے ہیں''۔آپ حضرات بتائیں کہ تبلیغی اجتماعات کے اندر نکاح پڑھوانا کیسا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

مسجد میں نکاح پڑھوانا مستحب ہے، چنانچہ تشہیر بھی ہوجاتی ہے اور تبرک بھی حاصل ہوجاتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص تبرک کیلئے بزرگوں سے نکاح پڑھوائے تو یہ جائز اور مستحسن ہے لہٰذا آپ بھی تبرک کیلئے اجتماع میں بزرگوں سے نکاح پڑھوا سکتے ہیں، لیکن مسجد میں نکاح کی فضیلت حاصل نہ ہو پائے گی لہذا آپ مسجد میں ہی کسی بزرگ سے نکاح پڑھوالیں تو بہتر ہے۔ نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مسجد یا اجتماع گاہ میں نکاح پڑھوانا مقصود نہیں، اصل یہ ہے کہ نکاح کے بعد شادی کی تمام تقاریب کو شریعت کے مطابق انجام دیا جائے، شادی اگر اس طرح کی جائے کہ اس میں مکمل سنتوں کا اہتمام اور منکرات سے اجتناب ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالتا ہے۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۲/۲): عن سهل رضی اللہ عنہ أن امرأة أتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعرضت علیه نفسها فقال مالی الیوم فی النساء من حاجة فقال رجل زوجنیها یا رسول الله۔ الخ۔

وفی سنن الترمذی (۲۰۷/۱): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف۔

وفی المرقاة (۲۸۵/۶): وهو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أولحصول بركة المكان، وينبغی أن يراعى فيه أيضاً فضيلة الزمان ليكون نوراً على نور وسروراً على سرور قال ابن الهمام رحمه الله: ويستحب مباشرة عقد النكاح فی المسجد لكونه عبادة وكونه فی يوم الجمعة۔ الخ۔

وفی الدرالمختار (۸/۳): ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فی مسجد يوم جمعة بعاقدٍ رشيد وشهود عدول۔

وفی الرد تحته: (قوله فی مسجد) للأمر به فی الحديث (قوله يوم جمعة) أی وكونه يوم جمعة، فتح۔

(۳۰) اپنا نکاح خود پڑھا دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص دو افراد کی موجودگی میں خود اپنا نکاح پڑھائے تو کیا یہ نکاح درست ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کی صحت کیلئے دو گواہ ضروری ہیں جو عاقدین کے علاوہ ہوں اور ایجاب وقبول کی مجلس میں موجود ہوں، لہذا اگر لڑکی کی طرف سے کوئی وکیل موجود ہو یا لڑکی نے اس شخص کو ہی اپنے سے نکاح کا وکیل بنا دیا ہو تو اس صورت میں دو افراد کی موجودگی میں اس شخص

Marfat.com

کا کیا ہوا نکاح درست ہے، البتہ مجمع عام میں نکاح کرنا بہتر اور اولی ہے تا کہ نکاح کی تشہیر ہو جائے۔

لما فی مختصر القدوری (ص۱۷۳): النکاح ینعقد بالإیجاب والقبول۔ الخ۔

وفی الدر المختار (۹/۳): (وینعقد) ملتبسا (بإیجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي)۔۔۔ (کزوجت) نفسي أو بنتي أو موکلتي منك (و) یقول الآخر (تزوجت)۔

وفی ردالمحتار (۹/۳): قوله (کزوجت نفسي الخ) أشار إلی عدم الفرق بین أن یکون الموجب أصیلا أو ولیا أو وکیلا۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۵۲۹/۹): انعقاد الزواج بعاقد واحد: قال الحنفیة: ینعقد الزواج بعاقد واحد إذا کانت له ولایة من الجانبین، سواء أکانت ولایته أصلیة کولایة القرابة، أم طارئة کولایة الوکالة، بأن کان العاقد ولیاً من الجانبین کالجد إذا زوج ابن ابنه الصغیر من بنت ابنه الصغیرة، والأخ إذا زوج بنت أخیه من ابن أخیه الصغیر، أو کان أصیلاً ووکیلاً کابن العم إذا تزوج بنت عمه من نفسه، أو کان وکیلاً من الجانبین، أو کان رسولاً من الجانبین، أو کان أصیلاً من جانب، ووکیلاً من جانب آخر کأن توکل امرأة رجلاً لیزوجها من نفسه، أو وکل رجل امرأة لتزوج نفسها منه۔

(۳۱) مسجد میں نکاح کر کے مسجد کی چھت پر ہی دعوتِ نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں ایک شخص کا نکاح ہوا نکاح کے بعد اس شخص نے متولی کی اجازت سے مسجد کی چھت پر اپنے اساتذہ اور دوست واحباب کی دعوت کی، آیا اس طرح مسجد کی چھت پر نکاح کی دعوت کرنا کیسا ہے؟ اور اس کی اجازت دینے والے متولی کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے لیکن مسجد میں دعوت وغیرہ کھانا مکروہ ہے البتہ اگر اعتکاف کی نیت ہو تو پھر جائز ہے بشرطیکہ مسجد کا تقدس پامال نہ ہو، نیز مسجد کی چھت بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ دعوت میں چونکہ سب کا اعتکاف کی نیت کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے اور مسجد کا تقدس پامال ہونے کا بھی خطرہ ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مسجد میں دعوت کرنے سے اجتناب کیا جائے اور متولی کو بھی چاہیئے کہ آئندہ کسی کو بھی مسجد میں دعوت کرنے کی اجازت نہ دے۔

Marfat.com

لما فى البحر الرائق (۶۰/۲) باب مايفسدالصلاة ومايكره فيها (رشيديه): لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته ـــ ولأن تطهيره واجب لقوله تعالى {أن طهرا بيتي للطائفين والعكفين والركع السجود} ولما أخرجه المنذري مرفوعا جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وبيعكم وشراءكم ورفع أصواتكم وسل سيوفكم ـ الخ ـــ (ص ۶۳) والمفتي به أنه لا يلازم غريمه في المسجد لأن المسجد بني لذكر الله تعالى ـ

وفى الهندية (۳۲۱/۵) الباب الخامس فى آداب المسجد (ط حقانيه): ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف وإذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى أو يصلي ثم يفعل ما شاء كذا في السراجية ـــ ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد ـــ مباشرة عقد النكاح في المساجد مستحب ـــ الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا وفي خزانة الفقه ما يدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا في المسجد حرام ـ

وفيه أيضاً (۴۲۵/۲): فإن طعن في الوالي طاعن لم يخرجه القاضي من الولاية إلا بخيانة ظاهرة ـ

وفيه الشامية (۶۶۱/۱): (قوله وأكل ونوم الخ) واذا أراد ذلك ينبغى أن ينوى الاعتكاف فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى أو يصلى ثم يفعل ماشاء ـ

وفيه أيضاً (۴۴۵/۲): قال فى البدائع: فان كان بحيث يتلوث بالماء المستعمل يمنع منه لأن تنظيف المسجد واجب ـ (۳۸۰/۴): قال فى البحر: قدمناه أنه لايعزله القاضى بمجرد الطعن فى أمانته بل بخيانة ظاهرة ببينة ـــ مطلب في شروط المتولي قوله (غير مأمون الخ) قال في الإسعاف ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود ـ

(۳۲) نکاح خواں کا نکاح پڑھانے پر فیس وصول کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح پڑھانے میں سنت طریقہ کیا ہے؟ آیا نکاح پڑھانے پر فیس وصول کرنے کی گنجائش ہے؟ جبکہ اگر فیس نہ دی جائے تو نکاح خواں (جو بغیر فیس کے نکاح پڑھائے) کی تلاش بھی مشکل

Marfat.com

ہوجائے گی، ایسی صورتِ حال کے پیش نظر نکاح خواں کی فیس ادا کرنا جائز ہوگا؟ تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح پڑھانے میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے خطبہ پڑھے، پھر اس کے بعد گواہان کے سامنے ایجاب وقبول کرالے نیز اگر نکاح مسجد یا دیگر دینی اجتماعات میں کیا جائے تو بہتر ہے۔

صورت مسئولہ میں نکاح خواں اور متعاقدین کے درمیان جو اُجرت طے ہوچکی ہو اس کا لینا نکاح خواں کیلئے جائز ہے، بشرطیکہ نکاح پڑھانے والا متعاقدین کا ولی نہ ہو کیونکہ جو عقد کرانا کسی شخص پر واجب ہو اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہوتی، ولی کے علاوہ کیلئے نکاح پڑھانے پر اجرت لینا جائز ہے۔

لمافی الدر المختار (۹/۳): ويندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فى مسجد يوم الجمعة بعاقد رشيد وشهود عدول (وينعقد) متلبساً (بايجاب) من احدهما (وقبول) من الآخر۔

وفى خلاصة الفتاوىٰ (۴۸/۴): ولا يحل له اخذ شئى على النكاح ان كان نكاحاً يجب عليه مباشرته كنكاح الصغائر وفى غيره يحل۔

وفى الهندية (۳۴۵/۳): وفي فتاوى النسفي إذا كان القاضي يتولى القسمة بنفسه حل له أخذ الأجرة وكلّ نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه كذا في المحيط واختلفوا في تقديره والمختار للفتوى أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا وفي الثيب نصف دينار ويحل له ذلك هكذا قالوا كذا في البرجندي۔

(۳۳) نکاح کے موقع پر دولہا سے تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر نکاح خواں دولہا سے تین بار ایجاب وقبول کراتے ہیں تو کیا تین بار ایجاب وقبول کا ثبوت قرآن وسنت سے ملتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسا کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

شرعاً فقط دو گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرنے کا نام، نکاح ہے۔ تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانے کی ضرورت نہیں، لہٰذا نکاح خواں کو چاہیئے کہ شرعی طریقہ کار کو مقدم رکھتے ہوئے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرانے پر اکتفاء کرے اور نکاح کے وقت مروج ان زائد رسومات سے اجتناب کرے۔

لمافی البخاری (۲/۷۷۰،۷۷۱): حدثنا سهل بن سعد رضی اللہ عنہ كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم جلوسا، فجاءته امرأةتعرض نفسها عليه، فخفض فيها النظر ورفعه، فلم يردها، فقال رجل من أصحابه: زوجنيها يا رسول الله، قال:أعندك من شيء؟ قال: ما عندي من شيء، قال: ولا خاتم من حديد؟ قال: ولاخاتم من حديدولكن أشق بردتي هذه فأعطيها النصف، وآخذ النصف، قال: لا،هل معك من القرآن شيء؟قال:نعم،قال: اذهب فقد زوجتكها بما معك من القرآن۔

وفی الهندية (۱/۲۶۷): وأما ركنه فالإيجاب والقبول كذا في الكافي والإيجاب ما يتلفظ به أولا من أي جانب كان والقبول جوابه هكذا في العناية۔

وفی الشامية (۳/۹): قوله (وينعقد) قال في شرح الوقاية العقد ربط أجزاء التصرف أي الإيجاب والقبول شرعا لكن هنا أريد بالعقد الحاصل بالمصدر وهو الارتباط لكن النكاح الإيجاب والقبول مع ذلك الارتباط إنما قلنا هذا لأن الشرع يعتبر الإيجاب والقبول أركان عقد النكاح لا أمورا خارجية كالشرائط۔

(۳۴) نکاح کے وقت زوجین سے کلمہ طیبہ اور ایمان مجمل، مفصل پڑھوانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں نکاح کے وقت لڑکا اور لڑکی سے کلمہ، درود شریف، ایمان مفصل ومجمل وغیرہ پڑھوایا جاتا ہے، اسی طرح دو رکعت نماز بھی پڑھوائی جاتی ہے۔ شرعاً ان چیزوں کی کیا حیثیت ہے خصوصاً اس وقت جبکہ کثرت تعامل کی وجہ سے ان چیزوں کو ایجاب وقبول کا حصہ سمجھنا شروع کر دیا گیا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں ایجاب وقبول ضروری ہے بدون ایجاب وقبول کے نکاح منعقد نہ ہوگا اور ایمان مفصل ومجمل اور کلموں کا پڑھانا انعقاد نکاح کے لئے شرط نہیں ہے بدون پڑھائے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ خصوصاً ان چیزوں کو ایجاب وقبول کا حصہ سمجھنا، اسی طرح دو

Marfat.com

رکعت نماز پڑھوانا یہ بالکل بے اصل ہے، لیکن اگر ایسے ناواقف اور جاہل لوگ ہوں کہ جو کفریہ اور غیر کفریہ الفاظ کو نہ سمجھتے ہوں ایسے لوگوں کو کلمہ اور شریعت کے احکام سے آگاہ کرنا اور تعلیم دینا جائز ہے مثلاً یہ کہ "کہو اللہ ایک ہے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔ غرض یہ کہ ایسے الفاظ ان سے کہلوانا جن سے ان کو مسلمان بنایا جائے، لہٰذا عوام الناس وغیرہ سے کلمہ وغیرہ احتیاطاً پڑھا سکتے ہیں، البتہ خواص میں اس کی ضرورت نہیں۔

نیز نکاح کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اوّل خطبہ مسنون پڑھا جائے اور پھر ایجاب وقبول مجلس نکاح میں کرایا جائے اور کم از کم دو گواہ ایجاب وقبول کو بیک وقت سننے والے مجلسِ عقد میں موجود ہونا ضروری ہیں۔

لمافی المشكوة (ص۲۷):عن عائشة رضى الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"۔

وفى الدرالمختار(۹/۳): (وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي) لأن الماضي أدل على التحقيق (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك۔

وفى الشامية (۴۲/۱): لا شك في فرضية علم الفرائض ۔۔۔ وعلم الألفاظ المحرمة أو المكفرة ، ولعمري هذا من أهم المهمات في هذا الزمان، لأنك تسمع كثيرا من العوام يتكلمون بما يكفر وهم عنها غافلون ، والاحتياط أن يجدد الجاهل إيمانه كل يوم ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين في كل شهر مرة أو مرتين ، إذ الخطأ وإن لم يصدر من الرجل فهو من النساء كثير۔

وفى الفقه الإسلامى(۶۴۹۲/۹):الخطبةمجردوعدبالزواج وليست زواجاً ۔۔ الخطبةوالوعد بالزواج وقراءة الفاتحة وقبض المهر وقبول الهدية، لا تكون زواجاً۔

وفى حاشية الفقه الإسلامى :إن ما يشيع بين الناس من أن قراءة الفاتحة تبيح كل شيء هو غلط محض، ومنكر قبيح وجهل بأحكام الدين، فذلك كله مجرد وعد لا عقد، والعقد وحده هو الذي يبيح ما كان محرماً قبله۔

(۳۵) کیا قاضی (نکاح خواں) کا حکومت سے رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہر کوئی نکاح پڑھا سکتا ہے یا اس کے لئے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہے؟ نیز نکاح پڑھانے پر اجرت لینا درست ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح منعقد ہونے کے لئے میاں بیوی کا ایجاب وقبول اور دو شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ جہاں بھی مرد وعورت کا دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول پایا گیا نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ نکاح میں چند اُمور مندوب اور مستحب ہیں، جنکی رعایت کرنا موجب ثواب اور موجب برکت ہے۔ مثلاً نکاح کا اعلان کرنا، نکاح سے پہلے خطبہ مسنونہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ، چونکہ نکاح کے تمام اُمور کو قاضی ماہر ہونے کی وجہ سے اچھی طریقے سے ادا کرسکتا ہے اس لئے اس سے نکاح پڑھوانا بہتر ہے، لیکن اس کے لئے قاضی کا حکومت سے باقاعدہ اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں، بلکہ جہاں اجازت لینا ضروری ہے وہ قانونی اعتبار سے اور ترتیب نظام قائم رکھنے کے لئے ہے، شرعاً یہ لازم اور ضروری نہیں ہے۔

نکاح پڑھانے پر اُجرت لینے سے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ اگر قاضی لڑکے یا لڑکی کا ولی ہے اور ان کا نکاح کرنا اُس پر واجب ہو تو ایسے قاضی کو نکاح پڑھانے پر اُجرت لینا شرعاً درست نہیں اور اگر قاضی ولی نہیں ہے تو پھر نکاح پڑھانے پر اُجرت لینا شرعاً درست ہے۔

لمافی سنن البیهقی (۱۲۵/۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ : لانکاح الا بولی وشاهدی عدل۔

وفی الهندیة(۳۴۵/۳): وفي فتاوى النسفي إذا كان القاضي يتولى القسمة بنفسه حل له أخذ الأجرة وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه كذا في المحيط۔

وفی الشامیة (۸/۳): قوله (ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف فتح۔ قوله (وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد۔

وفيه أيضا: (۹/۳) قوله (وينعقد) قال في شرح الوقاية العقد ربط أجزاء التصرف أي الإيجاب والقبول شرعا۔۔۔ أيضا (۱۲/۳): فان كان بمحضر من الشهود صح النكاح وإلا فلا۔

وفی الدر المختار (۱۴/۳): ومن شرائط الإيجاب القبول اتحاد المجلس۔

وفی الرد تحته: قوله: (اتحاد المجلس) قال في البحر فلو اختلف المجلس لم ينعقد۔

Marfat.com

(۳۶) چار عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کا طریقہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ایک ہی مجلس میں چار شادیاں کرسکتا ہے یا نہیں؟ نیز ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس میں مذکورہ صورت میں ایجاب وقبول کی کیا صورت ہوگی؟ اور چار سے زائد کیوں جائز نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک شخص ایک ہی مجلس میں بیک وقت چار شادیاں کرسکتا ہے اور ایجاب وقبول کی صورت وہی ہوگی جو ایک عورت کے ایجاب وقبول کی ہے مثلاً مرد عورتوں کو کہے گا [زوجنی نفسکن] یعنی تم اپنے آپ کو میرے نکاح میں دیدو تو وہ سب جواب میں کہیں گی [قبلنا] یعنی ہم نے تم کو قبول کیا۔ اسی طرح آج کل جو وکالت کا مروّج طریقہ ہے اس کے مطابق نکاح خواں چاروں عورتوں کا ایک ایک کرکے نام لے کر ان کی طرف سے ایجاب کرے گا اور لڑکا [قبلت] میں نے انہیں قبول کیا، کہہ کر چاروں کو اپنے عقد میں لے لے گا۔

نیز چار سے زائد شادیوں کا ناجائز ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے (فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ) اس آیت میں تصریح ہے کہ چار سے زائد شادیاں کرنا ناجائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۳): وَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفی الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور (۴۲۷/۲): وأخرج ابن جریر عن عکرمة رحمه الله فی الآیة قال: کان الرجل یتزوج الأربع والخمس والست والعشر فیقول الرجل ما یمنعنی أن أتزوج کما تزوج فلان فیأخذ مال یتیمه فیتزوج به فنهوا أن یتزوجوا فوق الأربع۔

وفی الشامیة (۲۸/۳): قوله (جمع) أي بین المحارم کأختین ونحوهما أو بین الأجنبیات زیادة علی أربع۔

وفی الدر المختار (۴۸/۳): (ولو تزوج أربعا من الإماء وخمسا من الحرائر في عقد) واحد (صح نکاح الإماء) لبطلان الخمس (و) صح (نکاح أربع من الحرائر والإماء فقط للحر) لا أکثر۔

وفی الرد تحته: قلت ویستفاد منه ما لو کان جملة الحرائر والإماء لم تزد علی أربع فإنه یجوز في

Marfat.com

الحرائر فقط وهو صریح ما ذکرناه آنفا عند قوله لا یصح عکسه۔

(۳۷) کیا برادری میں نکاح کرنا ضروری ہے؟

سؤال

لڑکی کی شادی کس عمر میں کی جائے؟ بعض لوگ برادری کے رشتے کے انتظار میں لڑکی کی شادی نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم برادری سے باہر اپنی بچی نہیں دیں گے۔ مفتی صاحب پوچھنا یہ ہے کہ اگر برادری میں لڑکا نہیں یا دیندار نہ ہو تو برادری سے باہر رشتہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

چھوٹی عمر میں بھی لڑکی کی شادی کرنا جائز ہے۔ شرعاً نکاح کے لئے کوئی معین مدت نہیں، لیکن جماع اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اس کی طاقت نہ رکھتی ہو۔ اس زمانے میں بہتر یہ ہے کہ بالغہ ہونے سے پہلے لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے اور جب لڑکی بالغہ ہو جائے اس کے کفوء کا رشتہ بھی ملتا ہو تو بغیر کسی سبب کے نکاح کو مؤخر کرنے سے باپ گناہ گار ہوگا۔

نکاح برادری میں کرنا ضروری نہیں بلکہ اگر برادری میں دیندار لڑکا نہیں ملتا ہو تو باپ کو چاہیئے کہ اپنی اور اپنی صاحبزادی کی آخرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے برادری سے باہر متشرع اور دیندار انسان سے لڑکی کا نکاح کروادے۔ خیر القرون میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہم سب کے لئے بہت بڑا نمونہ اور اُسوہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (باوجود یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نسب و جمال کے اعتبار سے بہت فائق تھیں) ان کا نکاح آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اسے قبول کر کے رہتی دنیا تک کیلئے مثال قائم کر دی تھی کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ صرف نسب میں ہی کم نہیں بلکہ آزاد کردہ غلام بھی تھے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ [جو کہ قریش میں سے نہ تھے اور دشمن کی طرف سے قید ہو کر غلام بنا لئے گئے تھے ان] کا نکاح حضرت ضباعۃ بنت زبیر بن عبد المطلب رضی اللہ عنہا سے پڑھایا جو کہ بظاہر نسب و شرافت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں نکاحوں کے بارے میں بہت ہی زرّیں ارشاد فرمایا:

"أنکحت المقداد وزیدا لیکون أشرفکم عند الله أحسنکم اسلاما"۔

(مصنف عبد الرزاق ۱۵۳/۶)

"میں نے مقداد اور زید کے نکاح (مذکورہ بالا عالی النسب خواتین سے) پڑھائے تا کہ تمہارے میں صاحب شرف و کرم وہ ہو جو اسلام کے اعتبار سے اعلیٰ ہو (نہ کہ نسب کے اعتبار سے)"

یہ جملہ اسلام اور ایک مسلمان کا حقیقی مزاج و مذاق بتاتا ہے، ہمارے لئے اس میں راہنمائی ہے کہ نکاح میں معیار دینداری کو

Marfat.com

بنایا جائے نہ کہ برادری اور خاندان کو، اور برادری سے باہر سے رشتہ نہ کرنے کے پختہ عزائم کر لئے جائیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں اسلام کے ابتدائی قرون سے پیش کی جاسکتی ہیں کہ ایک دیندار شخص جو کہ غلام اور بظاہر پراگندہ حال ہوتا ہے لیکن اس کا نکاح انتہائی عالی النسب خاندانوں میں ہوجاتا ہے اور لڑکی والے اسے عار یا ذلت سمجھنے کے بجائے فخر اور خوشی کا اظہار کرتے تھے۔

یہ انتہائی خطرناک طرزِ فکر وعمل ہے کہ برادری کے چکر میں لڑکی کی دنیا وآخرت برباد کردی جاتی ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر برادری میں ہی دیندار اور باشرع رشتہ موجود ہو اور اسے ترجیح دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لمافی المرقاة (۱۹۲/۶): عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : (اذاخطب اليكم) أى طلب منكم أن تزوجوه امرأة من أولادكم وأقاربكم (من ترضون) أى تستحسنون (دينه) أى ديانته (وخلقه) أى معاشرته (فزوّجوه) أى اياها (ان لا تفعلوا) أى لا تزوجوه (تكن) أى تقع (فتنة فى الأرض وفساد عريض) أى ذو عرض أى كثير لأنكم لم تزوجوه الامن ذى مال أوجاه ربما يبقى أكثر نساء كم بلا أزواج وأكثر رجالكم بلانساء فيكثرون الا فتنان بالزنا۔

وفی الدرالمختار (۸۸/۳): (و) تعتبر في العرب والعجم (ديانة)أي تقوى فليس فاسق كفؤا لصالحة أو فاسقة بنت صالح معلنا كان أولاعلى الظاهر، نهر۔

وفی الرد تحته: قوله (ديانة)۔۔۔قلت والحاصل أن المفهوم من كلامهم اعتبار صلاح الكل ۔۔ فعلى هذا فالفاسق لا يكون كفؤا لصالحة بنت صالح بل يكون كفؤا لفاسقة بنت فاسق۔

(۳۸) لڑکی کا خفیہ طور پر گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری چھوٹی لڑکی نے حال ہی میں خفیہ طور پر شادی کرلی۔ اس بات کا علم گھر کے کسی فرد کو نہیں تھا۔ معلوم ہونے پر والدین نے "لڑکے" کے سامنے یہ بات رکھی کہ جو کچھ ہوگیا سو ہوگیا اور یہ جو نکاح کیا ہے آپ نے اس پر بھی ہم راضی ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ہم اپنی عزت کی خاطر لڑکی کو کچھ ماہ بعد آپ کے سپرد کردیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ ہماری ایک اور لڑکی ہے جو اس سے بڑی ہے۔ اس کی چند ماہ بعد شادی ہے۔ اس کی شادی کے ساتھ ساتھ اس لڑکی کا بھی نکاحِ جدید کردیں گے۔ آیا اس طرح نکاح جدید کرنا شرعاً کیسا ہے؟ یاد رہے کہ ابھی اس وقت لڑکی اپنے میکے میں ہے جبکہ شوہر کو بھی اس بات کا علم ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت میں نکاح کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے علی الاعلان نکاح کیا جائے، تا کہ لوگوں کو نکاح کے بارے میں علم ہوجائے، تاہم اگر کسی لڑکی نے خفیہ طور پر [سرپرست کی اجازت کے بغیر] گواہوں کے سامنے نکاح کرلیا تو اگر یہ نکاح کفوء (دینداری، مال اور پیشہ میں لڑکا، لڑکی کے ہم پلہ ہو یا زیادہ ہو) میں ہوتو جائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی چھوٹی لڑکی نے خفیہ طور پر گواہوں کے سامنے جو نکاح کیا ہے، اگر وہ کفوء میں ہوتو یہ نکاح منعقد ہوگیا ہے، اب اگر آپ لوگ مذکورہ بالا وجہ سے لڑکی کا نکاح دوبارہ کرانا چاہتے ہیں تو شرعاً اس میں بھی کوئی حرج نہیں، دوبارہ نکاح پڑھالیا جائے اور اگر وہ لڑکا، لڑکی کا کفوء نہیں تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اس صورت میں رشتہ ازدواج استوار کرنے کیلئے بہرصورت ان دونوں کا دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی المشکوۃ (۲۷۲): عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف". رواه الترمذي۔

وفی الدرالمختار (۵۵/۳): (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي) والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (وله) أي للولي (إذا كان عصبة)۔۔۔(الاعتراض في غير الكفء) فيفسخه القاضي ويتجدد بتجدد النكاح (ما لم) يسكت حتى (تلد منه) لئلا يضيع الولد وينبغي إلحاق الحبل الظاهر به (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولي بعد معرفته إياه فليحفظ۔

(۳۹) مہر مقرر کئے بغیر فقط ایجاب وقبول سے کئے گئے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اس طرح کروایا کہ ایک مجلس میں اس نے خود اپنی نابالغہ بیٹی کا وکیل بن کر کہا کہ میں نے اپنی بیٹی فلاں لڑکے کو دی اور اس لڑکے نے قبول کرلیا، یہ الفاظ بھری مجلس میں تین مرتبہ دہرائے گئے۔ مولوی صاحب نے خطبہ دیا مگر مہر مقرر نہیں کیا۔ اب جبکہ لڑکی بالغہ ہوچکی ہے، لڑکی کا والد رخصتی دینے کیلئے تیار نہیں، کہتا ہے کہ وہ منگنی تھی، نکاح نہیں تھا، لہٰذا قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلے کا صحیح حل تجویز فرمائیں کہ اگر مہر کے بغیر، محض ایجاب وقبول سے نکاح ہوجاتا ہے تو بھی فرمائیں، یا مہر نکاح میں لازمی شرط ہے۔ تفصیل سے اس مسئلے کا واضح حل تحریر فرمادیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر صغر سنی میں شرعی طریقہ سے، ایجاب وقبول کے ساتھ، گواہوں کی موجودگی میں، لڑکی کا والد اس کا نکاح کردے تو وہ نکاح صحیح اور نافذ ہے، خواہ مہر مقرر کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ صحتِ عقدِ نکاح کیلئے مہر شرط نہیں ہے۔ مہر کے ذکر کئے بغیر بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، البتہ اس صورت میں شوہر پر مہر مثل (لڑکی کی دیگر بہنوں وغیرہ کا جو مہر مقرر ہوا تھا وہ) واجب ہوتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کے والد نے ایک مجلس میں ایجاب وقبول کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کردیا ہے تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہے، اب اس کا یہ کہنا کہ "وہ نکاح نہیں تھا، منگنی تھی" درست نہیں۔

لمافی البحر الرائق (۲۴۹/۳): (قوله: صح النكاح بلا ذكره) لان النكاح عقد انضمام وازدواج لغة فيتم بالزوجين، ثم المهر واجب شرعاً ابانة لشرف المحل فلا يحتاج الى ذكره لصحة النكاح۔

وفی الدرالمختار(۱۰۸/۳): (وكذا يجب) مهر المثل (فيما إذا لم يسم) مهرا۔

وفی الشامیة تحته: قوله (فيما إذا لم يسم مهرا) أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه فدخل فيه ما لو سمى غير مال كخمر ونحوه أو مجهول الجنس كدابة وثوب۔

وفيه أيضا(۶۶،۶۵/۳): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة) جبرا۔۔۔(ولزم النكاح ولو بغبن فاحش)۔۔۔ (أو) زوجها (بغير كفء إن كان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أبا أوجدا)۔

وفی الرد تحته: قوله (ولزم النكاح) أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في تزويج الأب والجد والمولى وكذا الابن على ما يأتي۔

(۴۰) اگر والدین اور اولاد کی پسند میں اختلاف ہوجائے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں اس سال دورۂ حدیث شریف کررہا ہوں فراغت کے بعد شادی کا مسئلہ ہے میرا ارادہ ہے کہ کسی عالمہ یا حافظہ لڑکی سے شادی کرلوں لیکن والدین کہہ رہے ہیں کہ اپنی قوم اور برادری سے شادی کرو، عالمہ وغیرہ کی ضرورت نہیں، یہ ہمیں اور آپ کو تنگ کرے گی۔ میں بہت پریشان ہوں اس لئے آپ میری راہنمائی کریں مجھے کیا کرنا چاہیے، نیز شادی کے معاملے میں والدین کی بات ماننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں بالغ مرد پر شادی کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، وہ اپنی مرضی سے جس عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہے

Marfat.com

کرسکتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ جہاں بھی جس عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہیں، کرسکتے ہیں البتہ بہتر یہ ہے کہ آپ والدین کی رضامندی سے شادی کریں۔

لمافی جامع الترمذی (۱۲/۲): عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد۔

وفی مشکاة المصابیح (ص۲۶۷): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "تنكح المرأة لأربع : لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"

وفی عمدة القاری (۸۲/۲۲): ولایجب علی الولدطاعتهما فی کل ما یامران ولا فی کل ما ینهیان عنه باتفاق العلماء۔

وفی الدرالمختار (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فان استاذنها هو) اى الولى وهو السنة۔

وفی الرد تحته:(ولا تجبر البالغة) ولا الحرالبالغ والمكاتب والمكاتبة ولو صغيرين۔

(۴۱) بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح پڑھا دینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بھانجی کی شادی تھی، ہم سب نکاح کیلئے مقررہ وقت پر مسجد میں پہنچ گئے، بعد میں مجھے یاد آیا کہ میں نے دلہن سے تو اجازت ہی نہیں لی اور نہ اس کے دستخط کروائے، گھر بھی بہت دور تھا۔ میں نے قاضی صاحب سے ویسے ہی کہہ دیا کہ جی دلہن کی طرف سے اجازت ہے، انہوں نے دولہا سے قبول کروالیا۔ نکاح کے بعد گھر آکر میں نے دلہن سے اجازت لے لی اور دستخط کروالئے۔ اب آپ سے پوچھنا یہ تھا کہ آیا یہ نکاح درست ہوگیا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں بالغہ لڑکی کے نکاح کے منعقد ہونے کیلئے اس کی اجازت ضروری ہے، تاہم اگر کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرادے تو یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ جائز قرار دے تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور اگر انکار کردے تو نکاح کالعدم ہوجائے گا۔

صورت مسئولہ میں آپ نے اپنی بھانجی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرایا ہے لہذا یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف تھا، بعد میں اس کی طرف سے قولاً وفعلاً رضامندی پائی گئی تو یہ نکاح منعقد ہوگیا۔

Marfat.com

لمافى المبسوط للسرخسى،باب الوكالة فى النكاح (۱۵/۵): قال اذا خطب الرجل امرأة على رجل غائب لم يامره فزوجت نفسها اوزوجها ابوها برضاها فقدم الغائب أو بلغه ذلك فاجاز النكاح فهو جائز عندنا۔

وفى الهندية (۲۹۹/۱): كتاب النكاح الباب السادس فى الوكالة بالنكاح وغيرها:كل عقد صدر من الفضولى وله قابل يقبل سواء كان ذلك القابل فضولياً آخرأو وكيلاً أو أصيلاً انعقد موقوفاً هكذا فى النهاية۔

وفى الشامية(۵۵/۳)باب الولى:الأيم أحق بنفسها من وليها رواه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي ومالك في الموطأوالأيم من لا زوج لها بكرا أو لا فإنه ليس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضيت وقد جعلها أحق منه به۔

(۴۲) باپ کا بیٹے کی غیر موجودگی میں اس کا نکاح کر دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی شادی اس کی غیر موجودگی میں کرے اور بہو کو اپنے بیٹے کی غیر موجودگی میں گھر بھی لائے تو کیا یہ نکاح اور شادی درست ہو جائے گی؟ شریعت کی رو سے مسئلے کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر لڑکے نے باپ کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا ہے تو باپ کا کیا ہوا نکاح بیٹے کیلئے بیٹے کی عدم موجودگی میں درست ہوگا اور باپ اپنی اس بہو کو گھر لا سکتا ہے۔ اگر لڑکے نے باپ کو نکاح کیلئے وکیل نہیں بنایا اور باپ نے بیٹے کی عدم موجودگی میں نکاح کرا دیا تو یہ نکاح بیٹے کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر بیٹے نے اجازت دے دی تو یہ نکاح درست ہوگا اور باپ اپنی بہو کو گھر لا سکتا ہے، اگر اجازت نہیں دی تو باپ کا کیا ہوا نکاح درست نہ ہوگا اور باپ لڑکی کو بہو بنا کر گھر میں نہیں لا سکتا۔

لمافى الهداية(۳۰۷/۳)المطبوع مع فتح القدير: قال وتزويج العبد والأمة بغير إذن مولاهما موقوف فإن أجازه المولى جاز وإن رده بطل وكذلك لو زوج رجل امرأة بغير رضاها أو رجلا بغير رضاه وهذاعندنافإن كل عقد صدر من الفضولي وله مجيز انعقد موقوفا على الإجازة وقال الشافعي رحمه الله تصرفات الفضولي كلها باطلة۔

Marfat.com

وفی الدر المختار (۹۷/۳): (ونکاح عبد وأمة بغیر إذن السید موقوف) علی الإجازة (کنکاح الفضولي) سیجيء في البیوع توقف عقوده کلها إن لها مجیز حالة العقد ولا تبطل۔

(۴۳) نکاح کا اقرار کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مکان میں ایک مرد اور عورت کافی عرصے سے میاں بیوی کے طور پر رہ رہے تھے۔ اس بات کو انہوں نے محلے میں مشہور بھی کر رکھا تھا، مگر کافی دنوں بعد یہ بات کھلی کہ انہوں نے نکاح نہیں کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بلا ایجاب وقبول کے مرد وزن نے باہم زوجین ہونے کا اقرار کیا ہے، کیا اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت کے بارے میں کہے کہ "یہ میری بیوی ہے" اور عورت بھی اس مرد کے بارے میں کہے کہ "یہ میرے شوہر ہیں" کیا ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں مرد اور خاتون کے ایجاب وقبول کا نام ہے اور ایجاب وقبول کئے بغیر محض اقرار سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، لہذا اگر کسی شخص نے کسی خاتون کے متعلق یہ کہا کہ "یہ میری بیوی ہے" اور اس خاتون نے اس شخص کے متعلق یہ کہا کہ "یہ میرے شوہر ہیں" تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ برتقدیرِ صحتِ واقعہ یہ دونوں مرد اور خاتون اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور نکاح کر کے زنا کی لعنت سے اجتناب کریں۔

لمافی جامع الترمذی (۲۱۰/۱): عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: البغایا اللاتی ینکحن أنفسهن بغیر بینة قال یوسف بن حماد رفع عبد الأعلی هذا الحدیث فی التفسیر وأوقفه فی کتاب الطلاق ولم یرفعه۔۔۔ وفی هذا الباب عن عمران بن حصین وأنس وأبی هریرة رضی الله عنهم والعمل علی هذا عند أهل العلم من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ومن بعدهم من التابعین وغیرهم قالوا لا نکاح إلا بشهود لم یختلفوا فی ذلك من مضی منهم إلا قوما من المتأخرین من أهل العلم وإنما اختلف أهل العلم فی هذا إذا شهد واحد بعد واحد فقال أکثر أهل العلم من أهل الکوفة وغیرهم لا یجوز النکاح حتی یشهد الشاهدان معا عند عقدة النکاح۔

وفی الدر المختار (۱۲/۳): (فلا ینعقد)۔۔۔ ولا (بالإقرار علی المختار) خلاصة کقوله هي امرأتي

Marfat.com

لأن الإقرار إظهار لما هو ثابت وليس بإنشاء (وقيل إن) كان (بمحضر من الشهود صح) كما يصح بلفظ الجعل۔

وفی الرد تحته: قوله (ولا بالإقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق لأن المراد هنا أن الإقرار لا يكون من صيغ العقد والمراد من قولهم إنه يثبت بالتصادق أن القاضي يثبته به أي بالتصادق ويحكم به أبو السعود عن الحانوتي۔

وفی الشامية (٩/٣): فليس العقد الشرعي مجرد الإيجاب والقبول ولا الارتباط وحده بل هو مجموع الثلاثة وعليه فقوله وينعقد أي النكاح أي يثبت ويحصل انعقاده بالإيجاب والقبول۔

(۴۴) نکاح اور طلاق کے اقرار سے انعقاد میں فرق کی وجہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح اقرار سے منعقد نہیں ہوتا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ یہ میری بیوی ہے اور بیوی اقرار کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا، لیکن اگر شوہر بیوی کو طلاق دینے کا اقرار کرے تو طلاق ہو جاتی ہے، لہذا قابلِ اشکال امر یہ ہے کہ نکاح اور طلاق دونوں میں اقرار تو اقرار ہے اور اقرار کا مطلب ہے ایسی چیز کا اظہار جو پہلے سے ثابت ہو وان لا فلا؟ پھر تفریق کیوں؟ ہمارے علاقے میں ایک میاں بیوی کے ساتھ ایسا مسئلہ پیش آیا تو مولوی صاحب نے مذکورہ تفصیل بتادی۔ ازراہِ کرم مسئلے کا واضح جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح اقرار سے منعقد نہیں ہوتا لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ طلاق میں جھوٹا اقرار ملکیت میں ہوتا ہے، وقتِ تکلم سے پہلے بھی یہ طلاق دینے کا مالک تھا، یعنی محل موجود تھا، لہٰذا طلاق کے جھوٹے اقرار سے فی الوقت انشاءِ طلاق واقع ہو جائے گی، البتہ نکاح کا جھوٹا اقرار کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ ماقبل میں یہ شخص اس اقرار کا مالک نہیں اور وہ عورت اس کی منکوحہ نہیں، لہٰذا اس شخص کے اقرار سے نکاح منعقد نہیں ہوگا چنانچہ نکاح میں اقرار انشاء نہیں لیکن طلاق میں اقرار انشاء ہے۔

لمافی خلاصة الفتاوى(٤/٢): وفی الفتاوى رجل و امرأة أقرا بالنكاح بين يدى الشهود وقالا بالفارسية مازن وشوئيم لا ينعقد النكاح بينهما وهو المختار۔

وفيه أيضا(٧٥/٢): وفی الأصل اذا قال طلقتك أمس وهو كاذب كان طلاقا فی القضاء۔

وفی الدرالمختار (٣٤٥/٣): (وشرطه الملك) ۔۔۔ (أو الاضافة اليه) ۔۔۔ فلغا قوله لاجنبية إن

Marfat.com

زرت زيدا فأنت طالق فنكحها فزارت ـــ لعدم الملك والإضافة إليه۔

وفی الطحطاوی علی الدر(۲/۱۱۳): الإقرار بالطلاق كاذبا يقع به الطلاق قضاء لا ديانة۔

وفی الشامية (۳/۲۶۶): (قوله: لأن الإنشاء فی الماضی انشاء فی الحال) لأنه ما أسند إلى حالة منافية ولا يمكن تصحيحه اخبارا لكذبه وعدم قدرته على الاسناد فكان انشاء فی الحال وعلى هذه النكتة حكم بعض المتأخرين من مشائخنا فی مسئله الدور بالوقوع وحكم اكثرهم بعدمه۔

(۴۵) رشتہ داروں کے ڈر سے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کو تسلیم کر لینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں بعض نکاح بذریعہ طاقت ہوتے ہیں نہ کہ رضامندی سے۔ اگر ایک لڑکا کسی لڑکی سے شادی کرنا پسند نہیں کرتا لیکن والدین کے زور سے یا رشتہ داروں کی وجہ سے یا پھر خوف کی خاطر اس سے نکاح کرتا ہے، البتہ نکاح کا پختہ ارادہ اس کے دل میں نہیں ہے یا پھر لڑکی کسی لڑکے کو پسند نہیں کرتی اس کو بھی ڈرا دھمکا کر اس کا نکاح کرایا جاتا ہے، کیا یہ نکاح شریعت میں جائز ہے؟ ایک لڑکا یا لڑکی کی شادی کسی دوسرے سے بذریعہ طاقت کی جائے کیا یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

والدین کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کیلئے مناسب رشتے تلاش کریں جس میں اولاد کی رضامندی بھی ہو، اگر اولاد راضی نہ ہو تو شادی کے بعد مختلف نقصانات طلاق، جھگڑے وغیرہ کی صورت میں سامنے آتے ہیں، لہٰذا اگر والدین اپنی اولاد کو اپنی پسند کے رشتوں سے روکتے ہیں اور اس طریقہ کار کو رسم بنا لیتے ہیں تو یہ ظلم اور موجبِ فسق عمل ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے، البتہ اگر بالغ اولاد کا زبردستی ڈرا دھمکا کر نکاح کرا دیا اور میاں بیوی نے آپس میں زبانی ایجاب وقبول بھی کر لیا، [اگرچہ دل سے نکاح کا پختہ ارادہ نہ بھی ہو] نکاح بہر حال منعقد ہو جاتا ہے۔

لما فی القرآن الكريم (النساء:۱۹): يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

وفی الهندية (۵/۳۵): وأما حكمه وهو الرخصة أو الإباحة أو غيرهما فيثبت عند وجود شرطه والأصل أن تصرفات المكره كلها قولا منعقدة عندنا إلا أن ما يحتمل الفسخ منه كالبيع

Marfat.com

والإجارة يفسخ وما لا يحتمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر فهو لازم كذا في الكافي۔

وفی الشامیة(۲۱/۳): قوله (ليتحقق رضاهما) أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا إذ حقيقةالرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل۔۔۔ ولو أكرهت على أن تزوجته بألف ومهر مثلها عشرة آلاف زوجها أولياؤها مكرهين فالنكاح جائز ويقول القاضي للزوج إن شئت أتممت لها مهرمثلهاوهي امرأتك إن كان كفؤالهاوإلا فرق بينهما ولا شيء لها الخ فافهم۔

(۴۶) نکاح کھلے عام اعلان کر کے کیا جائے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنی بیوی کو ناچاقی کی وجہ سے طلاق دیدی تھی، پھر مجھے ایک بیوہ عورت کے بارے میں ایک دوست نے بتایا، وہ عورت حاجتمند بھی ہے، میں اس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں اس شادی کو چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر منظر عام پر نہیں لاسکتا، بلکہ میں اس طرح شادی کرنا چاہتا ہوں کہ کسی کو خبر نہ ہو اور مہینے میں ایک، دوبار جا کر اس سے مل آؤں اور اس کی تمام ضروریات، خرچہ وغیرہ بھی دیتا رہوں تو کیا شریعت کی روشنی میں میرا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے نکاح کی صحت کیلئے اگرچہ دو گواہوں کا وجود اور باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول کو کافی قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود شریعت کا مزاج یہ ہے کہ نکاح کھلے عام ہو، علاقے والوں اور پڑوس والوں سب کو معلوم ہو، تاکہ آئندہ شکوک وشبہات نہ رہیں اسی طرح نکاح سے مقصد ایک ساتھ زندگی گزارنا اور ایک دوسرے کیلئے زندگی میں سہارا بننا ہے، پس نکاح اس طرح گمنام انداز میں کرنا کہ کبھی کبھی بیوی کے ساتھ رہا جائے، یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، لہٰذا کھلے عام نکاح کرنے کی کوشش کریں، باقاعدہ بیوی کے ساتھ زندگی گزارنے کا مقصد ہو، لیکن اگر انتہائی مجبوری ہو تو چند لوگوں کی موجودگی میں بھی نکاح درست ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر عورت بھی اس بات پر راضی ہو کہ آپ کبھی کبھی اس کے پاس جایا کریں اور اس کو خرچہ دیا کریں تب بھی نکاح درست ہے۔

لمافی جامع الترمذی (۲۰۷/۱): باب ماجاء فی اعلان النكاح: عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ اعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف۔

Marfat.com

يتقيد بالأول فصار كما لو قال قبلت لابنى اهـ

وفى المفصل فى احكام المرأة والبيت المسلم: (۳۹۱/۶): الأولى عدم تزويج الصغار الا لمصلحة:

ومع جواز تزويج الصغير والصغيرة ،ولكن الأولى عدم تزويجهما ان لم تكن هناك مصلحة ظاهرة فى التعجيل فى تزويجهما وهما صغيران،لأن تزويجهما غير واجب وانما هو جائز، ولأن الزواج تتعلق به حقوق وواجبات ،كما أننا لا ندرى مايؤول اليه هذا النكاح بعد أن تبلغ الصغيرة ويبلغ الصغير،وقد يكون لكل منهما رأى فيه يؤثرفى بقاء النكاح ،وقد يعجل فى زواله وانقطاعه۔

(۴۹) نابالغ لڑکے اور لڑکی کا از خود نکاح کر لینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر دو بچوں نے کسی مجلس میں نکاح کے لئے ایجاب وقبول کیا اور گواہ بھی موجود تھے تو نکاح ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اگر ان کے اولیاء لڑکی کو طلاق دینا چاہتے ہیں تو وہ اس نکاح کو لڑکے کی طرف سے کیسے ختم کر سکتے ہیں نکاح کے فسخ سے یا طلاق سے؟ حالانکہ بچے کی طلاق کا اعتبار نہیں ہے،وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئلہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا ہے، کیونکہ بچوں کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے لہذا یہاں پر طلاق کی ضرورت ہی نہیں۔

لمافى الهندية(۲۶۷/۱): وأما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية في العاقد إلا أن الأول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي الذي لا يعقل والأخيران شرطا النفاذ فإن نكاح الصبي العاقل يتوقف نفاذه على إجازة وليه هكذا في البدائع۔

وفى الدرالمختار (۵۵/۳): الولى شرط صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق لامكلفة۔

وفى الرد تحته: قوله(صغير الخ) الموصوف محذوف أي شخص صغير الخ فيشمل الذكر والأنثى --- وبالمكلفة عن الصغيرة والمجنونة فلا يصح إلا بولي كما قدمه۔

Marfat.com

(۵۰) بچپن میں نکاح کے بعد لڑکی کے باپ کا رخصتی سے انکار کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بچہ اور بچی کا نکاح والدین نے بچپن میں ہی کیا جس میں شریعت کے مطابق گواہ بھی تھے، جب وہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو گئے تو لڑکے کے والدین گواہوں سمیت لڑکی کے والدین کے پاس لڑکی کو رخصت کرانے کیلئے گئے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم رخصتی نہیں دیں گے کیونکہ وہ نکاح ہی نہیں ہوا تھا، گواہوں سمیت بار بار جانا ہوا لیکن پھر بھی انہوں نے نہیں مانا، کیا اب وہ دوسری جگہ شادی کر سکتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم دوسری جگہ شادی کریں گے، اس نکاح کو ہم نہیں مانتے، مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جب نابالغہ بچی کا نکاح اس کے والد نے کر دیا اور نکاح گواہوں کے سامنے ہوا تو یہ نکاح برقرار ہے، لڑکی کے والدین کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہے، لڑکے والے اپنے مطالبے میں حق بجانب ہیں، البتہ اگر لڑکی وہاں آباد ہونا نہیں چاہتی تو اس کے شوہر سے طلاق یا خلع لے لی جائے، لڑکے کو بھی چاہیئے کہ جب لڑکی اس کے گھر آباد ہونا نہیں چاہتی تو خواہ مخواہ اس کو روک کر گنہگار نہ ہو بلکہ خوشی سے طلاق دے کر فارغ کر دے، لیکن جب تک لڑکا، طلاق یا خلع نہ دے، لڑکی دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی۔

لمافی الشامیة(۸۵/۳):الولي لوزوج الصغيرة غير كفء لا يصح ما لم يكن أبا أو جدا غير ظاهر الفسق۔

(۵۱) گونگی لڑکی سے نکاح میں لڑکے کا بھی اشارے سے قبول کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خالد کا نکاح ہندہ سے طے ہوا، ہندہ پیدائشی گونگی اور بہری تھی، عقد نکاح کے وقت جب ایجاب وقبول کرایا گیا تو ہندہ گونگی بہری تھی، اس لئے اس نے اشارہ سے جواب دیا۔ اسی طرح جب خالد سے قبول کرایا گیا تو اس نے بھی اشارے سے جواب دیا، حالانکہ خالد کو کوئی عذر نہیں ہے، وہ سن سکتا ہے اور بول سکتا ہے، اس صورت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

اشارہ یا تحریر فقط گونگے انسان کی طرف سے قائم مقام بنتے ہیں، جبکہ خالد کو کوئی عذر نہیں۔ اسے قبول کے الفاظ زبان سے اداء کرنا ضروری تھے، لہذا صورت مسئولہ میں خالد کا ہندہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی بدائع الصنائع (۳/۳۲۲): وكما ينعقد النكاح بالعبارة ينعقد بالاشارة من الاخرس اذا كانت اشارته معلومة۔

وفی الدر المختار (۳/۲۱): (وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما۔

فی الشامية (۳/۲۱): (قوله سماع كل) اى ولو حكما كالكتاب الى غائبه لان قرأته قائمة مقام الخطاب كما مر۔ وفی الفتح ينعقد النكاح من الاخرس اذا كانت له اشارة معلومة۔

(۵۲) دورانِ درس استاذ کا اپنی بیٹی کے نکاح کا ایجاب اور شاگرد کے قبول کر لینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دورانِ درس باب النکاح پڑھاتے ہوئے ایک استاذ نے ساری جماعت کے سامنے ایک شاگرد (خالد) سے کہا کہ "مثلاً میں نے اپنی بیٹی کا نکاح خالد سے کیا" اس پر خالد نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ خالد کی آواز کو اس کے قریب بیٹھے ہوئے چار، پانچ ساتھیوں نے سن لیا۔ درس کے بعد خالد، استاذ کے پاس گیا اور کہا کہ میرا نکاح آپ کی بیٹی سے ہو گیا ہے۔ اس پر فلاں فلاں ساتھی گواہ ہیں۔

یہ مسئلہ جب ایک صاحب علم کے سامنے رکھا گیا تو انہوں نے نکاح کے انعقاد کا حکم لگایا، لیکن اس پر فقہ کی ایک مشہور جزئی سے اشکال ہوتا ہے کہ کسی نے دورانِ تکرار اپنی بیوی سے کہا کہ "مثلاً میں نے تم کو طلاق دی" تو اگر اس مرد کا طلاق کا قصد نہیں تھا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ جس طرح اس مسئلہ میں عدمِ قصد کی بناء پر طلاق نہیں ہوتی اسی طرح نکاح والے مسئلہ میں بھی عدمِ قصد کی وجہ سے نکاح کے عدمِ انعقاد کا حکم لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ طلاق اور نکاح میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ جملہ سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوا، اسی طرح نکاح اور طلاق کی مذکورہ صورت میں کوئی فرق نہیں ہے، نقلِ کلام کی صورت میں نکاح اور طلاق واقع نہیں ہوتے، جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، مذکورہ صورتوں میں کسی اور کا کلام ہی نقل ہو رہا ہے، البتہ اس میں بہتر اور احتیاط کا راستہ یہ ہے کہ متکلم کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ مثلاً ''میں نے طلاق دی'' کے بجائے ''زید نے طلاق دی'' یا ''اس نے طلاق دی'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کرے۔

Marfat.com

لما في البحر الرائق (۴۵۱/۳) باب الطلاق: لو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته ويقول أنت طالق ولا ينوي لا تطلق، وفي متعلم يكتب ناقلا من كتاب رجل قال ثم يقف ويكتب امرأتي طالق و كما كتب قرن الكتابة باللفظ بقصد الحكاية لا يقع عليه ، وما في القنية امرأة كتبت أنت طالق ثم قالت لزوجها اقرأ علي فقرأ لا تطلق اهـ

وفي منحة الخالق على البحر الرائق (۴۵۰/۳) باب الطلاق: (يقاس على النكاح) قال الرملي: الذي ذكره قاضيخان في كتاب النكاح في الفصل الاول يقتضي قياس النكاح على الطلاق والعتاق لاقياسهما عليه فان عبارته بعد الكلام عليهما: واذا عرف الجواب في الطلاق والعتاق ينبغي ان يكون الجواب في النكاح كذلك۔

وفي الشامية (۲۰/۳): ثم إنه لا فرق يظهر بين النكاح والطلاق وقد استدل الخير الرملي على ذلك بما قدمناه من قول قاضيخان إنه ينبغي أن يكون النكاح والعتاق في أنه لا يشترط العلم بمعناه لأن العلم بمضمون اللفظ إنما يعتبر لأجل القصد فلا يشترط فيما يستوي فيه الجد والهزل اهـ

(۵۳) بیٹے کے نکاح میں اپنے لئے قبول کے الفاظ استعمال کر لینے سے نکاح کس کا ہوا؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تمہارے بیٹے سے کر دیا۔ دوسرے نے صرف "میں نے قبول کیا" کہا۔ تو آیا اس سے نکاح بیٹے کے لئے ہوگا، یا خود اس کے لئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر صحتِ نکاح کی دیگر شرائط (مثلاً شرعی گواہ، لڑکی بالغہ ہونے کی صورت میں اس کی اجازت، زوجین کا تعین وغیرہ) موجود ہوں تو نکاح لڑکے کے لئے درست ہو جائے گا، کیونکہ لڑکی کے باپ نے ایجاب میں نسبت لڑکے کی طرف کی ہے، لہذا قبول میں بھی اس قید کا لحاظ رکھا جائے گا، گویا لڑکے کے باپ نے یہ کہا ہے کہ "میں نے اپنے بیٹے کیلئے قبول کیا" اور ایسا کہنے سے نکاح بیٹے کیلئے (اگر بیٹے نے بھی اجازت دی ہو) درست ہو جاتا ہے۔

لما في الخانية (۱۵۳/۱): رجل أراد أن يزوج لابنه الصغير امرأة صغيرة فقال أبو الصغيرة زوجت بنتي من ابنك فقال أبو الصغير قبلت جاز وان لم يقل، قبلت لابني، لأن الجواب يتضمن

Marfat.com

مافى السؤال۔

وفى الشامية (٣/٢٦): لو قال أبو الصغيرة زوجت بنتي من ابنك فقال أبو الابن قبلت ولم يقل لابني يجوز النكاح للابن لإضافة المزوج النكاح إلى الابن بيقين وقول القابل جواب له والجواب يتقيد بالأول فصار كما لو قال قبلت لابنى اهـ

Marfat.com

رسالة

تحریر النقول

فی

مسئلة عدم الجهر بلفظ القبول

بوقت نکاح لڑکے کا قبول کے الفاظ کو آہستہ کہہ دینا اور اس سے متعلق ایک شبہ کا جواب،

نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کی مدلل وضاحت،

نکاح اور بیوع میں تعاطی سے متعلق علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی

علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی عبارتوں کی روشنی میں مکمل تشریح

Marfat.com

(۵۴) نکاح میں قبول کے الفاظ آہستہ کہہ دینے کا حکم

سؤال

مجھے ایک اہم سوال کا جواب درپیش ہے وہ یہ کہ آج کل جب قاضی نکاح کا ایجاب کرتا ہے تو دولہا انتہائی ہلکے سے بلکہ اکثر تو بغیر زبان کے استعمال کے فقط ہلکا سا منہ ہلا کر قبول کر لیتا ہے، کچھ دن قبل جب یہ واقعہ میں نے بہت قریب سے دیکھا۔ میری نیت یہ تھی کہ گواہ نہ سن سکیں تو میں تو سن کر گواہ بن جاؤں لیکن میں بالکل ساتھ بیٹھ کر دولہا کے منہ سے نکلے الفاظ نہ سن سکا اور ہاتھ ملتا رہ گیا۔ دولہا بہت شرما بھی رہا تھا بس گردن ہی ہلا رہا تھا۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ نکاح منعقد ہو گیا؟ گواہ کا ایجاب وقبول ایک ساتھ سننا ضروری ہے یا نہیں؟ پیپر کے گواہ نہ بھی سنیں دو جاندار انسانوں کا سننا تو ضروری ہے!!! یہاں تو اس کے قریب بیٹھا شخص بھی نہیں سن پا رہا، یہ عمل اور فقہاء کی عبارات متضاد نہیں؟ نتیجہ تو عدم انعقادِ نکاح نکلتا ہے، لیکن طریقہ مروج ہے، کیا کیا جائے؟ دورِ نبوی میں ایجاب وقبول کس طرح ہوتا تھا؟ ذکر کر دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے اندر ایجاب وقبول کا گواہوں کو سنانا اور ان کا سننا شرط ہے، اس کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دولہا اتنا آہستہ سے قبول کرتا ہے کہ گواہ کو آواز نہیں جاتی اور وہ نہیں سن پاتے تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، بلکہ دولہا سے کہا جائے کہ زور سے کہے جیسا کہ عموماً نکاحوں میں ہمارے علماء دولہا کے آہستہ کہنے پر کہہ دیتے ہیں کہ زور سے کہو یا مائیک ان کے سامنے کر دیتے ہیں۔

باقی رہا دورِ نبوی میں نکاح کا رواج، اس میں اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنے نکاح کی اطلاع نہیں دی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا، البتہ مروجہ طریقہ کہ نکاح کی مجلس کا منعقد ہونا اور خطبہ کا پڑھا جانا وغیرہ یہ بھی دورِ نبوی سے ثابت ہے۔ چنانچہ نجاشی نے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح پڑھایا ہے، اس میں نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حبشہ میں تھے، انکو بھی بلایا، پھر اس کے بعد اس نے خطبہ بھی پڑھا ہے اور یہ خطبہ اسی طرح ایجاب وقبول تمام لوگوں نے سنا بھی ہے، مجلس نکاح کے بعد اس نے تمام لوگوں کو کھانا کھلایا ہے۔ اسی طرح نکاح، مسجد میں کرنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو نکاح ہوا ہے اس میں بھی ایک روایت میں صراحت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجمع سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ایجاب وقبول کر رہے ہیں اس کو سنو اور اس کے گواہ بھی بنو۔

Marfat.com

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایجاب وقبول کے الفاظ اس طرح ملتے ہیں کہ "زوجتك" اسی طرح قبول میں "نعم" اور "قد فعلت" وغیرہ الفاظ کی صراحت ملتی ہے۔

لمافی البداية والنهاية (۱۲۵/۴) فصل فی تزويج النبی ﷺ بأم حبيبة ط دارالفكر: فلما أن كان من الحشي، أمر النجاشي جعفر بن أبي طالب، ومن كان هناك من المسلمين أن يحضروا، وخطب النجاشي وقال: الحمد لله الملك القدوس المؤمن العزيز الجبار، وأشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله وأنه الذي بشر به عيسى بن مريم۔

أما بعد فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب أن أزوجه أم حبيبة بنت أبي سفيان، فأجبت إلى ما دعا إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد أصدقها أربعمائة دينار، ثم سكب الدنانير بين يدي القوم. فتكلم خالد بن سعيد فقال: الحمد لله أحمده واستغفره، وأشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله أرسله بالهدى ودين الحق، ليظهره على الدين كله، ولو كره المشركون. أما بعد فقد أجبت إلى ما دعا إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وزوجته أم حبيبة بنت أبي سفيان. فبارك الله لرسول الله صلى الله عليه وسلم ودفع النجاشي الدنانير إلى خالد بن سعيد فقبضها ثم أرادوا أن يقوموا، فقال: اجلسوا فإن من سنة الانبياء إذا تزوجوا أن يؤكل طعام على التزويج. فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا۔

وفی البداية والنهاية أيضا(۳۵۴/۴)عن أبي هريرة قال: لما خطب علي فاطمة دخل عليها رسول الله فقال لها: " أي بنية ! إن ابن عمك عليا قد خطبك فماذا تقولين ؟ فبكت ثم قالت: كأنك يا أبت إنما دخرتني لفقير قريش ؟ فقال: والذي بعثني بالحق ما تكلمت فيه حتى أذن الله لي فيه من السموات، فقالت فاطمة: رضيت بما رضي الله ورسوله. فخرج من عندها واجتمع المسلمون إليه ثم قال: يا علي أخطب لنفسك فقال علي الحمد لله الذي لا يموت وهذا محمد رسول الله زوجني ابنته على صداق مبلغه أربعمائة درهم فاسمعوا ما يقول واشهدوا، قالوا: ما تقول يا رسول الله ؟ قال: أشهدكم إني قد زوجته ".

وكذا فيه (۱۶۰/۴) غزوة بنی المصطلق: عن عائشة قالت: لما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم سبايا بني المصطلق، وقعت جويرة بنت الحارث في السهم لثابت بن قيس بن شماس، أو لابن عم له، فكاتبته على نفسها، وكانت امرأة حلوة ملاحة، لا يراها أحد إلا أخذت بنفسه، فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم لتستعينه في كتابتها قالت: فوالله ما هو إلا أن رأيتها على باب

Marfat.com

حجرتي فكرهتها، وعرفت أنه سيرى منها ما رأيت. فدخلت عليه فقالت: يا رسول الله أنا جويرية بنت الحارث بن أبي ضرار سيد قومه، وقد أصابني من البلاء ما لم يخف عليك، فوقعت في السهم لثابت بن قيس بن شماس، أو لابن عم له، فكاتبته على نفسي فجئتك أستعينك على كتابتي. قال: فهل لك في خير من ذلك ؟ قالت: وما هو يا رسول الله قال: أقضي عنك كتابك وأتزوجك. قالت: نعم يا رسول الله قد فعلت۔

وفی البحرالرائق (۱۵۶/۳) وان الحضور کاف لتعبیرہ بکلمة (عند) فلا یشترط السماء وفیه خلاف ففی الخانیة وعامة المشایخ شرطوا السماء والقائل بعدمه القاضی الامام علی السغدی۔

وکذا فیه (۱۴۴/۳): وهل یکون القبول بالفعل کالقبول باللفظ کمافی البیع؟ قال فی البزازیة اجاب صاحب البدایة فی امرأة زوجت نفسها بالف من رجل عند الشهود فلم یقل الزوج شیئا لکن اعطاها المهر فی المجلس انه یکون قبولا وانکره صاحب المحیط وقال: لا مالم یقل بلسانه قبلت بخلاف البیع۔

وفی الدرالمختار (۲۰/۳) وشرط سماء کل من العاقدین لفظ الآخر لیتحقق رضاهما وشرط حضور شاهدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معا علی الاصح۔

وفی الشامیة (۱۲/۳) قال فی البحر وهل یکون القبول بالفعل کالقبول باللفظ کمافی البیع؟ قال فی البزازیة اجاب صاحب البدایة فی امرأة زوجت نفسها بالف من رجل عند الشهود فلم یقل الزوج شیئالکن اعطاها المهر فی المجلس انه یکون قبولا وانکره صاحب المحیط و قال الامام مالم یقل بلسانه قبلت۔

(۵۵) مذکورہ فتوے پر فاضل مستفی کا استدراک

سوال

حضرت اقدس مفتی سید نجم الحسن امروہوی مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد از سلام گذارش ہے کہ بندے نے آپ کے مؤقر دارالافتاء میں نکاح میں قبول کے الفاظ آہستہ کہنے سے متعلق استفتاء جمع کرایا تھا، جس کا جواب بندے کو ملا، جو اس سوال کے ساتھ ملحق ہے اس میں یہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ ایجاب وقبول کا زبانی ہونا شرط ہے، بالفعل ایجاب وقبول کافی نہیں، لیکن آج سے چند دن قبل بندے کو ''احسن الفتاوی'' کے مطالعے کے دوران حضرت اقدس مفتی رشید

Marfat.com

احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتوی نظر آیا، جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"صرف کلمہ ایجاب کا تملیک عین کیلئے موضوع ہونا کافی ہے کلمہ قبول میں یہ شرط نہیں، بلکہ قبول میں تو سرے سے کلام ہونا ہی ضروری نہیں، قبول بالعمل بھی متحقق ہوسکتا ہے۔" (احسن الفتاوی، ۵/۳۸)

البتہ فتاوی محمودیہ میں مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتوی بندے کو آپ کی طرف سے جاری کردہ فتوے کے موافق ملا تھا۔ فتاوی محمودیہ میں ہے:

س: ہندہ باکرہ ہے جب گواہوں کے سامنے آئی تو استحیاءً اس نے ایجاب کا جواب لفظ "قبلت" یا کسی اور لفظ سے نہیں دیا بلکہ خاموش رہی یا سر سے منظوری کا اشارہ کیا یا بجائے "قبلت" کے "منظور ہے" کہنے سے نکاح بلاتردد منعقد ہوگا یا نہیں؟

ج: خاموش رہنے اور سر ہلانے سے منعقد نہیں ہوگا اور لفظ "منظور ہے" سے منعقد ہوجائے گا۔ (محمودیہ، ۱۰/۴۵۶)

آپ کی طرف سے جاری کردہ فتوی اور فتاوی محمودیہ کا فتوی دونوں موافق تھے، البتہ احسن الفتاوی کا فتوی بظاہر مجھے متضاد لگا، میں نے مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین "دارالافتاء جامعۃ الرشید" میں "احسن الفتاوی" سے متعلق استفسار کیا۔ بندے کو "جامعۃ الرشید" سے جو جواب موصول ہوا، اس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی وضاحت تھی [جامعۃ الرشید کے فتوی کی نقل لف ہے] بندہ مکمل طور پر "جامعۃ الرشید" کے اس فتوے کو سمجھ نہ سکا۔ بہرحال یہ تمام معلومات پھر ایک بار آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اور زحمت کی تکلیف کیلئے پیشگی معذرت خواہ ہوں، آپ کے تحقیقی ذوق اور فقہ سے قدیم تعلق کے باعث بندہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ ہی اس مسئلے کو سلجھا سکتے ہیں۔ ازراہِ کرم مسئلے سے متعلق قولِ فیصل اور مفتی بہ مذہب تحریر فرمادیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یا رائے اس سلسلے میں کیا ہے اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے۔ نیز مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کی وضاحت بھی تحریر فرمادیں۔ الغرض مسئلہ چونکہ انتہائی اہم اور عام طور پر پیش آنے والا ہے، لہٰذا ازراہِ کرم مسئلے کی مفصل اور محقق تشریح فرماتے ہوئے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

مسئلہ ہذا میں جامعۃ الرشید کے دارالافتاء کا فتوی[1]

سوال..... کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے "احسن الفتاوی" ج5 ص38 پہ یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "قبول کا منہ سے بولنا شرط نہیں، بلکہ عمل سے بھی قبول کیا جاسکتا ہے" اگر الفاظ ایجاب صریح ہو۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"صرف کلمہ ایجاب کا تملیک عین کے لئے موضوع ہونا کافی ہے کلمہ قبول میں یہ شرط نہیں، بلکہ قبول میں تو سرے سے کلام ہونا ہی ضروری نہیں، قبول بالعمل بھی متحقق ہوسکتا ہے۔" (احسن الفتاوی ج5 ص38)

---

[1] یہ اس فتوی کی نقل ہے جو فاضل مستفتی نے مسئلہ ہذا میں "دارالافتاء جامعۃ الرشید" سے لیا ہے۔ استاذ محترم کا محقق جواب اس کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

حالانکہ کتب فقہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ ایجاب وقبول دونوں باللفظ ہوں، علاوہ ازیں البحر الرائق، درمختار، شامیۃ وغیرہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ قبول بالفعل متحقق نہیں ہوسکتا۔ صاحب ہدایہ کا قول ذکر کرکے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب محیط رحمۃ اللہ علیہ کے رد کو ذکر کیا اور اس کی دلیل اور وجہ رد بھی ذکر فرمائی ہے، چنانچہ شامیۃ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"قال فی البحر: وهل يكون القبول بالفعل كالقبول باللفظ كما فی البيع؟ قال فی البزازية أجاب صاحب البداية فی امرأة زوجت نفسها بألف من رجل عند الشهود، فلم يقل الزوج شيئا لكن أعطاها المهر فی المجلس أنه يكون قبولا، وأنكره صاحب المحيط وقال لا مالم يقل بلسانه قبلت بخلاف البيع لأنه ينعقد بالتعاطی والنكاح لخطره لا ينعقد حتی يتوقف علی الشهود وبخلاف اجازة نكاح الفضولی بالفعل لوجود القول ثمة"۔ (رد المحتار: ۱۳/۳، كتاب النكاح)

اسی طرح فتاویٰ محمودیہ کے ایک مسئلہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں ایجاب وقبول کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

س: ہندہ باکرہ ہے جب گواہوں کے سامنے آئی تو استیاءً اس نے ایجاب کا جواب لفظ "قبلت" یا کسی اور لفظ سے نہیں دیا، بلکہ خاموش رہی یا سر سے منظوری کا اشارہ کیا یا بجائے "قبلت" کے "منظور ہے" کہنے سے نکاح بلاتردد منعقد ہوگا یا نہیں؟

ج: خاموش رہنے اور سر ہلانے سے منعقد نہیں ہوگا اور لفظ "منظور ہے" سے منعقد ہوجائے گا۔

(فتاوی محمودیہ ۱۰/۴۵۶)

براہ کرم اس تعارض کو رفع فرمائیں اور احسن الفتاویٰ کی عبارت اگر معمول بہا ہے تو اس کی کوئی دلیل بھی ذکر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

نوٹ: جواب جلد عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم ملهم الصواب

واضح رہے کہ صاحبِ درمختار، علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "تعاطی من جانب واحد" بھی عقدِ تعاطی ہے، جبکہ علامہ طرسوسی، بزازی، امام حلوانی اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہم اس کو تعاطی نہیں کہتے، بلکہ عقد قولی کہتے ہیں۔

تعاطی کے بارے میں سوال میں جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ درحقیقت درمختار کی عبارت ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر بحر کی مذکورہ عبارت نقل ضرور کی ہے، جس میں صاحب بدایۃ اور صاحب المحیط کے دونوں قول ذکر کئے ہیں، لیکن اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تکرار قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ قبول بالفعل سے مصنف کی دراصل تعاطی کی صورتیں مراد ہیں، اس کی ضرورت یہاں نہیں تھی، کیونکہ آگے "ولا ينعقد بتعاط" کی تصریح متن میں آرہی ہے، وہاں پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تعاطی پر تبصرہ نہیں فرمایا، البتہ صرف یہ کہا ہے کہ "احترام فروج" کی وجہ سے نکاح تعاطی سے منعقد نہیں ہوتا۔ بخلاف البیع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بیع میں علامہ شامی

Marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ نے صرف "فعل من الجانبین" کو تعاطی قرار دیا ہے بظاہر نکاح میں بھی ان کی رائے یہی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نکاح، تعاطی کی صورت میں بالاتفاق منعقد نہیں ہوتا، البتہ تعاطی من جانب واحد (قبول بالفعل) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعاطی نہیں، بلکہ عقد قولی ہے۔ کما رجحه فی البیوع۔ لہٰذا حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات اپنی جگہ درست اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق ہے، البتہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے خلاف ہے لیکن علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مرجوح قرار دیا ہے۔

قال فی الدر المختار (۱۹۶/۹): (فلا ینعقد) بقبول بالفعل کقبض مهر ولا بتعاط ولا بکتابة حاضر بل غائب بشرط اعلام الشهود بما فی الکتاب مالم یکن بلفظ الأمر فیتولی الطرفین فتح۔

قال فی ردالمحتار (۲۰۵/۹): قوله (فلا ینعقد الخ) تفریع علی ما تقدم من انعقاده بلفظین الخ ح۔ قوله (کقبض مهر) قال فی البحر: وهل یکون القبول بالفعل کالقبول باللفظ کما فی البیع قال فی البزازیة أجاب صاحب البدایة فی امرأة زوجت نفسها بألف من رجل عند الشهود فلم یقل الزوج شیئا لکن أعطاها المهر فی المجلس أنه یکون قبولا وأنکره صاحب المحیط وقال الإمام ما لم یقل بلسانه قبلت بخلاف البیع لأنه ینعقد بالتعاطی والنکاح لخطره لا ینعقد حتی یتوقف علی الشهود وبخلاف إجازة نکاح الفضولی بالفعل لوجود القول ثمة اه ح۔ قوله (ولا بتعاط) تکرار مع قوله بالفعل کقبض مهر وکل منهما تکرار مع قول المتن الآتی ولا بتعاط فإن مسألة قبض المهر التی قدمنا نقلها عن البحر بعینها شرح بها المصنف قوله ولا بتعاط ح۔

قال فی الدر مع ردالمحتار (۲۱۷/۹): (ولا بتعاط) احتراما للفروج۔

قال فی ردالمحتار (۲۲۹/۹): قوله (احتراما للفروج) أی لخطر أمرها وشدة حرمتها فلا یصح العقد علیها إلا بلفظ صریح أو کنایة۔

قال فی درر الحکام شرح غرر الاحکام (۴۹/۴): (ولا) ینعقد أیضا (بالتعاطی) وهو أن لا یذکر العاقدان شیئا من الایجاب والقبول، بل تراضیا علی قدر من المهر وینفذه الزوج او وکیله وتأخذه المرأة أو وکیلها وتسلم المرأة نفسها وانما لم ینعقد به مبالغة فی صیانة الأبضاع عن الهتك واحتراما لشانها وینعقد به البیع، اذ لیس فیه هذا المعنی ولذا قال بعضهم ینعقد به فی الخسیس لا النفیس (وانما یصح بلفظ النکاح والتزویج وما وضع لتملیك العین) کهبة وتملیك وصدقة وبیع وشراء فلا یصح بلفظ الإجارة والإعارة، لأنهما وضعا لتملیك المنفعة (فی الحال) فلا یصح بلفظ الوصیة، لأنها وضعت لتملیك العین بعد الموت۔

Marfat.com

قال في رد المحتار (۸/۳۱۶): مطلب القبول قد يكون بالفعل وليس من صور التعاطي وكذا إذا قال بعتكه بألف فقبضه ولم يكن شيئا كان قبضه قبولا بخلاف بيع التعاطي فإنه ليس فيه إيجاب بل قبض بعد معرفة الثمن فقط ففي جعل الأخيرة من صور التعاطي كما فعل بعضهم نظر اهـ

قال في رد المحتار (۸/۳۳۲): قوله ((فتحرر ثلاثة أقوال)) هذا الاختلاف نشأ من كلام الإمام محمد فإنه ذكر بيع التعاطي في مواضع فصوره في موضع بالإعطاء من الجانبين ففهم منه البعض أنه شرط وصوره في موضع بالإعطاء من أحدهما ففهم البعض أنه يكتفي به وصوره في موضع بتسليم المبيع ففهم البعض أن تسليم الثمن لا يكفي بحر عن الذخيرة ط

قال في رد المحتار (۸/۳۶۷): مطلب في انعقاد البيع بلفظ واحد من الجانبين قوله ((وينعقد أيضا)) أي كما ينعقد بإيجاب وقبول منهما أو بتعاط من الجانبين ط قوله ((بلفظ واحد)) ظاهره أنه لا يكون بالتعاطي هنا

قال في رد المحتار (۸/۳۶۷): زاد في الدرر قوله وكذا لو قال بعت منك هذا بدرهم فقبضه المشتري ولم يقع شيئا ينعقد البيع اهـ وقال في العزمية والظاهر أن هذا من باب التعاطي اهـ وفيه نظر لأن بيع التعاطي ليس فيه إيجاب بل قبض بعد معرفة الثمن فقط كما قدمناه عن الفتح وقدمنا عنه أن القبول يكون بالقول والفعل وأن القبض قبول فحينئذ لم يوجد انفراد أحدهما بالعقد

دار الافتاء جامعۃ الرشید کراچی ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

مفتی صاحب جامعۃ الرشید کے فتویٰ کی مدلل وضاحت بھی فرمادیں۔ بندہ آپ کے جواب کا منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

الجواب بعون الملک الوھاب

آنجناب نے ایک فقہی مسئلے سے متعلق اتنی تحقیق اور جستجو فرمائی اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر جزاء خیر عطا فرمائے۔ ہمارے دار الافتاء سے جو فتویٰ مسئلہ ہذا کی بابت تحریر کیا گیا اس میں یہ وضاحت تھی کہ نکاح کا ایجاب وقبول قولاً یعنی زبانی ہونا ضروری ہے اور زبانی بھی اتنی آواز سے کہ دو گواہ الفاظ کو سنیں۔ اگر قبول کے الفاظ اتنے آہستہ ہوں کے بیک وقت دو گواہ نہ سن سکیں تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

ہمارے فتوے میں مسئلے کے حوالہ جات بھی صریح درج ہیں۔ بحر، تاتارخانیہ، ہندیہ، درمختار، ردالمحتار المعروف بالشامیہ تمام معتبر کتابوں سے نقل ہے کہ نکاح میں دو گواہوں کا ایجاب وقبول کو بیک وقت سننا شرط ہے بصورتِ دیگر نکاح منعقد نہ ہوگا۔ یہاں

Marfat.com

شامیہ کی مکمل عبارت مع ترجمہ تحریر کی جارہی ہے:

"قال الحصكفي رحمه الله:(فلا ينعقد) بقبول بالفعل كقبض مهر ولابتعاط۔"

وقال العلامه ابن عابدين رحمه الله تحته:" قوله (فلا ينعقد الخ) تفريع على ما تقدم من انعقاده بلفظين الخ ح ۔ قوله (كقبض مهر) قال فى البحر: وهل يكون القبول بالفعل كالقبول باللفظ كما فى البيع قال فى البزازية أجاب صاحب البداية فى امرأة زوجت نفسها بألف من رجل عند الشهود فلم يقل الزوج شيئا لكن أعطاها المهر فى المجلس أنه يكون قبولا وأنكره صاحب المحيط وقال الإمام ما لم يقل بلسانه قبلت بخلاف البيع لأنه ينعقد بالتعاطى والنكاح لخطره لا ينعقد حتى يتوقف على الشهود وبخلاف إجازة نكاح الفضولى بالفعل لوجود القول ثمة ۔ ح۔

قوله (ولا بتعاط) تكرار مع قوله بالفعل كقبض مهر وكل منهما تكرار مع قول المتن الآتى ولا بتعاط فإن مسألة قبض المهر التى قدمنا نقلها عن البحر بعينها شرح بها المصنف قوله ولا بتعاط ح"۔

"علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: (پس نکاح منعقد نہ ہوگا) قبول بالفعل کے ذریعے جیسا کہ مہر پر قبضہ کرلینا اور نہ تعاطی سے نکاح منعقد ہوگا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں: (مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول: نکاح منعقد نہ ہوگا) یہ تفریع ہے گزشتہ میں گزرے انعقاد کیلئے دو لفظ کے ضروری ہونے پر۔ (مصنف کا قول: جیسا کہ مہر پر قبضہ کرلینا) بحر میں تحریر ہے: کیا قبول بالفعل بھی قبول باللفظ کی طرح ہوگا جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے؟ بزازیہ میں ہے صاحب ہدایہ نے جواب دیا اس عورت کے بارے میں جس نے ہزار روپے میں کسی شخص سے گواہوں کے سامنے اپنا نکاح کرلیا شوہر نے کچھ نہ کہا لیکن مجلس میں اسے مہر دے دیا اس بارے میں صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ قبول شمار ہوگا اور صاحب محیط نے اس کا انکار کیا اور امام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب تک زبان سے میں نے قبول کیا نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا برخلاف بیع کے کیونکہ وہ تعاطی سے بھی منعقد ہوجاتی ہے اور نکاح کا معاملہ پرخطر ہونے کے باعث منعقد نہ ہوگا یہاں تک کہ گواہوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور برخلاف فضولی کے نکاح کی بالفعل اجازت دینے کے کیونکہ وہاں قول پایا جاتا ہے اھ ح (مصنف کا قول: اور نہ تعاطی سے نکاح منعقد ہوگا) یہ قول تکرار ہے پچھلے قول بالفعل قبض مہر کے ساتھ [کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ از ناقل] اور علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دونوں قول ہی تکرار ہیں آگے تنویر الابصار میں آنے والے قول "ولا بتعاط" سے [یعنی یہ دونوں قول درمختار میں یہاں قبل از وقت مکرر ذکر ہیں، آگے تنویر الابصار میں خود تعاطی سے عدم انعقاد کا ذکر آرہا ہے۔ از ناقل]"۔ (شامیۃ، ۳/ ۱۲)

Marfat.com

اس عبارت میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ جس عبارت کا ذکر فرما رہے ہیں وہ شامیہ کی تیسری جلد میں ہی صفحہ نمبر بیس (۲۰) پر آرہی ہے بہتر ہے کہ اسے بھی یہاں تحریر کر دیا جائے:

"قال الحصكفي: (ولا بتعاط) احتراما للفروج".

قال ابن عابدين رحمه الله تحتها: " قوله (احتراما للفروج) أي لخطر أمرها وشدة حرمتها فلا يصح العقد عليها إلا بلفظ صريح أو كناية".

"علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اور نکاح تعاطی سے منعقد نہ ہوگا) عورت کی شرمگاہ کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں: (مصنف کا قول: شرمگاہ کا احترام) یعنی اس کے پرخطر ہونے اور اس کی شدتِ حرمت کے سبب اس پر عقد درست نہ ہوگا سوائے لفظِ صریح یا کنائی کے۔" (شامیہ، ۳/ ۲۰)

فقہاء کی عبارات سے قبول بالقول کے ضروری ہونے کا اثبات

شامیہ کی اس مکمل بحث اور گزشتہ فتوے میں ذکر دیگر حوالجات کو مدنظر رکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کیلئے ایجاب وقبول کا زبانی ہونا ضروری ہے۔ قبول بالعمل شرعاً نکاح میں معتبر نہیں۔ گواہوں کیلئے ایجاب وقبول کا سننا شرط ہے اس پر چند حوالے اور دیئے جارہے ہیں۔ فتاویٰ خانیہ میں امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يصح النكاح مالم يسمع كل واحد من العاقدين كلام صاحبه ويسمع الشاهدان كلامهما معا فإن سمع احد الشاهدين كلامهما ولم يسمع الشاهد الآخر لا يجوز".

"اور نکاح صحیح نہ ہوگا جب تک دونوں عاقدین ایک دوسرے کا کلام نہ سنیں اور دونوں گواہ بیک وقت دونوں کے ایجاب وقبول کو نہ سنیں اگر ایک گواہ ان دونوں کا کلام سنتا ہے اور دوسرا نہیں سنتا تو نکاح نہ ہوگا۔"

(خانية على هامش الهندية، ۱/ ۳۳۲)

فتح القدیر میں محقق علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وعن اشتراط السماع ما قدمناه في التزوج بالكتابة من أنه لا بد من سماع الشهود ما في الكتاب المشتمل على الخطبة... ولقد أبعد عن الفقه وعن الحكمة الشرعية من زاد النائمين ونص في فتاوى قاضيخان عليه إذا لم يسمعا كلامهما ثم الشرط أن يسمعا معا كلامهما مع الفهم أما الأول فذكر في روضة العلماء أنه الأصح قال وبه أخذ عامة العلماء".

"گواہوں کا ایجاب وقبول سننا شرط ہونے پر یہ بھی دلیل ہے جو ہم نے تحریراً نکاح میں ذکر کی کہ ضروری ہے کہ گواہ پیغامِ نکاح پر مشتمل خط کو سنیں..... اور جس نے دو سوئے ہوئے اشخاص کی موجودگی میں بھی نکاح کا قول کیا وہ فقہ سے دور اور حکمت شرعیہ

Marfat.com

سے بعید ہے قاضی خان میں نص ہے کہ دونوں کا بیک وقت سننا شرط ہے۔ پھر یہ بھی شرط ہے کہ بیک وقت سنیں بھی اور سمجھیں بھی۔ پہلی بات کہ سننا شرط ہے اس سے متعلق روضۃ العلماء میں ہے کہ یہ ہی اصح ہے اور فرمایا کہ عامۃ العلماء نے یہی قول اختیار کیا ہے۔" (فتح القدیر، ۳/ ۲۰۳)

الغرض نکاح میں ایجاب وقبول کا زبانی ہونا ضروری ہے اور دو گواہوں کا بیک وقت اسے سننا بھی شرط ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اور یہی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ جو ان کی عبارات سے ظاہر ہے۔

بیع اور نکاح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تنقیح اور فرق کا بیان

جامعۃ الرشید کے فتوے میں خلطِ مبحث ہوئی ہے جس کی وضاحت یہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بیع میں تو واقعۃً قبول بالفعل کو تعاطی نہیں سمجھتے بلکہ قول کے حکم میں لیتے ہیں لیکن یہاں نکاح کے معاملے میں بھی قبول بالفعل کو قول قرار دینا اور اسے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قرار دے دینا، محل نظر ہے جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شامیہ میں دو مقامات پر درمختار کے تحت مسئلہ ہذا زیرِ بحث آیا ہے دونوں مقامات کا ترجمہ بھی تحریر کر دیا گیا ہے۔ دونوں جگہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے قول کی وضاحت کی ہے کسی بھی مقام پر استدراک کا ایک لفظ ذکر نہیں اگر علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نکاح میں بھی بیع والی ہوتی تو بعید از عقل اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے اسلوبِ تحریر سے کوسوں دور ہے کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ استدراک نہ فرماتے اور اپنی رائے اور اس کی ترجیحات نقل نہ کرتے۔

(۲) دوسرے مقام پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے "احتراما للفروج" کی تشریح فرماتے ہوئے خود یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

"لخطر أمرها وشدة حرمتها فلا يصح العقد عليها إلا بلفظ صريح أو كناية"۔ (الشامية، ۲۰/۳)

"اس کے پرخطر ہونے اور شدتِ حرمت کی بناء پر اس پر عقد درست نہ ہوگا سوائے لفظ صریح یا کنائی کے۔"

یہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے صریح الفاظ ہیں جو کسی اور بحث میں نہیں تعاطی کی بحث میں نکاح سے متعلق علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود تحریر فرمائے ہیں کہ نکاح کے لئے لفظ ہونا ضروری ہے عمل سے نکاح نہ ہوگا۔ یہ الفاظ کسی سے نقل بھی نہیں کئے ہیں۔ پھر بھی یہ کہنا کہ ''نکاح میں علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بیع کی طرح تعاطی کو قول قرار دینے کی معلوم ہوتی ہے'' قابل تأمل ہے۔

(۳) جامعۃ الرشید کے فتوے میں دوسرے مقام سے متعلق یہ عبارت بھی محل نظر ہے:

"آگے "ولا ينعقد بتعاط" کی تصریح متن میں آرہی ہے وہاں پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تعاطی پر تبصرہ نہیں فرمایا البتہ صرف یہ کہا ہے کہ "احترام فروج" کی بناء پر نکاح تعاطی سے منعقد نہیں ہوتا۔ بخلاف البیع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بیع میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف "فعل من الجانبین" کو تعاطی قرار دیا ہے بظاہر نکاح میں بھی ان کی رائے یہی ہے۔"

اس عبارت میں دو باتیں محل نظر ہیں ایک تو یہ کہ ''علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تعاطی پر تبصرہ نہیں فرمایا'' مجیب کا یہ کہنا کہاں تک

Marfat.com

درست ہے ہر صاحب علم شامیہ کی عبارت پڑھ کر اندازہ لگا سکتا ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً کہا ہے کہ لفظ ہونا ضروری ہے چاہے صریح ہو یا کنایہ، اس کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا لہٰذا اس سے زیادہ اور کیا تبصرہ ہوگا!!! نیز جواب کی اس عبارت میں زیادہ محل نظر یہ دوسری بات ہے کہ "بخلاف البیع" کے الفاظ مجیب نے کچھ اس طرز پر تحریر کر کے نتیجۃً علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نکاح میں بھی بیع والا قرار دیا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر شامیہ میں ہی بخلاف البیع کے الفاظ موجود ہوں جبکہ شامیہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح الفاظ میں درمختار کے قول سے موافقت کی ہے۔ اتنے اہم مسئلے میں دو مقامات پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا وضاحت کر دینا اور دوسرے مقام پر تو خود تشریح بھی کر دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی نکاح میں ایجاب وقبول کا باللفظ ہونا ضروری ہے پھر بھی یہ کہنا کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بیع کی طرح تعاطی کو قول قرار دینے کی معلوم ہوتی ہے احقر کے نزدیک یہ درست نہیں۔

(۴) مجیب کا یہ کہنا "لیکن علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مرجوح قرار دیا ہے۔" بیع کے معاملے میں تو یہ بات مسلم ہے لیکن نکاح میں احقر اس بات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سے مکمل اتفاق اور اپنی رائے بھی باللفظ ہونے کا واضح انداز میں اظہار کیا ہے۔ عجیب بات ہے فروج (شرمگاہ) سے متعلق اتنے اہم مسئلے میں جہاں متن میں ہی دو مرتبہ مسئلہ ہذا کا ذکر آ رہا ہے اور اہمیتِ فروج کا ذکر ہے وہاں علامہ رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہیں۔

(۵) مجیب نے جواب میں ابتداءً تو دو حوالے شامیہ کے دونوں مقامات سے نقل کئے ہیں پھر درر الحکام کا ایک حوالہ اور اس کے بعد شامیہ کے چار اور حوالے بیوع سے ذکر کئے ہیں۔ بیوع سے متعلق شامیہ کے چاروں حوالے تو مسلم ہیں لیکن نکاح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ مجیب نے درر الحکام کا جو حوالہ ذکر کیا ہے مسئلہ ھذا میں فقط نکاح کے باب سے متعلق وہی واحد صریح حوالہ ہے لیکن وہ حوالہ خود ہی صریح مجیب کے مدعی کے مخالف ہے درر الحکام کے الفاظ یہ ہیں:

"وانما لم ینعقد به مبالغة فی صیانة الابضاع عن الهتك واحترامالشأنها وینعقد به البیع اذ لیس فیه هذا المعنی ولذا قال بعضهم ینعقد به فی الخسیس والنفیس"۔ (درر الحکام، ۴۹/۴)

درر میں "إذ لیس فیه هذا المعنی" سے مراد ہے کہ بیع میں نکاح کی طرح ایک عورت کی عزت وعصمت کا معنی نہیں لہٰذا بیع اس طرح منعقد ہو جاتی ہے، یہی بات علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شامیہ (۲۰/۳) پر تحریر فرمائی ہے لہٰذا یہ ایک صریح حوالہ بھی مجیب کے دعویٰ کے مخالف ہے۔

(۶) ایک اور دلیل کتابتِ حاضر سے نکاح کا مسئلہ ہے مجلس نکاح میں حاضر دولہا، دلہن کی طرف سے کتابت کافی نہیں بلکہ قول کا ہونا ضروری ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ خود تحریر فرماتے ہیں:

" مطلب التزوج بإرسال کتاب قوله (ولا بکتابة حاضر) فلو کتب تزوجتك فکتبت قبلت لم ینعقد، بحر ۔ والأظهر أن یقول فقالت قبلت الخ إذ الکتابة من الطرفین بلا قول لا تکفی ولو فی الغیبة، تأمل"۔ (الشامیة، ۱۲/۳)

Marfat.com

"(مصنف کا قول: اور حاضر کی کتابت سے بھی نکاح منعقد نہ ہوگا) پس اگر لڑکے نے لکھا میں آپ سے شادی کرتا ہوں اس کے جواب میں لڑکی لکھے میں نے قبول کیا تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا، بحر۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یوں کہتے کہ لڑکی (لکھے نہیں بلکہ) بولے میں نے قبول کیا کیونکہ کتابت دونوں جانب سے بغیر قول کے کافی نہیں ہوتی اگرچہ غائب ہونے کی حالت میں ہو۔"

اس عبارت میں واضح طور پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین کی جانب سے تحریر کے کافی نہ ہونے بلکہ قبول کا ہونا ضروری بتایا ہے۔

(۷) ایک دلیل سماعِ شاہدین کا مسئلہ ہے جس کے حوالجات گزر گئے۔ جمہور کے نزدیک شاہدین کا ایجاب وقبول سننا ضروری ہے۔ اگر تعاطی من جانب قول کے حکم میں ہوتا تو استثناء لازمی تھا، لیکن شامیہ میں مکمل سکوت بلکہ سماع شاہدین کے اثبات پر دلائل ہیں۔

درمختار کی عبارت یہ ہے:

"(وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر) لیتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدین (حرین) أو حر وحرتین (مکلفین سامعین قولهما معا) علی الأصح"۔ (الدر المختار، ۲۲/۳)

درمختار کی اس عبارت کے تحت رد المحتار میں کوئی تفصیل تعاطی وغیرہ کی نہیں کی گئی بلکہ ثبوت کے دلائل ہیں۔

خلاصہ کلام

ان مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر احقر کے نزدیک نکاح میں ایجاب وقبول کا باللفظ ہونا اور دو گواہوں کا اسے سننا شرط ہے یہی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے یہی جمہور فقہاء احناف کا مذہب ہے۔ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے احسن الفتاویٰ میں جو قبول بالفعل کو کافی قرار دیا ہے احسن الفتاویٰ میں اس کا کوئی حوالہ نہیں۔ بظاہر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح کو بیع پر قیاس فرمایا ہے، جس کا محل نظر ہونا بندہ نے بیان کر دیا۔ جامعۃ الرشید کے فتوے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں جو تاویلات کی گئی ہیں، وہ بعید ہیں۔ ان پر بہت سے استدراک واقع ہوتے ہیں جو ہم نے ذکر کر دیئے۔ فتاویٰ محمودیہ میں حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہی بات ذکر کی ہے جو عام شروح وفتاویٰ میں موجود ہے اور ہم نے مفصلاً ذکر کر دی۔

لہٰذا فقہ حنفی اور فتاویٰ شامیہ کی صریح نقول اور مدلل عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نکاح میں ایجاب وقبول کا باللفظ ہونا ضروری ہے عملاً سر ہلا دینا یا آہستہ قبول کرنا یا تحریراً قبول کر لینا کافی نہیں نکاح کے معاملے میں شدتِ احتیاط کی بناء پر ایسا نکاح غیر منعقد رہے گا۔ فقط

Marfat.com

(۵۶) ہیڈ ماسٹر کا گناہ سے بچانے کیلئے والدین کی غیر موجودگی میں نکاح پڑھا دینے کا حکم

سوال

ایک اسکول میں تین طلبہ اور تین طالبات زیر تعلیم تھے۔ان کے آپس میں تعلقات تھے جونہی یہ بات ہیڈ ماسٹر کے علم میں آئی انہوں نے گناہ سے بچانے کیلئے ان طلبہ و طالبات کے ان کی مرضی سے نکاح پڑھا دیئے۔تمام طلبہ و طالبات عاقل بالغ اور باشعور ہیں اور ایک دوسرے کے کفو بھی۔نکاح کی مجلس میں چونکہ تین نکاح ایک ساتھ ہوئے لہٰذا ایک کے نکاح کے وقت بقیہ دونوں جوڑے گواہ تھے، لیکن یہ کارروائی نہ تو کسی فارم پر ہوئی اور نہ ہی باقاعدہ قاضی بلوایا گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے خود ہی نکاح پڑھایا۔لڑکے اور لڑکیوں کے والدین بھی اس سے لاعلم تھے۔ان کی رضا بھی اس میں شامل نہیں ہے۔آیا اب والدین کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ کیا شریعت کی رُو سے یہ نکاح منعقد ہو گیا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے بارے میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ یہ زندگی کا انتہائی نازک معاملہ ہے اس میں قدم بہت سوچ کر رکھنا چاہیئے اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام متعلقہ فریقوں کی رضا شامل ہو، تاکہ بعد میں کوئی لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہو، اس لئے احادیث میں ایک طرف تو ولی کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کرتے وقت اس کی مرضی کو پیش نظر رکھے، اس کی مرضی و منشا کے بغیر نکاح نہ کرے، دوسری طرف لڑکی کو یہ کہا گیا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس کو ولی نامناسب سمجھتا ہو، ولی کی رائے کا لحاظ رکھنا چاہیئے، کیونکہ اس کی رائے عورت کی رائے سے وزنی ہے۔دونوں کی رضا جمع ہونے سے بہت سارے فتنوں کا سدباب ہو جاتا ہے۔اس لئے اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ لڑکی اپنے نکاح کے معاملہ کو ولی کے سپرد کر دے، علاوہ ازیں لڑکی خود ایجاب وقبول کرے تو اس میں بے حجابی اور بے باکی بھی ہے لیکن اگر وہ خود شرعی طریقے سے ایجاب وقبول کر کے نکاح کرے تو ولی یا دوسرے رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں بھی یہ نکاح شرعاً صحیح رہتا ہے جبکہ نکاح کفوٴ میں ہو اور دو گواہوں کی موجودگی میں کیا جائے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر کفوء میں شرعی طریقے سے ایجاب وقبول کیا گیا ہے تو یہ نکاح منعقد ہو چکا ہے اگرچہ ان کے والدین کو علم نہ ہو، لہٰذا اب والدین کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں، باقی نکاح کی کارروائی فارم پر لکھنا یا نکاح کے لئے قاضی کو بلانا صحت نکاح کی شرائط میں سے نہیں ہے۔

لمافی صحیح مسلم (۴۵۵/۱): عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی ﷺ قال:الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن فی نفسها واذنها صماتها۔

وفی الدرالمختار(۲۲،۲۱/۳): (و) شرط (حضور) شاهدین (حرین) أو حر وحرتین (مکلفین

Marfat.com

سامعين قولهما معا)على الأصح (فاهمين) أنه نكاح على المذهب ، بحر (مسلمين لنكاح مسلمة ولو فاسقين أو محدودين في قذف أو أعميين أو ابني الزوجين أو ابني أحدهما ـــ (ولو زوج بنته البالغة) العاقلة (بمحضر شاهد واحد جاز إن) كانت ابنته (حاضرة) لأنها تجعل عاقدة (وإلا لا)۔

وفی الرد تحته :قوله (ولو فاسقين الخ) اعلم أن النكاح له حكمان حكم الانعقاد وحكم الإظهار فالأول ما ذكره والثاني إنما يكون عند التجاحد فلا يقبل في الإظهار إلا شهادة من تقبل شهادته في سائر الأحكام كما في شرح الطحاوي فلذا انعقد بحضور الفاسقين والأعميين والمحدودين في قذف وإن لم يتوبا وابني العاقدين۔

وفی الشامية أيضا(٣/٢٥): قوله (ولو زوج بنته البالغة العاقلة) كونها بنته غير قيد فإنها لو وكلت رجلا غيره فكذلك ،كما في الهندية وقيد بالبالغة لأنها لو كانت صغيرة لا يكون الولي شاهدا لأن العقد لا يمكن نقله إليها ۔

وفی الشامية أيضا (٣/٨٤):فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مكافئة له أو لا فإنه ،صحيح لازم۔

(۵۷) خفیہ نکاح میں نکاح فارم کے جعلی نکلنے کی صورت میں نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بالغ لڑکے اور بالغ لڑکی نے اپنے گھر والوں سے چھپ کر دو گواہوں کے سامنے نکاح کرلیا۔ جب گھر والوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ نکاح فارم جعلی ہیں نکاح پڑھانے والے کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے البتہ دونوں گواہ جن کے سامنے نکاح ہوا موجود ہیں۔ اب گھر والے کہتے ہیں کہ نکاح فارم جعلی ہے اس لئے نکاح منعقد نہیں ہوا۔ سوال یہ ہے کہ نکاح فارم جعلی ہونے سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح میں نکاح فارم کا ہونا شرعاً ضروری نہیں ہے ثبوت نکاح کے لئے دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں (جو شرعاً معتبر ہوں) کی گواہی کافی ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں ہوا ہے، اور یہ نکاح کفو میں کیا گیا ہے تو نکاح نافذ ہوگا

Marfat.com

لیکن اگر نکاح غیر کفو میں کیا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا نیز اگر نکاح کفو میں ہو تو پھر نکاح فارم کے نہ ہونے یا نکاح فارم جعلی ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی القرآن المجید (النور:۳۲): وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ...الآية۔

وفی المشکوۃ (۲۷۲):عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف" . رواه الترمذي۔

وفی الشامیة (۷۲/۳): قوله وفقد الكفء اى اذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا ظاهر الرواية واما على رواية الحسن فالعقد فاسد وتقدم انها المفتى بها۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۵۶۱/۹):يرى الجمهور غير المالكية: أن الشهادة تلزم حين إجراء العقد، ليسمع الشهود الإيجاب والقبول عند صدورهما من المتعاقدين. فإن تم العقد بدون الشهادة وقع فاسداً ۔۔۔ الحكمة من اشتراط الإشهاد على الزواج بيان خطوره وأهميته وإظهار أمره بين الناس لدفع الظِّنة والتهمة عن الزوجين ولأن بالشهادة على الزواج التمييز بين الحلال والحرام، فشأن الحلال الإظهار وشأن الحرام التستر عليه عادة ويتحقق بالشهادة التوثق لأمر الزواج والاحتياط لإثباته عند الحاجة إليه۔

(۵۸) دولہا دلہن کے نام کے ساتھ والد کے نام لینے کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اکثر نکاح خواں حضرات نکاح کے وقت دولہا و دلہن کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام بھی ذکر کرتے ہیں ایک آدمی کہتا ہے کہ اسطرح نہیں کرنا چاہیئے۔آپ حضرات ہماری راہنمائی کریں کہ نکاح میں دولہا اور دلہن کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے منعقد ہونے کیلئے ضروری ہے کہ دلہا اور دلہن کی شناخت میں کوئی اشتباہ نہ رہے۔اس لئے اگر بوقت نکاح دلہا اور دلہن دونوں موجود ہیں تو صرف ان کے نام ذکر کرنے سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بوقت نکاح موجود نہیں ہے تو ان کے والد کے نام کا ذکر کرنا ضروری ہوگا۔اگر دادا کا نام بھی ذکر کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے تا کہ اشتباہ کی کوئی گنجائش

Marfat.com

نہ رہے۔اسی طرح نکاح نامے کی رجسٹریشن وغیرہ جو حکومتی امور کی پاسداری کیلئے تیار کی جاتی ہیں ان میں بھی والد کا نام تحریر کرنا احتیاطاً ضروری ہوگا۔

لما فی الطحطاوی علی الدر (۸/۲): (قوله ولا المنكوحة مجهولة) فلو زوّجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة بخلاف ما اذا كانت له بنت واحدة الا اذا سماها بغير اسمها ولم يشر اليها فانه لايصح ولو كان للمزوج ابنة واحدة۔

وفی الشامیة (۱۵/۳):قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها كما إذا كانت إحداهما متزوجة ويؤيده ما سيأتي من أنها لو كانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها كفى ذكر اسمها وإلا لا بد من ذكر الأب والجد أيضا۔

(۵۹) صرف "بنت فلاں" کہہ کر نکاح پڑھا دینے کا حکم

سوال

مجھے ایک جگہ رنچھوڑ لائن کی بادامی مسجد میں بعد از عصر عقد نکاح میں شرکت کا موقع ملا قاضی صاحب بڑی متشرع، دیندار اور عالم معلوم ہوتے تھے لیکن نکاح پڑھاتے وقت میں نے ایک عجیب بات محسوس کی وہ یہ کہ قاضی صاحب نے لڑکی کا نام نہیں لیا بلکہ بنت محمد صدیق کہہ کر نکاح پڑھا دیا ساتھ بیٹھے شخص سے میں نے پوچھا بھی کہ یہ تو ضروری ہے کہ لڑکی کا نام لیا جائے؟ وہ بیچارہ بھی موبائل فون میں انتہائی مصروفیت کے باعث فقط اتنا بولا کہ اچھا ہے نام نہ لیا جائے کیونکہ لڑکی کی ہر چیز پوشیدہ رہنی چاہیئے۔قاضی مزمل صاحب سے پوچھنے کی مجھے جرأت نہ ہوئی آپ سے تحریراً پوچھ رہا ہوں کہ نکاح میں، میں نے سنا تھا کہ لڑکی کا نام لینا ضروری ہے ورنہ نکاح منعقد نہیں ہوتا اور کیا بادامی مسجد کا نکاح منعقد ہوگیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقدِ نکاح کے وقت اگر گواہ اور عاقدین کو لڑکی کا بالتعیین علم ہو تو اس صورت میں لڑکی کا نام ذکر کرنا ضروری نہیں، چنانچہ آجکل مجلس نکاح سے پہلے ہی گواہوں اور عاقدین کو لڑکی کا پتہ ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں لڑکی کا نام ذکر کئے بغیر نکاح ہوجائے گا۔صورت مسئولہ میں ذکر کردہ نکاح بھی درست ہے البتہ اگر لڑکی کی اور بہنیں بھی ہوں اور گواہوں کو یہ علم نہ ہو کہ کونسی لڑکی کا نکاح ہے تو پھر اس لڑکی کا نام لینا ضروری ہے۔

Marfat.com

لما في التاتارخانية (۳۳/۴) كتاب النكاح، ط فاروقيه: في الحجة سئل محمد بن الفضل عمن قال لرجل زوجت ابنتي منك وليس له بنت غيرها وشهد الشهود جاز النكاح وبالتسمية اصح واولى ولا يصح اذا كانت له بنتان فصاعدا۔

وفي الشامية (۱۵/۳): قوله (ولا المنكوحة مجهولة) فلو زوج بنته منه وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كما في البزازية نهر وفي معناه ما إذا كانت إحداهما محرمة عليه فليراجع ، رحمتي۔ وإطلاق قوله لا يصح دال على عدم الصحة ولو جرت مقدمات الخطبة على واحدة منهما بعينها لتتميز المنكوحة عند الشهود فإنه لا بد منه، رملي۔ قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها۔

(۶۰) بوقت نکاح منکوحہ کی تعیین کی مختلف صورتیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ نکاح پڑھاتے وقت مجلس میں لڑکی اور اس کے والد کا نام لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر صرف لڑکی یا اس کے والد کا نام لے لیا جائے مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ زید کی صاحبزادی تو نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

منکوحہ کی اس طرح تعیین ضروری ہے کہ شوہر اور گواہ اچھی طریقہ سے پہچان جائیں کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے اگر لڑکی یا والد کا نام لئے بغیر ایسی تعیین ہو جائے تو نکاح صحیح ہو گیا، مثلاً:

(۱) لڑکی مجلس میں موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔

(۲) لڑکی مجلس میں نہیں مگر اس کو نام سے سب پہچانتے ہیں اس نام کی کوئی دوسری منکوحہ لڑکی وہاں نہیں تو اس صورت میں صرف لڑکی کا نام لینا کافی ہے، والد کا نام لینا ضروری نہیں۔

(۳) کسی کی صرف ایک ہی لڑکی ہو یا زیادہ لڑکیاں ہوں مگر ایک کے سوا باقی سب شادی شدہ ہوں تو لڑکی کا نام لینا ضروری نہیں صرف والد کا نام لینا کافی ہے۔

لہذا اگر اس شخص کی ایک ہی لڑکی ہو تو ''فلاں کی صاحبزادی کے نکاح'' کے الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن اگر اس شخص

Marfat.com

کی ایک سے زائد لڑکیاں ہوں اور اس طرح تعیین نہ ہوتی ہو، تو لڑکی اور اس کے والد کا نام لینا ضروری ہوگا۔ بہتر صورت یہ ہے کہ ہر حال میں لڑکی اور اس کے والد کا نام صراحۃً لے لیا جائے تا کہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔

لمافی البحرالرائق (۸۴/۳): فلو زوجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة بخلاف ما اذاكان له بنت واحدة الا اذا سماها بغير اسمها ولم يشراليها فانه لا يصح كمافى التجنيس وفيه عن الذخيرة اذا كان للمزوج ابنة واحدة وللقابل ابن واحد فقال زوجت ابنتى من ابنك يجوز النكاح واذا كان للمزوج ابنة واحدة وللقابل ابنان ان سمى القابل الابن باسمه صح الخ۔

وفى الشامية (۱۵/۳): قوله (ولا المنكوحة مجهولة) فلو زوج بنته منه وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كما في البزازية نهر، وفي معناه ما إذا كانت إحداهما محرمة عليه فليراجع، رحمتي۔ وإطلاق قوله لا يصح دال على عدم الصحة ولو جرت مقدمات الخطبة على واحدة منهما بعينها لتتميز المنكوحة عند الشهود فإنه لا بد منه، رملي۔ قلت و ظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد۔الخ۔

وفى الشامية أيضا(۲۲/۳): قوله (وشرط حضور شاهدين)۔۔۔۔ والظاهر أن المراد بالمعرفة أن يعرفها أن المعقود عليها هي فلانة بنت فلان الفلاني لا معرفة شخصها وأن ذكر الاسم غير شرط بل المراد الاسم أو ما يعينها مما يقوم مقامه۔

(۶۱) بوقت نکاح دولہا کے نام میں غلطی ہو جانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دوران نکاح، ایجاب وقبول میں اگر دولہا کا نام غلط بولا جائے مثلاً محمد اسحٰق کے بجائے محمد عیسیٰ بول دیا، لیکن دولہا خود موجود ہو اور جو لوگ دورانِ نکاح بیٹھے ہوں، لڑکے (دولہا) کو جانتے ہوں اور لڑکے نے خود اپنے لئے قبول کر لیا تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر مذکورہ صورت میں لڑکے کو لوگ نہ جانتے ہوں تو کیا حکم ہے؟ یہ بھی بتلائیں کہ اگر دولہا یا دلہن میں سے، یا ان کے دکیلوں میں سے کوئی ایک، یا دونوں کسی عرفی نام سے زیادہ مشہور ہوں، تو ایجاب وقبول کے وقت ان ناموں کے بولنے سے نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے وقت جب دولہا مجلس میں موجود ہو تو ایسی صورت میں اگرچہ نام بولتے وقت غلطی ہوگئی ہو تو بھی نکاح درست ہے،

Marfat.com

چاہے دولہا کو لوگ جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں کیونکہ قبول کے وقت عموماً دولہا کی طرف اشارہ کر کے اس سے قبول کروایا جاتا ہے، اب اگر نام غلط بھی لے لیا جائے تو مضر نہ ہوگا، نیز ایجاب وقبول کے وقت وکیل، دولہا وغیرہ کو عرفی نام سے پکارنا [جس سے وہ مشہور ہو] درست ہے اور نکاح بھی صحیح ہوگا لیکن احتیاط اس میں ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت اصلی اور عرفی دونوں ناموں کو پکار لیا جائے۔

لمافی فتح القدیر (۱۹۲/۳): تزوج باسمها الذی تعرف به، حتی لو کان لها اسمان اسم فی صغرها واخری فی کبرها تزوج بالاخیر لانها صارت معروفة به ۔۔۔ أما لو کانت حاضرة منتقبة فقال تزوجت هذه وقبلت جاز لأنها صارت معروفة بالاشارة۔

وفی الشامیة (۲۲/۳): وما ذکروه في المرأة يجري مثله في الرجل، ففي الخانية قال الإمام ابن الفضل إن كان الزوج حاضرا مشارا إليه جاز ولو غائبا فلا ما لم يذكر اسمه واسم أبيه وجده۔

وفی (۲۶/۳): قوله (إلا إذا كانت حاضرة الخ) راجع إلى المسألتين أي فإنها لو كانت مشارا إليها وغلط في اسم أبيها أو اسمها لا يضر لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية لما في التسمية من الاشتراك لعارض فتلغو التسمية عندها كما لو قال اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو فإنه يصح۔

Marfat.com

رسالہ

نہایۃ الضدین

فی

وقوع الخطاء عند نکاح الاختین

دو بیٹیوں کے نکاح کے وقت ناموں میں غلطی سے

برعکس ایجاب وقبول ہوجانے کی صورت میں انعقادِ نکاح سے متعلق تفصیلات،

فقہی جزئیہ، اردو فتاوی میں پائے جانے والے تعارضات کا دفیعہ

اور مسئلہ ھذا پر مکمل ومدلل تحقیقی فتوی

Marfat.com

(۶۲) دو بہنوں کے نکاح کے وقت نام بدل جانے سے نکاح کے متعلق مفصل تحقیق

سؤال

مفتی صاحب! گزشتہ جمعہ بعد از نماز عصر مجھے ناظم آباد کی ایک مسجد میں نکاح کی تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ جب نکاح ہو رہے تھے تو امام صاحب نے سہواً دو بہنوں (بڑی شکیلہ اور چھوٹی رضیہ کا نکاح تھا) کے نام تبدیل کر دیئے یعنی بڑے لڑکے کا نکاح چھوٹی رضیہ اور چھوٹے لڑکے کا نکاح بڑی شکیلہ سے پڑھا دیا، اور دونوں اشخاص نے قبول کرلیا۔ مفتی صاحب یہ سب کچھ انتہائی اچانک اور غیر ارادی طور پر واقع ہوا لیکن دعا کے بعد شور وغل کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی کچھ لوگ کہتے تھے کہ دوبارہ نکاح پڑھاؤ لیکن امام صاحب اڑے رہے اب جو ہوا سو ہوا۔ قبول کرنے سے پہلے ٹوکنا چاہیئے تھا، اب جو پڑھا دیئے وہی برعکس نکاح منعقد ہوگئے۔ خیر مفتی صاحب میں تو اس شور وشغب سے نکل کر گھر آ گیا۔ آپ کو بتاتا چلوں کہ میں ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن'' سے فارغ التحصیل ہوں لیکن فی الحال درس وتدریس سے مستقلاً متعلق نہیں بلکہ ایک کالج میں اسلامیات کا لیکچرار ہوں لہٰذا مسائل کا اتنا استحضار نہیں رہتا، البتہ میں نے بہت سے اردو فتاویٰ خریدے ہوئے ہیں اور مطالعے میں رکھتا ہوں اس پیش آمدہ مسئلے میں بھی میں نے اردو فتاویٰ سے مراجعت کی مجھے ان درج ذیل فتاویٰ میں مسئلہ مل گیا۔

(۱).....فتاویٰ محمودیہ [۱۱/ ۴۰] عنوان: نکاح میں ایک بہن کی جگہ دوسری کا نام لیا گیا۔

(۲).....امداد المفتین (فتاوی دار العلوم دیوبند از مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ) [۲/ ۵۱۸] عنوان: دھوکہ دے کر چھوٹی کے بجائے بڑی لڑکی سے نکاح کر دیا۔

(۳).....خیر الفتاویٰ [۴/ ۲۷۲] عنوان: غلطی سے چھوٹی بہن کا نکاح بڑی سے.....الخ۔

(۴).....کفایت المفتی [۵/ ۳۵۱] عنوان: عقد کے وقت جس لڑکی کا نام لیا گیا اس سے نکاح ہوا۔

(۵).....فتاوی دار العلوم دیوبند میں یہ مسئلہ ۳ مقامات پر آیا ہے:

۱۔ فتاوی دار العلوم دیوبند [۷/ ۹۹] عنوان: قبول میں وکیل نے لڑکی کا نام بدل دیا کیا حکم ہے؟

۲۔ فتاوی دار العلوم دیوبند [۷/ ۱۰۰] عنوان: قاضی وکیل نے بھول سے ایجاب میں لڑکی کا نام بدل دیا نکاح کس کا ہوا؟

۳۔ نیز فتاوی دار العلوم دیوبند [۷/ ۱۰۳] عنوان: نکاح کے وقت لڑکی کے ردوبدل کی صورت میں کیا حکم ہے؟

مفتی صاحب! ان پانچ فتاویٰ کی مطالعہ کتب میں مجھے میرا سوال مل گیا لیکن پریشان کن بات یہ تھی کہ ان تمام میں یہ ذکر ہے کہ قاضی

Marfat.com

نے جس کیفیت کے ساتھ نکاح پڑھادیئے (یعنی چھوٹی رضیہ کا بڑے سے اور بڑی شکیلہ کا چھوٹے سے) یہی نکاح منعقد ہوگئے اگرچہ یہ ایجاب وقبول بالعکس ہوا ہے۔ میرے سوال میں بھی گویا امام صاحب کا موقف درست ہے کہ جو پڑھادیا وہ ہوگیا۔

ان سب امور کو ایک طرف رکھ دیں مجھے اصل مسئلے میں تردد ہورہا ہے۔ اگرچہ امام صاحب بزرگ شخصیت تھے، نیز یہ سب اصحاب فتاویٰ ہمارے سروں کے تاج ہیں، لیکن مجھے اشکال یہ ہے کہ چھوٹی لڑکی نے تو بڑے لڑکے سے نکاح کی اجازت ہی نہیں دی اور بڑی لڑکی نے چھوٹے لڑکے سے نکاح کی۔ پھر تو دونوں نکاح غیر منعقد موقوف علی الاجازۃ ہونے چاہئیں نہ کہ منعقد، جبکہ ان تمام فتاویٰ میں نکاح کو منعقد قرار دے کر صورت حال کو طلاق وغیرہ کے ذریعے حل کرنے کا بتایا گیا ہے اور فقہ حنفی کا مشہور جزئی سے استدلال کیا گیا ہے، وہ جزئیہ یہ ہے:

"قال الحصكفي رحمه الله :"ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى خانية"۔

وفي الرد تحته: "قوله (ولو له بنتان الخ) أي بأن كان اسم الكبرى مثلا عائشة والصغرى فاطمة فقال زوجتك بنتي الكبرى فاطمة"۔ (الشامية: ۲۶/۳)

تقریباً یہی جزئیہ الفاظ کے معمولی ردوبدل کے ساتھ ھندیۃ (۱/ ۲۶۸) پر بھی ہے۔ ان جزئیات سے استدلال کرکے ان دونوں نکاحوں کو بہرصورت منعقد کہنا آپ کی نظر میں کیسا ہے؟ آیا مسئلہ ایسا ہی ہے یا نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا؟

نیز مفتی صاحب! آخر میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے متعلق ایک خاص بات اس مسئلہ میں جو میرے سامنے آئی وہ بھی عرض کردوں کوشش کروں گا کہ آسان الفاظ میں بات تحریر میں آجائے جیسا کہ میں نے لکھا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں یہ مسئلہ تین جگہ ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پہلی اور تیسری جگہ پر تو دیگر فتاویٰ کی طرح بالعکس نکاح کو منعقد قرار دیا گیا ہے لیکن دوسرا فتویٰ (۷/ ۱۰۰) ان دونوں سے متضاد ہے اس میں مخالفت مؤکل [باپ] کی وجہ سے وکیل [قاضی] کے نکاح کو غیر منعقد کہا گیا ہے لہٰذا بظاہر یہ دونوں فتاویٰ آپس میں متعارض ہیں [مفتی صاحب! یہ بات ملحوظ رہے کہ مفتی عزیز الرحمن قدس سرہ واعلی اللہ مراتبہ نے اپنے دوسرے فتوی میں (۷/ ۱۰۰) پر ان نکاحوں کو غیر منعقد تو کہا ہے مگر مخالفت مؤکل کی وجہ سے نہ کہ عدم اجازت مرأۃ کی وجہ سے)۔

مفتی صاحب! فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں موجود اس تعارض پر بھی تبصرہ فرمائیں نیز مفتی صاحب بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے پہلے فتویٰ (۷/ ۹۹) پر حضرت مفتی ظفیر احمد مفتاحی صاحب [جو کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مرتب ومبوب ہیں ان] کا حاشیہ بھی ملاحظہ کریں انہوں نے مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کے پہلے اور تیسرے فتویٰ کو تسامح اور دوسرے فتوے کو درست کہا ہے اور عدم انعقاد نکاح کی وجہ حاشیہ پر وہی مخالفت مؤکل بتائی ہے لیکن مفتی ظفیر احمد صاحب نے حاشیہ پر تصریح کی ہے کہ باپ اگر نکاح پڑھا رہا ہوتا تو یہ نکاح منعقد ہوجاتے۔ قاضی چونکہ باپ کا وکیل ہے اس لئے وکیل کے پڑھائے ہوئے نکاح مخالفتِ مؤکل کی وجہ سے منعقد نہیں ہورہے ہیں۔

Marfat.com

مفتی صاحب! حضرت مفتی ظفیر احمد مفتاحی صاحب نے جو تسامح ذکر کیا ہے مجھے ان کے بیان میں خود دو تسامح لگ رہے ہیں

(۱) پہلا تسامح تو یہی کہ باپ پڑھاتا تب بھی نکاح دونوں لڑکیوں کی اجازت پر موقوف ہونے چاہیئے تھے جو کہ میرا مرکزی سوال ہے، جبکہ مفتی ظفیر صاحب نے باپ کی صورت میں انعقاد کی تصریح کی ہے۔

(۲) دوسرا تسامح یہ کہ مفتی ظفیر احمد صاحب نے اپنی بات پر اس جزئیہ سے استدلال کیا ہے:

"ومن أمر رجلاً أن يزوجه امرأة فزوجه اثنين فی عقدة لم تلزمه واحدة منهما لأنه لا وجه إلى تنفيذهما للمخالفة" ۔ (هداية، ۳/۳۳)

لیکن قابل تفکر بات یہ ہے کہ وکالت میں مخالفت مؤکل کا جزئیہ مفتاحی صاحب نے وکیل ثانی (قاضی) پر منطبق کر کے نکاح کو غیر منعقد قرار دیا ہے حالانکہ باپ بھی تو اپنی بیٹی کا وکیل ہے اس صورت میں باپ کا اپنی بیٹی (مؤکلہ) کی اجازت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے باپ کا کیا نکاح بھی غیر منعقد ہونا چاہیئے تھا حالانکہ حضرت مفتی ظفیر احمد صاحب نے اسے حاشیہ پر صراحتاً منعقد کہا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ باپ وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ ولی بھی ہے تب بھی ہم کہیں گے کہ ولی کیا دنیا کی کوئی طاقت بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں پڑھا سکتی۔ فلما ذا يفرق بين الوكيلين مع الاشتراك فی مخالفتهما للمؤكل الاول۔ مفتی صاحب! مفتی ظفیر احمد مفتاحی صاحب نے تیسرے فتوی کے ذیل میں (۷ / ۱۰۳) پر زیادہ تفصیل سے اپنی یہ تحقیق بیان کی ہے۔ ان پر وارد اشکالات ہم نے ذکر کر دیئے۔ یہ دونوں تسامحات مجھے حضرت مفتی ظفیر احمد مفتاحی صاحب کے حاشیہ والی تحقیق پر نظر آئے، اصل سوال اپنی جگہ ہے۔

مفتی صاحب! جب میں نے اردو فتاویٰ میں یہ تفصیلات دیکھیں تو میں نے کراچی کے معروف اصحاب دارالافتاء سے اس مسئلے میں مراجعت کی جن میں بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ، دارالعلوم کراچی، خلفائے راشدین، اور جامعۃ الرشید وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ بنوری ٹاؤن، فاروقیہ اور دارالعلوم کراچی سے جو فتویٰ جاری ہوا وہ ان نکاحوں کے عدم انعقاد کا ہے خلفاء راشدین کے دارالافتاء سے جو فتویٰ جاری ہوا اس میں ان نکاحوں کو منعقد کہا گیا ہے اور جامعۃ الرشید میں مہینوں گزر جانے کے باوجود وہ اس سوال کا جواب نہ دے سکے، ان کے ہاں تحقیق جاری ہے۔ ان تمام حاصل کردہ فتاویٰ کی نقول میں پیش کر رہا ہوں، مجھے یہ تردد بھی ہوا کہ امداد المفتین جو کہ حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے اس میں نکاح کو صراحتاً منعقد کہا گیا ہے، پھر دارالعلوم کراچی سے جو فتویٰ جاری ہوا اس میں نکاح کو غیر منعقد کیسے کہا گیا، اس الجھن کا بھی حل فرمائیں۔

مفتی صاحب مجھے آپ کے مؤقر دارالافتاء کا علم بھی تھا اور بہت سے اہم اور تحقیقی فتاویٰ میں آپ سے استفادے کی نوبت بھی آئی ہے۔ آپ کے فتاویٰ کی کتاب چونکہ فی الحال تین جلدوں میں ''کتاب الحج'' تک ہے لہٰذا اس مسئلے کو نجم الفتاویٰ میں تلاش کرنا بے معنی تھا، چنانچہ یہ تمام تفصیلات اور نقول آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، آپ کے تحقیقی ذوق اور کمال علم کی روشنی میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اس مسئلے کا ایسا حل پیش فرمائیں گے کہ جس سے عبارات فقہاء کے مطالب واضح ہو جائیں نیز شامیہ اور ہندیہ کے اس جزئیہ

Marfat.com

ولوله بنتان... الخ پر بھی غور فرمائیں کہ کیا یہ اپنے اطلاق کے ساتھ درست ہے اور کیا اس جزئیہ سے استدلال کر کے نکاح کو منعقد قرار دینا قرین قیاس ہے یا مخالف قواعد شرعیہ؟

یہ جزئیہ ظاہر الروایہ میں موجود ہے یا اس کی اصل اور ابتداء کہاں سے ہے؟ کتب فقہ حنفی کے مصنفین اور اعلام احناف نے اس جزئیہ پر اگر کہیں سیر حاصل گفتگو کی ہو تو نظر فرمائیں نیز اکابرین امت کے جن فتاویٰ کا میں نے ذکر کیا ان پر بھی غور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورتِ مسئولہ میں اولاً مسئلے کی تنقیح ضروری ہے اس کے بعد ہی جواب اور جواب سے متعلق تفصیلات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۔ تنقیح المسئلۃ:

کسی بھی لڑکی کا نکاح ہو رہا ہو تو وہ لڑکی دو حال سے خالی نہ ہوگی۔ ۱) وہ لڑکی بالغہ ہوگی۔ ۲) یا وہ لڑکی نابالغہ ہوگی۔

اگر وہ لڑکی بالغہ ہے تو بالغہ کے نکاح کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بالغہ اپنا نکاح خود کر رہی ہوگی اور دوسری یہ کہ بالغہ نے کسی شخص کو وکیل بنایا ہوگا اور وہ وکیل بالغہ کا نکاح کرا رہا ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہے یعنی بالغہ اصالۃً خود اپنا نکاح کر رہی ہے اور بنفسِ نفیس مجلس عقد میں موجود ہے پھر تو لڑکی سے کسی قسم کی اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ لڑکی خود ہی عاقد ہے البتہ دوسری صورت یعنی اگر بالغہ کا نکاح اس کا وکیل کرا رہا ہو تو بہر صورت چاہے وہ وکیل لڑکی کا ولی یعنی باپ ہی کیوں نہ ہو لڑکی سے اجازت لینا ضروری ہے یہ اصول ہے کہ بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص اس کا نکاح نہیں کر سکتا اگر کر دیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ بالغہ کی اجازت پر موقوف ہو جائے گا۔

بالغہ کا نکاح کرانے کیلئے کوئی شخص اسی صورت میں وکیل بن سکتا ہے جب بالغہ نے اسے اجازت دی ہو ورنہ وہ شخص فضولی ہے اور اس کا نکاح بالغہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ بالغہ لڑکی سے اجازت لئے بغیر اس کا نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ فتاویٰ کی مشہور اور مستند ترین کتاب الفتاویٰ الھندیہ میں ہے:

"لایجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکرا کانت أو ثیبا فإن فعل ذلك فالنکاح موقوف علی إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردّته بطل".

(الهندية، ۲۸۷/۱)

"کسی بھی شخص کا بالغہ، صحیح العقل لڑکی کا نکاح کرنا جائز نہیں، چاہے وہ شخص باپ یا بادشاہ ہو، لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح جائز نہیں اور اس میں لڑکی کے شادی شدہ یا کنواری ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں اگر کسی بھی شخص نے بالغہ کی

Marfat.com

اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ جائز قرار دیدے تو منعقد ہو جائے گا اور اگر وہ رد کر دے تو یہ عقد باطل ہو جائے گا۔"

بوقتِ نکاح لڑکی کے بالغہ ہونے کی صورت میں تو یہ تفصیل تھی اور اگر لڑکی نابالغہ ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ نابالغہ خود عاقد نہیں بن سکتی، اس کے تصرفات معتبر نہیں اور نہ ہی نابالغہ کی اجازت معتبر ہے، نابالغہ کا نکاح ولی کے علاوہ کوئی نہیں کرا سکتا، ولی کے نکاح کرنے کی صورت میں دو احتمالات ہیں:

[۱] ولی اقرب نکاح پڑھائے۔ (ولی اقرب سے مراد وہ ولی ہے کہ بچے کا اس سے زیادہ قریب کا دیگر کوئی ولی موجود نہ ہو مثلاً ایک بچے کے باپ اور چچا ہوں تو باپ ولی اقرب ہے، کیونکہ باپ سے زیادہ قریب کا کوئی ولی نہیں لہٰذا باپ ولی اقرب ہے۔) اس کے نکاح کرانے کا حکم یہ ہے کہ نابالغہ کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ ولی ابعد نابالغہ کا نکاح پڑھائے۔ (ولی ابعد سے مراد وہ ولی ہے جس سے قریب کا دیگر کوئی اور ولی موجود ہو، چنانچہ اس ولی اقرب کی موجودگی میں یہ ابعد ہوگا مثلاً باپ کی موجودگی میں چچا ولی ابعد ہے۔) لہٰذا ولی ابعد یا بالکل ہی اجنبی شخص نابالغہ لڑکی کا نکاح کرا دیتا ہے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا، بلکہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا ولی اقرب نے اگر اجازت دے دی تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا بصوتِ دیگر ردّ کرنے سے ردّ ہو جائے گا۔

فتاویٰ ھندیہ میں ہے:

"وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضرا وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته". (الهندية، ۲۸۵/۱)

"اگر نابالغ یا نابالغہ کا نکاح ولی ابعد نے کرا دیا تو اگر ولی اقرب موجود ہو اور وہ شخص اہلِ ولایت میں سے ہو تو اِس ولی ابعد کا نکاح اُس ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔"

۲۔ بوقتِ عقد نام میں غلطی واقع ہو جانے کا حکم

بوقت عقد لڑکی کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر لڑکی معلوم نہ ہو بلکہ مجہول ہو بایں طور کہ گواہ لڑکی کو نہیں جانتے اور نہ صراحۃً لڑکی کا نام بوقتِ عقد لیا جائے [اور لڑکی مجلس عقد میں موجود نہ ہو] تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر لڑکی خود مجلسِ عقد میں موجود ہو تو پھر اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے، اس کے بعد نام اگرچہ غلط لے لیا جائے تب بھی یہ نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ اگر لڑکی موجود نہ ہو تو پھر لڑکی کا درست نام لینا ضروری ہے اور اگر گواہوں کو صرف نام کے ذریعے لڑکی سے صحیح آگاہی نہ ہوتی ہو تو باپ اور دادا کا نام لینا بھی ضروری ہے۔

نکاح کے وقت لڑکی یا اس کے باپ، دادا کا نام لیتے ہوئے غلطی سے دوسرا کوئی نام نکل جائے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ لڑکی

Marfat.com

مجہول ہوگئی۔فتاویٰ شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي رحمه الله: "(غلط وكيلها بالنكاح فى اسم أبيها بغير حضورها لم يصح) للجهالة وكذا لو غلط فى اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح"

"قوله (لم يصح) لأن الغائبة يشترط ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وتقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها فقط خلافا لابن الفضل وعند الخصاف يكفي مطلقا ... قوله (إلا إذا كانت حاضرة الخ) راجع إلى المسألتين أى فإنها لو كانت مشارا إليها وغلط فى اسم أبيها أو اسمها لا يضر لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية لما فى التسمية من الاشتراك لعارض فتلغو التسمية عندها كما لو قال اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو فإنه يصح"

(شامية ۲۶/۳)

''علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (وکیل بالنکاح نے لڑکی کے باپ کے نام میں غلطی کردی اور لڑکی موجود نہ تھی تو نکاح صحیح نہ ہوا) کیونکہ منکوحہ مجہول ہوگئی اور اسی طرح اگر باپ بوقتِ نکاح بیٹی کا نام لینے میں غلطی کردے ہاں اگر منکوحہ موجود ہو اور اس کی طرف اشارہ کردیا جائے تو یہ عقد صحیح ہوگا۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ میں حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے قول (نکاح صحیح نہ ہوا) کے تحت فرماتے ہیں کیونکہ غائب دلہن اور اس کے باپ دادا کا نام بوقتِ عقد ذکر کرنا شرط ہے اور یہ بات پہلے بھی گزر چکی کہ اگر گواہ لڑکی کو پہچانتے ہوں تو صرف لڑکی کا نام لے دینا بھی کافی ہے البتہ ابن الفضل کا اس میں اختلاف ہے اور امام خصاف کے نزدیک مطلقاً یہ کفایت کرجائے گا ..... (ماتن کا قول: ہاں اگر منکوحہ موجود ہو) یہ قول گزشتہ دونوں مسئلوں سے متعلق ہے یعنی اگر لڑکی کی طرف اشارہ کردیا جائے اور پھر لڑکی یا اس کے باپ کے نام میں غلطی ہوجائے تو یہ غلطی مضر نہیں کیونکہ حسی اشارہ باعتبار قوت کے نام لینے سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ نام میں تو کبھی اشتراک (کسی اور کا وہی نام) ہوسکتا ہے لہٰذا اس وقت تسمیہ لغو ہوجاتا ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ میں اس زید کی اقتداء میں نماز کی نیت کرتا ہوں اور وہ شخص زید نہیں عمرو ہو تب بھی اقتداء (اشارے حسی کی وجہ سے) درست ہوگی (اور یہ غلط نام لے دینا لغو ہوجائے گا)۔''

یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ لڑکی کے نام میں غلطی سے عقد غیر منعقد ہوجائے گا جبکہ لڑکی بوقتِ عقد مجلس میں موجود نہ ہو البتہ یہاں ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ اگر ایک شخص کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ ایک کے نکاح کے وقت دوسرے کا نام لے لیتا ہے تو کس کا نکاح منعقد ہوگا؟ یہاں یہ بات تو واضح رہے کہ اگر یہ غلطی قاضی سے ہوتی ہے تو نکاح بہر صورت غیر منعقد ہوں گے، کیونکہ قاضی وکیل ہوتا ہے اور وکیل کا نکاح مخالفتِ موکل کی بناء پر موقوف ہوجاتا ہے۔یہ تفصیل باپ کے نکاح پڑھانے سے متعلق ہے اس صورت میں مسئلے کی چار صورتیں بن سکتی ہیں جو کہ مع حکم یہ ہیں:

Marfat.com

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں لڑکیاں بالغہ ہوں لیکن بڑی لڑکی کے نکاح کے وقت چھوٹی بالغہ لڑکی کا نام لے لیا تو اس صورت میں بڑی کا نکاح تو ہوا نہیں کیونکہ اس کا نام ہی نہیں لیا اور چھوٹی کا عقد بھی نہ ہوگا کیونکہ وہ بھی بالغہ ہے اور اوپر تفصیل گزر چکی کہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر پڑھایا ہی نہیں جا سکتا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں لڑکیاں نابالغہ ہوں اور بڑی نابالغہ لڑکی کے نکاح کے وقت ولی چھوٹی نابالغہ لڑکی کا نام لے اس صورت میں قواعد کے مطابق چھوٹی نابالغہ لڑکی کا نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ نابالغہ کے حق میں اس کا باپ ولی ہے اور وہی اصیل ہے وکیل نہیں، لہٰذا اس نے اگر دوسری نابالغہ بچی کا نام لے لیا تو اس دوسری نابالغہ کا نکاح ہو جائے گا۔

[نوٹ: البتہ یہ بات بالخصوص ذہن نشین رہے کہ یہاں نکاح کے انعقاد کا حکم ولی کے نکاح پڑھانے سے متعلق ہے وکیل یعنی قاضی، نکاح خواں وغیرہ کے ساتھ یہ حکم نہیں، کیونکہ قاضی کسی کی نابالغہ بچی کا ولی نہیں ہوتا لہٰذا قاضی اگر اس طرح کرے تو اس دوسری نابالغہ کا نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ قاضی (درحقیقت ولی کا) وکیل ہے اور وکیل کا نکاح مخالفتِ موکل کی وجہ سے موقوف ہو جائے گا جبکہ باپ اصیل ہے لہٰذا اس کا نکاح منعقد ہوگا۔]

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ایک لڑکی بالغہ اور ایک نابالغہ ہو لیکن نکاح بالغہ کا ہو رہا ہو، اور بالغہ کے نکاح کے وقت باپ غلطی سے نابالغہ کا نام لے لے تو اس صورت میں نابالغہ کا نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس میں وہی دوسری صورت والی تفصیل ملحوظ رہے کہ باپ سے غلطی معتبر ہے قاضی یا کوئی وکیل غلطی کرے تو نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ مخالفتِ موکل کی وجہ سے موقوف ہوگا۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک لڑکی بالغہ اور ایک نابالغہ ہو لیکن نکاح نابالغہ کا ہو رہا ہو، اور نابالغہ کے نکاح کے وقت باپ غلطی سے بالغہ کا نام لے لے۔ اس صورت میں کسی کا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ نابالغہ کا تو نام ہی نہیں لیا گیا اور بالغہ سے اجازت نہیں لی گئی۔

اصولِ شرع اور فقہی نصوص کی روشنی میں وضاحت یہی ہے جو تحریر کر دی گئی اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ اپنے سوال کا جواب معلوم کر سکتے ہیں۔

۳۔ صورتِ مسئولہ کی وضاحت:

صورتِ مسئولہ میں لڑکیوں کے بالغہ اور نابالغہ ہونے کی اگرچہ وضاحت نہیں لیکن دو اہم باتوں کی وضاحت موجود ہے۔

(۱) نکاح مسجد میں ہوا ہے جہاں عموماً لڑکیاں مجلسِ عقد میں نہیں ہوتیں۔

(۲) نکاح قاضی نے پڑھائے ہیں اور قاضی کو بڑی لڑکی کا نکاح بڑے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی کا نکاح چھوٹے لڑکے سے پڑھانے کا وکیل بنایا گیا تھا۔

اوپر جو تفصیلات تحریر کی گئی ہیں اگر ان کا استحضار رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نکاح بہر حال موقوف ہیں کیونکہ قاضی وکیل تھا اور وکیل اگر مخالفت موکل کر دے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض یہ نکاح باپ پڑھا رہا ہوتا تب اوپر

Marfat.com

ذکر کردہ چاروں صورتوں کے مطابق لڑکی کے بالغہ یا نابالغہ ہونے کے مطابق نکاح کے انعقاد اور عدم انعقاد کی تفصیل کی جاتی، لیکن یہاں قاضی نکاح پڑھا رہا تھا جو کہ بہر صورت (لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ) وکیل ہی بنتا ہے لہٰذا یہ نکاح علی الاطلاق (غیر منعقد) موقوف ہوں گے۔

۴۔ زیرِ بحث مسئلے میں اردو فتاویٰ کا تعارض:

مسئلہ زیرِ بحث میں جیسا کہ سائل نے اردو فتاوی کی طرف مراجعت کی اور اسے چند فتاوی میں مسئلہ مل گیا اسی طرح ہم نے بھی اپنے پاس دستیاب ۳۵ کے قریب اردو فتاویٰ کی طرف مراجعت کی اور کافی تتبع و تفحص کے بعد یہ مسئلہ درج ذیل مقامات پر موجود پایا البتہ ان میں سے بعض مقامات تو اس باب میں صریح ہیں کہ مجیب نے دونوں طرف سے کئے گئے برعکس نکاح کو منعقد قرار دیدیا ہے اور نکاح بھی قاضی پڑھا رہا ہے اور کچھ میں تو بالغہ تک کی تصریح کے باوجود فقہ کے ایک عام جزیئے (جو کہ درحقیقت خاص ہے اور اس پر آگے بحث آرہی ہے) سے استدلال کر کے ان نکاحوں کو منعقد قرار دیا گیا ہے جو کہ بہر حال قواعد کے خلاف ہے۔

ہم ان فتاویٰ کو دو قسموں پر تقسیم کر رہے ہیں

۱) ایک وہ جن میں تقریباً صریح الفاظ میں نکاح پڑھانے والے کے منہ سے نکلے الفاظ کو حرفِ آخر قرار دے کر نکاح منعقد کر دیئے گئے ہیں اور ان میں بظاہر تاویل ممکن نہیں۔

۲) دوسرے وہ فتاوی جن میں تاویل کی گنجائش ہے اگرچہ ان کے جواب کا سیاق و سباق، کلام کا تسلسل اور بغیر کسی قید کے جواب کا اطلاق اس تاویل سے اباء کرے لیکن بہر حال تاویل ممکن ہے۔ سردست ہم یہاں صرف پہلی قسم کے فتاوی مع تشریحی نوٹ (بندے ناچیز کی جانب سے) پیش کریں گے۔ دوسری قسم کے فتاویٰ کے فقط حوالے ذکر کرنے پر اکتفاء کریں گے باذوق حضرات خود مراجعت کر کے تحقیق کر سکتے ہیں۔

اردو فتاویٰ میں سے انعقادِ نکاح کا حکم لگانے میں تقریباً صریح فتاویٰ جات درج ذیل ہیں:

(۱) خیر الفتاویٰ [۴/۲۷۲]
(۲) خیر الفتاویٰ [۴/۳۴۱]
(۳) فتاویٰ حقانیہ [۴/۳۰۸]
(۴) امداد المفتین [۲/۵۱۸]
(۵) کفایت المفتی [۵/۳۰۶]
(۶) فتاویٰ دار العلوم دیوبند [۷/۹۹]
(۷) فتاویٰ دار العلوم دیوبند [۷/۱۰۳]

(۱) خیر الفتاویٰ (۴/۲۷۲) (ط: امدادیہ):

عنوان: غلطی سے چھوٹی بہن کا نکاح بڑے بھائی سے اور بڑی کا چھوٹے سے ہو گیا تو کیا کیا جائے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ دین متین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے اپنی دو لڑکیوں کا دو آدمیوں سے نکاح کرنا تھا

Marfat.com

یعنی بڑے لڑکے (خالد) سے بڑی لڑکی (خالدہ) کا اور چھوٹے لڑکے (ناصر) سے چھوٹی لڑکی (جمیلہ) کا، مگر غلطی سے نکاح خواں نے چھوٹے لڑکے کو بلا کر یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بڑا لڑکا ہے نکاح بڑی لڑکی سے پڑھا دیا حالانکہ رجسٹر کا اندراج بڑی لڑکی کا بڑے لڑکے سے ہوا جب لڑکیوں سے پوچھنے گئے تھے تو اس میں بڑی لڑکی نے بڑے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی نے چھوٹے لڑکے سے نکاح پر رضامندی کا اظہار کیا تھا، لوگوں کے بتلانے پر کہ یہ چھوٹا لڑکا ہے نکاح خواں نے اسی مجلس میں اصل صورت پر دوبارہ نکاح پڑھا دیا اب صورتِ مسئلہ میں نکاح صحیح ہے یا نہ؟ دوسرے نکاح میں کوئی خلل تو واقع نہیں ہوا جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں مسماۃ خالدہ کا نکاح مسمی ناصر سے منعقد ہو چکا ہے اور مسماۃ جمیلہ کا نکاح ناصر سے نہیں ہوا ہے کیونکہ بہن کی موجودگی میں دوسرے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ ولو کان لرجل بنتان کبری اسمها عائشة وصغری اسمها فاطمة واراد أن یزوج الکبری وعقد باسم فاطمة ینعقد علی الصغری (هندية: ۱/۲۷۰)

(خیر الفتاویٰ، ۴/۲۷۲)

نوٹ: سوال کے الفاظ "رضامندی کا اظہار کیا تھا" واضح دال ہیں کہ لڑکیاں بالغہ تھیں کیونکہ نابالغہ کی رضامندی کا اعتبار ہی نہیں اس کی رضا کا تو ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہیں، نیز یہاں "نکاح خواں" کے الفاظ اس بات پر دال ہیں کہ یہ نکاح باپ نے خود نہیں پڑھائے بلکہ قاضی سے پڑھوائے ہیں، گویا مجیب نے دو بالغہ لڑکیوں کے نکاح کے وقت قاضی کی جانب سے صادر غلطی کی بناء پر دونوں نکاح منعقد قرار دیئے ہیں۔ (از راقم)

(۲) خیر الفتاویٰ (۴/۳۴۱) (ط: امدادیہ):

عنوان: نام چھوٹی کا لیا اور صفت کبری کی استعمال کی تو نکاح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ ایک شخص مسمی کریم اللہ نے اپنی چھوٹی لڑکی نسیمہ بی بی کا عقدِ نکاح مسمی گاما سے کرانا تھا والد صاحب کی غلطی کی وجہ سے نکاح جس جگہ ہوا وہاں جھگڑا پڑ گیا کہ چھوٹی لڑکی کا نام نہیں لیا گیا جبکہ اس جگہ پر بڑی کا نام لیا گیا ہے کیونکہ والد جاہل ہے اس بناء پر والد چھوٹی اور بڑی کے نام میں تمیز نہ کرسکا لہٰذا آپ شریعتِ حنفیہ سے حکم فرمائیں کہ آیا جس لڑکی سے نکاح ہونا قرار پایا تھا وہ نہ ہوا لہٰذا بڑی لڑکی کا نکاح ہوا یا نہیں یا دونوں میں کسی کا ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی شخص کی دو لڑکیاں ہوں مثلاً ایک بڑی اور ایک چھوٹی تو نکاح کے وقت والد بجائے چھوٹی کے بڑی کا نام لے دے یا برعکس تو جس کا نام لے گا اسی کا نکاح ہوگا خواہ اس کے ذہن میں تعین دوسری کا ہو لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ صرف نام ہی لیا ہو نام کے ساتھ چھوٹی یا بڑی کا لفظ نہ کہا ہو مثلاً اگر نام چھوٹی کا لیا اور اس کے ساتھ لفظ بڑی کا کہا یا برعکس تو اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ اس نام کی اس کی بڑی لڑکی یا عکس کی صورت میں چھوٹی لڑکی کوئی نہیں ہے لہٰذا نکاح کسی کا بھی منعقد نہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے۔

کما فی الدر المختار (۲/۲۷۵) ولو له بنتان اراد تزویج الکبری فغلط فسماها باسم الصغری الخ۔

Marfat.com

وفی الشامیة علی قوله(له بنتان الخ) أی بأن کان اسم الکبری مثلاً عائشة و الصغری فاطمة فقال زوجتك بنتی فاطمه وقیل صح العقد علیها وان کانت عائشة هی المرادة وهذا إذا لم یصفها بالکبری اما لو قال زوجتك بنتی الکبری فاطمة یجب أن لا ینعقد العقد علی احدهما لانه لیس له ابنة کبری بهذا الاسم الخ (شامی، ۲/۲۷۵)

لہٰذا باپ نے جس لڑکی کا نام لیا اس کا نکاح ہوگیا دوسری کا نہیں۔ (خیر الفتاوی، ۴/۳۴۱)

نوٹ: مجیب کے الفاظ "جس کا نام لے گا اس کا نکاح ہوگا" اس پر دال ہیں کہ مجیب کے نزدیک زبان سے نکلے الفاظ حرفِ آخر ہیں، چاہے وہ غلط (یعنی برعکس) ہی کیوں نہ نکل جائیں اور لڑکیاں بالغہ ہوں یا نابالغہ بہرصورت نکاح منعقد ہوں گے۔

(۳) فتاویٰ حقانیہ (۴/۳۰۸):

عنوان: نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا

سوال: نکاح کے انعقاد کے وقت وکیل نے غلطی سے اصل لڑکی کے نام کے بجائے اس کی دوسری بہن کا نام لیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب نکاح کس کے ساتھ منعقد ہوگا؟

الجواب: مجلسِ نکاح میں جب کوئی ممیز اشارہ وغیرہ نہ ہو جس کی وجہ سے اصل لڑکی دوسروں سے الگ ہو صورت مسئولہ میں وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اسی کے ساتھ ہوا ہے اس لئے اب اصل لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح باندھا جائے۔

قال العلامة الحصکفی: غلط وکیلها بالنکاح فی اسم ابیها بغیر حضورها لم یصح للجهالة و کذا لو غلط فی اسم بنته الا اذا کانت حاضرة و اشار الیها فیصح ولوله بنتان اراد تزویج الکبری فغلط فسماها باسم الصغری صح للصغری خانیة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار، ۲/۴۵۰)

(فتاویٰ حقانیہ، ۴/۳۰۸)

نوٹ: مجیب کا بغیر کسی قید کے یہ کہنا کہ "وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اسی کے ساتھ ہوا ہے" یہ بتاتا ہے کہ مجیب علی الاطلاق انعقادِ نکاح کے قائل ہیں، نیز سوال اور جواب میں "وکیل" کے لفظ کی صراحت یہ بتاتی ہے کہ مجیب کے نزدیک ولی اور وکیل دونوں صورتوں میں، لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ بہرحال یہ برعکس نکاح منعقد ہیں۔

(۴) امداد المفتین (۲/۵۱۸):

عنوان: نکاح کے وقت لڑکی کا نام بھول کر دوسری کا نام بتادیا گیا

سوال: زید نے اپنی بڑی نواسی کے نکاح کے وقت اس لڑکی کا سہواً وہ نام بتلادیا جو اس کی چھوٹی نواسی کا تھا حالانکہ اس کے اور

Marfat.com

دولہا کے اور گواہوں کے علم میں بڑی لڑکی ہی دلہن تھی کیا یہ نکاح صحیح ہوا؟

الجواب: نکاح کیلئے ایجاب وقبول میں جس لڑکی کا نام لیا گیا اسی کا نکاح ہوگیا اگرچہ دل میں نیت وارادہ دوسری کا ہو اور گواہ اور حاضرین بھی دوسری کو دلہن سمجھ رہے ہوں بولے ہوئے الفاظ کے خلاف نیت وارادہ عمل نہیں کرتا۔

قال فی الدر المختار: وقوله له بنتان اراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى خانية۔

(امداد المفتین، ۲/ ۵۱۸)

نوٹ: حضرت کے الفاظ "جس لڑکی کا نام لیا گیا اسی کا نکاح ہوگیا" اور "بولے ہوئے الفاظ کے خلاف نیت وارادہ عمل نہیں کرتا" اس پر دال ہیں کہ حضرت کے نزدیک مطلقاً یہ نکاح منعقد قرار دیئے جائیں گے بالغہ کی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں، نیز سوال میں یہ صراحت ہے کہ نام میں یہ غلطی نانا کی جانب سے ہوئی ہے۔

(۵) کفایت المفتی (۵/ ۳۶۰) (ط: دار الاشاعت):

عنوان: ایجاب وقبول کے وقت لیا ہوا نام معتبر ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ زید کے نکاح کی بات چیت ہوئی تو مسماۃ انشاء اللہ جان سے نکاح ہونا قرار پایا لیکن جب قاضی نے ایجاب وقبول کرایا تو بجائے مسماۃ انشاء اللہ جان کے مسماۃ آمنہ بی کے ساتھ، آمنہ بی کا نام لے کر، ایجاب وقبول کرادیا اور رجسٹر میں بھی آمنہ بی لکھا گیا، جب رخصتی ہوئی تو مسماۃ انشاء اللہ جان کو رخصت کردیا گیا، حالانکہ ایجاب وقبول آمنہ سے کرایا گیا۔ عند الشرع ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ایجاب وقبول کے وقت آمنہ بی کے والد اور بھائی موجود تھے چھ ماہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی مسماۃ انشاء اللہ جان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوچکی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: یہ نکاح آمنہ بی کے ساتھ منعقد ہوا جس کا نام ایجاب وقبول کے وقت لیا گیا مگر چونکہ یہ غلطی ہوئی تو اب اس کے تدارک کی بہتر سبیل یہ ہے کہ انشاء اللہ جان کو شوہر سے علیحدہ کردیا جائے اور شوہر آمنہ بی کو طلاق دیدے اور اس کے بعد انشاء اللہ جان کے ساتھ اس کا دوبارہ نکاح کردیا جائے۔

(کفایت المفتی، ۵/ ۳۶۰)

نوٹ: حضرت کے الفاظ "جس کا نام ایجاب وقبول کے وقت لیا گیا" بغیر کسی استثناء اور تقیید کے اس پر دال ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ علی الاطلاق نام کی غلطی سے، جس کا نام لے لیا جائے، اس کے نکاح کے انعقاد کے قائل ہیں، چاہے وہ بالغہ ہو یا نابالغہ۔ رخصتی کا ہونا اور پھر بچے کی ولادت بھی اس پر دال ہے کہ لڑکی بالغہ ہے نیز سوال میں یہ صراحت ہے کہ یہ غلطی قاضی سے ہوئی ہے [جو کہ وکیل ہوتا ہے]۔

(۶) فتاویٰ دار العلوم دیوبند (۷/ ۹۹) (ط: دار الاشاعت):

عنوان: قبول میں وکیل نے لڑکی کا نام بدل دیا کیا حکم ہے؟

سوال: زید کی نسبت ساتھ ہندہ کے ہوئی اور ہندہ کی بہن مریم کے ساتھ بکر کی نسبت ہوئی بوقت نکاح موافق نسبت کے

Marfat.com

ایجاب کرایا گیا بعد ایجاب کے جب قاضی نے روبرو قبول کروایا وکیل نے بھول کر زید کے ساتھ ہندہ کی بہن مریم کا نام لیا اور بکر کے ساتھ ہندہ کا نام لیا اسی وقت ایک شخص بولا یہ خلافِ نسبت نام لیتے ہو چنانچہ دوسری مرتبہ قاضی نے موافق نسبت کے قبول صحیح کرایا اس صورت میں پہلا ایجاب وقبول صحیح ہوا یا دوسرا؟

جواب: درمختار کتاب النکاح میں ہے: ولوله بنتان اراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية۔ شامی میں اس کی شرح میں ہے أي بأن كان اسم الكبرى مثلا عائشة والصغرى فاطمة فقال زوجتك بنتي فاطمة وقيل صح العقد عليها الخ۔ اس عبارت سے واضح ہے کہ صورت مسئولہ میں پہلا نکاح صحیح ہوا دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۹۹)

نوٹ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا درمختار کے جزئیہ سے علی الاطلاق استدلال اور ایک بہن کی جگہ دوسری بہن کے نکاح کے انعقاد کا قول کرنا یہ اس پر دال ہے کہ حضرت مطلقاً زبانی الفاظ کا اعتبار کرتے ہیں اس کے بعد لڑکی کی اجازت کی ضرورت نہیں چاہے وہ بالغہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۷) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۷ / ۱۰۳) (ط: دارالاشاعت):

عنوان: نکاح کے وقت لڑکی کے ردوبدل کی صورت میں کیا حکم ہے؟

سوال: ایک موضع میں ایک شخص کے یہاں دو لڑکیوں کی بارات آئی۔ بوقت عقد ایک ہی قاضی دونوں کے وکیل بالنکاح مقرر ہوئے انہوں نے بڑی لڑکی کا عقد چھوٹے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی کا عقد بڑے لڑکے سے کر دیا۔ رخصت نہیں ہوئی۔ ایک گھنٹے بعد پھر دوبارہ نکاح خواں آکر کہنے لگے پہلا عقد غلطی سے سہواً خلافِ ترتیب ہو گیا اب پھر عقد کیا جاوے، چنانچہ دوبارہ ردّوبدل کر کے عقد کر دیا گیا اب چھوٹی لڑکی کا شوہر رخصت کر کے نہیں لاتا کہ آخر کا عقد غیر صحیح ہے اور بڑی لڑکی کا شوہر کہ وہ بھی جاہل مطلق ہے رخصت کرا کے لے گیا ایک لڑکا بھی پیدا ہوا وہ لڑکا ولد الحلال ہے یا نہ؟ آئندہ کیلئے کیا ہونا چاہیئے؟

الجواب: اس صورت میں جس طرح پہلے نکاح ہو گیا یعنی بڑی لڑکی کا چھوٹے دولہا سے اور چھوٹی لڑکی کا بڑے دولہا سے وہی صحیح ہو گیا پھر اگر ردّوبدل کرنا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ جب دونوں دولہا بالغ ہوں اور خلوت ووطی نہ ہو اس وقت ہر ایک شوہر اپنی منکوحہ کو طلاق دے اور دوسرے سے عقد کرے ورنہ اسی طرح رہنے دیں جس طرح نکاح ہو گیا ہے اور نکاح خواں نے جو بعد ایک گھنٹے کے ردّوبدل کر دیا یہ صحیح نہیں ہوا اور بڑی لڑکی کا شوہر جو اس کو رخصت کرا لایا یہ درست نہیں ہوا اور وہ مرتکب زنا ہے اور نسب کے ثابت ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے پس اس کو چاہیئے کہ اپنی منکوحہ کو علیحدہ کر دے یا پہلی منکوحہ کو طلاق دے کر اس عورت سے پھر نکاح کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۷ / ۱۰۳)

نوٹ: حضرت والا کا جواب میں برعکس نکاح کو منعقد قرار دینا نیز بڑے لڑکے کے رخصتی کرا لانے کو زنا قرار دینا اس پر دال ہے کہ حضرت کے نزدیک زبانی قول کا ہی اعتبار ہے۔

Marfat.com

یہ وہ مقامات تھے جو عورت کی اجازت کے بغیر فقط زبانی ردّوبدل سے برعکس نکاح کے انعقاد پر تقریباً صراحۃً دلالت کررہے ہیں اور ان میں سے اکثر میں یہ صراحت ہے کہ یہ غلطی قاضی کی جانب سے ہورہی ہے۔ اس کے بعد وہ فتاویٰ جن میں زیرِ بحث مسئلے میں انعقاد کا حکم تو لگایا گیا ہے لیکن بہرحال ان میں اس تاویل کی گنجائش موجود ہے کہ مجیب کا جواب نابالغہ سے متعلق مان لیا جائے، اب ہم ان حوالجات کو ذکر کریں گے۔

(۱) امدادالاحکام (۲/۲۲۶) (ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

عنوان: بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام بتا کر نکاح پڑھایا گیا الخ۔

(۲) فتاویٰ مفتی محمود (۴/۳۵۶)

عنوان: نکاح میں جس کا نام لیا اس کے ساتھ نکاح ہوجاتا ہے۔

(۳) فتاویٰ محمودیہ (۱۱/۴۰) (ط: ادارۃ الفاروق کراچی)

عنوان: نکاح میں ایک بہن کی جگہ دوسری کا نام لیا گیا۔

(۴) جامع الفتاویٰ (۱۰/۲۵۶)

جامع الفتاویٰ میں اس مقام پر امدادالاحکام کا فتویٰ نقل ہے۔

۵۔ مذکورہ فتاوی جات کے استدلالی جزئیے "ولوله بنتان الخ" پر بحث

اردو فتاوی جات میں دو بہنوں کے نکاح کے وقت اس طرح برعکس نام زبان سے نکل جانے کی بنیاد پر جو نکاح کے عمومی انعقاد کا حکم لگایا گیا ہے وہ دراصل فقہ کے ایک جزئیے سے استدلال کرکے لگایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ان مذکورہ حضرات میں سے ہی بعض نے دوسرے کسی مقام پر کسی اور اصول کو بنیاد بنا کر نکاح کے عدمِ انعقاد کا حکم بھی لگایا ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ بہرحال یہاں ایک ہی فتوے کی کتاب میں متضاد فتاوی بھی مسئلہ زیرِ بحث میں پائے جاتے ہیں جس کی اصل وجہ یہی فقہ کا ایک جزئیہ ہے جسے عموم پر لے کر علی الاطلاق استدلال کیا گیا ہے جبکہ حقیقتاً یہ جزئیہ عام نہیں۔

وہ جزئیہ درمختار میں ان الفاظ میں ہے:

"ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية".

(الدر المختار، ۳/۲۶)

"ایک شخص کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ بڑی کی شادی کرانا چاہتا ہو لیکن غلطی سے چھوٹی کا نام لے لے تو نکاح چھوٹی کا ہوجائے گا، خانیہ"۔

اس کے تحت ردّ المحتار میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

"قوله (ولو له بنتان الخ) أی بأن کان اسم الکبری مثلا عائشة والصغری فاطمة فقال زوجتك بنتی الکبری فاطمة وقیل صح العقد علیها وإن کانت عائشة هی المرادة".

"(ماتن کا قول: ایک شخص کی دو بیٹیاں ہوں) یعنی بڑی لڑکی کا نام مثلاً عائشہ اور چھوٹی کا فاطمہ ہو اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد کرتا ہوں اور لڑکا قبول کرلے تو یہ عقد فاطمہ کا ہو جائے گا اگر چہ مراد عائشہ ہو۔" (شامیہ، ۳/۲۶)

یہ وہ جزئیہ ہے جو مسئلہ زیرِ بحث میں اشتباہ کا سبب بنا ہے اولاً اس جزیئے کی اصل معلوم کرنا ضروری ہے یہ ظاہر الروایہ ہے یا نہیں؟ کس کس کتاب میں اسے ذکر کیا گیا ہے اور اوپر یہ کہاں تک نقل ہوا ہے؟ اس سلسلے میں ہمارے پاس عربی کتب، متون شروح اور فتاوی کا جو ذخیرہ دستیاب تھا ان سب پر متعلقہ ابواب میں بالاستیعاب نظر کر کے شامیہ کے علاوہ درج ذیل مقامات پر ہمیں یہ جزئیہ ملا۔

(۱) فتاویٰ النوازل للسمرقندی (ص ۱۶۳)
(۲) فتاویٰ خانیہ (۱/۱۵۲)
(۳) المحیط البرهانی (۴/۲۵)
(۴) فتاوی ولوالجیہ (۱/۳۱۳)
(۵) خلاصۃ الفتاویٰ (۲/۵)
(۶) فتاویٰ تاتارخانیۃ (۴/۳۴)
(۷) فتح القدیر (۳/۱۹۲)
(۸) البحر الرائق (۳/۱۵۰)
(۹) مجمع الانہر (۱/۴۷۲)
(۱۰) الفتاوی الہندیہ (۱/۲۷۰)
(۱۱) طحطاوی علی الدرّ (۲/۱۲)

ان میں سے آخر کی کتب میں تو تقریباً محیط وغیرہ کے حوالے سے یہ جزئیہ ذکر ہے اور اوپر کی کتابوں میں فتاویٰ الفضلی اور ظہیریۃ کے حوالے سے اس جزیئے کو نقل کیا گیا ہے۔ بہر حال اس کی اصل ہماری معلومات کی حد تک "النوازل لابی اللیث السمرقندی" تک جاتی ہے اس سے اوپر ظاہر الروایۃ کی کتب مثلاً امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتب یا مسبوط سرخسی [جس کا متن کافی "اصول ستہ" پر مشتمل ہے] میں ہمیں یہ جزئیہ نہیں ملا، اگر کسی صاحبِ مطالعہ کو ظاہر الروایۃ میں یہ جزئیہ مل جائے تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں لیکن فی الحال ہمارے نزدیک اس کی اصل نوازل ہے۔ ظاہر ہے ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی نوازل مسائل کے تین درجات میں سے تیسرے درجے میں ہے۔ وہ تین درجات یہ ہیں:

۱) ظاہر الروایۃ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی چھ کتابیں جنہیں اصولِ ستہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں موجود مسائل ظاہر الروایہ ہیں۔
۲) نوادر: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر کتب وغیرہ میں موجود مسائل نوادر ہیں۔
۳) نوازل: وہ مسائل جو امامِ مذہب سے منقول نہ ہوں بلکہ بعد کے مجتہدین اپنے اجتہادات سے انہیں استنباط کرتے ہیں، ایسے اجتہادی مسائل نوازل کہلاتے ہیں۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تیسرے قسم کے مسائل کا مجموعہ ہے یعنی یہ مسائل امام مذہب سے منقول نہیں۔ یہاں ایک انتہائی اہم بات ذہن نشین رہے کہ اس جزیئے سے متعلق یہ ساری تفصیلات تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ جزئیہ ظاہر الروایۃ ہو تب بھی اس کا

Marfat.com

مطلب وہ ہے جو ہم آگے ذکر کریں گے کہ یہ جزئیہ نابالغہ کے ساتھ خاص ہے، بالغہ لڑکی کے نکاح کے انعقاد پر اس سے استدلال ممکن نہیں اور یہ بات ہم آئندہ صفحات پر مضبوط دلائل سے ثابت بھی کریں گے، یہاں فقط یہ بتانا زیرِ نظر ہے کہ یہ جزئیہ ظاہر الروایۃ نہیں بلکہ بعد کے مجتہدین کا اجتہاد ہے لہٰذا یہ خود اتنا مضبوط مقام نہیں رکھتا۔

اس جزیئے کو اتنا عام رکھنا کہ دو بہنوں کے نکاح کے وقت غلطی سے برعکس نام نکل جانے کی صورت میں مطلقا برعکس نکاح منعقد قرار دیئے جائیں اور بالغہ، نابالغہ نیز باپ سے غلطی یا وکیل قاضی سے غلطی وغیرہ میں کوئی فرق نہ کرنا اور علی الاطلاق یہ کہہ دینا کہ جیسا کہہ دیا اسی طرح نکاح منعقد ہو گئے، بظاہر اس جزئیہ کو اتنا عام رکھنا محل نظر ہے۔ درحقیقت یہ جزئیہ عام نہیں بلکہ خاص ہے۔ بالغہ یا نابالغہ لڑکی کے نکاح کے وقت دوسری نابالغہ لڑکی کا نام باپ کے منہ سے غلطی سے نکل جانے کی صورت میں فقط یہ جزئیہ مستدل بن سکتا ہے..... اس کے علاوہ قاضی یا وکیل غلطی کرے یا باپ کے منہ سے دوسری بالغہ لڑکی کا نام نکل جائے تو ان صورتوں میں یہ جزئیہ مستدل نہیں بن سکتا۔ باپ نابالغہ کا تو ولی ہوتا ہے باقی بالغہ کے نکاح کی، اس کی اجازت کے بغیر، کوئی گنجائش ہی نہیں۔ بالغہ پر باپ کو ولایت اجبار حاصل نہیں نیز وکیل یا قاضی کی غلطی کی صورت میں نکاح کالعدم قرار پائیں گے کیونکہ وکالت کی وجہ سے یہ ان کے لئے ممکن ہی نہیں کہ دوسری لڑکی کا نکاح کر دیں چاہے دوسری لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ..... جس لڑکی نے جس لڑکے سے نکاح کی اجازت دی ہے نکاح اسی سے کیا جاسکتا ہے..... بہرحال اس جزیئے کے نابالغہ کے ساتھ خاص ہونے پر مختلف دلائل ہیں جنہیں ہم ذیل میں تفصیل سے نمبروار ذکر کریں گے۔

پہلی دلیل:

درمختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ اس جزیئے کو جس سیاق میں لائے ہیں وہ یہ ہے:

"(غلط وكيلها بالنكاح فی اسم أبيها بغير حضورها لم يصح) للجهالة وكذا لو غلط فی اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية"۔

(الدر المختار، ۲۶/۳)

یہاں اس جزیئے سے پہلے جزیئے میں واضح الفاظ میں تحریر ہے کہ بیٹی کے نام میں غلطی اس نکاح کو غیر منعقد کر دے گی لہٰذا لامحالہ "ولوله بنتان الخ" والے جزئیہ میں جس بچی کا نام منہ سے نکل رہا ہے وہ نابالغہ مراد لینا پڑے گی کیونکہ باپ کو نابالغہ پر ولایتِ کلیہ حاصل ہوتی ہے اس کا نام باپ کے منہ سے غلطی سے نکل جانا بھی اس کا نکاح منعقد کر دے گا۔

دوسری دلیل:

دوسرا یہ کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کی اس عبارت کے تحت یہ بحث فرمائی ہے:

"قوله (ولو له بنتان الخ) أی بأن كان اسم الكبرى مثلا عائشة والصغرى فاطمة ... ونظير هذا

Marfat.com

ما فی البحر عن الظهيرية لو قال أبو الصغيرة لأبی الصغير زوجت ابنتی ولم يزد عليه شيئا فقال أبو الصغير قبلت يقع النكاح للأب هو الصحيح ويجب أن يحتاط فيه فيقول قبلت لابنی"۔ (الشامية، ۲۶/۳، ط: سعيد)

یہاں علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جزئیہ ہذا کی نظیر بیان کی ہے۔ بطورِ نظیر جو مسئلہ بیان کیا ہے اس میں نابالغہ کے باپ کا نابالغ کے باپ کو اپنی بیٹی کے نکاح کے ایجاب کے طور پر یہ الفاظ کہنے کا ذکر ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔ اس کے جواب میں نابالغ کا باپ کہتا ہے میں نے قبول کیا، تو یہ نکاح نابالغ کا نہیں اس کے باپ کا ہو جائے گا۔ اب آپ ذرا سا غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ جو مسئلہ بطورِ نظیر ذکر ہو رہا ہے وہ صراحۃً وبداھۃً نابالغ بچوں سے متعلق باپ کے الفاظ کی غلطی یا ہیر پھیر سے بدل رہا ہے تو جس مسئلے کے بعد اسے بطورِ نظیر پیش کیا گیا ہے وہ بھی نابالغہ کا نام باپ کے منہ سے سہواً نکل جانے سے متعلق ہوگا۔ یہی وہ قدرِ مشترک ہے جس کی بناء پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نظیر قرار دیا ہے بصورتِ دیگر اگر پہلا جزئیہ عام لے لیا جائے تو علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسے نظیر قرار دینا بے معنی رہ جائے گا۔

تیسری دلیل:

جزئیہ "ولو له بنتان الخ" کو جس کتاب میں بھی دیکھا جائے وہاں صرف کبری (بڑی بہن) کے نکاح کے وقت غلطی سے صغری (چھوٹی بہن) کا نام نکل جانے سے چھوٹی کے نکاح کے انعقاد کا حکم ذکر ہے کہیں بھی اس کے بعد کی دوسری شق نہیں کہ صغری (چھوٹی بہن) کے نکاح کے وقت کبری (بڑی بہن) کا نام منہ سے نکل جانے سے بڑی کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ نہ شروحات میں اور نہ متون وفتاوی میں کہیں بھی اس دوسری شق کا ذکر نہیں۔ درمختار وغیرہ کی عبارت تو گزر چکی۔ ہندیہ میں اس جزئیے کے الفاظ یوں ہیں:

"ولو كان لرجل بنتان كبرى اسمها عائشة وصغرى اسمها فاطمة وأراد أن يزوج الكبرى وعقد باسم فاطمة ينعقد على الصغرى"۔ (الهندية، ۲۷۰/۱)

تقریباً تمام کتب فقہ میں یہ جزئیہ کم وبیش انہیں الفاظ سے ذکر ہے کہ بڑی کے نکاح کے وقت "صغری" چھوٹی کا نام لے لینے سے چھوٹی کا نکاح منعقد ہو جائے گا کہیں بھی اس کے برعکس "صح للكبرى" کا ذکر نہیں۔ جزئیہ کا یہ طرز بھی واضح دال ہے کہ جزئیہ نابالغہ بچی کے ساتھ خاص ہے اور صغری سے مراد نابالغہ بیٹی ہے، اسی وجہ سے جزئیے کی دوسری شق کا کہیں ذکر نہیں ورنہ کبری کے نکاح کا انعقاد کبری سے بالغہ مراد ہونے پر دال بن سکتا تھا۔

چوتھی دلیل:

جواب کے ابتداء میں جو اصول تحریر کئے گئے وہ مسلمہ اصول ہیں کہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا نیز بلوغت کے بعد ولایت منقطع ہو جاتی ہے البتہ نابالغہ پر باپ کو ولایت حاصل ہوتی ہے۔ باپ کے منہ سے نابالغہ بیٹی کا نام غلطی سے نکل جانے سے اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

دوسری بالغہ بیٹی کا نام غلطی سے نکل جانے سے اس بیٹی کے نکاح کا انعقاد، اس کی اجازت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ بالغہ بیٹی پر باپ کو ولایت نہیں وہ خود مختار ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ اپنی بیٹی کے نکاح کے وقت کسی اور کی بیٹی کا نام منہ سے نکل جائے ظاہر ہے اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ دوسرے کی بیٹی پر اس شخص کو کوئی ولایت نہیں۔

ان چار دلائل کی بنیاد پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "ولوله بنتان الخ" کا جزئیہ صرف باپ کے منہ سے نابالغہ بیٹی کا نام غلطی سے نکل جانے سے متعلق ہے، بالغہ سے اس کا تعلق نہیں۔ ابتداء میں بیٹی کے نام میں غلطی کی جو چار صورتیں بیان کی گئیں یہ جزئیہ ان میں سے فقط دو صورتوں میں مستدل بن سکتا ہے جن میں نابالغہ کا نام منہ سے نکل رہا ہے۔ اس جزئیے کو تمام صورتوں کے ساتھ متعلق کر کے بالغہ نابالغہ ہر ایک کے نکاح کے انعقاد کا حکم لگانا محل نظر ہے، نیز باپ کے علاوہ قاضی یا وکیل سے سہو ہو جانے کی صورت میں بھی اسے مستدل بنا لینا زیادہ محل نظر ہے۔ اوّلاً تو یہ جزئیہ نوادر کا ہے ظاہر الروایہ نہیں، اصولِ مسلمہ سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ثانیاً یہ جزئیہ عام نہیں خاص ہے نابالغہ کے ساتھ، جبکہ باپ اس کا نکاح پڑھا رہا ہو۔ اس بات پر ہم نے چار دلائل ذکر کر دیئے۔ حضرات کا اس جزئیے کو عام لے لینا بظاہر تسامح معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ جزئیہ زیرِ بحث کے مشابہ ایک اور جزئیہ:

"ولو له بنتان الخ" کا جزئیہ جن کتب میں دستیاب ہوا ہم نے ان کا حوالہ ذکر کر دیا اسی طرح کا ایک اور جزئیہ "منحۃ الخالق" میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اس جزئیے کو بھی لامحالہ (نابالغہ کے ساتھ) خاص ماننا پڑے گا۔ اسے بھی اگر عام مانا جائے تو درج بالا اشکالات وارد ہوں گے۔

وہ جزئیہ اس مسئلے سے متعلق ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کے نکاح کے وقت فقط یہ الفاظ کہے "میں اپنی بیٹی کی شادی کرتا ہوں" تو "البحر الرائق" میں علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غیر منعقد قرار دیا ہے کیونکہ منکوحہ مجہول ہے اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ قائل کی دو بیٹیاں ہوں۔ اگر ایک بیٹی ہو تو ظاہر ہے یہ کہنے سے کہ "میں اپنی بیٹی کی شادی کرتا ہوں" وہ لڑکی خود ہی متعین ہو کر نکاح صحیح ہو جائے گا۔

بحر کے حاشیہ منحۃ الخالق میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مسئلے سے متعلق فرماتے ہیں کہ دو بیٹیوں کی صورت میں بھی نکاح اس وقت غیر منعقد ہوگا جب کسی ایک پر مقدماتِ نکاح نہ چلے ہوں لیکن اگر مقدماتِ نکاح ایک پر چلے ہوں مثلاً پیغامِ نکاح اس کا آیا ہو، بات چیت منگنی وغیرہ اس کی ہوئی ہو اور بوقتِ نکاح گواہ واضح طور پر جانتے ہوں کہ دو میں سے کس بیٹی کا نکاح ہو رہا ہے اس صورت میں اس معینہ بیٹی کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی بات یہاں تک تو واضح ہے البتہ آگے علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیکن اگر باپ نے ان الفاظ (میں اپنی بیٹی کی شادی کرتا ہوں) کے بجائے اس دوسری بچی کا نام لے لیا تو اس دوسری کا نکاح ہو جائے گا اور مقدمات نکاح وغیرہ یہ سب تو قرائن ہیں جو ابہام کے وقت تعیین کرتے ہیں، لیکن تصریح کے مقابلے میں تو قرائن ہیچ ہیں، لہٰذا جب باپ نے دوسری

Marfat.com

کے نام کی تصریح کردی تو نکاح اسی کا ہوگا چاہے گواہوں کے ذہن اور نیت میں کچھ بھی ہو۔ بحر اور منحہ کی عبارات درج ذیل ہیں:

قال العلامة ابن نجيم فى البحر الرائق (۱۵۰/۳): "ومنها أن لا تكون المنكوحة مجهولة فلو زوجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة بخلاف ما إذا كان له بنت واحدة"

وقال العلامة ابن عابدين تحتها فى منحة الخالق: " (لم يصح للجهالة) قال الرملى اطلاقه دال على عدم الصحة ولو جرت مقدمات الخطبة على واحدة منهما بعينها لتتميز المنكوحة عند الشهود فانه لابد منه... أقول: ظاهره أنها لو تميزت عند الشهود أيضا بجريان مقدمات الخطبة عليها يصح العقد وهى واقعة الفتوى، تامل. ولا ينافى هذا ما اذا وقعت الخطبة على احداهما ووقت العقد عقد باسم الأخرى خطأ فانه يصح على التى سماها وذلك لأن مقدمات الخطبة قرينة معينة إذا لم يعارضها صريح والتصريح بذلك الأخرى صريح فلا تعمل معه القرينة بخلاف مسئلتنا فإن مقدمات الخطبة لما عينت واحدة منهما عند العاقدين والشهود ارتفعت الجهالة وهو الشرط ولم يعارض القرينة شيئ صريح هذا ما ظهر لى فتامل"

اس عبارت میں علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا مطلقاً تصریحِ اسم سے انعقادِ نکاح کا حکم لامحالہ نابالغہ کے ساتھ مقید ہوگا کیونکہ بالغہ کا نام لینا اس کے نکاح کو منعقد نہیں کرسکتا جب تک وہ اجازت نہ دے۔ بحر میں خود ہی واضح ترین الفاظ میں یہ صراحت موجود ہے:

"(ولا تجبر بكر بالغة على النكاح) أى لا ينفذ عقد الولى عليها بغير رضاها" (بحر، ۱۹۴/۳)

"(اور کنواری بالغہ لڑکی پر نکاح کے معاملے میں جبر نہیں کیا جاسکتا) یعنی ولی کا اس کی رضامندی کے بغیر کیا گیا عقد نافذ نہ ہوگا۔"

اسی طرح شامیہ میں یہ صراحت موجود ہے:

"قال الحصكفى: (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ".

وقال ابن عابدين رحمه الله تحته: "قوله (وهو السنة)... وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة وتوقف على رضاها". (شامية: ۵۸/۳)

"امام حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "(کنواری بالغہ پر نکاح کے معاملے میں جبر نہیں) کیونکہ بلوغ کے بعد ولایت نہیں رہتی"

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں: "اگر ولی بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر پڑھا دیتا ہے تو یہ عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔"

یہ ایک ایسا مسلمہ اور بدیہی امر ہے کہ بظاہر تو اس پر حوالے ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں، لیکن حضرات فقہاء کے بیان کردہ عمومی جزیئے سے اس طرح کا عمومی استدلال کرلینا اور ان مسلمات اور جزیئے کے سیاق سباق کو ملحوظ نہ رکھنا محل نظر تھا، جس کی وجہ سے اس

Marfat.com

مسئلے کو باوجود واضح ہونے کے بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اکابرین کا "ولو له بنتان الخ" اور اس جیسے جزئیات سے بالغہ لڑکی کے نکاح کے انعقاد پر استدلال کر لینا بظاہر تسامح معلوم ہوتا ہے۔

عبارت یا جزیئے کے ظاہری عموم سے اس طرح کا عمومی استدلال کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ ایسے تسامحات پہلے بھی ہو چکے ہیں جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقود رسم المفتی میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مسئلة الاستئجار على تلاوة القرآن المجردة فقد وقع لصاحب السراج الوهاج والجوهرة شرح القدوری أنه قال ان المفتى به صحة الاستئجار وقد انقلب الامر عليه فإن المفتى به صحة الاستئجار على تعليم القرآن لا على تلاوته ثم ان اكثر المصنفين الذين جاءوا بعده تابعوه على ذلك ونقلوه وهو خطأ صريح بل كثير منهم قالوا إن الفتوى على صحة الاستئجار على الطاعات ويطلقون العبارة ويقولون إنه مذهب المتأخرين"

"تلاوتِ قرآن پر اجرت لینے کا مسئلہ: اس مسئلے میں سراج وہاج اور جوہرہ شرح قدوری والے سے یہ خطا واقع ہوئی کہ انہوں نے کہا مفتی بہ اجرت لینے کا جواز ہے (انہوں نے مطلقاً جواز نقل کر دیا) جبکہ معاملہ ان پر خلط ہو گیا تھا کیونکہ مفتی بہ قرآن پاک کی تعلیم دینے پر (ضرورۃً) اجرت لینے کا جواز ہے نہ کہ مطلقاً تلاوت قرآن پر اجرت کا جواز پھر ان کے بعد آنے والے اکثر مصنفین ان کے نقشِ قدم پر چل پڑے اور نقل در نقل ہوتا رہا جبکہ یہ صریح خطا ہے بلکہ بہت سوں نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ فتوی مطلقاً طاعات پر اجرت لینے پر ہے اور عبادت کو بالکل ہی مطلق کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ یہ متاخرین کا مذہب ہے۔"

(شرح عقود رسم المفتی ص ۶)

علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے آگے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ تعلیمِ قرآن کا جواز دراصل ضرورۃً تھا کیونکہ بیت المال سے قاریوں کو وظیفہ نہیں مل رہا تھا لہٰذا اگر انہیں تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاتا تو ضیاعِ قرآن کا اندیشہ تھا لہٰذا متاخرین نے تعلیم قرآن پر جواز کا فتوی دیا جبکہ تلاوتِ قرآن (قرآن خوانی وغیرہ) نہ ہونے سے قرآنِ کریم کا کوئی ضیاع لازم نہیں آتا پھر اس پر جواز کا فتوی دینا تسامح اور خطا پر مبنی کہا جائے گا۔ یہ سب ایک کتاب کے اطلاق سے غلط استدلال کا نتیجہ ہے بلکہ تلاوتِ قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کے جواز کے فتوے کا ضرر واضح ہے، کیونکہ قرآن پاک محل کسب اور کمائی کا ذریعہ بن جائے گا۔ کوئی قرآن پڑھنے والا اخلاص سے قرآن نہیں پڑھے گا بلکہ سب پیسوں کیلئے پڑھیں گے۔ یہ ریاءِ محض ہے۔ اس پر جب پڑھنے والے کو ثواب نہ ملے گا تو وہ میت کو کیا بخشے گا؟؟ امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ کسی بھی ذکر اللہ کے مقابلے میں اجرت لینا ثواب کے استحقاق سے مانع بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی خرابیاں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہیں، لیکن آج بھی بعض حضرات کو ان عبارات کے اطلاق نے تسامح میں ڈالا ہوا ہے اور وہ تلاوتِ قرآن پر اجرت لینے کے قائل ہیں۔

اسی طرح علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب وشتم کرنے والے کی توبہ قبول نہ ہونے پر "بزازیہ" کی ایک نقل

Marfat.com

پیش کی ہے، پھر بعد والوں کا بزازیہ پر اعتماد کرتے ہوئے تسامح میں پڑ کر یہ نقل کرتے جانا کہ احناف کے ہاں بھی سابّ کی توبہ قبول نہیں ہوتی، جبکہ یہ احناف کا مذہب نہیں[1] اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ عبارت کے عموم سے غلط استدلال کیا گیا اور پھر بعد والے اس سے غلطی میں پڑتے گئے بہر حال بطورِ نمونہ کچھ ذکر کر دیا تا کہ بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

امید ہے اتنی وضاحت پیش کر دینے کے بعد "ولوله بنتان الخ" کا جزئیہ، اس سے استدلال، اس کی اپنی حیثیت اس کا اصل مصداق اور دیگر تفصیلات قابلِ تشفی اور مسئلے کو سمجھنے میں معاون ہوں گی۔

۷۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ میں تعارض اور تسامحات:

اب ہم جو بات ذکر کرنے جا رہے ہیں اس سے قبل فتاوی دارالعلوم دیوبند کے وہ دو فتاویٰ جو گزشتہ صفحات پر ذکر ہوئے ایک [ج ۷ ص ۹۹] کے حوالے سے اور دوسرا [ج ۷ ص ۱۰۳] کے حوالے سے ان دونوں کو ایک نظر پھر دیکھ لیا جائے ان دونوں فتاویٰ میں مذکورہ برعکس نکاح کو جزئیہ "ولوله بنتان الخ" کی وجہ سے منعقد قرار دیا گیا ہے البتہ فتاوی دارالعلوم دیوبند میں یہ مسئلہ ایک اور مقام پر بھی ہے اور وہ ہے [ج ۷ ص ۱۰۰]۔ اس مقام پر جو جواب ہے وہ پچھلے دونوں فتاویٰ سے معارض ہے۔ اُولاً وہ سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند کا مسئلہ ھذا میں تیسرا فتوی

عنوان: قاضی وکیل نے بھول کر ایجاب میں لڑکی کا نام بدل دیا نکاح کس کا ہوا؟

سوال: دو لڑکے بالغ زید و عمر دو لڑکیاں عائشہ و فاطمہ سے بایں تشریح منسوب ہوئیں کہ زید کا نکاح عائشہ سے اور عمر کا نکاح فاطمہ سے ہو، چنانچہ وقت نکاح جو ایک ہی وقت میں ہوا عائشہ کے ایجاب و قبول میں زید آیا لیکن قاضی صاحب نے غلطی سے زید کا نکاح فاطمہ سے عام مجمع میں معہ خطبہ کے پڑھا دیا اور یہ غلطی عمر کے عائشہ سے نکاح پڑھانے کے وقت معلوم ہوئی زید کے ایجاب و قبول میں فاطمہ آئی شرعاً نکاح مکرر ہونا چاہیئے یا زید اور فاطمہ کا عقد مستقل ہو گیا؟

الجواب: اگرچہ ظاہرِ عبارات کتب فقہ سے اس صورت میں واضح ہوتا ہے کہ نکاح زید کا فاطمہ کے ساتھ جس کا نام وقت ایجاب و قبول میں لیا گیا ہے منعقد ہو جائے گا مگر اس میں بحث یہ ہے کہ جبکہ قاضی سے پہلے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ نکاح زید کا عائشہ سے کرے اور نکاح عمر کا فاطمہ سے کرے تو قاضی چونکہ وکیل ہوتا ہے اور وکیل کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ خلافِ وکالت کرے لہٰذا اس صورت میں زید کا نکاح فاطمہ سے نہیں ہوا کیونکہ فاطمہ کا نکاح زید سے کرنے میں وکیل ہی نہیں ہے۔ پس نکاح زید کا پھر عائشہ سے ہونا چاہیئے اور نکاح عمر کا فاطمہ سے ہونا چاہیئے البتہ اگر قاضی نے جو نکاح زید کا فاطمہ سے کر دیا اور فاطمہ نے یا اس کے ولی نے اس کو سن کر جائز رکھا تو نکاح زید کا

---

[1] اس مسئلے پر تفصیلی بحث نجم الفتاوی جلد ۱ میں فتوی [تنبیہ ذوی العقول ببیان مذهب الحنفیة فی قبول التوبة لشاتم الرسول] کے ذیل میں ملاحظہ کی جائے۔ ازمرتب

Marfat.com

فاطمہ سے منعقد ہوگیا۔ عبارت درمختار یہ ہے:

"و كذا لو غلط فی اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية"۔

اور شامی میں ہے:

"قوله (ولو له بنتان الخ) أی بأن كان اسم الكبرى مثلا عائشة والصغرى فاطمة فقال زوجتك بنتی الكبرى فاطمة وقيل صح العقد عليها وإن كانت عائشة هی المرادة"۔

یہ عبارت مقتضی اس کو ہے کہ صورت مسئولہ میں نکاح زید کا فاطمہ سے ہوجائے لیکن اس میں بحث یہی ہے کہ درمختار کی صورت میں خود باپ نے عقد نکاح کیا ہے اور صورت مسئولہ میں قاضی نے نکاح پڑھا ہے جو کہ وکیل ہے اور وکیل اگر خلاف کرے تو وہ معتبر نہیں ہے۔ كما مر تفصيله۔ انتهى۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۷ / ۱۰۰)

حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوے کو اگر بغور پڑھا جائے تو واضح طور پر یہ فتویٰ گزشتہ دونوں فتووں سے معارض ہے یہاں اس جزیئے کو باپ کے ساتھ خاص کر کے قاضی کی صورت میں عدمِ انعقادِ نکاح کو ترجیح دی گئی ہے جبکہ پچھلے فتاوی میں بھی غلطی قاضی نے کی تھی لیکن وہاں اس بحث کے بجائے انعقادِ نکاح کا حکم تھا۔ اب یہ فتویٰ درست ہے یا پچھلے دو فتاویٰ؟؟؟ اس کی تعیین سے قبل دارالعلوم دیوبند کے مرتب ومحشی علامہ ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ کی تحقیق کو ذکر کر دینا مناسب ہے اس کے بعد ہم ان فتاوی میں سے ترجیح ذکر کریں گے۔

علامہ ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ نے گزشتہ دونوں فتاوی پر حاشیہ میں استدراک کر کے دونوں جگہ حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے اس تیسرے فتوے (۷ / ۱۰۰) کو راجح قرار دیا ہے، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۷ / ۹۹) والے پہلے فتوے کے تحت علامہ ظفیر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"جواب میں تسامح ہے اگر باپ نے ایسا کیا ہوتا تو بلاشبہ پہلا نکاح صحیح ہوتا مگر یہاں وکیل نے یہ ایجاب وقبول کرایا ہے اور وکیل کو خلافِ وکالت نکاح کرنے کا قطعاً اختیار نہیں ہے لہٰذا پہلا ایجاب جو اس نے کرایا وہ اس کے لئے جائز ہی نہیں تھا اس لئے دوسرا نکاح درست ہوا پہلا درست نہیں ہوا، خود مفتی علام کا جواب بھی اس سلسلے کا آگے اسی طرح آرہا ہے۔

"ومن أمر رجلا أن يزوجه امرأة فزوجه اثنتين فی عقدتين لم تلزمه واحدة منهما لأنه لا وجه إلى تنفيذهما للمخالفة، هداية، فصل فی الوكالة"۔ (۳/۳۰۳)۔

(حاشیہ فتاوی دارالعلوم دیوبند، ۷ / ۹۹)

اسی طرح علامہ ظفیر الدین مفتاحی صاحب نے فتاوی دارالعلوم دیوبند کے دوسرے فتوے (۷ / ۱۰۳) کو بھی حاشیے پر تسامح قرار دیا ہے گویا علامہ ظفیر الدین مدظلہ کے نزدیک حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تیسرا فتویٰ راجح اور درست ہے باقی دونوں فتاویٰ

Marfat.com

تسامح ہیں۔

اس تیسرے فتوے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور جس سے علامہ ظفیر الدین صاحب مدظلہ متفق ہیں وہ یہ ہے کہ قاضی اگر برعکس نکاح پڑھادے تو وہ منعقد نہ ہوں گے کیونکہ قاضی وکیل ہے البتہ باپ سے اگر غلطی ہوتی تو یہ نکاح منعقد ہوجاتے۔

ہماری ناقص رائے کے مطابق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس تیسرے فتویٰ میں بھی تسامح ہے۔ پہلے دو فتاویٰ کا تسامح ہونا تو ہم نے گزشتہ صفحات پر بیان کر ہی دیا اور یہ تیسرا فتوی بھی جسے علامہ ظفیر الدین مدظلہ راجح قرار دے رہے ہیں وہ بھی دراصل راجح نہیں بلکہ تسامح پر مبنی ہے کیونکہ اس فتوی میں بحث کر کے جس طرح "ولوله بنتان الخ" کے جزیئے کو باپ کے ساتھ خاص کیا ہے اسی طرح نابالغہ کے ساتھ خاص کرنا بھی ضروری تھا اس کے دلائل بالتفصیل گزر چکے ہیں۔ علامہ ظفیر الدین مدظلہ کا یہ فرمانا کہ "اگر باپ یہ نکاح پڑھاتا تو ہوجاتے" یہ بات بالغہ کے حق میں قواعدِ شرع مسلمہ کے خلاف ہے نابالغہ کے حق میں اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اس فتوے میں قاضی کو تو آپ نے (باپ کا) وکیل بنا کر مخالفتِ موکل کی وجہ سے اس کے نکاح غیر منعقد قرار دے دیئے لیکن باپ بھی تو بالغہ کا صرف وکیل ہے، ولایت تو منقطع ہوگئی، مدلل حوالجات گزر چکے ہیں "لانقطاع الولاية بالبلوغ" بلوغ سے ولایت منقطع ہوجاتی ہے، لہٰذا بالغہ کے حق میں باپ بھی وکیل ہے اور باپ وکیل اگر اپنی موکلہ کی مخالفت کرے تب بھی نکاح غیر منعقد ہونے چاہئیں۔

احقر کے خیال میں جس طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے پہلے دو فتاویٰ تسامح ہیں اسی طرح یہ تیسرا فتوی بھی تسامح پر مبنی ہے اور علامہ ظفیر الدین مدظلہ کی تحقیق بھی محل نظر ہے۔ مسئلے کا اصل جواب وہی ہے کہ یہ جزئیہ "ولوله بنتان الخ" باپ کے خود نکاح پڑھاتے وقت دوسری نابالغہ بچی کا نام نکل جانے سے متعلق ہے اس کے علاوہ کوئی بھی صورت ہو عدم اجازت اور مخالفتِ موکلہ کی وجہ سے نکاح غیر منعقد ہوں گے۔ یہی بات دلائل کی روشنی میں راجح اور قوی معلوم ہوتی ہے اور یہی بات فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں موجود ایک چوتھے فتوے میں ہے۔ وہ فتویٰ ان تینوں فتاویٰ سے کچھ صفحات ہٹ کر ہے اور اس پر علامہ ظفیر الدین مدظلہ نے کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ وہ چوتھا فتویٰ یہ ہے:

فتاوی دارالعلوم دیوبند کا مسئلہ ھذا میں چوتھا فتوی

عنوان: جس کا نکاح کر رہا تھا نام اس کی بہن کا لیا تو نکاح ہوا یا نہیں؟

سوال: مسماۃ حکیمن بیوہ، بالغہ نے اپنے نکاح کا اذن اپنی زبان سے دو گواہوں کے روبرو دیدیا لیکن قاضی صاحب نے سہوا حکیمن کے بجائے اس کی چھوٹی بہن سلیمن کا نام لے کر ایجاب وقبول کرادیا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں حکیمن کا نکاح صحیح نہیں ہوا اور سلیمن اگر بالغہ ہے تو اس کا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے اور جو نابالغہ ہے تو اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۹۳)

Marfat.com

احقر کے نزدیک فتاوی دارالعلوم دیوبند میں موجود مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق چار فتاویٰ میں سے یہ چوتھا فتویٰ راجح اور صواب پر مبنی ہے بالغہ کا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہو اور نابالغہ کا نکاح اگر قاضی پڑھائے تو باپ کی اجازت پر موقوف ہو اور اگر باپ خود پڑھائے تو چونکہ باپ خود ولی ہے تو نابالغہ کا نکاح منعقد قرار دیا جائے۔ یہی تحقیق زیادہ راجح، اصولوں سے قریب تر اور نصوصِ شرع سے ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے اس کے برخلاف خاص جزیئے سے عمومی استدلال کرنا محلِ نظر معلوم ہوتا ہے۔

۸۔ جواب کا قدرے تفصیلی خلاصہ اور مقصودِ بحث:

اس ساری تحقیق میں ہم نے درج ذیل امور پر بحث کی:

اولاً..... مسئلے کی تنقیح کی گئی اور بالغہ نابالغہ کے نکاح کی جو صورتیں بن سکتی تھیں انہیں الگ الگ کیا۔

ثانیا..... بوقت عقد لڑکی کے نام میں کسی بھی قسم کی غلطی کے احکام درج کئے گئے اور ساتھ ساتھ باپ کے دو بیٹیوں کے نکاح پڑھاتے وقت نام میں غلطی کی چار صورتیں اور ان کے احکام درج کئے گئے۔

ثالثا..... صورتِ مسئولہ کی وضاحت کردی گئی کہ نکاح منعقد ہوئے یا نہیں۔

رابعا..... اردو فتاویٰ کا مسئلہ زیرِ بحث میں ہماری تحقیق سے جو تعارض آیا تھا اولاً ان فتاویٰ کا جو تقریباً صریح معارض تھے ذکر کردیا گیا۔

خامسا..... اردو فتاویٰ کا تعارض جس خاص جزیئے کی بناء پر تھا اس استدلالی جزیئے ولوله بنتان الخ پر تفصیلی بحث جس میں اولاً اس جزیئے کا ظاہر الروایہ نہ ہونا، پھر اس جزیئے کا وجود کن کن کتابوں میں ہے، ان کے حوالجات اور پھر اس جزیئے کا نوازل میں سے ہونا نیز اس جزیئے کے باپ کے نکاح پڑھانے کی صورت میں، نابالغہ کے ساتھ خاص ہونے پر چار دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

سادسا..... جزئیہ ہذا کی طرح کا ایک اور جزئیہ اور اس کا بھی نابالغہ کے ساتھ خاص ہونے کا بیان اور آخر میں عبارات فقہ کے عموم سے بعض اوقات عمومی استدلال کرکے تسامح واقع ہوجانے کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

سابعا..... مسئلہ زیر بحث میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے فتاوی کا آپس میں تعارض اور چار فتاویٰ میں سے علامہ ظفیر الدین صاحب کا تیسرے فتوے کو ترجیح دینا جبکہ درحقیقت پہلے دو اور تیسرا فتویٰ تینوں تسامح ہیں، البتہ چوتھا فتویٰ صائب اور درست تھا، لہٰذا فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ میں ترجیح اور تسامحات کا بیان۔

ثامنا..... آٹھویں نمبر پر جواب کا قدرے تفصیلی خلاصہ بیان ہوا۔

اس پوری تحقیق سے واضح ہوگیا کہ کتب فقہ میں موجود "ولوله بنتان الخ" کا جزئیہ باپ کے نکاح پڑھاتے وقت نابالغہ کا نام منہ سے نکل جانے سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں جن حضرات نے اسے عموم پر لے کر مطلق استدلال کیا وہ تسامح ہے۔ ایسے تسامحات ہوجاتے ہیں۔ اس سلسلے میں معاصر مفتیان کرام کی آراء بھی سامنے رہیں، جس میں دارالعلوم کراچی، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن

Marfat.com

اور جامعہ فاروقیہ کے دارالافتاء کا فتوی بالغہ کے نکاح کے عدمِ انعقاد کا ہی ہے جبکہ جامعۃ خلفاء راشدین کا فتویٰ اسی جزیئے کی بناء پر انعقادِ نکاح کا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں دارالافتاء جامعہ خلفاء راشدین سے مراجعت کی تا حال ان کا جواب موصول نہ ہو سکا۔

Marfat.com

(۶۳) بوقت نکاح والد نے بھول کے اپنی دوسری بیٹی کا نام لے لیا تو کیا حکم ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو بہنیں ہیں ایک بڑی ہے اور ایک چھوٹی ہے، بڑی کا رشتہ زید سے طے ہوا، بوقت نکاح ایجاب وقبول کرتے ہوئے والد نے جلدی میں غلطی سے بڑی کے بجائے چھوٹی کا نام لے لیا اور پھر بڑی بہن کی رخصتی کر دی گئی۔

(۱) پوچھنا یہ ہے کہ زید کے ساتھ نکاح بڑی بہن کا ہوا ہے یا تجدید نکاح ضروری ہے؟

(۲) چھوٹی بہن جس کا نام غلطی سے لیا گیا تھا اور اس سے اجازت بھی نہیں لی گئی تھی آیا اس کا نکاح ہو گیا تھا کہ طلاق دینا ضروری ہے یا نکاح ہی نہیں ہوا تھا؟

نوٹ: مذکورہ دونوں بہنیں عاقلہ بالغہ ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں اگر بڑی بیٹی کی تعیین کی کوئی صورت عقد نکاح میں نہیں پائی گئی یعنی اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا تو اس صورت میں بڑی بیٹی کا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہوا اور چھوٹی بیٹی جس کا نام غلطی سے لیا گیا اس کا نکاح بھی منعقد نہیں ہوا کیونکہ وہ بالغہ ہے اور اس سے نکاح کی اجازت نہیں لی گئی ہے۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۱/۲): باب لاینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا: عن أبي سلمة أن أبا هريرة حدثهم: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا: يا رسول الله، وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت۔

وفی الھندیة (۲۷۰/۱): ولو كان لرجل بنتان كبرى اسمها عائشة وصغرى اسمها فاطمة وأراد أن يزوج الكبرى وعقد باسم فاطمة ينعقد على الصغرى ولو قال زوجت ابنتي الكبرى فاطمة لا ينعقد على إحداهما كذا في الظهيرية۔۔۔(۲۶۹/۱) :ومنها رضا المرأة إذا كانت بالغة بكرا كانت أو ثيبا فلا يملك الولي إجبارها على النكاح عندنا كذا في فتاوى قاضيخان۔

وفی الدرالمختار، کتاب النکاح (ص۲۶) وکذا لو غلط فی اسم بنته إلا اذا کانت حاضرة واشار إلیها فیصح۔

وفی الرد تحته: (قوله إلا إذا كانت حاضرة الخ)۔۔۔ أی فانها لو كانت مشاراً إليها وغلط في اسم أبيها

Marfat.com

أو اسمها لا يضر۔۔۔ (قوله ولوله بنتان الخ) أى بان كان اسم الكبرى مثلاً عائشة والصغرى فاطمة۔

وفى الشامية (۵۸/۳):(قوله وهو السنة) ۔۔۔وان زوجها بغير استئمار فقد أخطاء السنة و توقف على رضاها۔

(۶۴) بوقت نکاح دلہن کے نام میں غلطی اور سہواً دوسری بہن کا نام لے لینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے یہاں دولڑکیاں ہیں، بڑی لڑکی کا عقد پہلے ہو چکا تھا مگر شوہر کی نالائقی کی وجہ سے تقریبا آٹھ سال سے بڑی لڑکی بھی ماں باپ کے ہاں ہے۔اب زید نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کیا مگر سہوا نکاح خوانی کے وکیل قاضی اور گواہان کو جو نام بتلایا گیا وہ بجائے چھوٹی لڑکی کے بڑی لڑکی کا بتادیا۔ناکح نے یہی نام لے کر ایجاب وقبول دولہا کو کروادیا۔نکاح خوانی کے رجسٹر پر جس وقت دلہن نے دستخط کئے تو اس غلطی کا احساس ہوا کہ نام صحیح نہیں۔اس صورت میں یہ نکاح چھوٹی لڑکی کا بکر کے ساتھ صحیح ہوگیا کہ نہیں؟ اب تو دولہا دلہن میں خلوت بھی ہو چکی۔چھوٹی لڑکی کا نکاح دوبارہ پڑھانا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے وکیل (قاضی) سے عقد نکاح کے وقت لڑکی کے نام میں غلطی ہوجائے تو نکاح درست نہیں ہوتا نیز اگر دوسری بالغہ بہن کا نام لے لیا جائے تب بھی کسی کا نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ دوسری بہن نے اس نکاح کی اجازت نہیں دی نیز وہ پہلے سے شادی شدہ بھی ہے اور اس لڑکی کا نام نہیں لیا گیا لہذا صورت مسئولہ میں چونکہ وکیل اور گواہوں سے عقد نکاح کے وقت لڑکی کے نام میں غلطی ہوئی ہے اور دوسری [بالغہ، شادی شدہ] بہن کا نام لیا گیا ہے لہذا کسی کا نکاح منعقد نہیں ہوا، جس لڑکی کے نکاح کا ارادہ تھا اس کا نکاح دوبارہ کیا جائے۔

لمافى الهندية(۲۷۰/۱):ومنها أن يكون الزوج والزوجة معلومين فلو زوج بنته وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كذا في النهر الفائق ۔۔۔ رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال لرجل زوجت منك ابنتي عائشة ولم تقع الإشارة إلى شخصها ذكر في فتاوى الفضلي أنه لا ينعقد النكاح ولو قال زوجت ابنتي منك ولم يزد على هذا وله بنت واحدة جاز كذا في المحيط ولو كان لرجل بنتان كبرى اسمها عائشة وصغرى اسمها فاطمة

Marfat.com

وأراد أن يزوج الكبرى وعقد باسم فاطمة ينعقد على الصغرى۔

وفی الدر المختا ر(۲۶/۳): (غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح) للجهالة وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح ولو له بنتان أراد تزويج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى صح للصغرى، خانية۔

(۶۵) زوجین کے والد اور دادا کا نام لینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے وقت نکاح میں زوجین کے نام کے ساتھ باپ اور دادا کا نام بھی ذکر کیا جاتا ہے، یہ کیا ہے؟ فقہ میں تو تحریر ہے لیکن قاضی نہیں لیتا۔ شوہر تو موجود ہے لیکن لڑکی نہیں ہے۔ اگر دادا کا نام بھی شرط ہے تو کیسے شرط ہے؟ لیتے کیوں نہیں؟ اگر نہیں تو فقہ کی تمام کتب میں کیوں ذکر ہے؟ مسئلہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی کے وقت نکاح میں زوجین کے نام کے ساتھ باپ اور دادا کا نام تعریف (پہچان) کیلئے لیا جاتا ہے اور جہاں تعریف صرف زوج وزوجہ کے نام سے ہوجائے تو باپ اور دادا کے نام کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتبِ فقہ میں باپ اور دادا کا نام ذکر کرنے کی یہی علت ذکر کی گئی ہے لہٰذا اگر گواہوں کو صرف زوجہ کا نام ذکر کرنے سے معلوم ہوجائے کہ اس سے فلانی لڑکی مراد ہے تو پھر باپ اور دادا کا نام ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانية (۳۲/۴۔ ۳۳): الفصل الخامس فی تعريف المرأة الخ: امرأة وكلت رجلا يتزوجها من نفسه فذهب الوكيل وقال لجماعة اشهدوا أنی قد تزوجت فلانة ولم تعرف الشهود فلانة لا يجوز النكاح مالم يذكر اسمها واسم أبيها واسم جدها ۔۔۔ فأما اذا كانوا يعرفونها فذكر الزوج اسمها لاغير جاز النكاح وان كانت غائبة اذا عرف الشهود أنه أراد بها المرأة التی يعرفونها لأن المقصود هو التعريف وقد حصل بمجرد ذكر اسمها۔

وفی الشامية (۱۵/۳): قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها كما إذا كانت إحداهما متزوجة۔

وفيه أيضا (۲۲/۳): وإن كانت غائبة ولم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها فإن كان الشهود

يعرفونها كفى ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها وإن لم يعرفوها لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها ۔۔۔ يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلا فلا وبه جزم صاحب الهداية في التجنيس وقال لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل وأقره في الفتح والبحر۔۔۔ ولا يخفى أنه إذا كان الشهود كثيرين لا يلزم معرفة الكل بل إذا ذكر اسمها وعرفها اثنان منهم كفى والظاهر أن المراد بالمعرفة أن يعرفها أن المعقود عليها هي فلانة بنت فلان الفلاني لا معرفة شخصها۔

(٦٦) زوجین کی ولدیت میں غلطی ہوجانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر زوجین کے نکاح میں ولدیت بتانے یا لکھنے میں غلطی ہوجائے تو نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر زوجین گواہوں کے ہاں معروف ہیں، بغیر ولدیت بتائے بھی وہ ان کو خوب اچھی طرح جانتے ہوں تو نکاح شرعاً درست ہے لیکن اگر گواہوں کے ہاں وہ معروف نہیں اور بوقت نکاح مجلس میں موجود بھی نہ ہوں تو ولدیت میں غلطی کرنے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

لما فی الخانیة (۱/۱۵۲): وغلط فی اسم ابیها لاینعقد النکاح اذا کانت غائبة الخ۔

وفی الشامیة (۳/۲۲): والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وإن كانت معروفة عند الشهود على قول ابن الفضل وعلى قول غيره يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلافلاوبه جزم صاحب الهدايةفي التجنيس وقال لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل وأقره في الفتح والبحر۔

وفيه أيضا (۳/۲۲): وما ذكروه في المرأة يجري مثله في الرجل،ففي الخانية قال الإمام ابن الفضل إن كان الزوج حاضرا مشارا إليه جاز ولو غائبا فلا ما لم يذكر اسمه واسم أبيه وجده قال والاحتياط أن ينسب إلى المحلة أيضا۔

Marfat.com

(۶۷) لڑکی کے دو نام ہوں تو نکاح کس نام سے پڑھایا جائے؟

سؤال

مفتی صاحب! ایک لڑکی کے دو نام ہیں، ایک نام لڑکپن کا ہے اور ایک ابھی مشہور ہے۔ کونسے نام سے نکاح پڑھایا جائے؟ قرآن وحدیث کی رُو سے جواب دیا جائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح اس نام سے پڑھایا جائے گا جو زیادہ مشہور اور معروف ہو اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں نام لے لئے جائیں تا کہ کوئی اشتباہ نہ رہے۔

لمافی فتح القدیر (۱۹۲/۳): تزوج باسمها الذی تعرف به حتی لو کان لها اسمان اسم فی صغرها وآخر فی کبرها تزوج بالآخر لأنها صارت معروفة بها۔

وفی الهندیة (۲۷۰/۱): جارية سميت في صغرها باسم فلما كبرت سميت باسم آخر قال تزوج باسمها الآخر إذا صارت معروفة باسمها الآخر والأصح عندي أن يجمع بين الاسمين۔

Marfat.com

رسالة

قواعد الفقہاء

فی خطاء القاضی عند تلفظ الأسماء

بوقت نکاح اگر قاضی لڑکے یا لڑکی کا نام غلط لے لے

تو اس کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام،

نیز تلفظِ اسماء میں غلطی سے متعلق فقہاء کی عبارات سے مستخرج قواعد کا بیان

(۶۸) نام کے تلفظ میں غلطی یا نام غلط لکھ دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک تبلیغی ساتھی نے اچانک کہیں سے رجسٹرڈ قاضی کا عہدہ حاصل کرلیا اور گھر کے باہر بڑی تختی لگادی۔ اب وہ نکاح پڑھاتے ہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان کے تلفظ بالکل خطا ہیں، بولتے کچھ ہیں منہ سے نکل کچھ جاتا ہے۔ مثلاً فرحت نامی لڑکی کا نکاح فرھت کے نام سے پڑھا دیا اور کبھی عقیلہ کا نکاح عکیلہ سے پڑھا دیا نیز پڑھے لکھے بھی اتنے نہیں لہٰذا لکھنے میں بھی فارم پر کبھی عقیلہ کو اکیلہ اور فرحت کو فرھت وغیرہ لکھ دیتے ہیں آپ بتائیں کہ اس طرح نکاح منعقد ہوگا؟ اگر تلفظ غلط کرے لکھ صحیح دے یا اس کا عکس ہوجائے تو ان دونوں صورتوں میں فرق ہوگا؟ تفصیلاً حکم لکھ دیں اور تلفظ میں غلطی کے تمام احکام درج کردیں۔ نیز نکاح اگر مسجد یا ہال جہاں بھی ہو قریب میں کمرے میں دلہن کی موجودگی سے مسئلے پر اثر پڑے گا؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب

اولاً تو نکاح ایسے شخص سے پڑھایا جائے جو صاحبِ علم اور مسائلِ نکاح سے بدرجہ اتم واقف ہوتا کہ کسی قسم کی غلطی کی صورت میں اس کا تدارک ان کے علم میں ہو بالخصوص نکاح پڑھانے والے کا تلفظ درست ہونا از حد ضروری ہے ورنہ تلفظ میں واقع خطا لوگوں میں تشویش کا سبب بن سکتی ہے۔ تلفظ میں غلطی سے متعلق یہ قواعد ذہن نشین رکھیں:

(۱) لڑکی مجلس نکاح میں اگر موجود ہو تو نام کی کسی قسم کی غلطی کا کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کی موجودگی ہی نکاح کی صحت کیلئے کافی ہوگی۔

(۲) اگر لڑکی موجود نہ ہو تو لڑکی کے نام میں غلطی کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ کسی حرف میں غلطی واقع ہو جائے مثلاً فرحت کو فرھت، عقیلہ کو اکیلہ اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ نکاح کے وقت نام لینے سے مقصود تعریف ہے اور وہ حاصل ہو رہی ہے لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نام میں ایسی غلطی ہو جائے کہ صیغہ بدل جائے لیکن اصل مادہ باقی رہے یعنی نام کے اکثر الفاظ تو باقی ہوں لیکن ہیئت بدل جائے جیسے رفیقن سے رفاقتن اور گواہ بھی جانتے ہوں کہ رفیقن ہی مراد ہے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔ لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اصلاً نام ہی بدل جائے مثلاً عائشہ کی جگہ فاطمہ تو اس صورت میں عائشہ کا نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ یہاں غلط نام صراحۃً ذکر ہے اب اگر گواہ جانتے بھی ہوں کہ عائشہ کا نکاح ہو رہا ہے تب بھی فاطمہ کہنے سے نکاح کا انعقاد نہ ہوگا کیونکہ یہ تصریح ہے اور تصریح کے مقابلے میں ذہن کا تعین مفید نہیں اور یہاں لڑکی بھی مجلس نکاح میں موجود نہیں۔

لہٰذا پہلی دو صورتوں (فرحت کے بجائے فرھت یا رفیقن کے بجائے رفاقتن) میں نکاح منعقد ہو جائے گا بشرطیکہ گواہوں کو ہی اشتباہ واقع نہ ہو جائے اور تیسری صورت (عائشہ سے فاطمہ) میں نکاح کا انعقاد نہ ہوگا چاہے ذہن میں معلوم بھی ہو۔ باقی قریبی کمرے میں لڑکی کی موجودگی سے اثر نہ پڑے گا مسئلہ کا حکم وہی ہوگا جو ذکر کر دیا گیا البتہ اگر لڑکی مجلسِ نکاح میں بنفسِ نفیس موجود ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا جائے تو ہر صورت میں چاہے کیسی بھی غلطی ہو نکاح کا انعقاد ہو جائے گا۔

لما في الشامية (۱۵/۳): قوله (ولا المنكوحة مجهولة) فلو زوج بنته منه وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كما في البزازية نهر ـــ ولو جرت مقدمات الخطبة على واحدة منهما بعينها لتتميز المنكوحة عند الشهود فإنه لا بد منه، رملي، قلت وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد وهي واقعة

Marfat.com

الفتوى لأن المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها كما إذا كانت إحداهما متزوجة ويؤيده ما سيأتي من أنها لو كانت غائبة وزوجها وكيلها فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها كفى ذكر اسمها وإلا لا بد من ذكر الأب والجد أيضا۔

وفيه أيضا(۲۰/۳): وقد صرحوا بعدم اعتبارالغلط والتصحيف في مواضع فأوقعوا الطلاق بالألفاظ المصحفة مع اشتراك الطلاق والنكاح في أن جدهما جد وهزلهما جد وخطر الفروج وأفتوا بالوقوع۔۔۔ فإذا لم نعتبر هذا الغلط الفاحش لزمنا أن لا نعتبره فيما نحن فيه مع فشو استعماله وكثرة دورانه في ألسنة أهل القرى والأمصار ۔۔۔ وقد استحسن بعض المشايخ عدم فساد الصلاة بإبدال بعض الحروف وإن لم يتقارب المخرج لأن فيه بلوى العامة فكيف فيما نحن فيه اھ ملخصا۔

(۶۹) حنا کی جگہ ھنا کے نام سے نکاح پڑھا دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مولانا صاحب نکاح پڑھا رہے تھے، انہوں نے نکاح پڑھاتے وقت دلہن جس کا نام امینہ تھا امانت کہہ کر اس کا ایجاب کردیا اور لڑکے نے قبول کرلیا، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح نکاح ہوگیا کیونکہ امانت نام کی لڑکی تو اس گھر کیا خاندان میں بھی موجود نہیں، نام امینہ تھا۔ اس طرح مفتی صاحب کبھی رفیقہ کا نکاح رفاقتن کے نام سے پڑھا دیتا یا حنا کا نکاح ھنا کہہ کر پڑھا دینا کیسا ہے؟ نیز دلہن کے گھر پر نکاح ہورہا ہو [نہ کہ مسجد میں] تو کوئی فرق پڑے گا؟ عورت کمرے میں اکیلی ہو اور قاضی نام غلط لے لے یا عورتوں کے ساتھ ہو، برائے مہربانی ان تمام صورتوں اور ناموں کی تبدیلیوں کے احکام تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں چند اصول ذہن نشین رہیں:

۱۔ لڑکی اگر نکاح کی مجلس میں موجود ہو اور بوقت عقد لڑکی کی طرف اشارہ بھی کردیا جائے تو پھر اگرچہ لڑکی کے نام میں غلطی بھی واقع ہوجائے یا بالکل ہی نام تبدیل ہوجائے اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح صحیح ہوجائے گا۔

۲۔ اگر لڑکی مجلسِ نکاح میں موجود نہ ہو اور لڑکی کا نام لیا جائے نیز نام لینے میں غلطی واقع ہوجائے تو اس کی تین صورتیں ہیں:

Marfat.com

(۱) حرف میں غلطی واقع ہو جیسے حنا کو ھنا کہہ دیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ نام لینے سے مقصود تعریف ہے اور وہ حاصل ہوگئی۔

(۲) ایسی غلطی کی کہ صیغہ بدل گیا لیکن مادہ باقی رہا یعنی نام کے اکثر الفاظ تو باقی ہوں لیکن ہیئت بدل جائے جیسے "رفیقن سے رفاقن" اور گواہ بھی جانتے ہوں کہ رفیقن ہی مراد ہے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، نکاح منعقد ہو جائے گا "لأن المقصود نفی الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود" (شامی ۲۲/۳)

(۳) بالکل نام ہی بدل جائے جیسے فاطمہ کی جگہ عائشہ کہہ دیا۔ اس صورت میں فاطمہ سے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ نام کا صراحۃً بالکل ہی بدل دینا یہ تصریح ہے اور یہاں لڑکی کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا کیونکہ وہ مجلس میں موجود ہی نہیں لہٰذا اب اگر گواہ وغیرہ یہ سمجھ بھی رہے ہوں کہ نکاح فاطمہ کا ہو رہا ہے تب بھی عائشہ کہنے سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ غلط تصریح کے مقابلے میں ذہن میں متعین ہونا انعقادِ نکاح کیلئے مفید نہ بن سکے گا، تصریح مقدم ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی دونوں صورتوں میں (یعنی حنا اور رفیقن کی جگہ ھنا اور رفاقن کہنے سے) نکاح حنا اور رفیقن ہی سے ہوگا بشرطیکہ گواہوں کو اشتباہ نہ ہو اور تیسری صورت میں نکاح فاطمہ سے نہ ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں امینہ کی جگہ امانت، رفیقن کی جگہ رفاقن اور حنا کی جگہ ھنا کہنے سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا یعنی نکاح ہو جائے گا البتہ اس معاملے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور نام کو صحیح تلفظ کے ساتھ اداء کیا جائے۔ باقی تمام صورتوں کو اصول کے مطابق خود ہی دیکھ لیا جائے۔

لمافی البحرالرائق (۱۵۷/۳) کتاب النکاح، ط رشیدیة: ولا بد من تمییز المنکوحة عند الشاهدین لتنتفي الجهالة فإن كانت حاضرة متنقبة كفى الإشارة إليها والاحتياط كشف وجهها فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت إن كانت المرأة في البيت وحدها جاز النكاح لزوال الجهالة وإن كان معها امرأة أخرى لا يجوز لعدم زوالها وكذا إذا وكلت بالتزويج فهو على هذا التفصيل وإن كانت غائبة ولم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها فإن كان الشهود يعرفونها كفى ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها وإن لم يعرفوها لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها۔

Marfat.com

(۷۰) دولہا کا اپنی ولدیت میں سوتیلے باپ کا نام ذکر کرنے سے نکاح پر اثر نہیں ہوگا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھتیجے کاشف مختار کی شادی ہوئی اس نے اپنے سوتیلے والد کا نام نکاح نامہ میں لکھوایا ہے جبکہ میرے بھائی اور لڑکے کے حقیقی والد کا نام سید مختار علی ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ جواب مرحمت فرما کر اس مسئلے کو حل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح کے درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کیا جائے نیز گواہوں کے سامنے عاقدین (جن کا نکاح ہو رہا ہو) کی تعیین بھی ضروری ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے بھتیجے کے مجلس نکاح میں موجود ہونے سے تعیین ہوگئی ہے، اس لئے آپ کے بھتیجے کا اپنے ساتھ سوتیلے باپ کا نام ذکر کرنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا البتہ اپنے والد کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرنے پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے، یہ گناہ کا کام ہے۔

لما فی القرآن الکریم (الاحزاب:۵): اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ۔ الآیة۔

وفی مسلم فی کتاب الایمان (۵۷/۱): عن سعد وأبی بکرة رضی الله عنهما کلاهما یقول سمعته أذناى ووعاه قلبی محمدا ﷺ یقول: من ادعی إلی غیر أبیه وهو یعلم أنه غیر أبیه فالجنة علیه حرام۔

وفی الشامیة (۲۲/۳): وما ذکروه فی المرأة یجری مثله فی الرجل ففی الخانیة قال الإمام ابن الفضل إن کان الزوج حاضرا مشارا إلیه جاز ولو غائبا فلا ما لم یذکر اسمه واسم أبیه وجده قال والاحتیاط أن ینسب إلی المحلة أیضا ، قیل له فإن کان الغائب معروفا عند الشهود ؟ قال ، وإن کان معروفا لا بد من إضافة العقد إلیه، وقد ذکرنا عن غیره فی الغائبة إذا ذکر اسمها لا غیر وهی معروفة عند الشهود وعلم الشهود أنه أراد تلک المرأة یجوز النکاح۔

وفی الدر المختار (۲۶/۳): (غلط وکیلها بالنکاح فی اسم أبیها بغیر حضورها لم یصح) للجهالة وکذا لو غلط فی اسم بنته إلا إذا کانت حاضرة وأشار إلیها فیصح۔

وفی الرد تحته: قوله (إلا إذا کانت حاضرة الخ) راجع إلی المسألتین أی فإنها لو کانت مشارا إلیها

Marfat.com

وغلط في اسم أبيها أو اسمها لا يضر لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية لما في التسمية من الاشتراك لعارض فتلغو التسمية عندها كما لو قال اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو فإنه يصح۔

(۱۷) لڑکے کے اصل والد کا نام نہیں بتایا گیا تو فسخ نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے والد کا انتقال ہوگیا۔ زید کی والدہ نے بعد از عدت دوسری شادی کی۔ اس شوہر نے زید کو اپنے بیٹے جیسا رکھا۔ آج تقریباً ۳۰ سال گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ زید کے یہ والد اصل والد نہیں ہیں بلکہ سوتیلے ہیں اب زید کی والدہ زید کو نہیں بتانا چاہتیں یا زید کے نکاح نامہ پر اصل والد کی جگہ موجودہ والد کا نام دینا چاہتی ہیں (ظاہر ہے قاضی نکاح بھی اسی طرح پڑھائے گا) کیا اس ولدیت کے ساتھ زید کا نکاح درست ہوگا؟ لڑکی کو بعد میں پتہ چلے تو اسے فسخ کا اختیار دیا جائے گا؟ مسئلہ کی علت کیا ہے؟ کفاءت اور رذالت کا فرق ہوگا؟ یعنی اصل باپ کی حالت سے نکاح پر کیا کیا فرق مرتب ہوں گے تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کو زید کے والد کا نام بتادیا جائے اور غیر باپ کی طرف نسبت کرنا حرام ہے، البتہ جہاں پر باپ کے نام کی جگہ پر سوتیلے باپ کا نام لکھ دیا اگر عورت یا اس کے وکیل اور گواہوں کو لڑکا معلوم ہو تو نکاح ہوجائے گا یا اسی طرح لڑکا خود مجلس نکاح میں موجود ہو تو پھر بھی نکاح پر کسی قسم کا اثر نہ پڑے گا۔

عورت کو فسخ نکاح کے مطالبے کا اختیار بھی نہیں ہوگا، عورت کا نکاح عورت کے مطالبے پر قاضی وہاں پر فسخ کرے گا جہاں شوہر عورت کے حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو جیسا کہ شوہر نامرد ہو یا شوہر مفقود یعنی لاپتہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

لمافی الهندية، كتاب النكاح (۲۷۰/۱) :ومنها أن يكون الزوج والزوجة معلومين فلو زوج بنته وله بنتان لا يصح إلا إذا كانت إحداهما متزوجة فينصرف إلى الفارغة كذا في النهر الفائق۔۔۔ وبعد أسطر: أبو الصغيرة إذا قال زوجت بنتي فلانة من ابن فلان وقال فلان قبلت لأبني و لم يسم الابن إن كان له ابنان لا يجوز وإن كان له ابن واحد يصح۔

وفيه أيضا(۲۹۱/۱): وتعتبر الكفاءة في الحرية والإسلام في حق العجم لأنهم كانوا يفتخرون بهما دون النسب هكذا في التبيين ۔۔۔ ثم الكفاءة تعتبر عند ابتداء النكاح ولا يعتبر استمرارها

Marfat.com

بعد ذلك حتى لو تزوجها وهو كفء ثم صار فاجرا داعرا لا يفسخ النكاح كذا في السراج الوهاج۔

۷۲) کیا بیوی کو جیب خرچی دینا بھی ضروری ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عزیر کی مارچ میں شادی ہے لیکن عزیر کے سسرال لے یہ شرط لگا رہے ہیں کہ عزیر لڑکی کو ہر ماہ ۳ ہزار خرچہ دے گا۔ عزیر یہ شرط ماننے کو پوری طرح تیار نہیں ہو رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ل لڑکی کی ضروریات پوری کروں گا۔ مفتی صاحب! آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کے نان نفقہ سکنی میں جیب خرچی بھی داخل ہے؟ کے پر فرض ہے کہ جیب خرچ دے؟ اگر فرض ہے تو اسے معین کرنا کیسا ہے؟ اگر عزیر مان لے تو اس پر دیانۃً واجب ہوگا یا قضاءً بھی اس سے وصول کیا جائے گا؟ جیب خرچی کی شرط ملائم عقد ہے یا مقتضی عقد کے موافق ہے یا مخالف؟ برائے کرم ان تمام اجزاء کے تسلی بخش حوالہ جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ بات ذہن نشین رہے کہ شرعاً شوہر پر عورت کیلئے رہائش، کھانا، پینا اور کپڑے کا بندوبست کرنا ضروری ہے اور اس ں معروف طریقے کے مطابق تعین کیا جاسکتا ہے البتہ شرعاً نقد کی صورت میں جیب خرچی عورت کو دینا ضروری نہیں۔ یہ نفقہ کے لوازمات ں سے نہیں، البتہ مصالح کے اعتبار سے عورت کو وقتاً فوقتاً بعض ضروریات کے لئے کچھ رقم کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور عین وقت پر اس کے پاس نقداً کچھ نہ ہونا اس کی عزت نفس کو مجروح کرسکتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی استطاعت کے مطابق کچھ رقم ماہانہ طور پر جیب خرچی کیلئے بیوی کو دیتا رہے البتہ نکاح میں اس کی شرط لگانے سے شرعاً بعد از نکاح جیب خرچی دینا ضروری نہ ہوگا نیز لڑکی والوں کو بھی چاہیئے کہ جب لڑکا تمام ضروریات فراہم کر رہا ہے تو اس معمولی مسئلہ کو اہم نہ بنائیں یہ زوجین کا آپس کا معاملہ ہے وہ خود طے کر کے اس پر عمل کرلیں گے۔

لمافی الهندية (۵۴۸/۱): قالوا إن هذه الأعمال واجبة عليها ديانة وإن كان لا يجبرها القاضي كذا في البحر الرائق۔۔۔ ويجب عليه آلة الطحن وآنية الأكل والشرب مثل الكوز والجرة والقدر والمغرفة وأشباه ذلك كذا في الجوهرة النيرة۔۔والنفقة الواجبة المأكول والملبوس والسكنى۔

وفيه أيضا(۵۵۵/۱):الكسوة واجبة عليه بالمعروف بقدر ما يصلح لها عادة صيفا وشتاء كذا في التتارخانية۔

وفی الدرالمختار(۵۷۲/۳): وشرعا (هي الطعام والكسوة والسكنى)وعرفاهي الطعام۔

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

الحکم الموافق

فی

الفرق بین الشرائط توافق العقد وتخالف

مقتضاءِ عقد کے موافق، ملائم اور مخالف شرائط کا بیان،

عقد پر ان کے اثرات اور متعلقہ احکام سے متعلق تفصیلی فتوی

Marfat.com

(۷۳) مقتضائے عقد کے موافق اور مخالف شروط کے معنی

سوال

میں ایک دینی مدرسے کا طالب ہوں فقہ کی کتب میں شرائط کا جہاں ذکر آتا ہے وہاں مقتضی عقد کے موافق اور مخالف کی اصطلاح آتی ہے پھر اس کی مختلف تشریحات کردی جاتی ہیں کسی ایک کا فائدہ نہ ہو یا وہ شرط مفضی الی النزاع نہ ہو وغیرہ۔ مفتی صاحب آپ سے گزارش ہے کہ اس کی مفصل تشریح فرمادیں نیز موافق عقد اور ملائم عقد شرائط میں کیا فرق ہے؟ فتاوی شامیہ (۵/۸۵) پر بحر کے حوالے سے ان دونوں میں فرق بتایا گیا ہے جو میں سمجھ نہیں پارہا۔ تشریح کرکے مع امثلہ تحریر فرمادیں۔ بیع اور نکاح میں ان کی وضاحت ہوجائے کہ کونسی قضاءً واجب ہوتی ہیں اور کون سی دیانۃً؟ کیا نکاح شرط فاسد سے مطلقاً فاسد نہیں ہوتا یا بعض شرائط مفسد ہیں؟ اور کیا نکاح میں بھی ملائم اور موافق عقد شرائط کا فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں موافقِ عقد اور ملائم عقد کا فرق جاننے سے قبل چند باتیں ذہن نشین ہونا ضروری ہیں امید ہے اس کے بعد تمام فروق خود ہی واضح ہوجائیں گے۔

شرط کی دو قسمیں [۱] موافق عقد [۲] مخالفِ عقد

اولاً یہ سمجھیں کہ شرائط دو طرح کی ہوتی ہیں:

۱) موافقِ عقد ۲) مخالفِ عقد

موافق عقد شرط کا مطلب یہ ہے کہ عقد خود اس شرط کا تقاضا کرتا ہو، مثلاً خرید وفروخت کے وقت بیچنے والا خریدنے والے پر قیمت کی ادائیگی کی شرط لگاتا ہے تو اس شرط کا عقد خود متقاضی ہے اگر شرط نہ بھی لگائی جائے تب بھی خریدنے والے نے قیمت تو اداء کرنی ہی ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے موافقِ عقد شرائط کی بہت عمدہ وضاحت فرمائی ہے کہ "وجوده كعدمه" یعنی ان شرائط کا وجود اور عدم برابر ہے، ان کے لگانے یا نہ لگانے سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مخالفِ عقد شرط سے مراد ہر وہ شرط ہے جو مقتضی عقد کے خلاف ہو، یعنی عقد اس کا تقاضا نہ کرتا ہو اور اس کے لگانے سے عقد اپنی فطری حالت سے نکل کر کچھ تبدیل ہورہا ہو یہ مخالف عقد شرائط کہلاتی ہیں۔

Marfat.com

ہر مخالفِ عقد شرط مفسدِ عقد نہیں ہوتی نیز اس سے متعلق تین اہم امور کا بیان

اب یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہر مخالفِ عقد شرط مفسدِ عقد نہیں ہوتی بلکہ مخالفِ عقد شرط میں اگر درج ذیل تین باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے تو وہ مفسدِ عقد نہیں رہتی، وہ تین باتیں یہ ہیں:

۱) ملائم عقد ہونا۔ ۲) اس شرط کے جواز پر نص وارد ہونا۔ ۳) اس شرط پر لوگوں کا تعارف وتعامل ہو جانا۔

اول: ملائمِ عقد ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرط بظاہر تو مقتضی عقد کے خلاف ہو لیکن حقیقتاً وہ شرط عقد کو مؤکد کرنے والی ہو مثلاً بائع کا خریدنے والے سے قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں کوئی ضامن طلب کرنا یا قیمت کے تاخیر سے ادا کرنے کی صورت میں خریدار سے کوئی چیز گروی رکھوانا۔ اب دیکھیں یہ شرائط ضامن یا گروی رکھوانے کی اصل عقد کے خلاف ہیں لیکن یہ درحقیقت اسی عقد میں قیمت کی ادائیگی کے معاملے کو موکد اور پختہ کر رہی ہیں لہٰذا یہ موافقِ عقد اگرچہ نہ ہوں لیکن ملائم عقد ضرور ہیں لہٰذا ان سے عقد مفسد نہ ہوگا۔

دوم: ایسی شرط جس کے جواز پر نص وارد ہو گیا ہو، مثلاً خیارِ شرط ہے یعنی اس شرط پر چیز خریدنا کہ مجھے اتنے وقت تک چیز کو دیکھنے کا اختیار ہے اگر سمجھ نہیں آئی تو واپس کر دوں گا۔ اب ایسی شرط لگانا اصل عقد کے مقتضی کے تو خلاف ہے لیکن اس کے جواز پر صریح نص وارد ہو گیا ہے۔ حدیث میں صراحۃً اسے جائز کہا گیا ہے لہٰذا فقہاء کرام نے خلافِ قیاس نص کی بناء پر استحساناً اسے جائز قرار دیا ہے۔

سوم: ایسی شرط جس پر لوگوں کا تعارف وتعامل ہو گیا ہو ایسی شرط بھی اگرچہ مخالفِ عقد ہو لیکن مفسدِ عقد نہیں ہوتی مثلاً جوتا اور تسمہ اس شرط پر خریدنا کہ بیچنے والا تسمہ جوتے میں لگا کر دے گا یہ شرط اگرچہ اصل عقد کے مخالف ہے لیکن لوگوں میں اس کا رواج ہے لہٰذا اس سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

لہٰذا مخالفِ عقد شرط میں مذکورہ بالا تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے تو وہ مفسدِ عقد نہ ہوگی البتہ اگر یہ تینوں باتیں نہ ہوں تو وہ شرط، شرعاً مفسدِ عقد ہو جائے گی مثلاً ایک شخص غلام اس شرط پر بیچتا ہے کہ خریدنے والا اسے آزاد کرے گا اب یہ شرط مقتضی عقد کے بالکل مخالف ہے کیونکہ شریعت خریدنے والے کو چیز کا مالک قرار دیتی ہے اور اسے اس چیز میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے لہٰذا اس شرط پر غلام کو فروخت کرنا کہ خریدنے والا اسے آزاد کرے گا یہ شرط مخالفِ عقد ہے اور یہ ملائمِ عقد بھی نہیں نیز نہ اس کے جواز پر نص ہے اور نہ لوگوں کا ایسا تعامل ہے لہٰذا اس شرط کی بناء پر عقد فاسد ہو جائے گا۔

اس تشریح کے بعد امید ہے موافقِ عقد اور ملائمِ عقد شرائط کا فرق واضح ہو گیا ہوگا۔ ملائم عقد شرط دراصل مخالفِ عقد شرط ہے البتہ ملائمت (مناسبت) کی بناء پر عقد کیلئے مفسد نہیں اور موافقِ عقد شرط برائے نام ہے اس کا وجود اور عدم عقد پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

شرط کے مخالفِ عقد یا عقد کو فاسد کرنے کی جو تفصیل اوپر ذکر کی گئی کبھی فقہائے کرام اسے دوسرے الفاظ میں بیان کر دیتے

Marfat.com

ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مخالفِ عقد اس شرط کو کہا جاتا ہے جس میں متعاقدین یا مبیعہ میں سے کسی کا فائدہ ہو اور جو مفضی الی النزاع یعنی جھگڑے کا باعث ہو۔

موافق اور مخالفِ عقد شرائط کی تعریفات میں ایک اور تعبیر

بندہ ناچیز کے نزدیک فقہاء کرام کی یہ تعبیر مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ ہی معلوم ہوتی ہے۔ بندہ کافی غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ایک ایسی شرط جس میں کسی ایک [خریدار یا بیچنے والے] کا نفع ہو وہ مفضی الی النزاع یعنی جھگڑے کا سبب بنے گی لیکن اگر وہ شرط ملائمِ عقد ہے [یعنی عقد کو مؤکد کرنے والی ہے] تو یہ جھگڑے کا سبب نہ بنے گی یا اس پر خلافِ قیاس نص وارد ہوا ہو تو جھگڑے کا اعتبار ہی نہیں، کیونکہ نص کے بعد نزاع جہالت ہے یا تیسرے یہ کہ اگر اس شرط میں لوگوں کا تعامل ہو تب بھی وہ جھگڑے کا سبب نہ بنے گی لہٰذا فقہاء کرام کا یہ کہنا کہ وہ شرط جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہو اور وہ مفضی الی النزاع ہو تو وہ مخالفِ عقد مفسد شرط ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ اس مخالفِ عقد شرط میں ملائم ہونا، یا نص کا ورود یا تعامل نہ پایا جاتا ہو تب ہی وہ مفضی الی النزاع ہوگی اور اس میں کسی ایک کا نفع ہوگا جو جھگڑے کا سبب بنے گا بصورتِ دیگر اس شرط کے جھگڑے کا سبب بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ فقہاء کی تعبیرات کا یہ فرق دراصل وہی پہلی تشریح کا عکاس ہے فقط الفاظ الگ استعمال کر دیئے جاتے ہیں۔

نکاح کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا البتہ شرط لغو ہو جاتی ہے، مثلاً نکاح کے بعد نفقہ دینا واجب ہے اب کوئی اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ نفقہ نہیں دوں گا تو یہ شرط فاسد ہے البتہ عقد درست ہوگا اور نفقہ دینا ہوگا۔ نکاح میں موافق اور ملائمِ عقد شرائط کا فرق نہیں کیونکہ ملائم تو اس شرط کو کہا جاتا ہے جو مقتضی عقد کے خلاف ہو، اور ملائم ہونے کی بناء پر وہ عقد کو فاسد نہ کرے اور یہاں نکاح میں تو مخالفِ عقد شرط سے عقد فاسد ہی نہیں ہوتا تو پھر ملائمِ عقد شرط کا کوئی معنی نہیں۔

اس تمام تفصیل کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے متن کی جو تشریح کی ہے اور خود درمختار اور تنویر الابصار میں جو تفصیلات ہیں انہیں سمجھنا مشکل نہیں، تنویر الابصار کی عبارت یہ ہے:

"(و)... (بیع بشرط)..(لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما أو)... (لمبیع)... (من أهل الاستحقاق)... (ولم یجر العرف به و) لم (یرد الشرع بجوازه)۔"

"وہ بیع جو ایسی شرط کے ساتھ منعقد ہو جس کا عقد تقاضہ نہیں کرتا اور نہ وہ عقد کے ساتھ ملائم ہو، اور اس شرط میں کسی ایک کا یا مبیعہ کا جبکہ وہ نفع کا استحقاق بھی رکھتی ہو (یعنی انسان غلام وغیرہ ہو) اور عرف بھی اس شرط کا نہ ہو اور شرع میں کوئی نص اس کے جواز کا موجود نہ ہو تو ایسی بیع درست نہیں۔" (تنویر الابصار المطبوع مع ردالمحتار ۵ / ۸۵)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

"قوله (لا یقتضیه العقد ولا یلائمه) قال فی البحر معنی کون الشرط یقتضیه العقد أن یجب

Marfat.com

بالعقد من غير شرط ومعنى كونه ملائما أن يؤكد موجب العقد كذا في الذخيرة۔"

"(ماتن کا قول: ایسی شرط کہ عقد اس کا تقاضہ نہ کرتا ہو اور وہ عقد کے ملائم بھی نہ ہو) بحر میں ہے کہ شرط کے مقتضاء عقد کے موافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقد سے بغیر کسی شرط کے ثابت ہوجاتی ہو اور ملائم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقد کے موجب کو اور مؤکد کرے، یہی ذخیرہ میں ہے۔" (رد المحتار علی الدر المختار ۵/۸۵)

لما في المحيط البرهاني، (۳۹۱/۹): إما إن كان شرطاً يقتضيه العقد، ومعناه أن يجب بالعقد من غير شرط وأنه لا يوجب فساد العقد كشرط تسليم المبيع على البائع وشرط التسليم الثمن على المشترى، وهذا لأن اشتراط ما يجب بالعقد من غير شرط له ولأنه لا يفيد شيئاً، فصار وجوده كعدمه، فكأنه لم يشترط شيئاً فيجوز البيع، وإن كان شرطاً لا يقتضيه العقد على التفسير الذي قلنا إلا أنه يلائم العقد ونعني به أنه يؤكد موجب العقد إذ تأكيد موجب الشيء يلائم ذلك الشيء وذلك كالبيع بشرط أن يعطي المشتري كفيلاً بالثمن۔۔۔ وقبل الكفالة جاز البيع استحساناً والكفالة إن لم تكن من مقتضيات البيع إلا أنها تؤكد موجب العقد، فما يؤكدها يكون ملائماً للعقد، فلا يؤثر في فساد العقد،وكذلك البيع بشرط أن يعطي المشتري بالثمن رهناً والرهن معلوم بالإشارة أو التسمية جاز البيع استحساناً، وإن لم يكن الرهن من مقتضيات العقد لأن الرهن يؤكد موجب العقد لأن الرهن شرع وثيقة و مؤكد لجانب الاستيفاء۔۔۔ و بعد أسطر:وإن كان الشرط شرطا لايلائم العقد إلا أن الشرع ورد بجوازه كالخيار والأجل أو لم يرد الشرع بجوازه ولكنه متعارف كما إذا اشترى نعلاً وشراكاً على أن يحذوه البائع جاز البيع وإن كان القياس يأبى جوازه لأن التعارف والتعامل حجة يترك به القياس، ويخص به الأثر۔۔۔ فإن الشرع نهى عن بيع وشرط مطلقاً إلاشرطاً يقتضيه العقد، أو يلائم موجب العقد أو ورد الشرع بجوازه وكان متعارفاً صار مخصوصاً عن قضية النهي، فبقي ما وراءه داخلاً تحت النهي فتقع المنازعة بينهما في إبقاء المشروط، وكل عقد يفضي إلى المنازعة يحكم بفساده۔

وفی الدرالمختار (۵۳/۳) :(لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد و) إنما (يبطل الشرط دونه) يعني لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط۔

وفی الردتحته:قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويفسد الشرط ويجب مهر المثل۔

Marfat.com

وفی الهندية (۳۴۱/۱): ولو تزوج امرأتين على أن يقيم عند إحداهما أكثر أو أعطت لزوجها مالا أو جعلت على نفسها جعلا على أن يزيد قسمها أو حطت من المهر لكي يزيد قسمها فالشرط و الجعل باطل ولها أن ترجع في مالها كذا في الخلاصة۔

وفی الدرالمختار (۲۰۶/۳): (ولو تركت قسمها) بالكسر أي نوبتها (لضرتها صح ولها الرجوع في ذلك) في المستقبل لأنه ما وجب فما سقط۔

(۷۶) لڑکی کے باپ کا دو لاکھ لینے کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسئلے کے بارے میں دور حاضر میں یہ رواج ہو چکا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے گھر رشتہ لینے کیلئے جاتا ہے تو لڑکی کا باپ کہتا ہے میں اپنی بچی اس شرط پر دونگا کہ دو لاکھ پہلے دو ورنہ رشتہ نہ دوں گا۔ جب لڑکے والے دو لاکھ دے دیں تو لڑکی کا باپ مثلاً ایک لاکھ کا جہیز وغیرہ لے کر بچی کو دیتا ہے بقیہ ایک لاکھ اپنی ذاتیات میں خرچ کر لیتا ہے کیا مذکورہ طریقہ شریعت مطہرہ میں جائز ہے؟ یاد رہے! دو لاکھ جو دیئے جاتے ہیں بطور مہر کے نہیں ہوتے (بلکہ عقد نکاح سے پہلے یہ شرط لگاتا ہے) اور عقد نکاح اس شرط پر موقوف ہوتا ہے۔ **وإلا فلا عقد بينهما**۔

الجواب بعون الملک الوهاب

لڑکے والوں نے جو دو لاکھ لڑکی کے باپ کو دیئے ہیں یہ درحقیقت رشوت ہے اور رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی نیز رشوت کا مال چونکہ حرام ہے اور حرام مال کا انسان مالک نہیں بنتا لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کے باپ کیلئے یہ پیسے استعمال کرنا جائز نہیں اسے یہ مال لڑکے والوں کو واپس کر دینا چاہیئے۔ اگر بیٹی کو جہیز میں سامان دینے کیلئے پیسے نہ ہوں تو یہ ضروری اُمر نہیں بلکہ شرعی نقطہ نظر سے شادی جتنی سادی ہو اتنی باعثِ برکت ہے لہٰذا حسبِ استطاعت جہیز دے کر رخصت کر دیا جائے البتہ اگر کوئی اس شرط کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو چونکہ نکاح شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط لغو و باطل ہو جاتی ہے لہٰذا نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس شرط کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا۔

لما فی القرآن الكريم (النساء:۲۹): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۔

وفی البيهقی (۱۰۰/۶): لايحل مال امرئ مسلمٍ إلا بطيب من نفسه۔

Marfat.com

وفی الترمذی (۲۴۸/۱): وعن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ قال :" لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي"۔

وفی الدر المختار (۱۵۶/۳): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔

وفی الرد تحته: قوله (عند التسليم) أي بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا وكذا لو أبى أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا لأنه رشوة، بزازية۔

(۷۷) بیوہ سے (اس کی بیٹی کا) اپنے بیٹے سے نکاح کی شرط پر شادی کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص احمد قریشی کے دو بیٹے ہیں بیوی مر چکی ہے اب وہ ایک ایسی بیوہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کی ایک جوان بیٹی ہے۔ بیوہ اس شرط پر شادی کرنے کیلئے تیار ہے کہ تم اپنے ایک بیٹے کی شادی میری بیٹی سے کروگے۔ احمد صاحب اب شش وپنج میں ہیں کہ اگر مان بھی لیتے ہیں تو کیا اس طرح نکاح منعقد ہو جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مرد اور عورت کا اپنا نکاح اپنی اولاد کے نکاح پر معلق کرنا یہ شرط فاسد ہے۔ ان دونوں کا نکاح منعقد ہو جائیگا اور احمد صاحب پر اپنے بیٹے سے بیوہ کی لڑکی کی شادی کرنا ضروری نہ ہوگا کیونکہ یہ شرط فاسد ہے اور خود بخود لغو ہو جائے گی البتہ اتنا ہے کہ اگر دیگر کوئی شرعی مانع نہ ہو تو بیٹے کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے کر دیا جائے تو بہتر ہے۔

لما فی القدوری (ص۱۶۲): واذا زوج الرجل بنته على أن يزوجه المتزوج بنته أو أخته فالعقدان جائزان۔

وفی الدر المختار (۵۳/۳): (والنكاح لا يصح تعليقه بالشرط) كتزوجتك إن رضي أبي لم ينعقد النكاح لتعليقه بالخطر ۔۔۔ (ولكن لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد و) إنما (يبطل الشرط دونه) يعنى لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط بخلاف ما لو علقه بالشرط۔

Marfat.com

(۷۴) میکے سے کہیں نہ لے جانے کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے فاطمہ سے نکاح کیا فاطمہ کے ورثاء نے زید سے اقرار نامہ لکھوایا کہ وہ اس کو میکے سے کہیں اور نہیں لے جائے گا۔ اس وقت زید نے اپنی خوشی سے اقرار نامہ تحریر کر کے دے دیا، اب دس سال شادی کو ہو چکے ہیں۔ اس کا ارادہ ہے کہ کسی بڑے شہر میں رہائش اختیار کروں تا کہ بچوں کی تعلیم اچھے طریقے سے ہو سکے۔ آیا اس صورت میں زید بیوی کو میکے سے کہیں اور لے جا سکتا ہے یا نہیں؟؟؟ یا اقرار پر قائم رہنا لازم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقدِ نکاح کے وقت ایسی شرائط لگانا جو عقد نکاح کے موافق ہوں اور احکام شریعت سے بھی ان کا کوئی تعارض نہ ہو تو ایسی شرائط کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، جو شرائط عقد نکاح کے موافق نہ ہوں یا احکام شریعت سے معارض ہوں تو ان کا پورا کرنا لازم نہیں۔ صورت مسئولہ میں جو شرط لگائی گئی ہے یہ عقد نکاح کے موافق ہے اور احکام شرع کے معارض بھی نہیں، اس لئے زید پر اس کا پورا کرنا لازمی ہے لہٰذا زید پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی فاطمہ کو میکے سے کہیں باہر نہ لے جائے، البتہ اگر بیوی دوسرے شہر جانے پر راضی ہو تو زید بیوی کو دوسرے شہر میں لے جا سکتا ہے۔

لمافی الهندية(۱/۳۰۸،۳۰۷): الفصل الرابع في الشروط في المهر: ولو تزوج امرأة على ألف إن لم يكن له امرأة وعلى ألفين إن كانت له امرأة أو تزوجها على ألف إن لم يخرجها من بلدها وعلى ألفين إن أخرجها منها۔۔ فلا شك أن النكاح جائز وأما المهر فالشرط الأول جائز بلا خلاف فإن وقع الوفاء به فلها ما سمى على ذلك الشرط وإن لم يقع الوفاء به فإن كان على خلاف ذلك أو فعل خلاف ما شرط فلها مهر مثلها لا ينقص من الأقل ولا يزاد على الأكثر وهذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى الشرطان جائزان كذا في البدائع۔

وفی الدرالمختار(۳/۱۲۳): (نكحها بألف على أن لا يخرجها من البلد۔۔۔ فإن وفى) بما شرطه ۔۔۔ (فلها الألف) لرضاها به ۔۔۔ (وإلا) يوف ولم يقم (فمهر المثل) لفوات رضاها بفوات النفع۔

وفی الفقه الاسلامی (۹/۶۵۴۰): إن كان الشرط صحيحاً يلائم مقتضى العقد ولا يتنافى مع أحكام

Marfat.com

الشرء وجب الوفاء به كاشتراط المرأة أن يسكنها وحدها في منزل لا مع أهله أو مع ضَرَّتها أو ألا يسافر بها سفراً بعيداً إلا بإذن أهلها أو تزوجا على مهر مسمى وشرط لها شيئاً آخر بأن تزوجها بألف على ألا يخرجها من بلدها أو على ألا يتزوج عليها فإن وفى بالشرط فلها المهر المسمى لأنه يصلح مهراً وقد تم رضاها بهوإن لم يف بالشرط بأن تزوج عليها أو أخرجها فلها مهر المثل لأنه سمى لها شيئاً لها فيه نفع فعند فواته يجب لها مهر المثل لعدم رضاها به۔ الخ۔

(۷۵) عورت کا اپنی باری پہلی بیوی کو دینے کی شرط پر نکاح کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی نے کسی شخص کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ وہ شخص شادی شدہ تھا اس نے کہا میں آپ سے نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ اپنی صحبت کی باری پہلی بیوی کو دے دیں۔ اس عورت نے قبول کرلیا۔ آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح شرط لگانے سے نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ نیز اب اس شرط کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اُولاً یہ بات واضح رہے کہ نکاح کا معاملہ ایک مقدس رشتہ ہے یہ زندگی بھر کیلئے ایک بندھن ہے جس سے مرد وعورت کو عفت وپاکدامنی حاصل ہوتی ہے نیز اگر وہ ایک دوسرے کے حقوق احسن طریقے سے اداء کریں تو یہ ثواب کا باعث ہے۔ عورت کے حقوقِ نکاح میں سے ایک بڑا حق اس کی جماع کی خواہش کو پورا کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ عورت سے ہمبستری یہ نکاح کا ایک واضح مقصد ہے اگر اس کو درمیان سے نکال دیا جائے تو یہ ایک ادھورا عقد بچ جاتا ہے جو قطعاً پائیدار نہیں ہوسکتا نیز یہ حق عورت اگر ساقط کرنے پر راضی بھی ہو تب بھی ساقط نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں نکاح چونکہ ایسا عقد ہے جو شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط لغو ہوجاتی ہے اس لئے مذکورہ صورت میں نکاح صحیح ہوجائے گا نیز یہ شرط چونکہ احکامِ شریعت کے خلاف ہے اس لئے اسے پورا کرنا جائز ہی نہیں۔ عورت ہمہ وقت یہ مطالبہ کرسکتی ہے کہ اس کی باری کو پورا کیا جائے۔ مرد کو بھی چاہیئے کہ ایسی بیہودہ شرائط لگانے سے اجتناب کرے اور اللہ ورسول کے احکامات کو مدنظر رکھتے ہوئے حقوقِ زوجیت اداء کرے، عورت کی مجبوری سے غلط فائدہ نہ اٹھائے۔

لما فی تبیین الحقائق (۶۲۹/۲): (ولها أن ترجع إن وهبت قسمها للأخرى) لأنها أسقطت حقا لم يجب بعد فلا يسقط وهذا لأن الإسقاط إنما يتحقق في القائم فيكون الرجوع امتناعا بمنزلة العارية حيث يرجع المعير فيه متى شاء لما قلنا۔

Marfat.com

(۷۸) ایامِ عدت میں شادی کی غرض سے خرچ کئے پیسوں کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک عورت کو طلاق ہوئی تو ایامِ عدت میں ایک شخص اس پر پیسے خرچ کرتا رہا۔ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عدت کے بعد اس سے شادی کرلوں لیکن عورت نے ایامِ عدت گزرنے کے بعد اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کردیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس شخص نے ایامِ عدت میں جو رقم اس عورت پر خرچ کی کیا وہ اس کا رجوع کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: الساعی علی الأرملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل الله وأحسبه قال كالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر"

(رواه البخاری ۸۸۸/۲)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شوہر عورتوں اور مسکینوں کیلئے دوڑ دھوپ کرنے والا اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو (راوی کہتے ہیں) اور میرا خیال ہے کہ یہ فرمایا کہ وہ شخص اس قیام کرنے والے کی طرح ہے جو (اپنی نماز کے) قیام میں سستی نہ کرتا ہو، اور روزے دار کی طرح ہے جو کسی دن بھی روزے کا ناغہ نہ کرتا ہو۔"

اس نوعیت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار احادیث منقول ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیواؤں، بے شوہر عورتوں پر خرچ کرنے اور حسنِ سلوک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو ان کی بے لوث اور بے غرض خدمات انجام دینے کی تلقین کی ہے۔ خاص طور پر مجاہدین شہداء کی بیواؤں کے گھروں کی دیکھ بھال اسلامی کتب میں ایک مستقل عنوان اور امتیازی شناخت رکھتا ہے۔ یہ شریعتِ اسلامی کا ایک مستقل باب ہے لیکن اس شعبہ میں اس غرض سے پیسے خرچ کرنا کہ عدت کے بعد اس عورت سے نکاح کرلوں گا یا نکاح نہ کرپایا تو خرچ کی گئی رقم واپس لے لوں گا، یہ ایک بداخلاقی اور تہذیب کے دائرے سے باہر کی حرکت ہے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ اگر وہ کسی بیوہ یا ضرورت مند پر خرچ کررہا ہے تو بے غرض ہوکر خرچ کرے۔ ہاں بعد میں کسی موقع پر خود ہی نکاح کے اسباب پیدا ہوجائیں تو نکاح میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ اگر اس بیوہ یا مطلقہ کو سہارا دینے کی نیت ہے تو ثواب کی امید بھی ہے لیکن پیسے ہی اس نیت سے خرچ کرنا کہ اس عورت کو احسان تلے لاکر شادی کروں گا یا پیسے واپس مانگ کر اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھاؤں گا ایسے ارادے سے اس

Marfat.com

رچ پر ثواب کے بجائے پکڑ کا اندیشہ ہے۔

ایک مسلمان کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر عمل کرنا چاہیئے۔ حیاۃ الصحابہ (۳/ ۷۹۳) پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قصہ نقل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بنولیث کی ایک عورت سے بات چیت طے کرانے لے گئے چنانچہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کیلئے رشتہ طلب کیا، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو تو ہم رشتہ نہیں دے سکتے البتہ آپ کے ساتھ رشتہ کرنے پر تیار ہیں چنانچہ اس عورت کا نکاح ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ہوگیا۔ اس کے بعد ابو الدرداء رضی اللہ عنہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ایک ایسی بات ہوگئی ہے کہ جس کا تذکرہ تم سے کرتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہوئی؟ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے انہیں ساری تفصیل بتائی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ میں تم سے شرم محسوس کروں۔ میں اس لڑکی سے رشتہ کرنا چاہتا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہاری قسمت میں لکھ دیا تھا۔ کسی بیوہ یا مطلقہ پر عدت میں خرچ کرنے والے کو بھی مذکورہ طریق پر چلنا چاہیئے۔ تقدیر نے اس عورت کا نکاح جہاں لکھا ہے وہ تو وہیں ہوگا یہ شخص بھی اگر بخوشی اسے قبول کرلے تو یہ دنیا و آخرت میں اس کیلئے سعادت کا سبب بنے گا۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار میں اس مسئلے سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

" مطلب أنفق على معتدة الغير: قوله (أنفق على معتدة الغير الخ) حكى فى البزازية فى هذه المسألة ثلاثة أقوال مصححة، حاصل الأول أنه يرجع مطلقا شرط التزوج أولا، تزوجته أولا، لأنه رشوة. وحاصل الثانى أنه إن لم يشرط لا يرجع وحاصل الثالث وقد نقله عن فصول العمادى أنه إن تزوجته لا يرجع وإن أبت رجع شرط الرجوع أولا إن دفع إليها الدراهم لتنفق على نفسها وإن أكل معها لا يرجع بشىء أصلا ... وقيل يرجع إذا زوجت نفسها وقد كان شرطه وصح أيضا وإن أبت ولم يكن شرطه لا يرجع على الصحيح... فصار حاصل هذا القول الثانى أنه يرجع فى صورة واحدة وهى ما إذا أبت وكان شرط التزوج ولا يرجع فى ثلاث وهى ما إذا أبت ولم يشترطه أو تزوجته وشرطه أو لم يشرط فهذه أربعة أقوال كلها مصححة".

(ردالمحتار ۳/۱۵۴)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق چار اقوال ذکر کئے ہیں اور چاروں کی تصحیح کی ہے لیکن درایت کی روشنی میں چوتھا اور آخری قول راجح اور قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر مرد نے خرچ سے قبل یہ شرط لگائی ہو کہ عدت کے بعد نکاح کرنا ہوگا تو فقط اس صورت میں عورت اگر انکار کرتی ہے تو مرد پیسوں کا رجوع کرسکتا ہے اس کے علاوہ اگر مرد نے پیسے خرچ کرتے وقت شرط نہ لگائی ہو، اور وہ انکار کردے یا شرط لگائی ہو لیکن عورت نکاح کرلے وغیرہ کسی صورت میں مرد کو پیسوں کے رجوع کا حق نہ ہوگا نیز رجوع والی صورت میں بھی شرط لگا کر عورت اگر نکاح سے انکار کرے تو مرد کو حق ضرور ہے لیکن تب بھی نہ لینا بہتر ہے

Marfat.com

کیونکہ بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کا حکم ہے۔

الغرض مسئلہ زیر بحث میں چار اقوال میں سے یہی قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ شرط لگا کر اگر عورت انکار کردے تو حق کے درجے میں مرد رجوع کرسکتا ہے اس کے علاوہ رجوع کی گنجائش ہی نہیں البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ زیر بحث کے چار اقوال میں سے بعض فقہاء کے حوالے سے دیگر اقوال کی ترجیح بھی نقل کی ہے اور "المعروف کالمشروط" (یعنی عرفاً رائج بات قولاً مشروط کے حکم میں ہوتی ہے) کو لے کر ترجیح دی ہیں لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر مرد کو بہر حال رجوع کا حق دیدیا جائے تو پھر بدمعاش اور گھٹیا قسم کے لوگ اسے کاروبار بنالیں گے اور پھر پاکدامن عفیفات عورتیں، بدکردار لوگوں سے شادی کرنے یا ان کے پنجے میں پھنس جانے پر مجبور ہوں گی جو معاشرے میں اعتدال کو ختم کر کے اضطراب اور افراتفری کو جنم دے گا۔ اس لئے ہماری ناقص رائے میں یہی قول زیادہ راجح ہے کہ اگر مرد نے پیسے خرچ کرتے وقت شرط نہ لگائی ہو تو کسی قسم کے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا اور اگر نکاح کی شرط پر خرچ کئے ہوں اور عورت پھر نکاح سے انکار کردے تو مرد کو پیسوں کیلئے رجوع کا حق ہے البتہ تب بھی نہ لینا بہتر ہے۔ یہی شرعی حکم ہے اور مزاج شریعت سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

لمافی الهندية (۴۰۳/۴): ولو أنفق على معتدة الغير على طمع أن يتزوجها بعد عدتها فأبت أن يتزوجها فإن شرط في الإنفاق التزوج يرجع بما أنفق وإلا فالأصح أن لا يرجع كذا قال الصدر الشهيد رحمه الله تعالى۔

(۷۹) معلق بالشرط اور مقرون معہ الشرط نکاح کے حکم میں فرق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے (۳/ ۵۳) پر نکاح میں شرط سے متعلق بحث کی ہے اسمیں کہا ہے کہ معلق بالشرط نکاح منعقد نہیں ہوتا اور مقرون معہ شرط فاسد منعقد ہوجاتا ہے، شرط لغو ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں۔ فرق کا مطلب اور توجیہ بھی بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نکاح معلق بالشرط اور نکاح مقرون معہ الشرط الفاسد کے حکم میں فرق کو واضح فرمارہے ہیں نکاح معلق بالشرط، معلق بالخطر ہونے کی وجہ سے سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا، مثلاً: کوئی شخص کسی عورت سے گواہوں کی موجودگی میں کہے کہ "میں نے اتنے مہر کے بدلے تم سے نکاح کیا اگر میرے والد راضی ہوں" تو اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا کیونکہ نکاح کے وجود کو ایک ایسی چیز کے وجود پر معلق کردیا جو فی الحال موجود نہیں اور مستقبل میں اس کا وجود متوقع ہے جبکہ نکاح تعلیق کا احتمال نہیں رکھتا، نکاح مقرون

Marfat.com

ہ الشرط الفاسد منعقد ہوجاتا ہے اور شرط فاسد لغو ہوجاتی ہے، مثلاً: کوئی شخص کسی عورت سے کہے کہ ''میں نے تم سے نکاح کیا اس شرط پر تمہارا مہر نہیں ہوگا'' اس صورت میں نکاح درست ہوتا ہے، شرط لغو ہوجاتی ہے اور عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس صورت میں ایجاب وقبول کے ذریعے نکاح فی الحال وجود میں آجاتا ہے البتہ اس عقد کے ساتھ ایک رط فاسد لگادی جاتی ہے جو انعقاد نکاح کے لئے مانع نہیں بنتی کیونکہ نکاح شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرط لغو ہوجاتی ہے، جبکہ معلق بالشرط نکاح میں ایجاب وقبول کو ہی معلق کردیا جاتا ہے، جس بناء پر نفسِ عقد میں ہی فساد آجاتا ہے۔

لما فی خلاصة الفتاوی (۴۸/۴): ولو قالت زوجت نفسی منك إن رضی أبي لم یصح لأنه علق النكاح بالخطر۔

وفی الخانیة (۱۵۴/۱): رجل قال لامرأة بحضرة الشاهدین تزوجتك علی كذا ان أجاز أبي أو رضی فقالت قبلت لایصح لأنه تعلیق والنكاح لایحتمل التعلیق۔

وفی الشامیة (۵۳/۳): قوله (والنكاح لا یصح تعلیقه بالشرط) المراد أن النكاح المعلق بالشرط لا یصح لا ما یوهمه ظاهر العبارة من أن التعلیق یلغو ویبقی العقد صحیحا كما في المسألة الآتیة وهذا منشأ توهم الدرر الآتي قوله (لتعلیقه بالخطر) بفتح الخاء المعجمة والطاء المهملة ما یكون معدوما یتوقع وجوده ح۔ قوله (فما في الدرر) حیث قال لا یصح تعلیق النكاح بالشرط مثل أن یقول لبنته إن دخلت الدار زوجتك فلانا وقال فلان تزوجتها فإن التعلیق لا یصح وإن صح النكاح ۔۔۔ قوله (ولكن لا یبطل الخ) لما كان یتوهم أنه لا فرق بین النكاح المعلق بالشرط الفاسد والمقرون بالشرط الفاسد كما وقع لصاحب الدرر أتی بالاستدراك ۔۔۔ قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك علی أن لا یكون لك مهر فیصح النكاح و یفسد الشرط ویجب مهر المثل۔

(۸۰) کیا نکاح فارم انعقادِ نکاح کے لئے ضروری ہے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عقد نکاح میں کون کونسے امور ضروری ہیں؟ خطبہ، گواہوں کا ہونا، نکاح کے فارم وغیرہ کے اندر رجسٹرڈ کرنا، یہ تمام چیزیں نکاح میں ضروری ہیں یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں ایجاب وقبول کرنا رکن نکاح ہے اور گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ خطبے کا پڑھنا مستحبات میں سے ہے۔ باقی نکاح فارم اور رجسٹرڈ کرنا وغیرہ شرعاً ضروری نہیں لیکن چونکہ قانوناً بہت سے مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ترتیب بنائی گئی ہے لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء :۵) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفی الدارقطنی (۱۵۵/۳): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :" لا بد فی النکاح من أربعة الولی والزوج والشاهدین"

وفی الدر المختار(۸/۳):ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وکونه في مسجد یوم جمعة بعاقد رشید و شهود عدول۔

وفی الفتاوی اللجنة الدائمة(۸۷/۱۸):س: المسلم والمسلمةمطالبان من حیث القانون بالحضور في مکتب تسجیل الزواج، فیذهب الرجل والمرأة إلی المکتب قبل الزواج مع الشهود، ویتم هناك الإیجاب والقبول، فهل هذا یکون نکاحا شرعیا؟۔۔۔الخ۔

ج: إذا تم القبول والإیجاب مع بقیة شروط النکاح وانتفاء موانعه صح، وإذا کان تقییده قانونا یتوقف علیه ما للطرفین من المصالح الشرعیة الحاضرة والمستقبلة للنکاح وجب ذلك. وبالله التوفیق، وصلی الله علی نبینا محمد وآله وصحبه وسلم۔

(۸۱) بیماری نہ ہونے کی شرط پر نکاح کرنا اور بعد میں بیماری ظاہر ہونا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح چار آدمیوں کے سامنے زید سے اس شرط پر کرتا ہے کہ زید کو کوئی بیماری نہ ہو کیونکہ اس نے سنا تھا کہ زید کو کینسر ہے، جب اس نے تحقیق کرنا چاہی تو کسی نے اس کے بارے میں نہ بتایا۔ شادی ہوجانے کے بعد ظاہر ہوا کہ زید کو حقیقتاً کینسر ہے اب یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ نکاح درست ہوگیا اور زوجہ کو فسخِ نکاح کا اختیار حاصل نہیں۔

Marfat.com

لمافى صحيح البخارى (۳۷٦/۱): عن عقبة بن عامر رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج۔

وفى الهندية (۲۷۳/۱): ولا يثبت في النكاح خيار الرؤية والعيب والشرط سواء جعل الخيار للزوج أو المرأة أو لهما ثلاثة أيام أو أقل أو أكثر حتى أنه إذا فعل ذلك فالنكاح جائز والشرط باطل ۔۔۔ فإذا شرط أحدهما لصاحبه السلامة عن العمى والشلل والزمانة أو شرط صفة الجمال أو شرط الزوج عليها صفة البكارة فوجد بخلاف ذلك لا يثبت له الخيار هكذا في التتارخانية۔

وفيه أيضا: (٥٢٦/۱): إذا كان بالزوجة عيب فلا خيار للزوج وإذا كان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلا خيار لها كذا في الكافي قال محمد رحمه الله تعالى إن كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ وإن كان مطبقا فهو كالجب وبه نأخذ كذا في الحاوي القدسي۔

وفى الشامية (۵۰۱/۳): قوله (ولا يتخير الخ) أي ليس لواحد من الزوجين خيار فسخ النكاح بعيب في الآخر عند أبي حنيفة وأبي يوسف ۔

وفى الفقه الاسلامى (۷۰۴۹/۹): أما العيوب الأخرى من جنون أو جذام أو برص أو رتق أو قرن، فلا فسخ للزواج بسببها إن كان بالزوجة، ولا إن كانت بالزوج، ولا خيار للآخر بها. وهذا هو الصحيح عند الحنفية. وقال محمد: للزوجة الخيار أو الفسخ إن كانت هذه العيوب بالزوج، ولاخيار للزوج إن كانت بالزوجة، وبه يتفق الحنفية على أنه لا خيار للزوج في فسخ الزواج بسبب عيوب الزوجة مطلقاً۔

(۸۲) شوہر اول کے بچوں کا نفقہ دینے کی شرط پر عورت سے نکاح کا حکم

سوال

زید اور عمرو ۱۹۸۵ء سے دوست ہیں۔ زید کی بیوی مرگئی ہے، عمرو اپنے خاندان کی کسی بیوہ سے زید کی شادی کرانا چاہتا تھا اور اس شرط پر زید کی بیوہ سے شادی ہوگئی کہ بیوہ کے پہلے سے موجود بچوں کا نان نفقہ زید دیگا۔ زید راضی تو ہوگیا تھا لیکن کچھ عرصے بعد زید ان دو بچوں پر خرچے سے منکر ہوگیا جبکہ خرچہ کی شرط پر نکاح ہوا تھا۔ محلے کے امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کتب فقہ کے مطلق جزئیات سے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے اور زید پر یہ خرچہ واجب نہیں۔ آپ سے یہ مطلوب ہے کہ مطلق

Marfat.com

جزئیات نہیں بلکہ فقہ حنفی سے ایسے صریح جزئیات لکھ دیں جن میں پہلے شوہر کے بچوں کے نفقہ کی شرط پر نکاح کے بعد اس شرط کا حکم ذکر ہو۔ از راہ کرم فی الفور جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اصولی طور پر نفقہ قرابت اور جزئیت کی بنیاد پر واجب ہوتا ہے چونکہ زید اور مذکورہ بچوں کا آپس میں قرابت اور جزئیت کا کوئی تعلق نہیں اس لئے زید پر مذکورہ بچوں کا نفقہ واجب نہیں لہٰذا نکاح میں مذکورہ شرط، شرطِ فاسد ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہوگی البتہ زید کیلئے مناسب ہے کہ یتیموں کی کفالت کرے کیونکہ یتیم کی کفالت کرنے والے کیلئے قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔

لما في المحيط البرهاني (۲/۳۵۲): ثم الأصل في نفقة الوالدين والمولودين أنه يعتبر القرب والجزئية وفي النهاية (۱/۵۲۶): لأن شرط وجوب النفقة هو أن يكون ذو الرحم المحرم من أهل الميراث ولو كان رحما غير محرم نحو ابن عم وهو أخوه من الرضاع لا تجب النفقة كذا في شرح الطحاوي۔

وفي الشامية (۳/۶۳۳): قوله (والمعتبر فيه القرب والجزئية لا الإرث) أي الأصل في نفقة الوالدين والمولودين القرب بعد الجزئية۔

(۸۳) بدلے میں نکاح نہ کرنے پر دو لاکھ کی شرط لگانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عبیر کا نکاح حمائلہ مغل سے اس شرط پر ہوا کہ مستقبل میں حمائلہ کا بھائی ادریس، عبیر کی بہن ربانہ سے نکاح کرے گا ورنہ (۱۰ سال کے اندر اندر نکاح نہ ہونے کی صورت میں) حمائلہ کے گھر والے دو لاکھ روپے ادا کریں گے۔

(۱) کیا عبیر کا نکاح حمائلہ مغل سے منعقد ہو گیا؟

(۲) کیا یہ شرط نکاح درست ہے؟ یہ شرط مقتضی عقد کے موافق ہے یا مخالف یا فاسد؟

(۳) اگر دوسرا نکاح ادریس کا ربانہ سے مستقبل میں کیا گیا تو وہ منعقد ہوگا؟

(۴) اگر دوسرا نکاح دس سال کے اندر نہ ہوا تو یہ پیسے کی وصولی کا کیس عدالت میں دائر کیا جا سکتا ہے؟

(۵) اگر دس سال کے اندر رضامندی سے نکاح نہ ہونا طے پائے اور بارہویں سال ادریس کا نکاح ربانہ سے ہونا طے پائے تب بھی دو

Marfat.com

لاکھ کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ شرط (۱۰ سال کے اندر اندر نکاح نہ ہونے کی صورت میں) حمائلہ کے گھر والے دو لاکھ روپے ادا کریں گے، مقتضی عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہے، اور نکاح، شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتا البتہ شرط لغو ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں:

(۱) عبیر کا نکاح حمائلہ مغل سے منعقد ہو گیا اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل واجب ہوگا۔

(۲) مذکورہ شرط لگانا درست نہیں، یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف اور فاسد ہے۔

(۳) مستقبل میں اگر ادریس اور ربانہ کا نکاح کیا گیا تو وہ بھی منعقد ہو جائے گا۔

(۴) چونکہ یہ شرط فاسد ہے، اس وجہ سے اگر حمائلہ کے گھر والوں نے مذکورہ شرط پوری نہیں کی تو عبیر کے گھر والے پیسوں کی وصولی کا مقدمہ عدالت میں دائر نہیں کر سکتے۔

(۵) اگر ادریس اور ربانہ کا نکاح بارہویں سال ہو تو وہ نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن پھر بھی عبیر کے گھر والے دو لاکھ کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

لمافی الهندية (۳۰۸/۱): وفي المنتقى إذا قال لامرأة أتزوجك على ألف درهم على أن تزوجيني فلانة بمهر من عندك تعطينه إياها فتزوجها على ذلك كان النكاح بحصتها من الألف إذا قسم على مهرها وليس عليها أن تزوج فلانة۔الخ۔

وفی الشامية (۵۳/۳): قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويفسد الشرط ويجب مهر المثل۔

(۸۴) طلاق کا اختیار لڑکی کو ہونے کی شرط پر نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے آدمی سے اپنی لڑکی کا نکاح اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار لڑکی کو ہے کرنا چاہا، تو کیا یہ شرط لگانا از روئے شریعت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن شرط باطل ہے۔ عورت کو خیار طلاق نہ ہوگا۔

لمافی الهندية (۶۱۰/۳): وكل رجلا أن يزوجه امرأة فزوجه امرأة على أن أمرها في يدها جاز

Marfat.com

النکاح ویبطل الشرط۔

وفی الدر المختار(۳/۲۷): فروع قال زوجني ابنتك على أن أمرها بيدك لم يكن له الأمر لأنه تفويض قبل النكاح۔

وفی الرد تحته: قوله (لم يكن له الأمر الخ) ذكر الشارح في آخر باب الأمر باليد نكحها على أن أمرها بيدها صح اهـ۔

(۸۵) ایجاب وقبول کے وقت تفویض طلاق کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت شرط لگائے کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ طلاق کا اختیار میرے پاس ہوگا تو نکاح جائز ہے؟ شرط معتبر ہوگی یا نہیں؟ نیز مرد یہی شرط لگائے تو کیا حکم ہے؟ شامیہ (۳/۲۷) پر موجود بحث سے ایسا لگتا ہے دونوں میں فرق ہے لیکن دونوں کے شرط لگانے میں فرق کیوں ہے یہ ذکر نہیں۔ آپ سے درخواست ہے مسئلہ کی مکمل تحقیق فرما کر وجہ فرق بھی بیان کردیں اور یہ بتادیں کہ اگر نکاح کے ایجاب وقبول سے پہلے ہی تفویض طلاق کا یہ عمل ہو تو یہ درست ہے کیونکہ ابھی تو شوہر مالکِ طلاق ہی نہیں تو تفویض چہ معنی دارد؟ .....اسی طرح دستخط سے قبل کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر ان سب کے بعد تفویض ہو تو مطلقاً درست ہے یا نہیں؟ اوپر والی شامیہ (۳/۲۷) کی عبارت کا فرق کہاں واضح ہوگا؟ مسئلہ کے مذکورہ بالا تمام پہلوؤں کی شافی وکافی بحث فرمادیں تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) مذکورہ دونوں صورتوں میں فرق اس طور پر ہے کہ اگر عورت ابتداء کرے گی تو تفویض الطلاق اس کی طرف سے شرط ہوگی اور اس کا وجود شوہر کے قبول کرنے کے بعد ہوگا تو اس وقت نکاح منعقد ہوگا لہٰذا اس صورت میں تفویض الطلاق بعد النکاح ہونے کی وجہ سے درست ہوگی اور اگر شوہر ابتداء کرتا ہے تو اس وقت شوہر کی طرف سے تفویض الطلاق قبل النکاح ہونے کی وجہ سے درست نہیں کیونکہ قبل النکاح وہ اس کا مالک ہی نہیں البتہ اگر بعد النکاح کی تصریح کردے تو یہ شرط درست ہوگی۔

(۲) تفویض الطلاق بعد النکاح کی صراحت کے بغیر قبل النکاح تفویض درست نہیں۔

(۳) اگر زبانی ایجاب وقبول ہوگیا تو تفویض درست ہے دستخط کی ضرورت نہیں۔

(۴) تفویض الطلاق بعد النکاح مطلقاً درست ہے۔

(۵) پہلی صورت کا فرق اس وقت ظاہر ہوگا جب یہ سارا معاملہ قبل النکاح کیا جائے۔

Marfat.com

لما فى الشامية (۲۴۲/۳): وذكره في الخانية في مسألة قبلها وهي إذا تزوج امرأة على أنها طالق جاز النكاح وبطل الطلاق، وقال أبو الليث هذا إذا بدأ الزوج وقال تزوجتك على أنك طالق وإن ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بيدي أطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الأمر بيدها لأن البداءة إذا كانت من الزوج كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح أما إذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لأن الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن إعادة ما في السؤال صار كأنه قال قبلت على أنك طالق أو على أن يكون الأمر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح اهـ

(۸۶) نکاح کیلئے اپنے فائدے کی مخصوص شرائط لگانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندہ ایک بیوہ عورت ہے وہ زید سے شادی کرنا چاہتی ہے اور زید شادی شدہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری کچھ شرائط ہیں اگر آپ کو منظور ہیں تو میں آپ سے شادی کروں گا۔

(۱) میں صرف آپ کو ماہانہ خرچہ دوں گا جس طرح آپ اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہیں اسی طرح آپ کا اپنا انتظام ہوگا یعنی مکان کا کرایہ میں نہیں دوں گا۔

(۲) میں آپ کے پاس اپنی مرضی سے آؤں گا آپ میری پہلی بیوی کے ساتھ ضد نہیں کریں گی۔

(۳) میرے مال میں آپ کا کوئی حصہ نہیں ہوگا نہ میری زندگی میں اور نہ میرے مرنے کے بعد۔ یہ شرائط آپ کو منظور ہیں تو میں شادی کروں گا۔

ایسی شرائط کے ساتھ شادی ہوسکتی ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد ہندہ اپنے حصہ کے مال سے محروم ہوسکتی ہے اور کیا ایسی شرائط اسلام میں جائز ہیں؟ بات یہ ہے کہ ہندہ کو یہ سب شرائط منظور ہیں اور کہتی ہے کہ میرے لئے صرف ماہانہ خرچہ دو اور بس۔ جواب قرآن، حدیث اور فقہ حنفی سے دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی شخص نکاح میں ایسی شرائط لگائے جو مقتضائے عقد اور شریعت کے احکام کے خلاف ہوں تو ایسی شرائط کا شریعت مطہرہ میں کوئی اعتبار نہیں اور نکاح کرنے کی صورت میں تمام حقوق جو شریعت مطہرہ نے میاں بیوی کیلئے مقرر کئے ہیں وہ لازم ہوجاتے ہیں لہٰذا

Marfat.com

صورت مسئولہ میں اگر زید ہندہ سے شادی کرے تو یہ نکاح منعقد ہوگا، شرط لغو ہو جائے گی، نیز شریعت مطہرہ نے شوہر پر بیوی کے جو حقوق مقرر کئے ہیں وہ زید پر لازم ہوں گے مثلاً نان ونفقہ اور سکنی (رہائش) اور ایک سے زائد بیوی ہوں تو ان کے درمیان باری مقرر کرنا واجب وضروری ہوگا اور میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں لہٰذا زید اگر ہندہ سے نکاح کرے تو وہ نکاح کے بعد ہندہ کو اپنے ترکہ سے محروم نہیں کر سکتا۔

ما في القرآن الكريم (البقرة: ٢٣٣): وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا.

(النساء: ٣): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا.

(النساء: ١٢٩) وفي مقام آخر: وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ.

(النساء: ١٢): فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ.

وفي أحكام القرآن للتهانوي (٣/٣٥٦): باب وجوب القسم بين الزوجات: مسئلة: بمقتضى هذه الآية والسنة يجب على الزوج التسوية بين نسائه في القسم، فإن ترك التسوية بينهن في القسم عصى الله تعالى وعليه قضاؤه للمظلومة، والتسوية شرط في البيتوتة دون الجماع، لأنه يدور على النشاط وليس ذلك في وسعه.

وفي الدر المختار (٣/٥٣): (ولكن لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد و) إنما (يبطل الشرط دونه) يعني لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط بخلاف ما لو علقه بالشرط.

وفي الرد تحته: قوله (ولكن لا يبطل الخ) لما كان يتوهم أنه لا فرق بين النكاح المعلق بالشرط الفاسد والمقرون بالشرط الفاسد كما وقع لصاحب الدرر أتى بالاستدراك وإن كان الثاني مسألة مستقلة ولذا قال الشارح بعده بخلاف ما لو عقله بالشرط وفيه تنبيه على منشأ وهم الدرر فافهم ـــ قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويفسد الشرط ويجب مهر المثل.

Marfat.com

فصل فی الشہادۃ علی النکاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

(۸۷) نکاح کے وقت دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص تین افراد کی موجودگی میں اپنا نکاح خود پڑھائے تو کیا یہ نکاح صحیح ہو جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ نکاح صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ دوسری جانب سے قبول بھی پایا گیا ہو کیونکہ نکاح کے جواز کیلئے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ضروری ہے جو کہ پایا جا رہا ہے۔

لما فی البدائع (۴۰۱/۲): ومنها: العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد لقوله صلى الله عليه وسلم: "لانكاح إلا بشهود"۔

وفی الدرالمختار (۲۱/۳): (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا) على الأصح۔

(۸۸) لڑکے لڑکی کا تنہا اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مسمی فہیم احمد ولد نور محمد نے مسمات زرین بنت سید مصطفیٰ کمال سے اپنا نکاح خود بغیر کسی شخص کی موجودگی میں ایک بند کمرے میں اللہ کو حاضر وناظر جانتے ہوئے کیا۔ اس کے بعد اپنی

Marfat.com

منکوحہ سے اس کی دل سے تصدیق کی اور بعد از تصدیق حق زوجیت ادا کیا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اب میری منکوحہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ واقعی یہ نکاح قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوگیا ہے یا یہ نکاح فاسد ہے یعنی نا قابل اعتبار ہے؟ برائے مہربانی میرے لئے اس مسئلہ کا حل صادر فرمائیں۔ میں نے اپنا نکاح ان الفاظ میں پڑھایا تھا کہ میں مسمی فہیم احمد ولد نور محمد -/50,000 پچاس ہزار روپے حق مہر غیر معجّل میں تمہیں قبول ہوں۔ جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ جی مجھے قبول ہے اور یہ بھی کہا کہ خدا کے بعد میں نے آپ کو اپنا مجازی خدا بنایا اور میں آپ کو اجازت دیتی ہوں کہ میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ مجھے ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

مجلسِ عقد نکاح میں گواہوں کا موجود ہونا شرعاً ضروری ہے اور گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اس لئے صورتِ مسئولہ میں آپ کا کیا ہوا نکاح فاسد ہے آپ اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار کریں اور فوراً اس عورت سے الگ ہوجائیں۔

لمافی نصب الراية (۲۱۲/۳): عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل، وما كان من نكاح على غير ذلك فهو باطل، فإن تشاجروا فالسلطان ولي من لا ولي له"۔

وفی التاتارخانية (۶۱۰/۲): تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لايجوز۔

وفی الشامية (۱۳۲/۳): وفسر القهستاني هنا الفاسد بالباطل ومثله بنكاح المحارم وبإكراه من جهتها أو بغير شهود الخ ۔۔۔ وذكر في البحر هناك عن المجتبى أن كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا، قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها اهـ

Marfat.com

رسالة

العقود الدرية

فی تحقیق حکم النکاح بدون الشھود عند المالکیة

مالکیہ کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح کے حکم سے متعلق

مالکیہ کی کتب کی روشنی میں مفصل فتوی

(۸۹) بغیر گواہوں کے نکاح اور اس سے متعلق مالکیہ کے مذہب کی تحقیق

سوال

میرے ایک عزیز کے ساتھ گزشتہ سال کچھ انوکھا واقعہ پیش آیا۔ آپ سے اس کا صحیح حل دریافت کرنا ہے۔ وہ عزیز سمندر میں سفر کر رہے تھے، شکار وغیرہ کے ارادے سے تھے، سمندری طوفان کے باعث جہاز اپنا توازن کھو بیٹھا اور ڈوب گیا۔ صرف وہ عزیز اور ایک عورت تھی جو ایک ساحل پر پہنچ گئے۔ وہاں سے نکلنے اور واپس شہر پہنچنے کے انتظام سے پہلے ان دونوں کو شیطان بہکا رہا تھا لہٰذا ان دونوں نے وہاں بغیر گواہوں کے عارضی نکاح کر لیا، بعد میں شہر پہنچ گئے۔ کیا یہ نکاح صحیح ہو گیا؟ ایک عالم نے بتایا کہ امام مالک کے ہاں بینہ شرط نہیں لیکن اعلان شرط ہے، تو مفتی صاحب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی تو عدم اعلان کی وجہ سے یہ نکاح منعقد نہ ہوگا لیکن ان عالم کا کہنا تھا کہ نہیں اعلان اس طرح شرط نہیں ورنہ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو مذہب اور سخت ہو جائے گا، بہر حال میرا علم اتنا نہ تھا میں آپ سے درج ذیل سوالوں کے جواب چاہتا ہوں۔

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب کیا ہے اعلان شرط ہے تو کیا کیفیت ہے پچاس آدمی میں سو آدمی میں یا اعلان کس کیفیت سے شرط ہے؟ نیز بینہ مطلقاً ضروری نہیں؟ احناف اور مالکیہ کا ثمرہ اختلاف کہاں ظاہر ہوگا؟

(۲) کیا اس مسئلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتوی دیا جا سکتا ہے؟ ازراہِ کرم میرے مسئلے کا مفصل اور مدلل جواب

Marfat.com

مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اگرچہ خطبہ نکاح کے وقت صرف اعلان کا ہے لیکن ان کے نزدیک بھی مرد کے عورت سے ہمبستری کرنے سے قبل نکاح پر دو گواہ بنانا ضروری ہیں، جب ان (مالکیہ) کے نزدیک بھی گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو مذکورہ صورت میں خروج عن المذہب بے معنی ہے۔

حضرات مالکیہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ نکاح میں عندالعقد ایجاب وقبول کے وقت گواہ ہونا شرط نہیں یعنی صحتِ نکاح کیلئے گواہی شرط نہیں لیکن اس عقد کا اعلان کرانا صحتِ نکاح کی شرائط میں سے ہے البتہ ہمبستری سے قبل اس عقدِ نکاح پر دو گواہ بنانا مالکیہ کے نزدیک بھی ضروری اور واجب ہے۔ عقد کے اعلان کی کیفیت مالکیہ کے نزدیک وہی ہے جو حدیث میں بیان کی گئی ہے دف بجانا یا دھویں کے ذریعے تشہیر نکاح کرنا، حضرات مالکیہ کی کتب میں اعلان کی یہی کیفیت موجود ہے، افراد کی تحدید ذکر نہیں۔

ایسے ملک میں جہاں مسلمان گواہ موجود نہ ہوں، مسلمان لڑکا اور لڑکی کسی دوسرے ملک میں وکیل بنالیں وہ وکلاء لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول کرلیں تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا۔ جہاں تک مذکورہ سوال میں دریافت صورت کا تعلق ہے تو اس میں اتنی بات تو واضح ہے کہ ان دونوں کے پاس گواہ نہیں لہٰذا یہ نکاح کسی بھی مذہب کے مطابق درست نہ ہوگا۔ سوال میں بغیر گواہوں کے عارضی نکاح کا ذکر ہے اس عارضی نکاح سے مراد اگر شہر پہنچنے تک موقت نکاح مراد ہے تو یہ نکاح باطل اور کالعدم ہوگا اور اگر صرف بغیر گواہوں کے مطلق نکاح کا ایجاب وقبول کیا تو یہ نکاح فاسد ہے اس میں نکاحِ فاسد کے احکام جاری ہوں گے نیز وطی کرنا اس میں بھی بہرصورت حرام ہوگا لہٰذا ان مرد وعورت پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے دور رہیں اور جلد از جلد شہر آجائیں اور صحیح شرعی طریقے سے نکاح کریں۔

حضراتِ احناف اور مالکیہ کے درمیان ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو حنفیہ کے نزدیک ابتداء سے ہی نکاح منعقد نہ ہوگا اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک گواہ صحتِ نکاح کی شرائط میں سے ہیں البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن ہمبستری سے قبل گواہ نہ بنانے پر نکاح خود ہی فسخ ہوکر طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی۔ الغرض نتیجتاً ہر صورت میں یہ نکاح بے فائدہ اور بغیر گواہوں کے کالعدم ہوگا۔

لمافی اعلاء السنن (۲۱۱/۵) (باب جواز عقد النکاح): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ: "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف" اخرجه الترمذی۔

وفيه أيضاً(۱۷/۱۱): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ: لا نكاح إلا بولی وشاهدی عدل وما كان من نكاح على غير ذلك فهو باطل فإن تشاجروا فالسلطان ولی من لاولی له ---- هذا الحديث يدل على اشتراط الولی والشهود العدول فی صحة النكاح۔

Marfat.com

وفى بداية المجتهد ونهاية المقتصد (١٣/٢):الفصل الثاني في الشهادة:واتفق أبو حنيفة والشافعي ومالك على أن الشهادة من شرط النكاح واختلفوا هل هي شرط تمام يؤمر به عند الدخول أو شرط صحة يؤمر به عند العقد واتفقوا على أنه لا يجوز نكاح السر.واختلفوا إذا أشهد شاهدين ووصيا بالكتمان هل هو سر أو ليس بسر؟ فقال مالك: هو سر ويفسخ وقال أبو حنيفة والشافعي: ليس بسروسبب اختلافهم هل الشهادة في ذلك حكم شرعي أم إنما المقصود منها سد ذريعة الاختلاف أو الإنكار؟ فمن قال حكم شرعي قال هي شرط من شروط الصحة ومن قال توثق قال: من شروط التمام ـــ وأبو حنيفة ينعقد النكاح عنده بشهادة فاسقين لأن المقصود عنده بالشهادة هو الإعلان فقط.

وفى المدونة الكبرى (١٢٧/٢):قلت: أرأيت إن تزوج رجل بغير بينة وأقر المزوج بذلك أنه زوجه بغير بينة أيجوز أن يشهدا في المستقبل وتكون العقدة صحيحة في قول مالك؟ قال: نعم، كذلك قال مالك.

وفى حاشية الدسوقى على الشرح الكبير (٣٤٢/٢):(قوله : وإعلانه) أي وندب إعلانه أي إظهاره وإشهاره بإطعام الطعام عليه لقوله عليه الصلاة والسلام { أفشوا النكاح واضربوا عليه بالدف } ـــ (إن فشا) النكاح بوليمة أو ضرب دف أو دخان أو كان على العقد أو على الدخول شاهد واحد غير الولي.

وفى بدائع الصنائع (٣٩١/٢):وقال مالك ليست بشرط وإنما الشرط هو الإعلان حتى لو عقد النكاح وشرط الإعلان جاز وإن لم يحضره شهود ولو حضرته شهود وشرط عليهم الكتمان لم يجز ـــ وجه قول مالك أن النكاح إنما يمتاز عن السفاح بالإعلان فإن الزنا يكون سرا فيجب أن يكون النكاح علانية ـــ ولنا ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال لا نكاح إلا بشهود وروي لا نكاح إلا بشاهدين.

Marfat.com

(۹۰) گواہوں کا ایجاب وقبول سننا کافی ہے یا سمجھنا بھی ضروری ہے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص کسی بالغہ باکرہ یا بیوہ عورت سے عربی میں "زوجتك نفسی" دو گواہوں کے سامنے کہلوائے اور اس کے جواب میں خود "قبلت" کہے اور دونوں گواہ ان لفظوں کے مطلب سے بے خبر ہیں کیا یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نکاح درست نہیں تو عورت اگر ان الفاظ کے معنی سے خبردار ہو لیکن گواہ بے خبر ہوں تو اس صورت میں بھی نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ نیز اکراہ اور مذاق کی صورت میں مجلس عقد نہیں ہوتی وہاں ایسا مسئلہ پیش آجائے کہ غیر زبان میں ایجاب وقبول ہو گواہ نہ سمجھ پائیں۔ ازراہ کرم ان تمام صورتوں کے احکام بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں عاقدین اور گواہوں کیلئے الفاظِ نکاح سمجھنے سے متعلق تین طرح کے اقوال کتب فقہ میں ملتے ہیں:

(۱) سمجھنا شرط ہے۔

(۲) سمجھنا ضروری نہیں ہے۔

(۳) ان دونوں کے درمیان تطبیق۔

تطبیق یہ ہے کہ پہلا قول (جس میں گواہوں کیلئے الفاظ سمجھنے کی شرط ہے) کا مطلب یہ ہے کہ گواہوں کو اتنا ضرور پتہ ہو کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاتا ہے اگرچہ ان الفاظ کے موضوع لہ معنی کو نہ جانتے ہوں دوسرا قول (جس میں الفاظ نکاح سمجھنے کی شرط نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ نکاح کا موضوع لہ معنی معلوم ہونا ضروری نہیں اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ یہ عقد نکاح ہے یہی تیسرا قول بظاہر زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو آخر میں ذکر کیا ہے لہٰذا نکاح کی صحت کیلئے عاقدین اور دونوں گواہوں کا یہ جاننا کم از کم ضروری ہوگا کہ جو الفاظ کہے جارہے ہیں وہ بغرض نکاح ہیں اگرچہ وہ ان کے معانی سے بے خبر ہوں مثلاً وہ الفاظ انگریزی یا کسی دوسری زبان کے ہوں البتہ اگر عاقدین اور دونوں گواہوں میں سے کسی ایک شخص کو بھی یہ علم نہ ہو کہ ان الفاظ کو بغرض نکاح کہا جارہا ہے اور یہ مجلسِ نکاح ہے، تو نکاح نہ ہوگا۔

چنانچہ جب یہ معاملہ (کہ عورت یا گواہ الفاظِ نکاح کے معنی سے بے خبر ہوں) مجلس عقد نکاح میں پیش آیا ہو تو چونکہ اس صورت میں یہ تو پتہ ہوتا ہے کہ نکاح ہورہا ہے اگرچہ الفاظ کے معنی نہیں پتہ ہوتے لہٰذا یہ نکاح درست ہوجائے گا اور اکراہ کی صورت میں چونکہ مجلس عقد نہیں ہوتی۔ اس صورت میں عموماً یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ یہ الفاظ نکاح کیلئے بلوائے جارہے ہیں لہٰذا اس صورت میں نکاح نہ ہوگا ہاں اگر اکراہ کی صورت میں اتنا پتہ ہو کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ جس سے نکاح ہوجاتا ہے اگرچہ ان کے معانی پتہ نہ ہوں تو اس صورت میں بھی نکاح

Marfat.com

ہوجائے گا، عام ہے کہ عورت کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہو کہ وہ معنی سے بے خبر ہو یا گواہوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔

لمافی البحرالرائق (۳/۴۵۶): واختلف أيضا في فهم الشاهدين كلامهما فجزم في التبيين بأنه لو عقد بحضرة هنديين لم يفهما كلامهما لم يجز وصححه في الجوهرة، وقال في الظهيرية والظاهر أنه يشترط فهم أنه نكاح، واختاره في الخانية فكان هو المذهب فالحاصل أنه يشترط سماعهما معا مع الفهم على الأصح لكن في الخلاصة إذا تزوج امرأة بالعربية والزوج والمرأة يحسنان العربية والشهود لا يعرفون العربية اختلف المشايخ فيه والأصح أنه ينعقد اه فقد اختلف التصحيح في اشتراط الفهم وفي الخلاصة وغيرها ينعقد بحضرة السكارى إذا فهموا النكاح۔

وفی الشامیة (۳/۲۳): قوله (فاهمين الخ) قال في البحر جزم في التبيين بأنه لو عقدا بحضرة هنديين لم يفهما كلامهما لم يجز وصححه في الجوهرة وقال في الظهيرية والظاهر أنه يشترط فهم أنه نكاح واختاره في الخانية فكان هو المذهب لكن في الخلاصة لو يحسنان العربية فعقدا بها والشهود لا يعرفونها اختلف المشايخ فيه والأصح أنه ينعقد اه لقد اختلف التصحيح في اشتراط الفهم اه وحمل في النهر ما في الخلاصة على القول باشتراط الحضور بلا سماء ولا فهم أي وهو خلاف الأصح كما مرووفق الرحمتي بحمل القول بالاشتراط على اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النكاح ۔الخ۔

(۹۱) گواہوں کے ایجاب وقبول کے الفاظ سمجھنے سے متعلق متضاد عبارات

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک دینی مدرسہ میں رابعہ کا طالب علم ہوں ایک فقہ کی کتاب کی شرح پڑھ رہا تھا اس میں ایک مسئلہ میرے سامنے آیا وہ یہ تھا کہ (نکاح کے) گواہ ایجاب وقبول کو اگر سن لیں یہ کافی ہے، سمجھنا ضروری ہے یا نہیں اس میں مختلف اقوال لکھے تھے میں نے دیگر عربی کتب دیکھیں تو سب کو ایسا پایا ایک ہی کتاب میں ایک قول سمجھنا ضروری ہونے کا ہے تو ایک غیر ضروری، کسی نے ایک قول کی تصحیح کی تو کسی نے دوسرے قول کی۔ پہلے تو میں بہت پریشان ہوا پھر میرے ذہن میں آیا کہ اس مسئلے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ مثلاً اگر لڑکا انگریزی میں قبول کرتا ہے اور گواہ نہیں سمجھ پاتے کہ کیا کہا مگر سن لیتے ہیں تو نکاح پر دونوں قول کے مطابق فرق پڑے گا اور یہ تو بڑا عجیب فرق ہوگا، جواز وعدم جواز کا۔ اس لئے میں مزید شش وپنج میں پڑ گیا اور میں نے آپ حضرات سے مسئلہ پوچھنے کا ارادہ کیا ازراہِ کرم مفتی بہ اور راجح قول کی تائید وتعیین کر دیں اور تمام کتب کی عبارات کو یکجا جمع

Marfat.com

ماہرین حنفیہ پاکستان اور ہندوستان کے علماء نے اپنے فتاوی میں اس پر بحث کی ہے تو اسے بھی تحریر کردیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

گواہوں کیلئے الفاظ نکاح سمجھنے سے متعلق تین طرح کے اقوال پائے جاتے ہیں۔

(۱) سمجھنا شرط ہے اور اکثر شروحات میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۲) سمجھنا ضروری نہیں جیسا کہ خلاصۃ الفتاوی میں اس کو اصح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) ان دونوں اقوال کے درمیان تطبیق دی ہے کہ پہلے قول (جس میں گواہوں کیلئے الفاظ نکاح سمجھنے کی شرط ہے) کا مطلب یہ ہے کہ گواہوں کو اتنا ضرور پتہ ہو کہ یہ مجلس نکاح ہے اگرچہ ان الفاظ کے بعینہ معنی مدلول لہ کو نہ جانتے ہوں اور دوسرے قول (کہ جس میں گواہوں کیلئے ایجاب وقبول کے الفاظ سمجھنے کی شرط نہیں) کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ نکاح کا بعینہ معنی مدلول لہ سمجھنا ضروری نہیں تاکہ ان کو تو کچھ پتہ نہ ہو کہ یہ مجلس نکاح ہے، یعنی اتنا پتہ ہونا ضروری ہے کہ یہ عقد نکاح ہے۔

یہی تیسرا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے اور بظاہر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے اس لئے اس کو آخر میں ذکر کیا اور اسی قول پر امداد الفتاوی کتاب النکاح (۲/ ۲۳۶) اور فتاوی دار العلوم دیوبند کتاب النکاح (۷/ ۸۶) میں فتوی دیا گیا ہے۔

خانیۃ (۱/ ۲۶۸): وهل يشترط فهم الشاهدين العقد ذكر في الفتاوى أن المعتبر السماع دون الفهم حتى لو تزوج بشهادة الأعجمين جاز قال الظهير والظاهر أنه يشترط الفهم أيضا كذا في السراج الوهاج وهو الصحيح كذا في الجوهرة النيرة.

وفي الشامية (۳/ ۲۳): ووفق الرحمتي بحمل القول بالاشتراط على اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النكاح ـ الخ.

(۹۲) گواہوں کا ایجاب وقبول سننا ضروری ہے یا سمجھنا بھی؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے جو پیدائش کے بعد سے انگلینڈ میں رہتا ہے اور وہ خاندان کے پٹھان ہیں جب اس کے نکاح کا وقت آیا تو جس لڑکی سے اس کا نکاح تھا اس نے پشتو میں ایجاب وقبول کیا اور اس لڑکے نے انگلش میں اور گواہ دونوں پٹھان تھے ان میں سے کوئی بھی میرے دوست کے نکاح میں قبول کرنے کو نہ سمجھا۔ بہر حال ایک مولوی صاحب نے نکاح پڑھا دیا اب آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ نکاح میں گواہوں کا ایجاب وقبول کا سننا کافی ہے یا سمجھنا بھی ضروری

Marfat.com

ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح میں گواہوں کا ایجاب وقبول کو اکٹھے سننا ضروری ہے سمجھنا ضروری نہیں، البتہ گواہوں کو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ عقد نکاح ہے۔ اگر عقد نکاح کا ہی علم نہ ہو تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کا نکاح ہو گیا اس لئے کہ جب ایجاب پشتو میں ہوا تو گواہوں کو عقد نکاح کا علم ہو گیا اگرچہ الفاظ قبول کو وہ نہ سمجھ سکے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۹/۱۱): باب لانكاح الا بشهود:عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: " لا نكاح إلا بولى وشاهدَى عدل"

وفی الهندية (۲۶۸/۱): وإن سمعا كلام العاقدين ولم يعرفا تفسيره قيل بأنه يصح والظاهر خلافه وعن محمد رحمه الله تعالى إذا تزوج امرأة بحضرة تركيين أو هنديين قال إن أمكنهما أن يعبرا ما سمعا جاز وإلا فلا كذا في فتاوى قاضي خان وهل يشترط فهم الشاهدين العقد ذكر في الفتاوى أن المعتبر السماء دون الفهم حتى لو تزوج بشهادة الأعجميين جاز۔

وفی الشامية (۲۳/۳): قوله (فاهمين الخ) قال في البحر جزم في التبيين بأنه لو عقدا بحضرة هنديين لم يفهما كلامهما لم يجز وصححه في الجوهرة وقال في الظهيرية والظاهر أنه يشترط فهم أنه نكاح واختاره في الخانية فكان هو المذهب لكن في الخلاصة لو يحسنان العربية فعقدا بها والشهود لا يعرفونها اختلف المشايخ فيه والأصح أنه ينعقد اه لقد اختلف التصحيح في اشتراط الفهم اه وحمل في النهر ما في الخلاصة على القول باشتراط الحضور بلا سماء ولا فهم أي وهو خلاف الأصح كما مرووفق الرحمتي بحمل القول بالاشتراط على اشتراط فهم أنه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النكاح ۔الخ۔

(۹۳) ایک گواہ بہرہ ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی نکاح منعقد نہ ہوگا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ ایک آدمی نے نکاح کیا دو گواہوں کے سامنے ان میں سے ایک بہرہ ہے، سنتا نہیں آیا نکاح منعقد ہوا یا نہیں۔ اسی طرح ایک آدمی نے طلاق دی دو آدمیوں کے سامنے ایک ان میں سے بہرا ہے آیا یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب

نکاح کے گواہوں کیلئے عاقدین کے کلام کا سننا ضروری ہے اس لئے دو گواہوں میں سے اگر ایک بہرا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہو اور اگر دو گواہ جس میں سے ایک بہرا ہے کے سامنے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ وقوع طلاق کیلئے گواہوں کی ضرورت نہیں۔صرف "أنت طالق " یا اس جیسے دوسرے الفاظ جو رفع پر دال ہوں ادا کرنے سے طلاق ہوجاتی ہے جبکہ نکاح میں شرعاً گواہوں کی موجودگی ضروری ہے ورنہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

لمافی بدائع الصنائع (٢١٠/٣): فصل وأما بيان ركن الطلاق فركن الطلاق هو اللفظ الذي جعل دلالة على معنى الطلاق لغة وهو التخلية والإرسال ورفع القيد في الصريح وقطع الوصلة ونحوه في الكناية أو شرعا وهو إزالة حل المحلية في النوعين أو ما يقوم مقام اللفظ أما اللفظ فمثل أن يقول في الكناية أنت بائن أو ابنتك أو يقول في الصريح أنت طالق۔

وفی البحرالرائق (٨٨/٣): وعامة المشايخ شرطوا السماء والقائل بعدمه القاضي الإمام علي السغدي اه وثمرة الاختلاف تظهر في النائمين والأصمين فعلى قول العامة لا ينعقد النكاح بحضورهما وعلى قول السغدي ينعقد وصحح قاضيخان في شرحه أنه لا ينعقد بحضرة الأصمين وجزم بأنه لا ينعقد بحضرة النائمين وجزم في فتاواه بأنه لا ينعقد بحضرة النائمين إذ لم يسمعا كلامهما فثبت بهذا أن الأصح ما عليه العامة كما صرح به في التجنيس إذا المقصود من الحضور السماء فقول الزيلعي ينعقد بحضرة النائمين على الأصح ولا ينعقد بحضرة الأصمين على المختار ضعيف بل لا فرق بينهما في عدم الانعقاد على الأصح لعدم السماء ولقد أنصف المحقق الكمال حيث قال ولقد أبعدعن الفقه وعن الحكمة الشرعية من جوزه بحضرة النائمين اه۔۔۔ فلو كان أحدهما أصم فسمع صاحب السمع ولم يسمع الأصم حتى صاح صاحبه في أذنه أو غيره لا يجوز النكاح حتى يكون السماء معا۔

وفی الهندية (٢٦٨/١): وتكلموا في الأصمين اللذين لا يسمعان والصحيح أنه لا ينعقد كذا في شرح الجامع الصغيرلقاضي خان ۔۔۔ ولو كان بحضرة الرجلين وأحدهما أصم فسمع السميع دون الأصم فصاح السميع أو رجل آخر في أذن الأصم لا يجوز حتى يكون سماعهما معا كذا في فتاوى قاضي خان۔

Marfat.com

(۹۴) ایسی جگہ جہاں پر مسلمان گواہ میسر نہ ہوں، نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی زنا پر مجبور کرے اور یہ کہے کہ اگر تم اس عورت سے زنا نہیں کروگے تو تمہیں قتل کردوں گا وغیرہ، اس صورت میں زنا کرے یا جان دیدے؟ نیز اگر دو مسلمان لڑکا لڑکی کافروں کے علاقے میں ہوں یا وہاں گئے ہوں، پھر دونوں آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہوں تو کیا طریقہ ہوگا کیونکہ وہاں مسلمان گواہ تو نہیں ہیں اور نکاح کے بغیر تو زنا ہوجائے گا؟ قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

۱۔ اس شخص کیلئے زنا کا ارتکاب جائز نہیں کیونکہ زنا کی حرمت ان حرمات کی قبیل سے ہے جو کسی صورت میں ساقط وقابل رخصت نہیں ہوسکتی۔

۲۔ نکاح کے انعقاد کیلئے مسلمان گواہوں کی موجودگی شرط ہے پس صورت مسئولہ میں ممکنہ طور پر دو صورتیں بن سکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے نکاح میں کافر گواہ نہیں بن سکتا، لہٰذا کسی ایسی جگہ جہاں مسلمان رہتے ہوں وہاں جاکر گواہوں کی موجودگی میں عقد نکاح کریں۔ **دوسری صورت** یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک خط اپنے احباب کے پاس بھیج دیں، جس میں انہوں نے اپنے نکاح کا کسی کو وکیل بنایا ہو، وہ دو گواہوں کے سامنے پڑھ کر سنایا جائے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لما فی القرآن الکریم (بنی اسرائیل:۳۲): وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلاً

وفی الدر المختار(۱۳۷/۶): (ولو أكره على الزنا لا يرخص له) لأن فيه قتل النفس بضياعها لكنه لا يحد استحسانا بل يغرم المهر ولو طائعة لأنهما لا يسقطان جميعا۔

وفی الرد تحته: قوله (ولو أكره) أي بملجىء ويدل عليه ما يجيء قوله (بضياعها) لأن ولد الزنا هالك حكما لعدم من يربيه فلا يستباح بضرورة ما كالقتل ، درر ۔۔۔ قوله (فترخص بالملجىء) في باب الإكراه من النتف لو أكره على الزنا واللواطة لا يسعه وإن قتل اهـ

وفيه أيضا (۱۲/۳): وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح۔

Marfat.com

رسالة

التقاطع فی شهادة الفاسق والتسامع

فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے جبکہ قضاۃ فاسق کی شہادت قبول نہیں

فاسق کی شہادت سے قضاۃ نکاح ثابت نہیں ہوتا

فاسق کی شہادت اور بعض شہادت کا ازالہ نیز شہادت بالتسامع کا بیان

(۹۵) فاسق کی شہادت سے نکاح کا حکم

سوال

ہم نے سنا ہے کہ فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن اظہار کے وقت فاسق شہادت ادا نہیں کر سکتا یعنی نکاح کے دو حکم ہیں: (۱) حکم انعقاد (۲) حکم اظہار جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ مثلاً قضاۃ میں عورت اگر نکاح کی منکر ہو جاتی ہے تو اس وقت شوہر اس نکاح کو فاسق کی شہادت سے ثابت نہ کر پائے گا۔ اظہار کے حکم کا یہ مطلب ہے یا یہ کہ عورت عدالت میں جا کر یہ کہہ دے کہ میرا نکاح ان فاسقوں کی گواہی میں ہوا ہے مجھے تفریق چاہیے۔ اس پر قاضی کہے گا کہ قضاءً تو اس سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا لہٰذا لجاءً تفریق کی ضرورت نہیں۔

فاسق کی شہادت سے متعلق شوافع کا مذہب کیا ہے؟ قضاءً قبول ہے یا نہیں؟ نیز تسامع سے قضاءً نکاح کا اثبات ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فاسق کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن بوقت اظہار فاسق نکاح کے اثبات پر گواہی نہیں دے سکتا۔ یعنی اگر مرد یا عورت میں سے کوئی ایک نکاح کا انکار کر دے تو دوسرا ان فاسق گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہیں کر سکتا۔ دراصل فاسق کی شہادت

Marfat.com

کو قبول ہی نہیں کرنا چاہیئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ان کے نزدیک فاسق مردود الشہادۃ ہے، گواہی کا تحمل کرسکتا ہے اور نہ ادا ء۔

سادات حنفیہ رحمہم اللہ نے ادا ء شہادت کے معاملے میں تو فاسق کو مردود قرار دیا ہے، لیکن نکاح کے معاملے میں اسے تحمل کا اہل قرار دیا ہے۔یعنی دو فاسق آدمیوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہوجائیگا۔یہ اس لئے کیونکہ نکاح میں گواہوں کا مقصد یہ نہیں کہ وہ کسی کی جانب سے نکاح کے انکار کے وقت گواہی دیں اور اسے قبول کیا جائے۔بلکہ نکاح میں تو گواہی کا مقصد تہمت زنا کا رفع ہے اور وہ دو فاسقوں کی موجودگی سے بھی حاصل ہوجاتا ہے اس لئے حنفیہ نے نکاح کے انعقاد کے سلسلے میں دو فاسقوں کی گواہی کو بھی معتبر قرار دیا ہے نیز ہر جگہ عادل گواہوں کا موجود ہونا مشکل ہے اور دیگر مجبوریاں بھی ہوسکتی ہیں لہذا فاسق کی گواہی سے نکاح کے کلیۃً عدمِ انعقاد کا حکم لگانا مشکلات کا سبب بنے گا البتہ انکار کے وقت دوسرا فریق ان فاسق گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہ کرسکے گا۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر ایسے گواہوں کا کیا فائدہ، جو انکار کے وقت عدالت میں کام ہی نہ آسکیں!!!۔اس اشکال کا جواب واضح ہے۔اولاً تو نکاح میں عادل گواہ بنائے جائیں تاکہ کسی پیچیدگی کا سامنا ہی نہ ہو۔عادل گواہ تحملاً اور اداءً دونوں وقت کام آئیں گے۔ثانیاً یہ نادر صورت ہے کہ ایک عرصہ میاں بیوی ساتھ رہیں اور پھر کوئی ایک نکاح کا انکار کردے۔عموماً ایسا نہیں ہوتا۔اگر ہو بھی جائے تو آج کل جدید ذرائع استعمال کرکے بھی عدالت ان دونوں کا میاں بیوی ہونا معلوم کرسکتی ہے یا علاقے والے بتاسکتے ہیں کہ اصل ماجرا کیا ہے۔ثالثاً یہ کہ ان فاسق گواہوں سے اگرچہ اثبات نکاح نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ ضرورت تسامع کے گواہوں کے ذریعے پوری ہوسکتی ہے۔تسامع کے گواہ کا یہ مطلب ہے کہ گواہ ایک ایسے جم غفیر سے سن کر گواہی دے، جن کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو یا دو عادل آدمیوں سے سن کر گواہی دے تو ایسے گواہوں کی گواہی سے بھی دوسرا فریق نکاح کا اثبات کرسکتا ہے لہذا فاسق گواہ اگرچہ قضاء کام نہ آئیں، لیکن تسامع کے گواہ نکاح ثابت کرسکتے ہیں۔اس جواب کو البحر الرائق میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"إن الإشهاد فی النكاح لدفع تهمة الزنا لا لصيانة العقد عند الجحود والإنكار والتهمة تندفع بالحضور من غير قبول على أن معنى الصيانة تحصل بسبب حضورهما وإن كان لا تقبل شهادتهما لأن النكاح يظهر ويشتهر بحضورهما فإذا ظهر واشتهر تقبل الشهادة فيه بالتسامع فتحصل الصيانة"۔ (البحر الرائق ۱۵۸/۳)

لہذا صورت مسئولہ میں آپ کے تینوں سوالوں کے بالترتیب جواب یہ ہیں:

(۱) فاسق کی شہادت تحملاً معتبر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی موجودگی سے نکاح منعقد ہوجائیگا۔قضاءً اظہار کے وقت معتبر نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بوقت انکار دوسرا فریق ان گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات نہ کرسکے گا۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسق دیانۃً (یعنی تحملاً) اور قضاءً دونوں اعتبار سے مردود الشہادۃ ہے۔

(۳) تسامع کے گواہوں کے ذریعے نکاح کا اثبات ہوسکتا ہے۔بوقت انکار فاسق گواہوں کی گواہی اگرچہ قبول نہ ہو، لیکن

Marfat.com

تسامع کے گواہ کام آسکتے ہیں بشرطیکہ اس نے ایسے جم غفیر سے سنا ہو جس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو یا دو عادل آدمیوں سے نکاح سے متعلق سن کر گواہی دے۔

لمافی البحر الرا ئق(۱۶۶/۷) :وذكر الشارح أنه إذا رأى رجلا يدخل على امرأته وينبسطان انبساط الأزواج وسمع من الناس أنها زوجته جاز له أن يشهد به وإن لم يعاين النكاح۔

وفی الدر المختار(۴۷۰/۵): (ولا) يشهد أحد (بما لم يعاينه) بالإجماء (إلا في) عشرة على ما في شرح الوهبانية منها العتق والولاء عند الثاني والمهر على الأصح بزازية و (النسب والموت والنكاح والدخول) بزوجته ـــ (فله الشهادة بذلك إذا أخبره بها) بهذه الأشياء (من يثق) الشاهد (به) من خبر جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب بلا شرط عدالة أو شهادة عدلين إلا في الموت فيكفي العدل ولو أنثى وهو المختار ملتقى وفتح۔

Marfat.com

(۹۶) تحریراً نکاح میں لڑکی کے پاس دوگواہ ہوں تو نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی اس طرح ہوئی کہ میں اپنے گاؤں میں تھی اور وہ لڑکا (جواب میرا شوہر ہے) کراچی میں مقیم تھا ہم آپس میں مل نہیں سکتے تھے، چنانچہ میرے شوہر نے مجھے لکھا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں بعوض بتیس ہزار روپے مہر کے اگر قبول ہو تو فارم پر دستخط کر دیں۔ اس فارم پر میرے شوہر کے دستخط اور دو گواہوں کے دستخط تھے، ادھر میں نے بھی اسی فارم پر دستخط کئے۔ میری دو سہیلیوں اور ایک لڑکے کو (جو میری سہیلی کا بھائی تھا) گواہ بنایا اور ان سے بھی دستخط لئے۔ بعد میں میرے شوہر آئے اور ہم چپ چاپ کراچی آ گئے۔ اب جبکہ ہماری اولاد بھی ہوگئی ہے میرے والدین کہتے ہیں کہ تمہارا نکاح غلط تھا یہ بتایئے کہ جن حالات میں، میں تھی اور جیسے ہم نے دور دو الگ مقامات پر رہ کر نکاح کیا ہے، دل سے ہم نے قبول کیا تو کیا یہ نکاح صحیح نہ تھا؟ بعد میں بہر حال ہم نے یہ بھی کر لیا کہ سول کورٹ گئے اور وہاں قاعدے کے مطابق سب کچھ کر لیا مگر کیا اس سے پہلے ہم میاں بیوی "حرام" کے مرتکب ہوئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

تحریراً نکاح میں جب لڑکا ایجاب کا خط ارسال کرے اور لڑکی شرعی گواہوں کے سامنے لڑکے کے ایجاب کی خبر دے کر قبول کر لے تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ لڑکی کا ولی راجی ہو اور اگر ولی راضی نہ ہو تو لڑکے کا کفوء [یعنی دینداری، مال اور پیشہ وغیرہ میں لڑکے کا زیادہ] ہونا ضروری ہے، اگر لڑکا کفوء ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر بھی یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکا آپ کا کفوء ہے اور اس کے خط کے ذریعے بھیجے گئے ایجاب کی گواہوں کو خبر دے کر ان کے سامنے قبول کیا گیا ہو تو یہ نکاح شرعاً منعقد اور صحیح ہے اس پر اعتراض کا حق کسی کو نہیں اور اگر لڑکا کفوء نہیں تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا تھا۔

لمافی حاشية تبيين الحقائق للشلبی (۴۵۵/۲): وعن اشتراط السماء ما قدمنا فی التزوج بالكتاب بأنه لا بد من سماء الشهود مافی الكتاب المشتمل على الخطبة بأن تقرأ المرأة عليهم أو سماعهم العبارة عنه بأن تقول ان فلاناً كتب الى يخطبنی ثم تشهد أنها زوجته نفسها الخ۔

وفی الهندية (۲۶۹/۱): ولو قالت إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه صح النكاح لأن الشهود سمعوا كلامهما بإيجاب العقد وسمعوا كلام الخاطب بإسماعها إياهم هكذا في الذخيرة۔

وفی الدر المختار (۵۷/۳): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى۔

Marfat.com

وفی الشامیة(۱۲/۲): وصورته أن یکتب إلیها یخطبها فإذا بلغها الکتاب أحضرت الشهودَ وقرأته علیهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا کتب إلي یخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه۔

(۹۷) مجلس عقد میں شادی کے گواہوں کی حاضری ضروری ہے یا وکیل کے گواہوں کی؟

سوال

حکومتِ پاکستان کی طرف سے نکاح کیلئے نکاح فارم ملتا ہے جس کو پُر کر کے نکاح کی کارروائی مکمل کی جاتی ہے۔ نکاح فارم میں گواہوں سے متعلق دو خانے ہوتے ہیں۔

(۱) "دلہن کے وکیل کے گواہ"۔

(۲) "شادی کے گواہ"۔

ہمارے محلے میں اس فارم کو پُر کرنے کی کارروائی کا طریقہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ نکاح کی تاریخ آنے سے دو یا تین دن پہلے لڑکی کی طرف سے مقررہ کردہ وکیل لڑکی کے پاس جا کر لڑکی سے نکاح کی اجازت اور اپنے وکیل بننے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اس موقع پر جو دو گواہ موجود ہوتے ہیں ان کے نام نکاح فارم کے "دلہن کے وکیل کے گواہ" والے خانے میں درج کر دیئے جاتے ہیں اور شادی کے گواہ جو ہوتے ہیں ان کے نام "شادی کے گواہ" والے خانے میں درج کئے جاتے ہیں۔ عام طور پر وکیل کے گواہ اور شادی کے گواہ مختلف ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب نکاح کی مجلس منعقد ہوتی ہے خواہ مسجد میں ہو یا شادی ہال میں "نکاح خواں" (نکاح پڑھانے والے) ایجاب وقبول کے وقت کن گواہوں کا ذکر کرے گا آیا وکیل کے گواہ کا یا شادی کے گواہوں کا؟ نیز مجلس عقد میں کن گواہوں کی حاضری ضروری ہے؟ وکیل کے گواہوں کی یا شادی کے گواہوں کی یا دونوں قسم کے گواہوں کی؟ ازراہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ نکاح شرعاً درست اور صحیح ہونے کیلئے عقد نکاح کے وقت دو عاقل بالغ مسلمان گواہوں کا مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے، خواہ وہ دلہن کے وکیل کے گواہ ہوں یا کوئی اور دو آدمی گواہ بن جائیں لہٰذا صورت مسئولہ میں وکیل کے گواہ اور شادی کے گواہ دونوں کی حاضری ضروری نہیں، بلکہ ان میں سے کوئی سے بھی دو گواہوں کی مجلس عقد نکاح میں موجودگی کی صورت میں نکاح خواں نے نکاح پڑھا دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا باقی نکاح خواں کا ایجاب کے وقت گواہوں کا نام ذکر کرنا شرعاً ضروری نہیں۔

لمافی جامع الترمذی (۲۱۰/۱): عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم

Marfat.com

قال: البغايا اللاتى ينكحن أنفسهن بغير بينة ـــ والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم من التابعين وغيرهم قالوا لا نكاح إلا بشهود ـــ فقال أكثر أهل العلم من أهل الكوفة وغيرهم لا يجوز النكاح حتى يشهد الشاهدان معا عند عقدة النكاح۔

وفى الشامية (٣/٢١):قوله (وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه عن البحر وإنما فائدتها الإثبات عند جحود التوكيل وفي البحر قيدنا الإشهاد بأنه خاص بالنكاح لقول الإسبيجابي وأما سائر العقود فتنفذ بغير شهود ولكن الإشهاد عليه مستحب للآية اه وفي الواقعات أنه واجب في المداينات۔

وفيه أيضاً(٣/٩٥): واعلم أنه لا تشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح بل على عقد الوكيل وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها فتح۔

(٩٨) تین مرد اور ایک عورت کی موجودگی میں ہونے والے نکاح کو نہ ماننے والوں کا حکم

سوال

میں محمد اسلم نے اپنے اور لڑکی کے گھر والوں سے چھپ کر نکاح کیا اور نکاح میں تین مرد اور ایک عورت نے گواہی دی۔ گواہی دینے والوں میں کوئی بھی میرا یا لڑکی کا رشتے دار نہ تھا بلکہ وہ میرے دوست اور ایک دوست کی بیوی تھی۔ نکاح کے بعد میں نے اپنی بیوی کو اسی کے گھر چھوڑ دیا اور اس بات کو دونوں طرف کے والدین سے چھپایا گیا۔ تقریباً ایک ماہ کے بعد میں اپنے طور پر لڑکی کو لڑکی کی اجازت سے اپنے ساتھ لے گیا اور ہم دونوں میاں بیوی تقریباً ایک ہفتے تک ساتھ رہے۔ اس دوران دونوں طرف کے گھر والوں کو پتہ چل گیا اور ان کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ ہمیں مجبوری میں الگ الگ گھر جانا پڑا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد لڑکی کے ماں اور باپ نے بغیر کسی لڑائی اور زبردستی کے خود لڑکی کی رخصتی کر دی۔ اب ہمارے چار بچے ہیں لیکن لڑکی کے بعض عزیز و اقارب اور رشتے دار اس نکاح کو نہیں مانتے اور اپنے طور پر فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ نکاح نہیں گناہ ہے۔ برائے مہربانی مجھے اس کا فتویٰ مفصل اور جلد از جلد ارسال کر دیں۔ جناب کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں نکاح کے معتبر ہونے کیلئے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے اس کے بغیر تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا البتہ شریعت کی نظر میں مستحسن اور محمود امر یہ ہے کہ نکاح مجمع عام مسجد وغیرہ میں ہوتا کہ تشہیر بھی ہو جائے اور دوسرے مصالح کا

Marfat.com

حسن کی گواہی ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر یہ نکاح کتنے ہی عرصہ تک مشہور رہا ہو اس کے ثبوت کے لئے ہمسر یا ہمسر ہونا اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک دو شاہد عادل سے یہ نکاح شرعاً مستند نہ ہو جائے کیونکہ اس نکاح کا تعلق حقوق العباد سے ہے پس یہ نکاح محض مشہور ہونے سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ نکاح مخصوص ہے بلکہ تمام کے لئے یہ حکم ہے۔

فی القرآن الکریم (البقرۃ): وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ... الآیۃ

فی الدر المختار (۳/۴۰۰): وشرط سماعة كل من العاقدين لقط الآخر) ليتحقق رضاهما (ع) شرط حضور شاهدين ايضا

فی الدر المختار: قوله (وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد أما الشهادة على التوكيل بذلك فليست بشرط صحته

فی الدر المختار (۳/۴۰۰): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى

:: اگر لڑکے یا گواہوں کی موجودگی میں ازخود ایجاب وقبول کرنا اور بعض جزئیات کا حکم

سوال

مفتی صاحب سے استفتاء یا قول سے تحقیق استفسار کیا ہے:

(الف) میں ایک لڑکے سے محبت کرتی ہوں میری عمر تقریباً بائیس سال (۲۲) ہے لڑکے کی عمر بھی تقریباً بائیس (۲۲) سال ہے ایک دن میں نے لڑکے سے کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیجیں آکر رشتہ کی بات کریں۔ لڑکے نے اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیجا جب رشتہ کی بات ہوئی تو میرے گھر والوں نے کہا کہ آپ کے لڑکے میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن ہم غیر ہوں میں رشتے نہیں کرتے لڑکا اپنے گھر آگیا پھر کچھ عرصے بعد میں لڑکے والوں نے گھر بھیجا اور کہا کہ میں اس کو اپنا مشہور عاقل بچوں تمیز عاقلہ بالغہ سمجھتا ہوں اور ایک عاقل مرد کے سامنے لڑکے نے کہا کہ میں اس کو اپنی بیوی تسلیم کرتا ہوں۔

پھر عرصے بعد میں نے بہشتی زیور دیکھی جس میں لکھا تھا اگر کسی نے دو گواہوں کی موجودگی میں یہ کہا کہ یہ میرا شوہر ہے یا یہ میری بیوی ہے اور دوسرے نے قبول کر لیا تو نکاح ہو جاتا ہے پھر عرصے بعد میں نے اپنے دو بالغ عاقل بچوں اور والد اور ماں کے سامنے کہا کہ یہ میرا شوہر ہے تو اس پر میرے گھر والوں نے اشتعال کیا اور کہا کہ جانا چاہتی ہو جاؤ ہم آپ کو نہیں رکھیں گے پھر عرصے بعد میں لڑکے والے اور ہم نے پھر بیٹھ کر ایک مجلس میں لڑکے والد صاحب کو کہا کہ میری شادی اس لڑکے سے کر دیں تو میرے

Marfat.com

والد نے مجھ پر تشدد کیا، میرے دادا نے کہا کہ آپ اپنے باپ کے سامنے کہو کہ وہ لڑکا میرا شوہر ہے تو میں نے اپنے گھر والوں اور دادا کے سامنے کہا کہ ہاں وہ میرا شوہر ہے اور میں نے کہا کہ ابو قرآن کا واسطہ ہے آپ کو میری شادی اس لڑکے سے کر دیں تو میرے باپ نے مجھ پر بہت تشدد کیا۔

میں نے ان کو جب یہ کہا کہ مولانا حکیم الامت تھانوی صاحب کی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نہیں مانتا اس مولانا کو اور قرآن کو اور پھر کہا کہ اگر ایسے نکاح ہو جاتا ہے تو پھر قاضی کیوں بیٹھے ہیں؟ میری والدہ نے کہا کہ اگر ایسے نکاح ہو سکتا ہے تو طلاق بھی ہو سکتی ہے میں نے کہا کہ وہ مجھے طلاق نہیں دیں گے، میری والدہ نے کہا کہ اگر وہ تمہارا شوہر ہے تو پھر حق مہر کہاں ہے میں نے کہا کہ وہ میں نے لڑکے کو معاف کیا۔ اس پر میرے والد نے کہا کہ یہ جانا چاہتی ہے تو جانے دو "اس کو جوتا اور برقعہ نہیں"۔ بعد میں میں اس کو، لڑکے کو، لڑکے کے گھر والوں کو قتل کر دوں گا اور خود جیل چلا جاؤں گا۔

اس کے بعد میرے باپ نے میرے تایا اور خالو کو بلایا اور سارا قصہ بتایا تو اس پر میرے تایا اور خالو نے تشدد کیا اور کہا کہ ہم آپ کی شادی کر دیں گے لیکن ایک شرط پر، وہ یہ کہ اگر یہ شہر چھوڑ دو۔ میں نے کہا آپ بات کریں ان شاء اللہ چھوڑ دیں گے، لیکن انہوں نے ان سے بات نہ کی۔ پھر مجھے کہا کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے نواب شاہ چلی جاؤ، پھر جہاں آپ کہو گی آپ کی شادی کر دیں گے۔ میں چلی گئی، چار دن کے بعد مجھے واپس لے آئے لیکن میری شادی نہیں کی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

(ب) ۱۔ کیا لڑکی والدین کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

۲۔ کیا لڑکی دو گواہوں کی موجودگی میں کسی مرد کو اپنا شوہر تسلیم کر سکتی ہے یا نہیں؟

۳۔ کیا وہ لڑکی اپنے شوہر کو حق مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟

۴۔ کیا لڑکی کے حق مہر معاف کرنے کی صورت میں لڑکی کے والدین حق مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا لڑکی سے طلب کریں یا لڑکے سے؟

۵۔ لڑکی اور لڑکے نے جو ہمبستری کی ہے جائز ہے یا ناجائز؟

۶۔ لڑکی نے اپنے والدین کے سامنے لڑکے کو شوہر تسلیم کیا ہے اور لڑکے نے بھی، کیا یہ دونوں آپس میں میاں بیوی ہوں گے یا نہیں؟

۷۔ لڑکی کے والد کا لڑکی کو قتل کرنا یا تشدد کرنا اور تایا، خالو کا تشدد کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۸۔ کیا لڑکی لڑکے کا قاضی کے سامنے کیا گیا ایجاب وقبول نکاح شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے بارے میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ یہ زندگی کا انتہائی نازک معاملہ ہے اس میں قدم بہت سوچ سمجھ کر رکھنا ضروری

Marfat.com

ہے۔اس میں تمام متعلقہ فریقوں کی رضا شامل ہوتا کہ بعد میں کوئی لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہو،اسی لئے احادیث میں ایک طرف تو ولی کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کرتے وقت اس کی مرضی کو پیش نظر رکھے اس کی مرضی ومنشا کے بغیر نکاح نہ کرے،دوسری طرف لڑکی کو یہ کہا گیا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس کو ولی نامناسب سمجھتا ہو۔ولی کی رائے کا لحاظ رکھنا چاہیئے کیونکہ اس کی رائے عورت کی رائے سے وزنی ہے دونوں کی رضا جمع ہونے سے بہت سارے فتنوں کا سدباب ہوجاتا ہے لہذا اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ لڑکی اپنے نکاح کے معاملہ کو ولی کے سپرد کردے،علاوہ ازیں لڑکی خود ایجاب وقبول کرے تو اس میں بے حجابی اور بے باکی بھی ہے،بہرحال چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) اگر لڑکی شرعی طریقے سے بذات خود ایجاب وقبول کرکے نکاح کرے تو باوجود ولی یا دوسرے رشتہ دار کی عدم موجودگی میں وہ نکاح شرعاً صحیح ہوجاتا ہے جبکہ نکاح کفو میں ہو،اور دو گواہوں کی موجودگی میں کیا جائے۔

(۲) لڑکی اگر دو گواہوں کی موجودگی میں یہ کہے کہ میں اس کو اپنا شوہر مانتی ہوں اور لڑکا یہ کہے کہ میں اس کو اپنی بیوی تسلیم کرتا ہوں تو اس سے نکاح منعقد ہوگا۔

(۳،۴) لڑکی اپنے شوہر کو حق مہر معاف کرسکتی ہے اور معاف کرنے کی صورت میں والدین کو مطالبے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

(۵) صورت مسئولہ میں چونکہ مذکورہ الفاظ سے نکاح منعقد ہوتا ہے (بشرطیکہ شرعی گواہ موجود ہوں اور کفو میں نکاح کیا ہو) لہٰذا اس کے بعد کی گئی ہمبستری جائز ہوگی۔

(۷) لڑکی کے والد کا لڑکی کو قتل کرنا یا اس پر تشدد کرنا اور اسی طرح تایا،خالو وغیرہ کا تشدد کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸) قاضی کے ہونے یا نہ ہونے سے نکاح کے انعقاد پر اثر نہیں پڑتا بلکہ نکاح کے منعقد ہونے کیلئے گواہوں (دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں) کی موجودگی میں ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے۔

لمافی صحیح البخاری (۱۰۱۶/۲):عن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يحل دم امرئ مسلم، يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمفارق لدينه التارك للجماعة"۔

وفی الصحیح لمسلم (۴۵۵/۱):عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلى الله عليه وسلم قال:الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن فی نفسها وإذنها صماتها۔

وفی مشکوۃالمصابیح(ص۲۷۰):وعن عائشة رضی الله عنهاأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له"۔

وفی مرقاۃ المفاتیح (۲۷۱/۶):فنكاحها باطل فهو معارض لحديث الايم أحق بنفسها من وليها

Marfat.com

فخص بمن نكحت غير الكفؤ۔

وفی الدرالمختار (۵۷/۳): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى۔

وفی الشامية تحته: قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل ولو أحسن الولي وعدل القاضي فقد يترك أنفة للتردد على أبواب الحكام واستثقالا لنفس الخصومات فيتقرر الضرر فكان منعه دفعا له فتح۔

(۱۰۰) ایک شخص کا لڑکی کے والدین کو گواہ بنا کر نکاح کرنا کیسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مولوی صاحب ایک لڑکی کا نکاح اپنے ساتھ اس کے والدین کے سامنے [یعنی والدین کو گواہ بنا کر] ایجاب وقبول کرتے ہیں، کیا اس صورت میں ان کا نکاح ہو جائے گا؟ دلائل سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت نکاح کیلئے دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں بطورِ گواہ موجود ہونا ضروری ہیں جبکہ مذکورہ مسئلہ میں صرف ایک مرد اور ایک عورت ہے لہٰذا نکاح صحیح نہیں ہوا۔

لمافی مشكوة المصابيح (ص۲۷۱): وعن ابن عباس رضى الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة"۔

وفی الهندية (۲۶۷/۱): ومنها الشهادة قال عامة العلماء إنها شرط جواز النكاح هكذا في البدائع وشرط في الشاهد أربعة أمور الحرية والعقل والبلوغ والإسلام فلا ينعقد بحضرة العبيد --- ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد هكذا في البدائع ولا يشترط وصف الذكورة حتى ينعقد بحضور رجل وامرأتين كذا في الهداية ولا ينعقد بشهادة المرأتين۔

وفی الدر المختار (۲۱/۳): (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا) على الأصح۔

Marfat.com

(۱۰۱) بغیر زبان سے کچھ بولے صرف دستخط کر دینے سے نکاح کا حکم

سؤال

اگر نکاح خواں نے لڑکی اور لڑکے سامنے عربی میں کچھ عبارت پڑھی اور لڑکی، لڑکے سے صرف دستخط کرائے ہوں، زبان سے کچھ نہ کہلوایا ہو تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ واضح رہے کہ دلی طور پر لڑکا، لڑکی نکاح کرنے پر راضی بھی ہیں۔ براہ کرم مدلل جواب عنایت فرما کر مشکور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عقد نکاح میں ایجاب وقبول رکن ہے اور گواہوں کا عقد نکاح کرنے والوں کے کلام کو سننا شرط ہے اس کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر ایک گواہ عقد کرنے والوں میں سے ایک کے ایجاب کو سن لے اور دوسرا گواہ دوسرے عاقد کے قبول کو سن لے تو بھی نکاح درست نہیں ہوتا، اسی طرح عاقدین کیلئے بھی ایک دوسرے کے کلام کو سننا شرط ہے، چنانچہ ایجاب وقبول دونوں کتابت کے ذریعے ہوں تو نکاح درست نہیں ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر نکاح خواں نے لڑکے اور لڑکی سے صرف دستخط کرائے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہلوایا ہے تو [اگرچہ یہ دونوں دل میں راضی ہیں] لیکن شرط اور رکن کے فوت ہونے کے بناء پر مذکورہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔

لمافی الهندية(۱/۲۷۰): ولا ينعقد بالكتابة من الحاضرين فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد هكذا في النهر الفائق۔

وفی الدرالمختار(۳/۱۲): (فلا ينعقد) بقبول بالفعل كقبض مهر ولا بتعاط ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب۔

وفی الشامية تحته: مطلب التزوج بإرسال كتاب قوله (ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر والأظهر أن يقول فقالت قبلت الخ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبة تأمل۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۹/۶۵۳۱): إن كان العاقدان حاضرين معاً في مجلس العقد وكانا قادرين على النطق فلا يصح بالاتفاق الزواج بينهما بالكتابة أو الإشارة۔

Marfat.com

(۱۰۲) کیا لڑکی سے اجازت لیتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کے صحیح ہونے کیلئے جن دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ مجلس نکاح کے ساتھ خاص ہے، یا لڑکی سے اجازت لیتے وقت بھی ان دو گواہوں کا، یا ان کے علاوہ دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری اور شرط ہے؟ نیز نکاح میں خواتین گواہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دو گواہوں کا عقد نکاح (ایجاب وقبول) کے وقت موجود ہونا ضروری ہے۔

لڑکی سے اجازت لیتے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری یا شرط نہیں نیز نکاح میں صرف خواتین گواہ نہیں بن سکتیں، گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۸۲): وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى.....الآية۔

وفی الشامیة(۲۲،۲۱/۳): قوله (وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته۔

وفيه أيضا(۲۲/۳):قوله (أو حر وحرتين) كذا في الكنز وقد نسيه المصنف فذكره الشارح لدفع إيهام اختصاص الذكورة في شهادة النكاح كما نبه عليه الخير الرملي۔

(۱۰۳) بغیر گواہوں کے نکاح باطل ہے یا فاسد؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہوتا ہے یا باطل؟ اگر کوئی عورت بغیر گواہوں کے نکاح کرے اور بعد میں یہ سمجھ لے کہ گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا وہ اس شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسرے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب

گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں عورت کو دوسرے مرد سے نکاح کرنے درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔شوہر عورت کو قولا ایسے الفاظ کہے جو متارکت [چھوڑنے] پر دلالت کرتے ہوں جیسے میں نے تجھے چھوڑا، یا میں نے اسے چھوڑ دیا، یا میں نے تمہارا راستہ خالی کر دیا وغیرہ، یا مرد اور عورت میں سے کوئی بھی اس نکاح کو فسخ کر دے جیسے میں یہ نکاح فسخ کرتا ہوں یا کرتی ہوں وغیرہ، یا قاضی، شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دے۔

۲۔دوسری شرط یہ ہے کہ اگر نکاح فاسد کے بعد وطی ہو چکی ہو تو جب میاں بیوی کے درمیان تفریق واقع ہو (چاہے قاضی کرے یا شوہر خود چھوڑ دے یا فسخ واقع ہو جائے) اس دن سے عورت عدت گزارے گی عدت کے اختتام کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے البتہ اگر نکاح فاسد میں وطی نہیں ہوئی تو پھر کوئی عدت نہیں، تفریق کے فورا بعد دوسری جگہ نکاح کیا جا سکتا ہے۔

لما فی الهندية(۱/۳۳۰): الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: إذا وقع النكاح فاسدا فرق القاضي بين الزوج والمرأة فإن لم يكن دخل بها فلا مهر لها ولا عدة وإن كان قد دخل بها فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر مثلها۔۔۔وتجب العدة ويعتبر الجماع في القبل حتى يصير مستوفيا للمعقود عليه ۔۔۔ والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة أما لو أنكر وقال أيضا اذهبي وتزوجي كان متاركة لكن لا ينتقص من عدد الطلاق وبعدم مجيء أحدهما إلى الآخر بعد الدخول لا تحصل المتاركة وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا تتحقق إلا بالقول ولكل فسخه بغير محضر صاحبه وبعده لا إلا بمحضر صاحبه كذا في الوجيز للكردري وعلم غير المتارك شرط لصحة المتاركة هو الصحيح حتى لو لم يعلمها لا تنقضي عدتها كذا في القنية والصحيح أن علمها بالمتاركة لا يشترط في الطلاق وعدة الوفاة لا تجب في النكاح الفاسد۔

وفی الدرالمختار(۳/۱۳۱): (ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود (بالوطء) في القبل۔۔۔ (و) يثبت (لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أو لا)في الأصح خروجا عن المعصية فلا ينافي وجوبه بل يجب على القاضي التفريق بينهما (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق لا للموت (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج۔

وفی الشامية (۳/۱۳۳): قوله (أو متاركة الزوج) في البزازية المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا

Marfat.com

تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة۔

(۱۰۴) عورت کا پردے کے پیچھے سے نکاح قبول کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرد وعورت نکاح کرنا چاہتے تھے لہٰذا مرد اپنے ساتھ دو گواہ لایا اور ایجاب وقبول کیا۔ اس کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ مرد اور دونوں گواہ پردہ کے پیچھے کھڑے ہوئے مرد نے ایجاب اور عورت نے پردہ کے پیچھے سے قبول کیا گواہوں نے عورت کی صرف آواز سنی ہے اس کو پہچانتے نہیں ہیں تو اس صورت میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر عورت گواہوں کے سامنے برقعہ پہن کر موجود ہے تو اس صورت میں صرف اس عورت کی طرف اشارہ کافی ہو جائے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ عورت کے چہرہ سے نقاب ہٹا دیا جائے تا کہ گواہوں کو پہچان ہو جائے البتہ اگر عورت پردے کے پیچھے ہے تو دیکھا جائے گا کہ عورت اکیلی ہے یا اس کے ساتھ دوسری عورت بھی ہے اگر تنہا عورت ہے تو اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا اگر دوسری عورت اس کے ساتھ موجود ہے تو نکاح درست نہیں ہوگا جب تک منکوحہ گواہوں کے سامنے آجائے تا کہ گواہ منکوحہ کو پہچان لیں۔

لمافی الهندية (۲۶۸/۱): وفي فتاوى أبي الليث رجل قال لقوم اشهدوا أني تزوجت هذه المرأة التي في هذا البيت فقالت المرأة قبلت فسمع الشهود مقالتها ولم يروا شخصها فإن كانت في البيت وحدها جاز النكاح وإن كانت في البيت معها أخرى لا يجوز۔

وفی الشامية (۲۱/۳): تنبيه أشار بقوله فيما مر ولا المنكوحة مجهولة إلى ما ذكره في البحر هنا بقوله ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة فإن كانت حاضرة منتقبة كفى الإشارة إليها والاحتياط كشف وجهها فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت إن كانت وحدها فيه جاز ولو معها أخرى فلا لعدم زوال الجهالة وكذا إذا وكلت بالتزويج فهو على هذا اهـ۔ والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وإن كانت معروفة عند الشهود على قول ابن الفضل وعلى قول غيره يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلا فلا۔

Marfat.com

رسالة

الخنثی وأحکامه للشهادة فی الشریعة الإسلامیة

نکاح میں خنثیٰ کی گواہی اور دیگر تفصیلات کا بیان

(۱۰۷) خنثیٰ کے گواہ یا قاضی بننے کے احکام

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں جامعہ عربیہ کا فاضل ہوں اور آج کل ایک مدرسے میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔ میرے ذہن میں ایک اشکال تھا آپ حضرات سے دریافت کررہا ہوں۔ اشکال یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت گواہ ہجڑے ہوں یا قاضی ہجڑا ہوتو کیا نکاح ہوجائے گا؟ کیونکہ آج کل جب گھروں میں نکاح ہوتا ہے تو قریب ہجڑے میراثی بھی پہنچے ہوتے ہیں۔ اگر بوقت نکاح مثلاً فقط ایک گواہ ہوتو یہ ہجڑا دوسرا گواہ بن جائے گا؟ یا ہجڑے قاضی کا پڑھایا نکاح منعقد ہوجاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) کسی بھی شخص کے گواہ بننے کیلئے اس میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: عاقل ہو، بینا ہو، جس چیز پر گواہ بن رہا ہے اس کا خود معاینہ کیا ہو۔ ہجڑا ہونا گواہ بننے کیلئے مانع نہیں۔

(۲) دوسرا یہ ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ حقیقتاً ہجڑا کون ہے؟ ہجڑا دراصل وہ ہے جس کے خلقۃً دونوں (مرد اور عورت کے) اعضاء ہوں اسے عربی اصطلاح میں خنثیٰ کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کا مردوالا آلہ استعمال ہوتا ہو اور وہی غالب ہوتو ایسے خنثیٰ پر مرد کے احکام جاری ہوتے ہیں، اور اگر اس کی عورت والی شرمگاہ سے حیض وغیرہ آتا ہو اور عورتوں والی علامات غالب ہوں تو وہ خنثیٰ عورت شمار ہوگا اور اس پر عورتوں والے تمام احکام جاری ہوں گے لہٰذا خنثیٰ اگر مرد ہوتو ایسے دو خنثیٰ کی شہادت سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور اگر خنثیٰ عورت ہوتو پھر ایسے دو خنثیٰ کے ساتھ ایک مرد کا ہونا نکاح کی صحت کیلئے ضروری ہوگا البتہ اگر خنثیٰ کے دونوں قسم کے

Marfat.com

اعضاء یکساں عمل کرتے ہوں اور کوئی ایک قسم کی علامت غالب نہ ہوتو ایسا خنثیٰ مشکل ہوتا ہے، شہادت کے سلسلے میں اس کا حکم احتیاطاً عورت کا ہے لہٰذا صرف دو خنثیٰ مشکل کی گواہی سے نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ ان کے ساتھ ایک مرد کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

(۳) تیسری بات یہ ملحوظ رہے کہ آج کل ہمارے شہروں میں معروف ہیجڑے دراصل خنثیٰ نہیں۔ ان کے خلقۃً دونوں قسم کے آلات نہیں ہوتے بلکہ یہ حقیقتاً مرد ہی ہوتے ہیں اور ان کے پاس صرف مرد کا آلہ ہوتا ہے البتہ مصنوعی عمل سے گزر کر یہ اپنے آپ کو ہیجڑا بناتے ہیں، اس مصنوعی عمل کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی بڑے آپریشن کے ذریعے مصنوعی طور پر مرد کو عورت بنا دیا جائے یا اس میں عورت کی شرمگاہ کا اضافہ کر دیا جائے اگر کسی شخص پر ایسا عمل ہو جائے تو پھر اس کی جو صلاحیت غالب ہوگی اس کے مطابق اس پر مرد یا عورت ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

مصنوعی ہیجڑا بننے کی دوسری صورت (جو کہ آج کل عام ہے وہ) یہ ہے کہ اپنی مردانہ صلاحیت کو ختم کرالیا جاتا ہے مثلاً خصی بن گیا یا آلہ تناسل کٹوالیا اور چہرے پر ہیجڑوں والی ہیئت بنالی، ایسا شخص ہیجڑا نہیں بلکہ مرد ہے اور اس پر مرد کے احکام ہی جاری ہوں گے کیونکہ اپنی مردانہ صلاحیت ختم کرانے سے اس پر عورت کے احکام جاری نہیں کئے جاسکتے۔

نیز ان معروف ہیجڑوں میں بعض مخنث (بتکلف عورت کی حرکات کرنے والے) بھی ہوتے ہیں یعنی وہ کسی بھی مصنوعی عمل سے نہیں گزرتے بلکہ صرف عورتوں جیسی حرکتیں اور عادات اختیار کر لیتے ہیں ایسا شخص تو ظاہر ہے مرد ہی ہے لہٰذا اس پر مرد کے احکام ہی جاری ہوں گے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر فطرتاً ہی کسی کو عورت جیسی حرکات وسکنات کی عادت ہو تو حرج نہیں لیکن اپنے اختیار سے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا حرام اور گناہ ہے چنانچہ اس سے احتراز لازم ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بوقتِ نکاح ایک گواہ مرد ہو، اور دوسرا خنثیٰ تو دیکھ لیا جائے کہ وہ خنثیٰ حقیقی یعنی خلقۃً خنثیٰ ہے اور اس پر کون سی علامات غالب ہیں، اگر مرد والی غالب ہیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر عورت والی غالب ہیں تو پھر نصابِ شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور اگر وہ خنثیٰ مصنوعی ہیجڑا ہے تو اگر آپریشن سے اسے باقاعدہ خنثیٰ بنایا گیا ہو تو اس میں بھی علامات کا لحاظ کر لیا جائے جو علامات غالب ہوں وہ احکام جاری ہوں گے اور اگر اس خنثیٰ کو صرف مردانہ صلاحیت ختم کر کے ہیجڑا بنایا گیا ہو تو وہ حقیقتاً مرد ہی ہے اور اس کی موجودگی میں [جبکہ ایک اور مرد اس کے ساتھ موجود ہو] نکاح منعقد ہو جائے گا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی مخنث (بتکلف عورتوں جیسی حرکات کرنے والے) یا مصنوعی ہیجڑے کی موجودگی میں نکاح کا انعقاد فقط صحتِ نکاح کی حد تک ہے، یہ لوگ درحقیقت فاسق اور دیانت وعدالت کے درجے سے ساقط ہیں لیکن عدالت گواہ بننے کے لئے شرط نہیں بلکہ گواہ بننے کی جو تین شرائط تھیں وہ ذکر کر دی گئیں، بہتر بہرحال یہی ہے کہ گواہ عادل اور باشرع انسان کو بنایا جائے کیونکہ فاسق قضاءً اداء شہادت کا اہل نہیں اس لئے اگر کبھی عدالت میں نکاح کے بارے میں گواہی دینی پڑ گئی تو ان مخنث اور مصنوعی

Marfat.com

ہجڑوں کی گواہی سے نکاح کا ثبوت نہ ہو سکے گا۔

لمافی الهداية (۱۶۹/۳): قال ولا تقبل شهادة مخنث ومراده المخنث في الرديء من الأفعال لأنه فاسق فأما الذي في كلامه لين وفي أعضائه تكسر فهو مقبول الشهادة۔

وفی بدائع الصنائع (۵/۹):فصل وأما الشرائط في الأصل فنوعان نوع هو شرط تحمل الشهادة ونوع هو شرط أداء الشهادة أما الأول فثلاثة أحدها أن يكون عاقلا وقت التحمل فلا يصح التحمل من المجنون والصبي الذي لا يعقل لأن تحمل الشهادة عبارة عن فهم الحادثة وضبطها ولا يحصل ذلك إلا بآلة الفهم والضبط وهي العقل، والثاني أن يكون بصيرا وقت التحمل ۔۔۔ وأما البلوغ والحرية والإسلام والعدالة فليست من شرائط التحمل بل من شرائط الأداء حتى لو كان وقت التحمل صبيا عاقلا أو عبدا أو كافرا أو فاسقا ثم بلغ الصبي وعتق العبد وأسلم الكافر وتاب الفاسق فشهدوا عند القاضي تقبل شهادتهم ۔۔۔ الثالث أن يكون التحمل بمعاينة المشهود به بنفسه لا بغيره إلا في أشياء مخصوصة يصح التحمل فيها بالتسامع من الناس۔

وفی الدرالمختار(۴۷۴/۵): (وخنثى) كأنثى لو مشكلا وإلا فلا إشكال۔

وفی الرد تحته: (قوله: كانثى) فيقبل فی رجل وامرأة فی غير حدوقود۔

وفی الموسوعةالفقهية(۲۸/۲۰):الخنثى:ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الخنثى كالأنثى فی الشهادة فتقبل شهادته مع رجل وامرأة فی غير حدو قود و يعد فی شهادته امرأة۔

Marfat.com

(۱۰۸) گواہ عیسائی ہونے کی صورت میں نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف کورٹ میں شادی کی تھی اور رخصتی سے پہلے ہی مجھ پر گھر والوں کی طرف سے بہت دباؤ ڈالا گیا اور مجھے طلاق دینے پر مجبور کر دیا گیا، اب جب کہ وکیل کو نکاح نامہ دکھایا گیا تو اس نے واضح کیا کہ چونکہ نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی کیا حیثیت !!! نکاح نامہ میں گواہ نمبر ۲ غیر مسلم عیسائی ہے اور کوئی وکیل بھی نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح نہیں ہوا تو کیا میں دوبارہ سے دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرسکتا ہوں؟ برائے مہربانی شریعت کی رو سے مجھے اس مسئلے کے متعلق فتویٰ عنایت فرما کر اس الجھن سے نجات دلائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

طلاق کے وقوع کیلئے نکاح کا ہونا ضروری ہے کہ نکاح شرعاً منعقد ہو چکا ہو، اس کے بعد طلاق واقع ہوسکتی ہے۔ نکاح شرعی کے انعقاد کیلئے دو مسلمان عاقل بالغ گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے ان کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ مجلس میں موجود ہر مسلمان شخص ازخود ہی گواہ بن جاتا ہے، نکاح نامے پر اس کا نام وغیرہ لکھنا ضروری نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً ایجاب وقبول کے وقت ان دو گواہوں کے علاوہ کوئی اور مسلمان وہاں موجود نہیں تھا، تو اس میں ایک گواہ چونکہ عیسائی ہے، اس کی شہادت کا مسلمانوں کے نکاح میں اعتبار نہیں تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، لہٰذا اس کے بعد دی جانے والی طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ اس صورت میں اب آپ شرعی طریقے کے مطابق دو مسلمان عاقل بالغ گواہوں کی موجودگی میں اس لڑکی سے نکاح کرسکتے ہیں لیکن اگر وہاں کوئی اور مسلمان موجود تھا اور آپ اس لڑکی کے کفوء (دین، مال، نسب، پیشہ وغیرہ کے اعتبار سے برابر) ہوں تو پھر آپ کا نکاح منعقد ہوگیا اور اس کے بعد یکبارگی تین طلاق دینے سے وہ مغلظہ ہوگئی اس صورت میں بغیر حلالہ شرعی کے آپ کیلئے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۸۲):وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرٰى...الآية۔

وفی اعلاء السنن (۲۵/۱۱): عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ :"لانکاح الا بولی وشاهدی عدل وما کان من نکاح علی غیر ذلك فهو باطل"

وقال فی شرحه: ولو حملنا المطلق علی المقید فالمراد بالعدالة الإسلام فلا یجوز نکاح المسلمة

Marfat.com

بشهادة الكفار۔

وفی الدر المختار (۴۰۹/۳): (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذكما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول وما في المشكلات باطل أو مؤول كما مر (حتى يطأها غيره)۔

وفی الرد تحته: قوله (من نكاح صحيح نافذ) احترز بالصحيح عن الفاسد وهو ما عدم بعض شروط الصحة ككونه بغير شهود فإنه لا حكم قبل الوطء وبعده يجب مهر المثل والطلاق فيه لا ينقص عددا لأنه متاركة فلو طلقها ثلاثا لا يقع شيء وله تزوجها بلا محلل۔

(۱۰۹) کیا اہل کتاب سے نکاح کیلئے گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک بزرگ دوست کو سیر وسیاحت کا بڑا شوق ہے، وہ پورے پاکستان کے دورے پر نکلے پنجاب کے آخری علاقوں میں سیاحت کر رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا، وہاں ان کا ایک عیسائی دوست رہتا تھا جس کے گھر ہمارے دوست ہاشم صاحب مقیم تھے۔ رات کو وہ عیسائی بہت زیادہ بیمار ہوگیا قریب تھا کہ مرجائے اس نے ہاشم کو بلا کر کہا کہ میری زندگی کے دن ختم ہورہے ہیں معلوم نہیں صبح کا سورج دیکھوں۔ میری ایک بیٹی ہے، میرے بعد اس کا کوئی پرسان حال نہیں، آپ اس سے نکاح کرلیں تاکہ میں مطمئن ہوکر مروں اور اس نے اپنی بیٹی کو بلایا اور فٹافٹ نکاح ہوگیا لیکن مسئلہ یہ بن گیا کہ ہاشم صاحب تو عاقد تھے ایک اور مسلمان دوست ان کا سیاحت پر ساتھ تھا وہ ایک گواہ اور دوسرا گواہ وہ مرگ الموت میں عیسائی باپ تھا ہاشم صاحب نے تو لڑکی کو اپنی بیوی تسلیم کرلیا لیکن جب مجھے بتایا تو میں نے کہا نکاح تو مسلمان گواہوں کے بغیر نہیں ہوتا یہ تو آپ نے غلط کیا۔ اس پر وہ نادم ہوئے نیز وہ بڈھا تو تھا بھی مرگ الموت میں، مفتی صاحب دونوں باتوں کا جواب دے دیں کہ ایک گواہ عیسائی ہو یا مرگ الموت میں ہو تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں زوجین مسلمان ہوں تو گواہوں کا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے کیونکہ کفار، مسلمانوں کے خلاف نہ گواہی دے سکتے ہیں اور نہ ان کو مسلمانوں پر ولایت حاصل ہے اگرچہ مسلمان، کافر کے فروع میں سے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ مسلمان بیٹی پر کافر باپ کو ولایت حاصل نہیں ہے۔

نکاح میں زوج مسلمان ہو اور زوجہ ذمی (یعنی اہل کتاب میں سے جو مسلمانوں کے ملک میں جزیہ دے کر رہتے ہیں) ہو تو

Marfat.com

دونوں گواہ ذمی ہی کیوں نہ ہوں نکاح منعقد ہوجاتا ہے، البتہ انکار نکاح کے وقت قضاء مسلمان مرد کے خلاف ذمی گواہوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔

تحمل شہادت کے لئے گواہ کا صحتمند ہونا ضروری نہیں ہے، اگر گواہ عاقل ہو (یعنی سمجھ بوجھ رکھتا ہو) بصیر ہو (یعنی اندھا نہ ہو) تو عقد نکاح میں اس کی گواہی معتبر ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نکاح منعقد ہوگیا ہے۔

لمافی البحرالرائق (۱۶۰/۳) کتاب النکاح (رشیدیه): قوله (وصح تزوج مسلم ذمية عند ذميين) بيان لكون اشتراط إسلام الشاهد إنما هو إذا كانا مسلمين أما إذا كانت ذمية فلا عندهما --- ولهما أن الشهادة شرطت في النكاح على اعتبار إثبات الملك لوروده على محل ذي خطر لا على اعتبار وجوب المهر۔

(۱۱۰) فاسق کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک لڑکے کی شادی ہوئی لڑکے کی طرف سے جن دو گواہوں نے گواہی دی ان میں سے ایک تو کچھ اچھا آدمی ہے لیکن دوسرا عادی مجرم ہے اور ضمانت پر جیل سے رہا ہوکر آیا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اَولا یہ بات یاد رہے کہ نکاح ایک طرح سے عبادت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ نیک وصالح گواہ بنائے جائیں اور مجمعِ عام مسجد وغیرہ میں صلحاء اور اتقیاء کے درمیان کیا جائے البتہ اگر کسی مجرم یا فاسق وفاجر انسان کو گواہ بنالیا گیا تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد ہوگیا ہے۔

لما فی الهندية (۲۶۷/۱): ويصح بشهادة الفاسقين والأعميين كذا في فتاوى قاضيخان وكذا بشهادة المحدودين في القذف وإن لم يتوبا كذا في البحر الرائق۔

وفی الشامية (۴۳/۳): قوله (ولو فاسقين الخ) اعلم أن النكاح له حكمان حكم الانعقاد وحكم الإظهار فالأول ما ذكره والثاني إنما يكون عند التجاحد فلا يقبل في الإظهار إلا شهادة من تقبل شهادته في سائر الأحكام كما في شرح الطحاوي فلذا انعقد بحضور الفاسقين والأعميين والمحدودين في قذف وإن لم يتوبا وابني العاقدين وإن لم يقبل أداؤهم عند

Marfat.com

القاضي كانعقاده بحضرة العدوين۔

(۱۱۱) بغیر گواہوں کے ہونے والے نکاح کا بعد میں مشہور ہونا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ایک عورت کے ساتھ دو عورتوں کی موجودگی میں نکاح کرلیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ گواہ شرعی اعتبار سے معتبر نہیں تھے البتہ اب سب لوگوں کو پتہ چل گیا ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ کیا ایسی صورت میں یہ نکاح درست نہیں ہوگا؟ دونوں کو الگ کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مذکورہ میں دو عورتوں کی موجودگی میں کیا گیا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اگرچہ بعد میں لوگوں کی بڑی تعداد کو اس کا علم بھی ہوگیا ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ انعقاد نکاح کیلئے شرعی شہادت یعنی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی شرط ہے جو کہ یہاں مفقود ہے اس لئے جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ شرعی اعتبار سے نکاح درست نہیں تو دوبارہ عقد نکاح ضروری ہے۔ اسی عقد پر میاں بیوی کو برقرار رکھنا جائز نہیں، لہٰذا شرعی گواہوں کی موجودگی مین دوبارہ عقد نکاح کیا جائے۔

لمافی الهندية (۲۶۷/۳،۲۶۸): ولا ينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل وكذا الخنثيين إذا لم يكن معهما رجل هكذا في فتاوى قاضي خان ومنها سماء الشاهدين كلامهما معا هكذا في فتح القدير۔

وفی الدرالمختار (۲۱/۳،۲۲): (و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح۔

وفی الرد تحته: وخرج بقوله معا ما لو سمعا متفرقين بأن حضر أحدهما العقد ثم غاب وأعيد بحضرة الآخر أو سمع أحدهما فقط العقد فأعيد فسمعه الآخر دون الأول أو سمع أحدهما الإيجاب والآخر القبول ثم أعيد فسمع كل وحده ما لم يسمعه أولا لأن في هذه الصورة وجد عقدان لم يحضر كل واحد منهما شاهدان كما في شرح النقاية قوله (على الأصح) راجع لقوله سامعين وقوله معا ومقابل الأول القول بالاكتفاء بمجرد حضورهما ومقابل الثاني ما عن أبي يوسف من أنه إن اتحد المجلس جاز استحسانا كما في الفتح۔

Marfat.com

(۱۱۲) وکیل کا پردے کے پیچھے سے قبول کرانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل لڑکی کا وکیل دلہن کو دیکھے بغیر اور بلا تحقیق صرف پردے کے پیچھے سے قبول کی آواز سن کر قاضی نکاح خواں کے پاس آکر شہادت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دلہن سے قبول کرا کے آواز سن کے آرہا ہوں قاضی اس شخص پر اعتماد کرتے ہوئے لڑکے سے نکاح پڑھا دیتا ہے کیا یہ وکالت معتبر ہے اور نکاح منعقد شمار ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اولا لڑکی کے وکیل کو چاہیئے کہ اجازت لیتے وقت دلہن کے کمرے میں غیر عورت کو نہ چھوڑے بلکہ تحقیقی طور پر دلہن کا کمرے میں تن تنہا ہونے کا علم ضروری ہے۔ بعض جگہ دلہن کے ساتھ ایک عورت موجود رہتی ہے اور اس کو ہدایت دیتی رہتی ہے جبکہ وکیل بار بار قبول کرواتا ہے اور دلہن شرم کی وجہ سے خاموش رہتی ہے اس وقت یہ عورت لڑکی کو "قبول ہے" کہنے کی ہدایت دیتی ہے۔ اس صورت میں عین ممکن ہے کہ وکیل نے اس غیر عورت کی آواز سن کر اسے دلہن کی آواز سمجھ لیا ہو لہٰذا یہ انتہائی قابل لحاظ امر ہے کہ غیر عورت دلہن کے پاس ہرگز موجود نہ رہے اگر لڑکی اکیلے ہو تو اس صورت میں وکالت درست ہوگی اور نکاح بھی درست ہو جائے گا اور اگر وکیل نے بلا تحقیق قبول کرایا ہے اس کو دلہن کی غیر دلہن سے پہچان نہ ہو اور یہ یقین بھی نہ ہو کہ میری سنی آواز دلہن کی ہے بلکہ حالت مشتبہ ہو تو یہ وکالت معتبر نہ ہوگی اور نہ ہی نکاح منعقد ہوگا۔

لما فی البحر الرائق (۸۴/۳): وفي الخانية لو وكلت امرأة رجلا بأن يزوجها فزوجها وغلط في اسم أبيها لا ينعقد النكاح إذا كانت غائبة۔

وفی الشامیة (۲۱/۳): أشار بقوله فيما مر ولا المنكوحة مجهولة إلى ما ذكره في البحر هنا بقوله ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة فإن كانت حاضرة منتقبة كفى الإشارة إليها والاحتياط كشف وجهها فإن لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت إن كانت وحدها فيه جاز ولو معها أخرى فلا لعدم زوال الجهالة وكذا إذا وكلت بالتزويج فهو على هذا ۔۔۔ لاحتمال أن الموكل المرأة الأخرى۔

Marfat.com

(۱۱۳) اگر دو مرد کسی ایک عورت سے نکاح پر گواہ پیش کر دیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید دعویٰ کر رہا ہے کہ حفصہ کا نکاح اس کے والد نے نابالغی کی حالت میں میرے ساتھ کر دیا تھا اور وہ گواہ بھی پیش کر رہا ہے اور حامد دعویٰ کر رہا ہے کہ حفصہ کے والد نے اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیا تھا حامد بھی گواہ پیش کر رہا ہے اب حفصہ کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور حفصہ بھی لاعلمی کا اظہار کر رہی ہے تو کس کا دعویٰ صحیح ہوگا اور حفصہ کس کی منکوحہ شمار ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب دو مرد کسی عورت سے نکاح کے دعویدار ہوں اور دونوں کے پاس گواہ بھی موجود ہوں تو کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ محل (عورت) اشتراک کے قابل نہیں، مگر یہ کہ خود عورت ہی کسی ایک کی بیوی ہونے کا اقرار کرے البتہ اگر مدعیان نے گواہی سمیت تاریخ کی نشاندہی بھی کی ہو تو جس مدعی کی تاریخ پہلے کی ہو اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا اور اگر دونوں کی تاریخ بھی ایک ہی ہو تو عورت کسی کی بھی بیوی شمار نہ ہوگی الا یہ کہ وہ ان میں سے ایک کے پاس رہتی ہو تو اسی کی بیوی شمار ہوگی لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر مدعیان میں سے کوئی ایک پرانی تاریخ کی نشاندہی کر دے یا عورت کا اپنے پاس ہونا ثابت کر دے تو مذکورہ عورت (حفصہ) اس کی بیوی سمجھی جائے گی، ورنہ بصورت دیگر دونوں میں سے کسی ایک کی بھی بیوی شمار نہ ہوگی۔

لمافی القدوری ،کتاب الدعویٰ (ص۲۲۷): وان ادعی کل واحد منهما نکاح امرءة واقاما البینة لم یقض بواحدة من البینتین، ویرجع الی تصدیق المرأة لاحدهما۔

وفی البحر الرائق(۲۳۵/۷): رجلان ادعیا نکاح امرأة واقاما البینة لایقضی لواحد منها، الا اذا أقرت المرأة لاحدهما وهذا اذا لم یؤرخا أوأرخاتاریخا واحدا وإن أرخا وتاریخ أحدهما أسبق فهو أولی وان کان تاریخهما سواء ولأحدهما ید فهی له۔

وفی الشامیة (۵۷۱/۵): قوله (إذا لم تکن الخ) أما إذا کانت في ید من کذبته أو دخل بها فهو أولی ولا یعتبر قولها لأن تمکنه من نقلها أو من الدخول بها دلیل علی سبق عقده إلا أن یقیم الآخر البینة أنه تزوجها قبل فیکون أولی لأن الصریح یفوق الدلالة۔

Marfat.com

(۱۱۴) غیر کی بیوی کو زبردستی گواہوں کے ذریعہ اپنی بیوی ثابت کرنے کا حکم

سوال

ہمارے گاؤں کے ظالم زمیندار نے ایک غریب ہاری (کسان) کی بیوی پر دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور دو گواہوں سے ثابت کر کے زبردستی اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ تمام گاؤں والوں کو حقیقت معلوم ہے لیکن کوئی بھی اس غریب کے حق میں گواہی دینے کو تیار نہیں۔ آیا اب یہ عورت اُس زمیندار کی بیوی بن گئی یا نہیں؟ نیز اس غریب کسان کو اپنی بیوی کو طلاق دے دینی چاہیئے یا کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ظالم زمیندار کا ایک غریب کسان کی بیوی پر جھوٹے گواہوں سے نکاح کا دعویٰ ثابت کرنا صحیح نہیں، یہ انتہائی قبیح فعل ہے، یہ عورت کسان کی بیوی اور اسی کے نکاح میں رہے گی۔ اگر زمیندار زبردستی لے گیا اور اس کے ساتھ ہمبستری کی تو اس صورت میں ساتھ رہنا حرام ہے اور ہمبستری زنا کے حکم میں ہے نیز اس عورت کے تمام تصرفات مثلاً طلاق وغیرہ بھی کسان کے ہاتھ میں ہوں گے لیکن اگر بیوی کی واپسی ناممکن ہو تو کسان کیلئے بہتر یہ ہے کہ اپنے اختیار سے ایک طلاق بائن دیدے تا کہ زمیندار کو فعل حرام سے بچالے اس صورت میں زمیندار پر عدتِ طلاق کے گزر جانے کے بعد تجدید نکاح ضروری ہوگا اور اگر بیوی دوبارہ واپس ہو جائے (طلاق یا موت کے بعد) تو یہ کسان دوبارہ نکاح جدید کرلے۔

لمافی سنن ابی داؤد(۱۴۸/۲): عن أم سلمة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إنما أنا بشر وإنکم تختصمون إلی ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجته من بعض فأقضی له علی نحو ما أسمع منه فمن قضیت له من حق أخیه بشیء فلا یأخذ منه شیئا فإنما أقطع له قطعة من النار۔

وفی کنز الدقائق (۲۸۱/۱): وینفذ القضاء بشهادة فی العقود والفسوخ ظاهراً وباطناً لافی الاملاك المرسلة۔

وفی الهندیة (۳۵۱/۳): وأجمعوا علی أن قضاء القاضي بالنکاح بشهادة الزور في معتدة الغیر ومنکوحته أنه لا ینفذ کذا في النهایة۔

و فی الدر المختار(۴۰۵/۵): (وینفذ القضاء بشهادة الزور ظاهرا وباطنا) حیث کان المحل قابلا والقاضي غیر عالم بزورهم (في العقود) کبیع ونکاح (والفسوخ) کإقالة وطلاق۔۔۔ (بخلاف

Marfat.com

اور مدعی شخص سخت گنہگار اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والے ہیں۔اس فعل شنیع پر توبہ واستغفار کریں۔عدالت چونکہ ظاہر کی پابند ہے اور ظاہرا جب دو عادل گواہ ایک نکاح پر (اگرچہ جھوٹے ہوں) گواہی دے رہے ہیں تو عدالت نکاح کے اثبات کا حکم لگائے گی لیکن یہ حکم فقط ظاہر کی حد تک ہوگا، باطنا نکاح منعقد نہ ہوگا۔یعنی فیما بینہ وبین اللہ اس نکاح کی کوئی حقیقت نہیں نیز ہمبستری کرنا بھی قطعا جائز نہیں۔ طنا یہ نکاح غیر منعقد اور کالعدم ہے۔یہی مفتی بہ اور جمہور ائمہ کا اس باب میں مذہب ہے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ نکاح جب ظاہرا منعقد ہے باطنا نہیں [لہذا عورت ہمبستری کیلئے مرد کو قدرت نہیں دے گی] تو پھر عورت کیا کرے گی؟ کیا یہاں طلاق کی طرح "المرأة کالقاضی الخ" کا قاعدہ چلے گا؟ (طلاق کے باب میں جب مرد طلاق دینے کے بعد طلاق کا منکر ہو، لیکن عورت نے اپنے کانوں سے سنا ہو تو "المرأة کالقاضی الخ" کے قاعدے کے مطابق عورت کیلئے احتیاطا مرد سے دور رہنے کیلئے کوئی بھی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے نیز عورت کو ہمبستری کی اجازت نہیں دی جاتی) کیا یہاں شہادت زور (جھوٹی گواہی کو شہادت زور کہتے ہیں) میں عورت کو نکاح کے نہ ہونے کا پختہ یقین ہے جبکہ طلاق میں باوجود سننے کے خطاء کا بھی امکان ہے نیز یہاں شہادت زور میں فقہاء وطی پر قدرت نہ دینے کی صراحت بھی کر رہے ہیں، تو کیا یہاں "المرأة کالقاضی الخ" کے مطابق علیحدگی کا کوئی بھی حربہ استعمال کرنے کی اجازت دی جائے گی؟

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے طلاق کی طرح حرمت مصاہرت (جس میں سر وغیرہ کے شہوت سے چھونے کا یقین ہے لیکن شوہر تصدیق نہیں کر رہا ہو تو اس صورت) میں بھی "المرأة کالقاضی الخ" کا اثبات فرمایا ہے جیسا کہ حیلہ ناجزہ کے تتمہ میں موجود ہے لہذا حرمت مصاہرت میں جس طرح بوقت یقین "المرأة کالقاضی الخ" کے قاعدے کے تحت عورت تمکین سے منع اور علیحدگی کی ہر ممکنہ کوشش کر سکتی ہے اسی طرح یہاں جھوٹی گواہی سے اثباتِ نکاح کی صورت میں (جہاں باطنا نکاح منعقد نہیں ہو رہا اور ہمبستری کرنا بھی جائز نہیں) بدرجہ اولی عورت کیلئے "المرأة کالقاضی الخ" کا حکم ہوگا اور عورت خلع یا فسخ کیلئے کوئی بھی طریقہ استعمال کر کے اس مرد سے علیحدگی اختیار کرے گی نیز کسی بھی ذریعے کو استعمال کر کے ایسے مرد سے دور رہنے کی کوشش کرے گی۔گویا وطی پر قدرت نہ دینے کی صراحت ہی یہاں "المرأة کالقاضی الخ" کا اجراء ہے۔

لما فی الدر المنتقی (المطبوع مع مجمع الانهر) (۲۳۷/۳): وعندهما لا ينفذ بالطنا بشهادة الزور وبه قال الزفر والثلاثة وعليه الفتوى لظهور ادلتهما بالنسبة لدليله۔

وفی شرح الوقاية (۱۳۳/۳) فان اقامت بينة زور أنه تزوجها وحكم به حل لها تمكينه هذا عند ابي حنيفة وعندهما ينفذ ظاهرا أي يسلم القاضي الزوجة الى الزوج ويأمرها بالتمكين لا باطنا أي لا يثبت الحل فيما بينه وبين الله تعالى وقولهما ظاهر وأما مذهب ابي حنيفة فمشكل جدا فان الحرام المحض كيف يكون سببا للحل فيما بينه وبين الله تعالى۔

وفی الدر المختار (۵۲/۳): (و) يحل (له وطء امرأة ادعت عليه) عند قاض (أنه تزوجها) بنكاح

Marfat.com

صحيح (وهي) أي والحال أنها (محل للإنشاء) أي لإنشاء النكاح خالية عن الموانع (وقضى القاضي بنكاحها ببينة) أقامتها (ولم يكن في (نفس الأمر تزوجها وكذا) تحل له (لو ادعى هو نكاحها) خلافا لهما وفي الشرنبلالية عن المواهب وبقولهما يفتى۔

وفيه أيضا (۴۰۶/۵): وقالا وزفر والثلاثة ظاهرا فقط وعليه الفتوى، شرنبلالية عن البرهان۔

وفی الحیلۃ الناجزۃ (ص ۹۱): مسئلہ اول: اگر خاوند کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے جس سے حرمت مصاہرت متحقق ہو گئی تو اس کو انکار کرنا حرام ہے۔ اگر اس نے جھوٹا حلف کر لیا اور اس پر قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اس کی تفصیل عنقریب مسئلہ دوم میں آتی ہے۔

مسئلہ دوم: اگر عورت کا دعوی صحیح تھا مگر شہادت معتبرہ پیش نہ ہو سکی اور خاوند نے حلف کر لیا قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا اور یہ حکم بھی کر دیا کہ بدستور اس خاوند کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں، اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا اور خوب غور و تلاش کے بعد جب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دار العلوم دیوبند سے مکالمہ پر بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو حضرت حکیم الا مت دامت برکاتھم سے مراجعت کی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قواعد سے صاف واضح ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں، مجھ کو اس میں شرح صدر ہے کچھ تردد نہیں اور مفتی صاحب موصوف نے بھی اس میں موافقت فرمائی۔

(۱۱۷) عورت کا مرد پر جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نے مرد پر جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کیا لیکن مرد اس سے انکار کرتا رہا، جج نے نکاح صحیح ہونے کا فیصلہ کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ از روئے شریعت نکاح منعقد ہو گا یا نہیں؟ اگر منعقد ہے تو مرد کا انکار بمنزلہ طلاق ہو گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح ظاہرا منعقد ہو جائے گا چاہے پہلے سے نکاح تھا یا نہیں۔ جج کے فیصلہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ نیز جھوٹی گواہی دینے والوں نے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو کل بروزِ قیامت شدید پکڑ کا باعث بنے گا۔ مرد کے انکار نکاح سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا البتہ شوہر کیلئے وطی کرنا جائز نہیں، اس کیلئے آسان حل یہ ہے کہ طلاق کے الفاظ استعمال کر کے عورت کو علیحدہ کر دے۔

لمافی الهداية (۲۹۳/۲) كتاب النكاح: ومن ادعت عليه امرأة انه تزوجها وأقامت بينة فجعلها

Marfat.com

القاضى امرأته ولم يكن تزوجها وسعها المقام معه۔

وفى الخانية (١/١٥٢): وان ادعت المرأة على رجل نكاحاً فجحد فاقامت شاهدين يقضى بالنكاح وجحوده لايكون طلاقاً۔

Marfat.com

فصل فی خطبۃ النکاح

(خطبہ نکاح کا بیان)

(۱۱۸) خطبہ نکاح کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نکاح خواں نکاح کا خطبہ نہیں پڑھتا بلکہ ویسے ہی ایجاب وقبول کروالیتا ہے گواہوں کی موجودگی میں تو کیا نکاح منعقد ہوجائے گا یا خطبہ نکاح پڑھنا ضروری ہے؟ اور نکاح کے خطبہ کی کیا حیثیت ہے اگر کوئی چھوڑ دیتا ہے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے البتہ مجلس نکاح میں خطبہ پڑھنا مستحب ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے آپ ﷺ نے فرمایا "کل خطبة لیس فیھا تشھد فھی کالید الجذماء" (مشکوۃ، ۲/۲۷۲) یعنی بغیر خطبہ کے شادی نامکمل اور ادھوری شادی ہے لیکن اگر کسی نے مجلس نکاح میں خطبہ نہیں پڑھا تو نکاح بہرحال منعقد ہوجائے گا۔

لمافی المصنف لابن ابی شیبہ (۴۳۹/۹): عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال: علمنا رسول اللہ ﷺ خطبة الصلوة وخطبة الحاجة۔

وفی اعلاء السنن (۸/۱۱): عن رجل من بنی سلیم، قال: خطبت الی النبی ﷺ امامة بنت عبد المطلب فأنکحنی من غیر أن یتشھد ۔۔۔ فدل ذلك علی جواز النکاح بغیر خطبة مع عدم الکراھة، فالخطبة له مستحبة۔

وفی الشامیة (۸/۳): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة، قبل اجراء العقد من الحمد والتشھد۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۶۱۷/۹): والمستحب خطبة واحدة لما تقدم لا خطبتان اثنتان: إحداھما من العاقد، والأخری من الزوج قبل قبوله لأن المنقول عنه صلّی الله علیه وسلم وعن

Marfat.com

السلف خطبة واحدة، وهوأولى ما اتبع۔

(۱۱۹) خطبہ نکاح کھڑے ہو کر پڑھا جائے یا بیٹھ کر؟

سؤال

خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب ہے یا بیٹھ کر؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی اثر منقول ہو تو ذکر فرمادیں نیز صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل نقل فرمادیں۔ جمعہ کا خطبہ تو کھڑے ہو کر ہوتا ہے اور عیدین کا بھی پھر نکاح کا بھی کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے، اسے بیٹھ کر کیوں پڑھا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا صراحۃً نظر سے نہیں گزرا عام تعامل بیٹھ کر پڑھنے کا ہے اور عام طور پر عقد نکاح بیٹھ کر ہوتا ہے تو بیٹھ کر خطبہ نکاح پڑھنا بہتر معلوم ہوتا ہے، خطبہ نکاح کو خطبہ عیدین اور جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

لمافی الصحیح لمسلم (۳۳۶/۱): عن أبي سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال جلس رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنبر وجلسنا حوله فقال: إن مما أخاف علیکم بعدی ما یفتح علیکم من زهرة الدنیا و زینتها۔

وفی البحرالرائق (۸۱/۳): یستحب أن یکون النکاح ظاهرا وأن یکون قبله خطبة وأن یکون عقده في یوم الجمعة۔

وفی الدرالمختار (۸/۳): ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وکونه في مسجد یوم جمعة۔

(۱۲۰) خطبہ نکاح پہلے پڑھا جائے یا ایجاب وقبول؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نکاح کے وقت خطبہ نہیں پڑھتے اور بعض ایجاب وقبول سے پہلے پڑھتے ہیں اور بعض بعد میں تو ان میں سے کون صحیح ہے نکاح پڑھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح میں خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور صحیح یہ ہے کہ خطبہ کو ایجاب اور قبول سے پہلے پڑھا جائے۔ مسنون طریقہ نکاح کا یہی ہے

Marfat.com

کہ پہلے خطبہ پڑھا جائے اور پھر بعد میں ایجاب وقبول کیا جائے۔

لمافی اعلاء السنن (۸۲/۱۱): عن رجل من بنی سلیم قال: خطبت الی النبی صلی الله علیه وسلم امامة بنت عبدالمطلب، فانکحنی من غیران یتشهد فدل ذلك علی جواز النکاح بغیر خطبة مع عدم الکراهة فالخطبة له مستحبة۔

وفی الدرالمختار (۸/۳): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشهود عدول۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۶۱۶/۹): یستحب للزواج ما یأتي :أن یخطب الزوج قبل العقد عند التماس التزویج خُطبة مبدوءة بالحمد لله والشهادتین، والصلاة علی رسول الله صلّی الله علیه وسلم ، مشتملة علی آیة فیها أمر بالتقوی وذکر المقصود، عملاً بخطبة ابن مسعود۔۔۔ فإن عقد الزواج من غیر خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غیر واجبة۔

(۱۲۱) کافر کا خطبہ نکاح پڑھانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کافر مسلمان کا خطبہ نکاح پڑھا سکتا ہے، ہم نے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ابو طالب نے پڑھایا تھا، ابو طالب تو کافر تھے انہوں نے ایک پیغمبر کا نکاح کیسے پڑھایا اس سے تو جواز معلوم ہوتا ہے، مسئلہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دو گواہوں کی موجودگی میں محض ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ خطبہ کی حیثیت نکاح میں استحباب کی ہے اسی لئے بغیر خطبہ کے بھی نکاح درست ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا نکاح بغیر خطبہ کے پڑھایا لہٰذا اگر کافر نے خطبہ پڑھا تب بھی نکاح درست ہوگا اس سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ نکاح خواں کی حیثیت صرف ایک معبر اور سفیر کی ہوتی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ نکاح دیندار اور نیک شخص سے پڑھوایا جائے۔

لمافی عمدة القاری (۱۳۴/۲۰) باب الخطبة: وقال الترمذي وقد قال بعض أهل العلم إن النکاح جائز بغیر خطبة وهو قول سفیان الثوری وغیره من أهل العلم قلت وأوجبها أهل الظاهر فرضا واحتجوا بأنه خطب عند تزوج فاطمة رضي الله تعالی عنها وأفعاله علی الوجوب واستدل

Marfat.com

الفقهاء على عدم وجوبها بقوله في حديث سهل بن سعد قد زوجتها بما معك من القرآن

وفی الدرالمختار (۸/۳): (وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۶۱۸/۹): فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة۔

(۱۲۲) خطبہ نکاح کا سننا واجب ہے یا مسنون؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے میں کہ خطبہ جمعہ کا سننا تو واجب ہے لیکن خطبہ نکاح کے سننے کا کیا حکم ہے؟ عموماً خطبہ نکاح کو توجہ سے نہیں سنا جاتا، لوگ موبائل اور دیگر اُمور میں مصروف نظر آتے ہیں۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خطبہ نکاح کا سننا بھی واجب ہے اور خطبہ نکاح کے دوران دیگر مشاغل میں مصروف ہونا جائز نہیں۔

لمافی الدرالمختار (۱۵۹/۲): وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد۔

وفی الرّدّ تحته: قوله (وختم) أي ختم القرآن كقولهم الحمد لله رب العالمين حمد الصابرين الخ۔

Marfat.com

رسالة

حفظ المتاع

فی

رفع التعارض عن الآیات الواردة فی خطبة النکاح

سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث میں
خطبہ نکاح سے متعلق احادیث میں وارد سورۃ النساء اور سورۃ الاحزاب کی آیات کا
مصحف عثمانی کے مقابلے میں تفاوت وتغیر، اس فرق کی وجہ، رواتِ حدیث کی تحقیق،
کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ہی یہ تغیر تھا؟
امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایات میں فرق کیوں؟
کیا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کے قائل تھے؟
حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور آیت کا بھی مختلف الفاظ میں نقل،
الغرض مسئلہ ھذا اور اس سے متعلق ابحاث پر تحقیقی اور دلائل سے مبرھن فتوی

Marfat.com

(۱۲۳) خطبہ نکاح میں وارد احادیث میں اختلاف آیات سے متعلق مفصل تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ خطبہ نکاح سے متعلق روایات میں آیت کے الفاظ مضطرب ہیں، ابوداؤد میں روایت ہے:

"عن عبد اللهرضی اللہ عنہ قال علّمنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- خطبة الحاجة إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ به من شرور أنفسنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا يصلح لكم أعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما".

(ابو داؤد ۱/۲۸۹ باب فی خطبة النکاح)

اس روایت میں سورۃ آل عمران کی آیت پر سورۃ النساء کی آیت مقدم ہے نیز سورۃ النساء کی آیت مصحف کے خلاف لکھی ہے۔

مصحف میں آیت یوں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔

(سورۃ النساء:۱)

جبکہ روایت میں آیت میں موجود فرق آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں نیز یہ فرق صرف ابوداؤد میں نہیں مشکوٰۃ شریف میں بھی یہ دونوں فرق اسی طرح ہیں۔ ترمذی کی روایت میں تو تینوں آیات تبدیل ہیں اور ان میں حذف پایا جاتا ہے جبکہ ابن ماجہ میں سورۃ النساء کی آیت نا تمام اور سورۃ احزاب کی آیت میں "يا أيها الذين آمنوا" نہیں۔ الغرض ان مستند ترین کتب میں موجود روایات میں اتنا شدید تعارض بلکہ آیات میں فرق اور ابوداؤد کی روایت میں موجود تقدیم وتاخیر کس بنا پر ہے؟؟؟

درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

Marfat.com

(۱) خطبہ نکاح میں سورۃ النساء کی آیت کو سورۃ آل عمران کی آیت پر مقدم کر کے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) سورۃ النساء کی آیت کو "یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله الذی تساءلون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیبا" روایت کے مطابق پڑھنا درست ہے؟؟؟ جبکہ قرآن کریم میں یہ آیت اس طرح نہیں۔

(۳) خطبہ نکاح کے سلسلے میں کون سی روایت درست ہے؟ احناف کی مستدل روایت کون سی اور کس کتاب میں ہے؟ کون سا خطبہ پڑھنا بوقت نکاح مسنون ہے؟ دیگر کتب میں کہیں صحیح الفاظ نقل نہیں؟ ان سوالوں کے مدلل جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خطبہ نکاح سے متعلق احادیث ان کتب میں منقول ہیں۔

(۱) ابوداؤد [۱/۲۸۸] (۲) نسائی [۲۰۸] (۳) ترمذی [۱/۲۱۰]

(۴) ابن ماجہ [۱۳۶] (۵) مشکوٰۃ [۱/۲۷۲] (۶) مستدرک حاکم [۲/۱۹۹]

(۷) مسند احمد بن حنبل [۱/۶۴۸] (۸) مصنف ابن ابی شیبہ [۹/۴۳۸]

(۹) مصنف عبدالرزاق [۶/۱۸۷] (۱۰) دارمی [۲/۱۹۱] (۱۱) بیہقی [۳/۲۱۴]

ان میں سے نسائی، مستدرک حاکم، مسند احمد اور سنن دارمی میں حدیثِ خطبہ نکاح میں آیات کی ترتیب وغیرہ درست ہے۔

خطبہ نکاح سے متعلق مستدرک حاکم کی حدیث کا متن

مستدرک حاکم کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبد الله رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه علمنا خطبة الحاجة الحمد لله نحمده ونستعینه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا من یهده الله فلا مضل له ومن یضلل فلا هادی له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم یقرأ ثلاث آیات یاأیها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون، یاأیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء واتقوا الله الذی تساءلون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیبا، یاأیها الذین آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظیما، ثم یذکر حاجته".

(مستدرک ۲/۱۹۹)

Marfat.com

مستدرک حاکم کی طرح سنن نسائی، مسند احمد اور دارمی میں بھی یہ آیات مکمل اور ترتیب وار ذکر ہیں نیز بیہقی میں یہ روایت مختلف طرق سے نقل ہے، ان میں سے ایک طریق میں آیات کے الفاظ اور ترتیب درست ہے۔ گویا پانچ کتب میں یہ روایت صحیح ترتیب اور الفاظ کے ساتھ نقل ہے لہٰذا یہی مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت اصل ہے۔ خطبہ انہی کے مطابق دیا جائے گا۔ حصن حصین میں بھی سنن نسائی اور مستدرک حاکم کی بناء پر آیات اور الفاظ صحیح ترتیب پر درج ہیں البتہ حصن حصین میں سورۃ النساء کی آیت فقط مقدم ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور دیگر کتب احادیث جن میں آیت کے الفاظ میں تغیر ہے

ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں آیات کی ترتیب اور الفاظ میں کچھ تغیر ہے۔ ابوداؤد میں تو ترتیب میں بھی خلل ہے۔ سورۃ النساء کی آیت سورۃ آل عمران سے مقدم ہے اور سورۃ النساء کی آیت میں کچھ تغیر بھی ہے نیز ترمذی میں تینوں آیات میں "یا ایها الذین آمنوا" خطاب حذف ہے۔ سنن ابن ماجہ کی روایت میں بھی تقدیم وتغیر ہے۔ ان روایات کا جواب اور اس تغیر وتقدیم کی تنقیح بھی لازمی امر ہے۔

بندہ نے اس کے متعلق کافی تحقیق کی اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان تمام روایات کے روات پر تو کوئی کلام نہیں، سب ثقہ ہیں اور یہ روایات صحاح ہیں البتہ ان میں ترمذی کی روایت کو اصل بنایا جاسکتا ہے۔ ترمذی میں صرف "یا ایها الذین آمنوا" الفاظ خطاب حذف ہیں اور یہ تصریح ہے کہ یہ آیات مرفوع نہیں اور نا صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاوت فرمائی ہیں بلکہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کو تفسیراً ذکر فرمایا ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث کا متن

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد فى الصلاة والتشهد فى الحاجة قال التشهد فى الصلاة التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله والتشهد فى الحاجة إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا فمن يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله قال ويقرأ ثلاث آيات قال عبثر ففسره لنا سفيان الثورى اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون اتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا ۔الآية۔وفى الباب عن عدى

Marfat.com

بن حاتم۔

قال أبو عیسی حدیث عبد اللہ حدیث حسن رواہ الأعمش عن أبی إسحق عن أبی الأحوص عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم ورواہ شعبة عن أبی إسحق عن أبی عبیدة عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم وکلا الحدیثین صحیح لأن إسرائیل جمعهما فقال عن أبی إسحق عن أبی الأحوص و أبی عبیدة عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم"۔

(جامع الترمذی ۱/۲۱۰)

خطبہ نکاح سے متعلق روایات میں بعض ضروری تنبیہات

خطبہ نکاح سے متعلق روایت تمام کتب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور کسی صحابی سے نقل نہیں۔ ترمذی شریف کی اس روایت میں "قال ویقرأ ثلاث آیات" میں قال کا قائل حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور پھر تین آیتیں پڑھے (از تحفہ الاحوذی ۲ / ۱۷۸) اسکے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خود آیات تلاوت نہیں فرمائیں، بلکہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تین آیتوں کو بیان فرمایا، کہ ایک سورۃ آل عمران کی، ایک سورۃ النساء کی اور ایک سورۃ احزاب کی ہے اور ان تینوں کو اختصاراً "اتقو االله" سے تلاوت فرمادیا تینوں آیات کی ابتداء میں موجود "یا ایها الذین آمنوا۔ الآیة" خطاب کے الفاظ ذکر نہیں فرمائے نیز سورۃ الاحزاب کی آیت چونکہ طویل تھی لہٰذا "قولوا قولا سدیدا" کے بعد الآیۃ فرمادیا۔ پوری آیت یصلح لکم الخ تلاوت نہیں فرمائی، گویا کہ یہ اختصار حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا اور ان کی مراد مکمل آیات کی تلاوت ہی تھی۔

آیت کو بالمعنی تلاوت کرنا اور اس سے متعلق حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے بھی جواز کے قائل تھے مثلاً ان سے آیت "فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا" کا "فان لم تجدوا" پڑھنا ثابت ہے، جس پر فتح الباری میں یہ ذکر ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کے قائل تھے۔

لما فی البخاری :باب الماء الذی یغسل به شعر الإنسان ... وقال سفیان: " هذا الفقه بعینه، یقول الله تعالی: {فلم تجدوا ماء فتیمموا} وهذا ماء، وفی النفس منه شیء، یتوضأ به ویتیمم" وفی فتح الباری تحت هذا الحدیث(۱/۲۱۹):(باب الماء) أی حکم الماء الذی یغسل به شعر الإنسان : ..... تنبیه وقع فی روایة أبی الحسن القابسی عن أبی زید المروزی فی حکایة قول

Marfat.com

سفیان یقول اللہ تعالی فإن لم تجدوا ماء و کذا حکاہ أبو نعیم فی المستخرج علی البخاری وفی باقی الروایات فلم تجدوا وھو الموافق للتلاوۃ وقال القابسی وقد ثبت ذلك فی الأحکام لإسماعیل القاضی یعنی بإسنادہ إلی سفیان قال وما أعرف من قرأ بذلك قلت لعل الثوری حکاہ بالمعنی و کان یری جواز ذلك و کأن ھذا ھو الذی جر المصنف أن یأتی بمثل ھذہ العبارۃ فی کتاب التیمم کما سیأتی ان شاء اللہ تعالی۔

لہذا یہاں خطبہ نکاح سے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات کو بالمعنی تلاوت کردیا ہوگا جیسا کہ ان کا مذہب تھا۔ (قلت لعل الثوری حکاہ بالمعنی و کان یری جواز ذلك)۔

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ آیت کو بالمعنی تلاوت کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ حدیث میں بھی روایت بالمعنی سے متعلق طویل ابحاث ہیں لیکن قرآن کریم کو بالمعنی تلاوت کرنا کسی طور پر جائز نہیں۔ قرآن کریم کا نظم محکم ہے اگر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہو بھی جیسا کہ فتح الباری میں "و کان یری جواز ذلك" کے الفاظ ہیں تو یہ ان کا تفرد ہوگا۔ کسی کے لئے اس طرح تغیر یا حذف کرنا جائز نہیں۔ اسی وجہ سے صحیح بخاری کی جس حدیث کے تحت فتح الباری میں یہ مذہب ذکر ہے اسی حدیث کے تحت صحیح البخاری کے عظیم شارح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں اس پر سخت ردّ فرمایا ہے۔ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے:

"(باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان):وقال سفیان هذا الفقه بعینه یقول الله تعالی فلم تجدوا ماء فتیمموا وهذا ماء وفی النفس منه شیء یتوضأ به ویتیمم.... (فلم تجدوا ماء) هذا نص القرآن ووقع فی روایة ابی الحسن القابسی عن ابی زید المروزی فی حکایة قول سفیان یقول الله تعالی فان لم تجدوا ماء (النساء ۴۳، المائدۃ۶) و کذا حکاه أبو نعیم فی المستخرج علی البخاری وقال القابسی قد ثبت ذلك فی الأحکام لإسماعیل القاضی یعنی باسناده الی سفیان قال وما اعرف من قرأ بذلك وقال بعضهم لعل الثوری رواه بالمعنی ،قلت:لایصح هذا اصلا لأنه قلب کلام الله تعالی والظاهر انه سهو أو وقع غلطاً....الخ"

(عمدۃ القاری ۳۶/۳)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فقط تین آیتیں پڑھنے کا ارشاد فرمایا تھا، لہٰذا مقصد پوری آیات ہی ہیں۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں اس اختصار سے مکمل آیات ہی مراد لی گئی ہیں۔

چند اہم امور کا بیان

یہاں چند اہم باتیں واضح کرنا ضروری ہیں۔ **پہلی بات** یہ کہ ترمذی کی روایت میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ رواۃ میں

Marfat.com

موجود نہیں بلکہ روایت کے ایک راوی عبثر نے ان کے حوالے سے ان آیات کو واضح فرمادیا ہے۔ترمذی کے روات یہ ہیں:

"حدثنا قتيبة حدثنا عبثر بن القاسم عن الأعمش عن أبي إسحق عن أبي الأحوص عن عبد الله رضی اللہ عنہ"

ان میں عبثر نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرمایا کہ "قال عبثر ففسر ها سفيان الثوری"۔

دوسری بات یہ ذہن نشین رہے کہ ابوداؤد کی روایت میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ خود رواۃ میں داخل ہیں۔ابوداؤد کے روات یہ ہیں:

"حدثنا محمد بن كثير انا سفيان عن ابي اسحاق عن ابي عبيدة عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ"

تیسری بات یہ ملحوظ رہے کہ روایتِ خطبہ کے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے بعد ابوعبیدہ اور پھر ابواسحٰق تقریباً تمام کتب کی روایتوں میں موجود ہیں البتہ ان تین کے بعد روات مختلف ہوجاتے ہیں۔

چوتھی اور انتہائی اہم **بات** یہ ملحوظ رہے کہ ان تین حضرات [سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ اور پھر ابواسحٰق] سے روایت کرنے والے جن روایات میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان میں آیات کے الفاظ اور ترتیب درست ہے لہذا وہ تمام کتب جن کا ہم نے ذکر کیا کہ ان میں روایت درست الفاظ میں مروی ہے (یعنی مستدرک حاکم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن دارمی) ان میں ابواسحٰق سے روایت کرنے والے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں نیز سنن بیہقی کے جس طریق میں الفاظ درست ہیں اس میں بھی ابو اسحٰق سے پہلے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔مستدرک حاکم کا طریق یہ ہے:

"أخبرنا أبو العباس محمد بن أحمد المحبوبي بمرو حدثنا الفضل بن عبد الجبار حدثنا النضر بن شميل حدثنا شعبة وأخبرني عبد الرحمن بن الحسن القاضي بهمدان حدثنا إبراهيم بن الحسين حدثنا آدم بن أبي إياس حدثنا شعبة قال سمعت أبا إسحاق يحدث عن أبي عبيدة عن عبد الله رضی الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم الخ"

نسائی کا طریق یہ ہے:

"أخبرنا محمد بن المثنى ومحمد بن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة قال سمعت أبا إسحاق يحدث عن أبي عبيدة عن عبد الله الخ"

دارمی کا طریق یہ ہے:

"حدثنا أبو الوليد وحجاج قالا حدثنا شعبة قال انا أبو إسحاق قال سمعت أبا عبيدة يحدث عن عبد الله الخ"

مسند احمد کا طریق یہ ہے:

Marfat.com

"حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا شعبة قال سمعت ابا اسحاق یحدث عن ابی عبیدة عن عبد الله الخ"

الغرض جن کتب میں روایت میں آیات کے الفاظ اور ترتیب درست ہے وہاں ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بقیہ کتب میں ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے، ابو داؤد میں سفیان رحمۃ اللہ علیہ، جامع ترمذی میں اعمش رحمۃ اللہ علیہ، سنن ابن ماجہ میں یونس رحمۃ اللہ علیہ، مصنف عبد الرزاق میں معمر رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو داؤد کے ایک اور طریق میں اسرائیل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جتنے رواۃ چاہے امام اعمش ہوں یا ثوری یا معمر رحمھم اللہ وغیرہ سب کی روایت میں آیات میں کچھ تغیر موجود ہے۔

لہٰذا بندہ از حد تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ تو ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے مکمل آیات بیان فرما دیتے تھے اور ان سے نقل تمام طرق ہر قسم کے تغیر اور تقدیم سے محفوظ رہے لیکن دیگر میں ترمذی کی روایت کو اصل بنا لیا جائے، جس میں ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے اگرچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں، لیکن عبشر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آیات مختصراً ذکر فرمائی تھیں بعد میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے ان سے سن کر آیات کو مزید مختصر یا اپنے طور پر تاویل کر کے نقل فرما دیا اور کتب میں نقل ہوتی آئیں۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق میں یہ تغیر نہ آیا۔ ان کے علاوہ طرق میں یہ آیات اختصار اور تاویل کے باعث سالم نہ رہ سکیں۔ الغرض حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں آیات ''اتقوا'' سے تلاوت فرمائی تھیں۔ ان سے سننے والوں نے اسے بطور خطبہ اپنے الفاظ میں بالمعنی نقل کر دیا، جیسا کہ فتح الباری کی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ آیت کے بالمعنی پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے۔۔ بعض نے خطاب میں تاویل کر دی البتہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ان تغیرات سے سالم رہا لہٰذا اس باب میں وہی حجت اور اصل ہے۔

"یحتمل أن یکون تأویلا لما فی الإمام فیکون إشارة إلی أن اللام فی یاأیها الناس للعهد والمراد المؤمنون"

(بذل المجهود ۳/۲۴۴)

احادیثِ خطبہ نکاح پر وارد اشکال کے بعض اور جوابات اور ان کے سقم کا بیان

بعض حضرات نے اس اغلاق کے دیگر جوابات بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مرقات میں ہے:

"قال الطیبی رحمه الله ولعله هکذا فی مصحف ابن مسعود رضی الله تعالی عنه فإن المثبت فی أول سورة النساء واتقوا الله الذی بدون یاأیها الذین آمنوا۔" (مرقاة المفاتیح ۶/۲۸۳)

یعنی یہ احتمال ہے کہ شاید مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں آیت اسی طرح ہو لیکن بندہ عرض کرتا ہے کہ کافی تتبع اور قراءات متواترہ اور شاذہ سے متعلق کتب کے مطالعے کے بعد بھی احقر کو کہیں اتنے بڑے تغیر کا مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہونا معلوم نہ ہو سکا، بلکہ اسی

Marfat.com

آیت کے آخر میں موجود لفظ ''الارحام'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ''وبالارحام'' باء کی زیادتی کے ساتھ ہے۔اس باء کی زیادتی کا ذکر متعدد جگہ موجود ہے اور جزماً ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہاں باء زیادہ ہے۔دیکھئے: (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ۴/ ۲۲۲، ابراز المعانی من حرز الامانی ص ۲۸۴، بذل المجھود شرح سنن ابی داؤد ۳/ ۲۴۵)۔

جب اتنا معمولی باء کا فرق تمام کتب میں موجود ہے نیز دیگر قراءات میں پائے جانے والے معمولی فروق بھی قراءذکر فرماتے ہیں تو اتنا بڑا فرق جہاں آدھی سے زیادہ آیت حذف ہے اور تقدیم وتغیر پایا جاتا ہو وہاں یہ کہنا ''شاید مصحف ابن مسعود میں ایسا ہو'' درست معلوم نہیں ہوتا۔

اس تغیر سے متعلق ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا سہواً، غلطی کی بنا پر ہو گیا ہو اور انہوں نے یہ تقدیم وتغیر کر دیا ہو۔مرقاۃ میں ہے:

"وفی جامع الترمذی فسّر الآیات الثلاث سفیان الثوری اقول فیمکن الغلط سھواً منه فالاولیٰ ان تقرء الآیة علی القراءة المتواترة کما فی نسخة من الحصن"۔(مرقاة المفاتیح ۶/ ۲۸۴)

بندہ عرض کرتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہ مسئلہ سہو سے متعلق ہو۔حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے سہواً آیات کو متغیر تلاوت فرما دیا ہو جیسا کہ آیت "فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا" سے متعلق ابھی گزرا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "**فان لم تجدوا**" بھی پڑھا ہے اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سہو قرار دیا تھا:

"قول سفیان یقول الله تعالی فان لم تجدوا ماء (النساء ۴۳ المائدة ۶)....وقال بعضهم لعل الثوری رواه بالمعنی ،قلت :لایصح هذا اصلا لأنه قلب کلام الله تعالی والظاهر انه سهو أو وقع غلطاً.....الخ" (عمدة القاری ۳/ ۳۶)

نیز حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا سہو ہوا ہے کہ انہوں نے آیت کو "فان لم تجدوا" پڑھ دیا۔عمدۃ القاری میں اسے بھی حماد رحمۃ اللہ علیہ کا وھم قرار دیا گیا ہے:

لما فی المصنف ابن ابی شیبة:من قال لا یتیمم حتی یجد الماء:عن شقیق، قال: کنت جالسا مع عبد الله، وأبی موسی، فقال أبو موسی: یا أبا عبد الرحمن، أرأیت لو أن رجلا أجنب فلم یجد الماء شهرا، کیف یصنع بالصلاة؟ فقال عبد الله: لا یتیمم وإن لم یجد الماء شهرا، فقال أبو موسی: فکیف بهذه الآیة فی سورة المائدة: {فإن لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا} فقال عبد الله: لو رخص لهم فی هذا لأوشکوا إذا برد علیهم الماء أن یتیمموا بالصعید.

وفی عمدة القاری۔ کتاب التیمم(۲/۴)"قوله فلم تجدوا ماء" القرآن هکذا فی سورة النساء والمائدة وروایة الأکثرین علی هذا وهو الصواب وفی روایة النسفی وعبدوس والحموی

Marfat.com

والمستملی فإن لم تجدوا ووقع التصریح به فی روایة حماد بن سلمة عن هشام عن أبیه عن عائشة رضی الله تعالی عنها فی قصتها المذکورة قال فأنزل الله آیة التیمم فإن لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا (النساء ۴۳ والمائدة ۶) الحدیث والظاهر أن هذا وهم من حماد أو غیره أو قراءة شاذة لحماد۔

وفی عمدة القاری أیضا۔باب التیمم ضربة(۳۶/۴)قوله فی سورة المائدة وفی روایة الکشمیهنی فکیف تصنعون بهذه الآیة فی سورة المائدة ولیس فی روایة الأصیلی لفظ الآیة وقوله فلم تجدوا هو بیان للمراد من الآیة ووقع فی روایة الأصیلی فإن لم تجدوا وهو مغایر للتلاوة وقیل إنه کان کذلك فی روایة أبی ذر ثم أصلحها علی وفق الآیة۔

لہذا یہاں خطبہ نکاح میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے وھم ہو گیا ہو، اور یہ کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے آیات کو سہواً متغیر تلاوت فرما دیا ہو۔ باقی امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریق بالکل سالم ہے۔ مستدرک حاکم، نسائی، بیہقی، مسند احمد اور دارمی میں ان ہی کے طریق سے مکمل آیات مع الترتیب ذکر ہیں۔ ''حصن حصین'' میں اور حصن سے نقل کر کے ''طحطاوی علی الدر'' میں جو خطبہ نقل ہے اس میں آیات میں تو کوئی تغیر نہیں، البتہ سورۃ النساء کی آیت سورۃ آل عمران کی آیت پر مقدم ہے۔

خلاصہ کلام

بہر حال زیادہ واضح بات یہ ہے کہ آیت میں تغیر صرف اختصاراً کیا گیا تھا جبکہ اس سے مراد مکمل آیات تھیں جیسا کہ شرّاح حدیث نے وضاحت فرمائی ہے لہٰذا مختصر یا حذف شدہ آیات کا پڑھنا جائز نہیں البتہ جن روایات اور حصن حصین وغیرہ میں آیات مقدم و مؤخر ہیں ان کا پڑھنا درست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ آیات کو ترتیب وار صحیح اور مکمل حالت میں پڑھا جائے۔ پہلے سورۃ آل عمران پھر سورۃ النساء اور پھر سورۃ احزاب کی آیت پڑھے۔ مستدرک حاکم کی حدیث کا متن لفظ بلفظ ذکر کیا جا رہا ہے اسی کو بطور خطبہ پڑھا جائے۔

عن عبد الله رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه علمنا خطبة الحاجة الحمد لله نحمده ونستعینه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا من یهده الله فلا مضل له ومن یضلل فلا هادی له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم یقرأ ثلاث آیات یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون، یا أیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء واتقوا الله الذی تساءلون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیبا، یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظیما۔ ثم

Marfat.com

یذکر حاجته۔ (مستدرك حاکم ۱۹۹/۲)

کتب حدیث میں موجود روایت خطبہ نکاح میں بندے کے نزدیک مستدرک حاکم اور سنن نسائی وغیرہ کی صحیح روایت ہی اصل ہیں بقیہ مختصر اور مقدم ومؤخر روایات میں اولاً تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مرفوعاً آیات نقل ہی نہیں بعد میں انہیں بیان کیا گیا ہے، ان میں جامع ترمذی کی روایت اصل ہے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اختصاراً بیان فرمایا تھا اور ان کا مذہب آیت کو بالمعنی روایت کرنے کے جواز کا تھا۔ ان کے شاگردوں نے مزید اختصار اور خلاصہ بیان فرمادیا، مراد مکمل اور معہود آیات ہی تھیں جبکہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق میں ایسا کوئی اختصار یا تقدیم وتاخیر نہیں لہذا خطبہ نکاح میں حمد وصلاۃ کے بعد سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ احزاب کی آیات کو علی الترتیب مکمل پڑھا جائے جیسا کہ مستدرک حاکم سے نقل کردی گئی ہیں۔ یہی خطبہ نکاح کے وقت سے ہم آہنگ اور قریب تر ہے۔

لما فی جامع الترمذی باب ما جاء فی خطبة النکاح ۲۱۰/۱ قدیمی):عن عبد الله رضی اللہ عنہ قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم التشهد فى الصلاة والتشهد فى الحاجة قال : التشهد فى الصلاة التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله والتشهد فى الحاجة إن الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا فمن يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. ويقرأ ثلاث آيات. قال عبثر ففسره لنا سفيان الثورى (اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون) (واتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا) (اتقوا الله وقولوا قولا سديدا). قال وفى الباب عن عدى بن حاتم. قال أبو عيسى حديث عبد الله حديث حسن رواه الأعمش عن أبي إسحاق عن أبي الأحوص عن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم. ورواه شعبة عن أبي إسحاق عن أبي عبيدة عن عبد الله عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم۔

و فی سنن النسا ئی ابواب الجمعه باب کیفیة الخطبة (۲۰۸/۱):أخبرنا محمد بن المثنى ومحمد بن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة قال سمعت أبا إسحاق يحدث عن أبي عبيدة عن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال علمنا خطبة الحاجة الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ثم يقرأ ثلاث آيات (يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون) (يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى

Marfat.com

خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا) (يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا). قال أبو عبد الرحمن أبو عبيدة لم يسمع من أبيه شيئا ولا عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود ولا عبد الجبار بن وائل بن حجر.

وفی مرقا ة المفاتيح(۲۸۳/٦ـ رشيدية): يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله الذي هكذا في نسخ المشكاة والاذكار وتيسير الوصول إلى جامع الأصول وبعض نسخ الحصن قال الطيبي رحمه الله ولعله هكذا في مصحف ابن مسعود رضي الله تعالى عنه فإن المثبت في أول سورة النساء واتقوا الله الذي بدون يا أيها الذين آمنوا قيل يحتمل أن يكون تأويلا لما في الإمام فيكون إشارة إلى أن اللام في يا أيها الناس للعهد والمراد المؤمنون قلت لا يصح هذا الاحتمال لأنه لو كان كذلك لقال يا أيها الذين آمنوا اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة الآية مع أن الموصولين لا يلائمان التخصيص۔

وفی بذل المجهود كتا ب النكاح(۲۴۴/۳ـ۲۴۵):ويقرء النبى ﷺ ثلاث آيات"يا ايها الذين آمنو اتقو ا الله الذى تسا ءلون به والأرحام ان الله كان عليكم رقيبا" قال القارى هكذا فى نسخ المشكوة والا ذكار وتيسير الوصول الى جامع الا صول وبعض نسخ الحصن قال الطيبى رحمه الله ولعله هكذا فى مصحف ابن مسعو درضى الله عنه فا ن المثبت فى اول سورة النساء واتقو الله الذى بدون يا ايها الذين آمنو قيل يحتمل ان يكون تاويلا لما فى الا مام فيكون اشارة الى ان اللام فى يا ايها الناس للعهد والمراد المؤ منون قلت لا يصح هذاالاحتمال لأنه لو كان كذلك لقال"يايها الذين آمنو ااتقو ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة" الآية مع ان المو صولين لايلا ئمان التخصيص وتساءلون بحذف احد التائين و بتشديد السين قراءتان متوا ترتان والا رحام بالنصب عند عامة القراء أى واتقو الارحام ان تقطعو ها وقراءة همزة بالخفض أى به والا رحام كما فى قراءة شاذة عن ابن مسعود رضى الله عنه قال الترمذى فى جامعه ففسرها أى ثلاث آيات سفيان الثورى اقول فيمكن الغلط فى الآية الأولى سهوًا منه فالأ ولى أن تقرءالآ ية على القراءة المتواترة كما فى نسخة من الحصن وهو يا ايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحد ة و خلق منها زوجها و بث منهما رجالا كثيراو نساء واتقواالله الآية وهو فى غاية المناسبة لحال النكاح وغيرها من كل حاجة۔

Marfat.com

(۱۲۴) اردو میں نکاح کا خطبہ پڑھنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسئلے کے بارے میں کہ خطبہ نکاح اردو میں دینا کیسا ہے؟ ہمارے علاقے میں ایک قاضی صاحب اردو میں دس منٹ کا بیان کرتے ہیں پھر مختصر عربی خطبہ پڑھ کر ایجاب کردیتے ہیں کیا یہ عمل درست ہے؟ اگر صرف اردو میں ہی خطبہ دے دیا جائے تو درست ہے؟ ازراہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خطبہ نکاح مستحب ہے نکاح کی شرائط یا واجبات میں سے نہیں نکاح، خطبہ کے بغیر بھی منعقد ہوسکتا ہے البتہ خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے اور خطبہ جمعہ کا عربی میں پڑھنا علی التحقیق واجب ہے[1] البتہ خطبہ نکاح چونکہ مستحب ہے اس لئے غیر عربی میں بھی یہ خطبہ دینا جائز ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اولاً اردو زبان میں خطبہ نکاح کا ترجمہ اور کچھ تشریح ہوجائے اور پھر عربی خطبہ بھی پڑھ لیا جائے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے علاقے کے قاضی صاحب کا عمل درست ہے۔

(۱۲۵) نکاح کا خطبہ کیسے پڑھا جائے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے یا بیٹھ کر؟ برائے کرم مدلل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے یا بیٹھ کر اس کے بارے میں فقہاء کرام کی عبارات سے صراحت تو نہیں مل سکی البتہ اکابرین کا معمول بیٹھ کر پڑھنے کا ہے۔

لمافی جامع الترمذی (۲۱۰/۱): عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التشھد

---

[1] خطبہ جمعہ، قراءت اور تکبیرات وادعیہ صلوۃ وغیرہ کے غیر عربی میں پڑھنے کے حکم اور اس میں امام صاحبؒ کے مذہب اور دیگر ضروری تفصیلات کی تنقیح اور وضاحت کیلئے نجم الفتاویٰ جلد ثانی میں موجود فتویٰ "**الکلمات الھندیۃ فی الاجابۃ عن الدعاء بغیر العربیۃ**" دیکھئے۔ ازمرتب ابوعزام فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

فی الصلاۃ والتشهد فی الحاجة قال:التشهد فی الصلاۃ التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیك۔۔۔ الخ۔

وفی الدرالمختار، کتاب النکاح (۸/۳): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم الجمعة بعاقد رشید وشهود عدول۔

(۱۲۶) جمعہ یا ظہر کی نماز میں دعا کے فوراً بعد ہی نکاح پڑھانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مسجد کا امام ہوں مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں جب نکاح پڑھایا جائے تو لوگ سنتوں کے بعد رکتے نہیں، اہل محلہ کے مشورے سے یہ بات سامنے آئی کہ جمعہ کی نماز یا ظہر کی نماز کے بعد جب نکاح ہو تو وہ سنتوں سے پہلے ہی پڑھا دیا جائے جس سے مجمع زیادہ شریک ہو کر اس مسنون عمل سے ماجور ہو جائے، اب ہم اسی پر عمل شروع کر رہے ہیں آپ سے دریافت کرنا تھا کہ کیا یہ طرز عمل شرعاً درست ہے یا کوئی مسئلہ تو نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں کو فوراً اداء کرنا بھی ایک مستقل سنت ہے بلکہ فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی کے بعد سنتوں سے پہلے کلام (بات) کرے تو اس سے سنتوں کے ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، بہت زیادہ مجمع کو اکٹھا کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن ضروری نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ پہلے فرائض کے بعد والی سنتوں کو اداء کیا جائے اس کے بعد عقدِ نکاح پڑھایا جائے اگرچہ لوگوں کی تعداد کم کیوں نہ ہو کیونکہ بہت ممکن ہے کہ عقدِ نکاح کے بعد لوگ مبارکباد وغیرہ میں مشغول ہو کر سنتوں کو بھول بیٹھیں اور ان کی سنتیں قضاء ہو جائیں۔

لمافی البحرالرائق (۸۶/۲):القیام إلی السنة متصلا بالفرض مسنون وفي الشافي کان علیه الصلاة والسلام إذا سلم یمکث قدر ما یقول اللهم أنت السلام ومنك السلام وإلیك یعود السلام تبارکت یا ذا الجلال والإکرام ۔۔۔ لو تکلم بعد الفریضة هل تسقط السنة قیل تسقط وقیل لا تسقط ولکن ثوابه أنقص من ثوابه قبل التکلم اه وفي القنیة الکلام بعد الفرض لا یسقط السنة ولکن ینقص ثوابه وکل عمل ینافي التحریمة أیضا وهو الأصح اهـ

وفی الهندیة (۱۱۲/۱): ولو تکلم بعد الفریضة هل تسقط السنة قیل تسقط وقیل لا ولکن ثوابه أنقص من ثوابه قبل التکلم کذا في النهایة۔

Marfat.com

(۱۲۷) خطبہ نکاح کے سننے کا وجوب کہاں سے ثابت ہے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ نکاح کا سننا واجب ہے یا مستحب؟ ہر خطبہ کا سننا واجب ہے یا مستحب؟ عید کے خطبے کا سننا مسنون ہے یا مستحب؟ قرآن وحدیث سے ذکر فرمادیں۔ فقہاء نے تمام خطبوں کے سننے کا وجوب کہاں سے ذکر کیا ہے؟ آیت سورہ جمعہ عام ہے تو کس مفسر نے عام کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں جن میں جمعہ کے خطبہ کے علاوہ کے نہ سننے پر وعید منقول ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب

تمام خطبوں کا سننا واجب ہے کیونکہ جتنے خطبے بھی ہیں وہ سب قرآن پاک کی آیات پر مشتمل ہوتے ہیں اور سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "جب قرآن پاک پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو" یہ آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے اور یہ آیت قراءۃ فی الصلوۃ کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی خطبہ چاہے جمعہ کا ہو یا عید اور نکاح کا وہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوتا ہے جب یہ آیت نماز اور خطبہ دونوں سے متعلق ہے تو قرآن پاک کے نص قطعی سے خطبہ کا استماع اور اس کے لئے خاموش رہنا واجب ہوا اور فقہاء نے تمام خطبوں کے سننے کے وجوب کی صراحت کی ہے۔

لمافی عمدة القاری باب الاستماع الی الخطبة (۲۲۹/۶): ذكر ما يستفاد منه فيه الإنصات إلى الخطبة وهو مطلوب بالاتفاق ـــ وروي عن مجاهد أنه قال لا يجب الإنصات للقرآن إلا في موضعين في الصلاة والخطبة ثم نقل عن أكثر العلماء أن الإنصات واجب على من سمعها ومن لم يسمعها ـــ وكان عروة لا يرى بأسا بالكلام إذا لم يسمع الخطبة وقال أحمد لا بأس أن يذكر الله ويقرأ من لم يسمع الخطبة ـــ فروي عن الشعبي وسعيد ابن جبير والنخعي وابن بردة أنهم كانوا لا يتكلمون والإمام يخطب إلا في قراءة القرآن في الخطبة خاصة لقوله تعالى فاستمعوا له وأنصتوا ـــ وقال أصحابنا إذا اشتغل الإمام بالخطبة ينبغي للمستمع أن يجتنب ما يجتنبه في الصلاة لقوله عز وجل فاستمعوا إليه وأنصتوا ـــ وقوله إذا قلت لصاحبك أنصت الحديث ـــ قيل وجوب الاستماع مخصوص بزمن الوحي وقيل في الخطبة الأولى دون الثانية۔

وفی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح كتاب الصلاة (ص۵۱۹) قديمی: وفي السيد استماع الخطبة من أولها إلى آخرها واجب وإن كان فيها ذكر الولاة وهو الأصح نهر وكذا استماع سائر

Marfat.com

الخطب کخطبة النکاح والختم۔

وفی الدرالمختار باب الجمعة (۱۵۹/۲): وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح وخطبة عید وختم علی المعتمد۔

(۱۲۸) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج مطہرات سے نکاح میں خطبہ وغیرہ کی تفصیلات

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور بنات کا نکاح کن کن اشخاص نے پڑھایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد نکاح فرمائے ان نکاح کے پڑھانے والوں کے کیا نام ہیں؟ نیز بنات طیبات اور دیگر صحابیات میں سے تمام کے نہیں لیکن خاص خاص صحابیات کے نکاح اور ان کی کیفیت کو ذکر کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صحیح اور مشہور مذہب کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے نہ تو کسی ولی کی ضرورت تھی اور نہ گواہوں کی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

البتہ تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے بعض ازواج مطہرات کے نکاح پڑھانے والوں کے بارے میں صراحت ملتی ہے۔

(۱) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو طالب نے پڑھایا تھا۔

(۲) مستدرک حاکم اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت نجاشی نے پڑھایا تھا۔

(۳) زرقانی میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے والد نے پڑھایا تھا۔

(۴) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔

(۵) تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں پڑھایا تھا۔

باقی ازواج مطہرات کے نکاح پڑھانے والوں کے بارے میں صراحت نہیں ملی البتہ ولی نکاح کی صراحت ملتی ہے۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنات کے نکاح کی بات ہے تو تاریخ کی کتابوں میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بنات کا نکاح خود ہی کرایا تھا۔ حضرت زینب بنت عثمان رضی اللہ عنہا صحابیہ کا نکاح ان کے چچا حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کرایا تھا اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔

لمافی السیرة النبویة لابن هشام (۳۰۰/۴، ۳۰۱، ۳۰۲) (ط داراحیا التراث):

"زواجه بخدیجة": خدیجة بنت خویلد وهی اول من تزوج زوجه إیاها ابوها خویلد بن اسد..... الخ۔

Marfat.com

"زواجه بعائشة": وتزوج رسول الله عائشة بنت ابى بكر الصديق بمكة ... زوجه إياها ابوها أبو بكر... الخ

"زواجه بسودة": وتزوج رسول الله سودة بنت زمعة..... زوجه إياها سليط بن عمر۔

"زواجه بزينب بنت جحش": زوجه إياها اخوها ابو احمد۔

"زواجه بام سلمة": زوجه إياها سلمة بن ابى سلمة ابنها۔

"زواجه بحفصة": زوجه إياها أبوها عمر بن الخطاب۔

"زواجه بأم حبيبة": زوجه إياها خالد بن سعيد بن العاص۔

"زواجه بجويرية": وخطبها رسول الله الى ابيها فزوجه اياها۔

"زواجه بصفية": وتزوج رسول الله صفية بنت حى بن اخطب سباها من خيبر فأصطفاها لنفسه۔

"زواجه بميمونة": زوجه اياها العباس بن عبد المطلب۔

"زواجه زينب بنت خزيمة": زوجه إياها قبيصة بن عمرو۔

وفى البداية والنهاية (١٣٥/٣)(دار الفكر): فصل فى تزوج النبى بأم حبيبه: امر النجاشى جعفر بن ابى طالب ومن كان هناك من المسلمين ان يحضروا وخطب النجاشى۔ الخ۔

وفى الاصابة (١٥٠/٨) (ط دار الكتب العلميه): زينب بنت سيد ولد آدم ۔۔۔ هى اكبر بناته واول من تزوج منهن۔

وفى اسد الغابة (٤٢١/٧) (ط داراحياء التراث): فزوج النبى ﷺ رقية عن عثمان رضی اللہ عنہ فلما توفيت زوجه أم كلثوم۔

وفيه أيضاً(٢٣٩/٧): فاطمة بنت رسول الله سيدة نساء العالمين ۔۔۔ وكانت احب الناس الى رسول الله وزوجها عن على بعد احد۔

وفى الاصابة (١٦١/٨) (ط دار الكتب العلميه): زينب بنت عثمان بن مظعون: قال: تزوج ابن عمر زينب بنت عثمان بعد وفاة ابيها زوجه اياها عمها قدامة۔

وفى اسد الغابة (٢٥/٧) (ط داراحياء التراث): "أمامة بنت ابى العاص" أمها زينب بنت رسول الله وكانت فاطمة وصت عليا ان يتزوجها فلما توفيت فاطمة تزوجها زوجها منه الزبير بن العوام لأن اباها قد أوصاه بها۔

Marfat.com

فصل فی وعد النکاح

(منگنی کے مسائل کا بیان)

(۱۲۹) منگنی کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل عموماً شادی سے پہلے منگنی کی رسم اداء کی جاتی ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے اور جو شخص اس کو ضروری سمجھے اس کا کیا حکم ہے؟ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی سے قبل دونوں خاندان والوں کا جمع ہوکر کچھ اشیاء کا طے کرنا ضروری ہوتا ہے یہ چیزیں عین شادی کے موقع پر طے کرنا مشکل ہوتی ہیں لہٰذا اگر دونوں خاندان والے کسی مجلس میں جمع ہوجائیں (جسے ہمارے عرف میں منگنی کہتے ہیں) اور منکرات، لہو ولعب سے بچتے ہوئے یہ چیزیں طے کرلی جائیں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے البتہ اس میں حد سے زیادہ تکلفات یا بے پردگی وغیرہ امور سے اجتناب بے حد ضروری ہے۔

لمافی الدرالمختار(۱۲/۳): هل أعطيتنيها ان المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

وفی الرد تحته: قال في شرح الطحاوي لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

(۱۳۰) منگنی کیا ہے اور کیا دورِ نبوی میں اس کا رواج تھا؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی کی رسم کا ثبوت دورِ نبوی سے ملتا ہے؟ منگنی کیا ہے؟

Marfat.com

الفقه الاسلامی اور المفصل فی احکام المرأة والبیت المسلم میں "الخطبة مجرد وعد بالزواج لازواجا" کہا گیا ہے جس سے لگتا ہے خطبہ یعنی پیغام نکاح ہی منگنی وعد بالزواج ہے اگر یہ بات لے لی جائے تو پھر منگنی کے ثبوت کے دلائل بہت زیادہ ہوں گے جتنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغام بھیجے وہ سب دلیل بن جائیں گے لیکن اگر یہ بات درست نہیں تو منگنی کا خیر القرون میں مروج معنی میں رواج تھا یا نہیں؟ بیٹھ کر نکاح کی تاریخ طے کی گئی ہو تو تحقیق فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عربی زبان میں خِطبہ کے حقیقی معنی پیغام نکاح اور نکاح کی بات چیت کے ہیں البتہ عرف عام میں خطبہ کا اطلاق منگنی پر انتہاء اور مآل کے اعتبار سے ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اولا پیغام دیا جاتا ہے پھر طرفین ایک دوسرے سے متعلق اطمینان کر لیتے ہیں اگر بات بن جائے تو وعدہ کرلیا جاتا ہے، یہی پیغام نکاح نتیجۃً اور انتہاء وعدہ نکاح یعنی منگنی ہے البتہ ابتداء اس کی حیثیت وعدہ نکاح کی نہیں۔

الفقہ الاسلامی اور المفصل کے مصنفین نے بھی خطبہ کے معنی پیغام نکاح کے کئے ہیں اور ان کا خطبہ کو "مجرد وعد بالزواج لازواجا" کہنے سے دو باتوں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ایک یہ کہ اگر کوئی عذر شرعی ہو تو خطبہ کو فسخ بھی کر سکتے ہیں کہ خطبہ نتیجۃً محض وعدہ ہے نکاح نہیں، دوسرا یہ کہ خطبہ کی بنیاد پر اجانبین ایک دوسرے کے حق میں محرم نہیں بنتے کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔

رہی بات خیر القرون میں مروجہ منگنی کا رواج تو تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی صراحت نہ ملی جس میں بیٹھ کر تاریخ وغیرہ طے ہوئی ہو، ہاں پیغام نکاح کے بعد آپس میں مشورہ کرنا، مہر وغیرہ متعین کرنا ملتا ہے، لیکن تاریخ کی تعیین کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان حضرات کے ہاں تاریخ طے نہ ہوتی ہو کیونکہ یہ تاریخی واقعات ہیں جن کا من وعن ہم تک پہنچنا لازمی اور ضروری نہیں۔

لمافی القاموس المحیط (۶۵/۱) الخطبة بکسر الخاء مصدر خطب، یقال خطب المرأة خطبة وخطبا، واختطبها، اذا طلب ان یتزوجها، واختطب القوم فلانا اذا دعوه الی تزویج صاحبتهم۔

وفی المعجم الوسیط (۲۴۳): خطب الناس خطبا وخطبة: طلبها للزواج ویقال خطبها الی اهلها: طلبها منهم للزواج۔ الخطبة طلب المرأة للزواج والمرأة المخطوبة۔

وفی لغات القرآن (۳۱۳/۱): خِطبة پیغام نکاح، منگنی، نکاح کی بات چیت کو خطبہ کہتے ہیں۔

وفی المرقاة (۲۷۸/۶) کتاب النکاح: الخطبة منهیة اذاکانا راضیین وتعین الصداق۔

وفی المفصل فی احکام المرأة (۵۸/۶) الخطبة: حکمة تشریعها: اما حکمة تشریعها فهی اعطاء فرصة کافیة للمرأة واهلها واولیائها للسؤال عن الخاطب والتعرف علی ما یهم المرأة واهلها واولیائهم معرفته من خصال الخاطب مثل تدینه واخلاقه وسیرته ونحو ذلك ۔۔۔ وفی الخطبة

Marfat.com

أيضا فرصة للخاطب ليعرف عن المرأة مالم يعرفه عنها قبل الخطبة۔

وفى الفقه الاسلامى وادلته (٦٤٩٢/٩): معنى الخطبة هى اظهار الرغبة فى الزواج بامرأة معينة ۔۔۔ فان وافقت المخطوبة او اهلها فقد تمت الخطبةبينهما وترتبت عليها احكامها وآثارها الشرعية ۔۔۔ الخطبة والوعد بالزواج، وقراءة الفاتحه، وقبض المهر، وقبول الهدية لا تكون زواجا۔

وفى الشامية (٨/٣) كتاب النكاح: وتقديم خطبة ۔۔۔ واما بكسرها فى طلب التزوج۔

(۱۳۱) منگنی اوراس کے بعد کی رسوم ونیوتہ کی شرعی حیثیت

سؤال

آجکل ہمارے ہاں جومنگنی کا رواج ہے کہ لڑکے والے خودلڑکے کوساتھ لے کرلڑکی کے گھر جاتے ہیں اورانگوٹھی وغیرہ کی رسم ہوتی ہے اور بعض علاقوں میں صرف والدین ایسا کرتے ہیں اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ کیا منگنی کی رسم شرعاً ثابت ہے یانہیں؟ اگر ثابت ہےتوشرعی طریقہ کیا ہے؟ نیز جب منگنی ہوجاتی ہےتواس کے بعد دوسری رسومات مثلاً اگراس کے بعدعیدوغیرہ آجائےتومنگیتر کے لئے کپڑے وغیرہ بھیجنا، اسی طرح شادی سے پہلے لہنگاوغیرہ کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ لازم کیا جانا کیا یہ شرعی لحاظ سے درست ہے یانہیں؟ پھر بسا اوقات بہترین جہیز وغیرہ کے لئے والدین قرضہ لیتے ہیں تاکہ برادری میں ہماری عزت باقی رہے کیا اس کے لئے قرض لینا درست ہے؟ شادی کے دن کھانے کے بعد عام طور پر جو نیوتہ کی رسم ہوتی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے یانہیں؟ ازراہِ کرم شریعت محمدیہ کے مطابق راہنمائی فرماکرممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی شرعی طور پرصرف وعدۂ نکاح کا نام ہےاوراس موقع پر جورسومات ہوتی ہیں اگروہ قرآن وحدیث اورنصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہوں تب توجائز ہیں، لیکن اگروہاں محظورات شرعیہ کاارتکاب کیا جاتا ہوتو پھرجائزنہیں لہٰذا منگنی کے موقع پرلڑکے والےلڑکے کو لے کرلڑکی کے گھر جاتے ہیں اورلڑکی کوانگوٹھی پہناتے ہیں تواگروہاں دیگرمفاسدنہ ہوں (مثلاً لڑکا خودلڑکی کوانگوٹھی نہ پہنائے وغیرہ) تو یہ جائز ہےورنہ جائزنہیں ہے۔ منگنی کے بعد جودیگررسومات (مثلاً منگیتر کیلئے کپڑےاور ہدایا بھیجنا) کی جاتی ہیں اگراس میں ریاءونمود مقصودنہ ہواورشوہر کے ذمہ لازمی بھی نہ ہو، اوراپنے اوپرقرض کابوجھ نہ لادیں تو جائز ہے ورنہ صحیح نہیں۔ نیز جہیز اگروالدین اپنی رضامندی سےاوراپنی مالی استطاعت سے بیٹی کودیں توکوئی حرج نہیں لیکن عموماً چونکہ اس کاالتزام اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ برادری میں عزت باقی رہےاورریاءودکھلاوامقصودہوتا ہےاوراس کیلئے بغیرضرورت کےقرضہ لیتے ہیں لہذا یہ جائزنہیں ہے۔ نیوتہ کے جوازکیلئے چند

Marfat.com

شرائط ہیں:

(۱) اگر کوئی غریب آدمی اپنی اولاد کی خوشی کرنا چاہتا ہو، اور اسکے پاس آمدن نہ ہو تو اس کو بطور قرض کے دے سکتے ہیں۔

(۲) مذکورہ لین دین کی صورت میں ایک دوسرے پر اکراہ و جبر نہ ہو۔

(۳) اگر کوئی نہ دے تو اس پر طعن و تشنیع بھی نہ ہو۔

(۴) فخر و نمود کا سلسلہ بھی نہ ہو لہٰذا اگر ان شرائط کا لحاظ کیا جائے تو یہ لین دین صحیح ہے،

لیکن جن علاقوں میں یہ رواج ہے وہاں ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس لئے یہ لین دین بھی صحیح نہیں ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ:۱۸۸): وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ... الآية

وفی مشکوۃ المصابیح (۲۵۵/۱): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " ألا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه "

وفی الشامیة (۱۵۳/۳): قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

وفيه أيضاً (۱۵۵/۳): وعلى هذا فما يقع في قرى دمشق من أن الرجل يخطب امرأة ويصير يكسوها ويهدي إليها في الأعياد ويعطيها دراهم للنفقة والمهر إلى أن يكمل لها المهر فيعقد عليها ليلة الزفاف فإذا أبت أن تتزوجه ينبغي أن يرجع عليها بغير الهدية الهالكة على الأقوال الأربعة المارة لأن ذلك مشروط بالتزوج كما حققه قاضيخان فيما مر۔

(۱۳۲) منگیتر سے ملاقات اور فون پر بات چیت کرنے کا حکم

سوال

آجکل یہ رواج ہے کہ جب کسی لڑکے اور لڑکی کی منگنی ہو جاتی ہے تو آپس میں ملاقات اور فون وغیرہ پر بات، چیت شروع ہو جاتی ہے کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ نیز اگر کسی کا نکاح ہوا ہو اور رخصتی ہونا باقی ہے تو وہ اپنی بیوی سے ملاقات یا فون وغیرہ پر بات کر سکتا ہے براہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں اجنبیہ عورت کو دیکھنا اور اس کے ساتھ بات چیت کرنا حرام ہے اور منگنی ہوجانے کے باوجود لڑکی اجنبیہ عورت کے حکم میں داخل ہوتی ہے لہٰذا آپس میں ملاقات اور فون وغیرہ پر بات چیت کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے نیز اگر کسی عورت کا نکاح ہوجائے اور رخصتی نہ ہوئی ہو تو اس عورت سے ملاقات اور فون وغیرہ پر بات چیت کرنا جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ ملاقات اور بات چیت رخصتی کے بعد ہی کی جائے۔

لمافی سنن النسائی (۶۰/۲): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال خطب رجل امرأة من الأنصار فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل نظرت إليها؟ قال لا، فأمره أن ينظر إليها۔

وفی مرقاة المفاتيح (۲۵۱/۶): وفيه استحباب النظر إليها قبل الخطبة حتى إن كرهها تركها من غير إيذاء۔۔۔ وإنما يباح له النظر إلى وجهها وكفيها فحسب لأنهما ليسا بعورة في حقه فيستدل بالوجه على الجمال وضده وبالكفين على سائر أعضائها باللين والخشونة اهـ

وفی الهندية (۳۲۹/۵): وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن وذلك الوجه والكف في ظاهر الرواية كذا في الذخيرة وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام كذا في الينابيع النظر إلى وجه الأجنبية إذا لم يكن عن شهوة ليس بحرام لكنه مكروه كذا في السراجية ۔۔۔ ولا يحل له أن يمس وجهها ولا كفها وإن كان يأمن الشهوة وهذا إذا كانت شابة تشتهى۔

وفی الدرالمختار (۳۶۷/۶): (إلا من أجنبية) فلا يحل مس وجهها وكفها وإن أمن الشهوة لأنه أغلظ۔ وفی (ص۳۶۹): ولا يكلم الأجنبية إلا عجوزا عطست أو سلمت فيشمتها ويرد السلام عليها وإلا لا انتهى۔

وفی الرد تحته: قوله (وإلا لا) أي وإلا تكن عجوزا بل شابة لا يشمتها ولا يرد السلام بلسانه۔

(۱۳۳) منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عنقریب میرے بڑے بھائی کی شادی ہونے والی ہے اگلے ہفتے منگنی کی تقریب ہے۔ میرا بھائی کہہ رہا ہے کہ میں منگنی میں لڑکی کو انگوٹھی پہناؤں گا جیسے سب پہناتے ہیں۔ والد صاحب زمیندار

Marfat.com

ہیں، وہ منع کررہے ہیں۔آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا منگنی میں میرا بھائی لڑکی کو انگوٹھی پہنا سکتا ہے شرعی حکم کیا ہے میں بھی دینی مدرسے کا طالب ہوں میں نے اپنی مشکوۃ شریف کی شرح مرقاۃ شریف میں اس حدیث کی تشریح پڑھی جو مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کے بارے میں ہے وہاں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

"وظاهره جواز مساستها فإن به تبين اللين وضده "(مرقاة، ۶/۲۵۱)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ نرمی اور سختی معلوم ہوجائے جو کہ بظاہر چھو کر زیادہ بہتر معلوم ہوسکتی ہے یہ بات ذکر کی ہے۔ بظاہر اس عبارت سے انگوٹھی پہنانا ثابت ہوتا ہے لیکن میں نے بھائی کو نہیں بتایا پہلے آپ سے فتویٰ لینا ضروری تھا لہٰذا آپ بتادیں کہ نظر الی المخطوبة والی حدیث میں کسی نے مس کا جواز ذکر کیا ہے نیز فتویٰ کیا ہے۔اور خوف شہوت کے باوجود دیکھنے کی اجازت ہے تو انگوٹھی پہنادینے میں کیا حرج ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن وحدیث میں عورتوں کیلئے غیر محرموں سے پردہ کرنے کے احکام مفصلاً بیان فرمائے گئے ہیں۔ان آیات واحادیث کو سامنے رکھتے ہوئے غیر محرم سے پردہ کرنا ضروری ہے۔اگر کوئی غیر محرم سے پردہ نہیں کرتا تو سخت گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور غیر محرم کو چھونا تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔

(۱) صورت مسئولہ میں لڑکے کا از خود لڑکی کو انگوٹھی پہنانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اجنبیہ کو جو کہ غیر محرم ہے چھونا لازم آرہا ہے اور یہ سخت گناہ ہے۔

(۲) قرآن وحدیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجنبیہ عورت کو چھونا جائز نہیں مخطوبہ بھی چونکہ اجنبیہ ہی ہوتی ہے لہٰذا اس کو بھی چھونا جائز نہیں۔ جہاں تک بات ہے کہ حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شریف میں یہ لکھا ہے، کہ مخطوبہ کو چھونا جائز ہے۔اس سے متعلق ہم نصوص، فقہاء کرام کے اقوال اور مفتی بہ قول کو سامنے رکھتے ہوئے یہی کہیں گے کہ یہ حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے، فتویٰ اسی پر ہے کہ مخطوبہ کو مس کرنا (چھونا) جائز نہیں نیز ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس بات کو "وظاہرالخ" سے تعبیر فرمایا ہے یعنی "بظاہر مسئلے کی علت سے چھونے کا جواز معلوم ہوتا ہے" جو کہ خود بتارہا ہے کہ یہ حکم شرعی نہیں بلکہ صرف ظاہر کا تقاضہ ہے اور ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اس کے قائل نہیں۔

(۳) حدیث نبوی میں مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے اس لئے کہ اس میں ضرورت ہے۔اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرات فقہاء کرام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ شہوت کے باوجود آدمی مخطوبہ کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں خلوت لازم نہیں آتی اور نہ اس میں شہوت پورا کرنا مقصود ہوتا ہے بلکہ اقامت سنت مقصود ہوتی ہے اور انگوٹھی پہنانے میں چونکہ ایسی کوئی ضرورت نہیں لہٰذا انگوٹھی پہنانا مطلقاً درست نہیں چاہے شہوت کے ساتھ ہو یا بدونِ شہوت بہر صورت حرام ہے۔

Marfat.com

لمافی المشکوۃ (۲۶۸/۲) کتاب النکاح (ط قدیمی): عن جابر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " إذا خطب أحدکم المرأۃ فإن استطاع أن ینظر إلی ما یدعوہ إلی نکاحها فلیفعل۔"

وفی الهندیة (۳۳۰/۵):ولو أراد أن یتزوج امرأة فلا بأس بأن ینظر إلیها وإن خاف أن یشتهیها کذا في التبیین ۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۵۰۸/۹): تحریم الخلوة بالمخطوبة :بینا أن الخطبة لیست زواجاً، وإنما هي مجرد وعد بالزواج، فلا یترتب علیها شيء من أحکام الزواج، ولا الخلوة بالمرأة أو معاشرتها بانفراد لأنها ماتزال أجنبیةعن الخاطب۔۔وأما المعاشرة قبل الزواج والذهاب معاً إلی الأماکن العامة وغیرها،فهو کله ممنوع شرعاً۔

(۱۳۴) منگیتر سے ملنا اور بات چیت کرنا

سوال

جناب والا میں آپ کی توجہ معاشرے میں پھیلتے ہوئے ایک ایسے زہر کی طرف کرانا چاہتا ہوں جو ہر گھر میں سرایت کرتا جارہا ہے اور لوگ معلوم نہیں اس پر توجہ کیوں نہیں دیتے۔ مسئلہ یہ ہے کہ منگنی میری معلومات کے مطابق بے معنی چیز ہے اس سے شرعاً لڑکی نامحرم ہی رہتی ہے اگر میری یہ معلومات درست ہیں اور منگنی کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں تو پھر یہ جو عام رواج ہے کہ لڑکا لڑکی منگنی کے بعد گھومتے پھرتے ہیں گھر میں بغیر پردے کے ملتے ہیں کبھی تو خلوت بھی ہوجاتی ہے۔ مفتی صاحب کیا یہ غلط نہیں یا میں غلط سمجھا ہوں، منگیتر کو شریعت کیا درجہ دیتی ہے؟ کیا بندہ والدین کے ساتھ اس سے مل سکتا ہے۔ تفصیلی جواب عنایت فرمادیں تاکہ جو حق ہو میں خود بھی اتباع کروں اور اپنے خاندان کی حد تک اسے پھیلاؤں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

منگنی وعدہ نکاح کا نام ہے، منگنی کرنے سے عورت نامحرم اور اجنبی ہی رہتی ہے جب تک کہ نکاح نہ ہوجائے لہٰذا منگنی کرنے کے بعد لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لئے اجنبی (نامحرم) کے حکم میں ہیں اور نامحرم اجنبی عورت کو دیکھنا بلاضرورت باتیں کرنا، خلوت یعنی تنہائی اختیار کرنا یہ سب ناجائز ہے اور والدین کی موجودگی میں بھی منگیتر سے ملنا صحیح نہیں کیونکہ ملنے کے وقت ایک دوسرے پر نظر پڑے گی اور بغیر ضرورت (اجنبی عورت) نامحرم کو دیکھنا جائز نہیں۔

لمافی الدر المختار (۳۶۸/۶۔ ۳۷۱): الخلوة بالأجنبیة حرام ۔۔۔ولا یکلم الأجنبیة ۔۔۔ (و) ینظر

Marfat.com

(من الأجنبية) ولو كافرة مجتبى (إلى وجهها وكفيها فقط) للضرورة ـــ (فإن خاف الشهوة) أو شك (امتنع نظره إلى وجهها) فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام وهذا في زماننا وأما في زماننا فمنع من الشابة۔

وفی الرد تحته(۳۷۰/۶): ذكر محمد في الأصل فقد ذكر الاستحباب في نظر المرأة إلى الرجل الأجنبي وفي عكسه قال فليتجنب۔

(۱۳۵) منگنی کے وقت ایجاب وقبول نکاح ہی شمار ہوگا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض جگہ یہ رواج ہے کہ رشتہ طے کرنے کے بعد منگنی میں نکاح کیا جاتا ہے اس کے بعد دونوں رشتہ دار ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے ہیں۔لڑکا لڑکی کو فون بھی کرتا رہتا ہے اور بسا اوقات ایک دوسرے سے ملاقات بھی کرتے ہیں۔اس لڑکے کا ایک دوست ہے وہ کہتا ہے کہ لڑکے کا لڑکی کے ساتھ ملنا حرام ہے۔کیونکہ منگنی میں نکاح جو کیا جاتا ہے وہ رسمی نکاح ہوتا ہے اصل نکاح وہی ہوتا ہے جو شادی کے دوران کیا جاتا ہے۔کیا اس کی یہ بات درست ہے؟ اگر درست ہو تو لڑکا بجائے اس کے کہ کسی اور لڑکی کے ساتھ فون پر بات کرے اسی لڑکی کے ساتھ ملاقات اور بات کیوں نہ کرے جبکہ عنقریب دونوں کی شادی بھی ہونے والی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ منگنی کی مجلس عموماً نکاح کے وعدے کیلئے منعقد کی جاتی ہے نکاح کرنا مقصود نہیں ہوتا، اسی طرح نکاح کے صریح الفاظ "نکاح" یا "تزویج" وغیرہ بھی استعمال نہیں کئے جاتے نیز اصل نکاح کی مجلس بعد میں منعقد بھی کی جاتی ہے لہٰذا اگر منگنی کی مجلس میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو نکاح کے لئے کنایہ ہوں (مثلاً میں نے لڑکی دیدی یا میں اپنی لڑکی کا رشتہ دیتا ہوں) تو ان کنایہ الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ کنایہ الفاظ سے نکاح اس وقت منعقد ہوتا ہے، جب کہنے والا نکاح کی نیت بھی کرے اور گواہ بھی اس سے نکاح سمجھتے ہوں جبکہ یہاں ایسا نہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں منگنی کی مجلس میں کئے گئے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہ ہوگا لیکن اگر کہیں صریح الفاظ سے (مثلاً میں اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہوں وغیرہ) گواہوں کی موجودگی میں منگنی کی مجلس میں نکاح کر دیا گیا تو ظاہر ہے کہ نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ صریح نکاح کا لفظ نیت وغیرہ کا محتاج نہیں ہوتا البتہ عموماً ایسا نہیں کیا جاتا لہٰذا صورت مسئولہ میں منگنی کی مجلس میں کئے گئے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوا اس کے بعد لڑکی سے ملاقات اور فون پر بات چیت کرنا جائز نہیں وہ لڑکی (منگیتر) نامحرم کے حکم میں ہے۔

Marfat.com

لمافی البخاری (۷۸۷/۲): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم۔

وفی فتح القدير (۱۸۷/۳): حكمه حل استمتاع كل منهما بالآخر على الوجه المأذون فيه شرعا۔

وفی (ص ۱۹۱): لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۴۹۲/۹): الخطبة مجرد وعد بالزواج، وليست زواجاً فإن الزواج لا يتم إلا بانعقاد العقد المعروف، فيظل كل من الخاطبين أجنبياً عن الآخر، ولا يحل له الاطلاع إلا على المقدار المباح شرعاً وهو الوجه والكفان۔

وفی (ص۶۵۸۹): أحكام الزواج عند الفقهاء: حكم الزواج الصحيح اللازم: للزواج اللازم أو التام الذي استوفى أركانه وشروطه كلها آثار هي:

ا۔ حل استمتاع كل من الزوجين بالآخر على النحو المأذون فيه شرعاً۔

(۱۳۶) ''کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی؟'' منگنی ہے یا نکاح؟

سوال

ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی اس کے جواب میں وہ شخص کہتا ہے ہاں میں نے تجھے دی۔ اس مسئلے میں شامیہ وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ منگنی کی مجلس میں یہ کلمات منگنی شمار ہوں گے اور نکاح کے عقد میں نکاح شمار ہوں گے۔ مفتی صاحب یہ الفاظ تو نکاح میں کنائی ہیں اس میں اصل مدار تو نیت پر ہونا چاہیئے جبکہ بظاہر یہاں مجلس کا اعتبار کیا جارہا ہے یہ خلافِ اصول نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

''کیا تو نے مجھے اپنی بیٹی دی'' یہ الفاظ نکاح کے باب میں کنائی ہیں، اس میں مدار تو نیت پر ہونا چاہیئے لیکن نیت پر مدار کنائی الفاظ میں فردِ واحد سے متعلق ہوتا ہے یہاں کیونکہ مجلس کے اعتبار سے یہ الفاظ منگنی اور نکاح دونوں مجالس میں استعمال ہو سکتے ہیں لہٰذا یہاں نیت پر مدار گواہوں کیلئے نکاح کے معاملے کو مشتبہ کر سکتا ہے اور بعد میں اختلاف کا سبب بھی بن سکتا ہے لہٰذا فقہاء نے یہاں نیت کے بجائے مجلس کا اعتبار کیا ہے تاکہ منگنی میں اگر موجب (ایجاب کرنے والا شخص) یہ لفظ استعمال کرے اور سامنے والا منگنی سمجھ کر قبول کر لے تو بعد میں موجب اسے نکاح قرار نہ دے دے جبکہ فریقِ ثانی نے منگنی سمجھ کر قبول کیا ہو۔

Marfat.com

لہٰذا ان الفاظ "کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی؟" میں مجلس کا اعتبار ہے مجلس منگنی کیلئے منعقد ہو تو ان الفاظ سے منگنی اور مجلس اگر نکاح ہے تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوگا۔

وفی الشامیة (۱۱/۳): لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح اهـ قال الرحمتي فعلمنا أن العبرة لما يظهر من كلامهما لا لنيتهما ألا ترى أنه ينعقد مع الهزل والهازل لم ينو النكاح۔

(۱۳۷) "فلاں کے بیٹے کو اپنی بیٹی دے دی" منگنی شمار ہوگا یا نکاح؟

سوال

ایک صاحب نے چار اشخاص کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ فلاں نے اپنے بیٹے کیلئے میری بیٹی مانگی تھی میں نے اس کے بیٹے کو اپنی بیٹی دے دی، ان الفاظ سے منگنی ہوئی یا نکاح؟ اب اگر وہ شخص اپنی بیٹی کا نکاح کہیں اور کرنا چاہے تو طلاق ضروری ہے یا صرف منگنی توڑنے کا گناہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپس میں جو بات چیت ہوئی اگر وہ منگنی کی ہو تو یہ منگنی یعنی نکاح کا وعدہ شمار کیا جائے گا اس صورت میں دونوں آپس میں اجنبی ہیں، کسی دوسرے سے نکاح کرا دیا جائے تو جائز ہے البتہ اس طرح کرنے سے وعدہ خلافی لازم آتی ہے اور اگر عقد نکاح کا ہو تو آپس میں میاں بیوی شمار کئے جائیں گے اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کرانا جائز نہیں جب تک کہ وہ شخص طلاق نہ دے۔

لما فی القرآن الکریم (سورة المائدة:۱): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ... الآية۔

(الإسراء:۳۴) وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا۔

وفی المرقاة (۱۲۶/۱): ما يدل على وجوب الوفاء بالوعد لأن ذم الإخلاف إنما هو من حيث تضمينه الكذب المذموم إن عزم على الإخلاف حال الوعد لا إن طرأ له۔

وفی (۲۱۱/۶) : (قوله: أو يترك) أي نكاحها قيل الخطبة منهية إذا كانا راضيين وتعين الصداق لكن إن تزوج الثاني تلك المرأة بغير إذن الأول صح النكاح ولكن يأثم۔

وفی الدر المختار (۱۲/۳): هل اعطيتنيها ان المجلس للنكاح وان للوعد فوعد۔

وفی الشامیة (۱۱/۳): لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن

Marfat.com

كان للعقد فنكاح اھ قال الرحمتي فعلمنا أن العبرة لما يظهر من كلامهما لا لنيتهما ألاترى أنه ينعقد مع الهزل والهازل لم ينو النكاح وإنما صحت نية الاستقبال في المبدوء بالتاء لأن تقدير حرف الاستفهام فيه شائع كثير في العربية اھ وبه علم أن المبدوء بالهمزة كما لا يصح فيه الاستيعاد لا يصح فيه الوعد بالتزوج في المستقبل عند قيام القرينة على قصد التحقيق و الرضا۔

(۱۳۸) منگنی توڑنا وعدہ خلافی ہے

سوال

میرا ایک دوست ہے جو آجکل مدینہ منورہ میں مقیم ہے ان کے گھر والوں نے یہاں پاکستان میں ان کے لئے ایک رشتہ طے کیا منگنی وغیرہ تمام رسومات ادا کر دی گئیں۔ ان سب کچھ کے بعد لڑکے سے بذریعہ ٹیلیفون پوچھا تو اس نے قبول کیا البتہ بعد میں یہ ہوا کہ جس لڑکی کا رشتہ میرے دوست کے ساتھ ہو گیا تھا ان کے والدین نے اس لڑکی کا رشتہ کسی اور جگہ کروا دیا۔ اس صورت میں کیا کیا جائے کیونکہ میرا دوست کافی پریشان ہے اور کہہ رہا ہے کہ اگر اس لڑکی سے شادی نہ ہوئی تو میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ وہ دوسرا لڑکا بھی فی الحال دوسرے ملک میں مقیم ہے یعنی اس کو بھی بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی گئی تھی اور انہوں نے بھی ہاں کی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اصطلاحِ شریعت میں منگنی کی حیثیت وعدہ کی طرح ہے جس سے نکاح لازم نہیں ہوتا البتہ اگر منگنی کے وقت آپ کے دوست کا باقاعدہ شرعی طور پر نکاح بھی ہو گیا تھا تو دوسرے لڑکے والوں سے رشتہ طے کرنا درست نہیں بلکہ وہ آپ کے دوست کی منکوحہ ہے لیکن اگر صرف منگنی ہوئی تھی اور لڑکی والوں نے لڑکی کا رشتہ کسی اور جگہ طے کر لیا ہے تو یہ وعدہ خلافی ہو گی جو حرام اور ناجائز ہے احادیثِ مبارکہ میں ایسا کرنے والوں پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں لیکن دوسری جگہ عقد بہر حال منعقد ہو جائے گا، نیز جس لڑکے کے ساتھ یہ رشتہ طے ہوا ہے اگر ان کو پہلے سے معلوم ہو کہ آپ کے دوست کا رشتہ اس لڑکی کے ساتھ طے ہو چکا ہے پھر بھی وہ پیغامِ نکاح بھیجتے ہیں تو ان کیلئے بھی جائز نہیں، متعدد احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ آپ کے دوست کو چاہیئے کہ کسی اور جگہ پیغامِ نکاح بھیج کر شادی کر لیں۔

دلائل المسئلة مرت فی المسئلة السابقة۔

Marfat.com

(۱۳۹) بے دینی کی وجہ سے منگنی توڑنا جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ہمشیرہ کا رشتہ ایک سال پہلے ایک لڑکے سے ہوا لڑکا اس وقت تبلیغی جماعت میں کچھ وقت لگا کر آیا تھا ہم نے دیکھا کہ لڑکا بڑا نیک ہے پابندی سے نماز وغیرہ پڑھتا ہے، یہ دیکھ کر رشتہ طے کر دیا مگر چھ سات مہینے بعد لڑکے نے داڑھی صاف کر لی نماز پڑھنی چھوڑ دی اب ہم بہت پریشان ہیں کیا ہم اپنی ہمشیرہ کا رشتہ ختم کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی محض ایک وعدہ نکاح ہے اور وعدہ پورا کرنے میں اگر کوئی جائز مانع پایا جائے تو اسے ختم کرنے کی گنجائش ہے صورت مسئولہ میں رشتہ دینداری کی بناء پر طے کیا گیا تھا، چونکہ لڑکے نے داڑھی صاف کر لی اور نماز پڑھنا بھی چھوڑ دی تو بوجہ فسق کے منگنی توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (المائدۃ:۱):یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

وفی البخاری (۷۶۲/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك"

وفی عمدۃ القاری (۲۲۱/۱):إذا وعد أخلف نبه على فساد النية لأن خلف الوعد لا يقدح إلا إذا عزم عليه مقارنا بوعده أما إذا كان عازما ثم عرض له مانع أو بدا له رأي فهذا لم توجد فيه صفة النفاق ويشهد لذلك ما رواه الطبراني بإسناد لا بأس به في حديث طويل من حديث، سلمان رضي الله عنه إذا وعد وهو يحدث نفسه أنه يخلف۔

وفی الھندیۃ(۲۹۱/۱): فلا يكون الفاسق كفؤا للصالحة كذا فی المجمع سواء كان معلن الفسق او لم يكن كذا فی المحيط۔

وفی الشامیۃ (۹/۳):والمرأة تختار الزوج الدين الحسن الخلق الجواد الموسر ولا تتزوج فاسقا ولا يزوج ابنته الشابة شيخا كبيرا ولا رجلا دميما ويزوجها كفؤا۔

وفی الفتاوی اللجنۃ الدائمۃ (۶۴/۱۸):س:: هل إذا تركت خطيبي بعد خطبة استمرت عاما كاملا يكون في ذلك ظلم له، وإن الله سوف ينتقم مني ، وسبب فسخي الخطبة هو عدم اقتناعه

Marfat.com

ببعض أمور الدين.

ز: لا حرج عليك في فسخ الخطبة إذا كان الخاطب غير مرضي الخلق والدين ونحوهما۔

(۱۴۰) پسند بدل جانے کی وجہ سے منگنی توڑنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی کی ایک تقریب میں اریبہ شیخ کا نکاح تین سال بعد عبید سے ہونا طے پایا لیکن اریبہ شیخ اوران کے والدعنیز شیخ کی پسند بدل گئی اور ایک اورلڑکا دبیل نامی پسند آ گیا مالداری اور دینداری دونوں اعتبار سے دبیل بہتر تھا لہٰذا وہ عبید سے منگنی توڑنا چاہتے ہیں کیا اریبہ لوگوں کیلئے یہ جائز ہے کیا اس طرح پسند بدل جانے سے منگنی توڑ سکتے ہیں؟ اسی طرح اگر عبید کی پسند بدل جائے تو وہ منگنی توڑ سکتا ہے؟ لڑکے، لڑکی کی پسند بدل جانے کے بعد نکاح نہ کر کے منگنی توڑنا کیسا ہے؟ آیا دونوں میں فرق ہے یا یکساں حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ منگنی ایک وعدہ ہے جس میں نکاح اور شادی سے متعلق دیگر تفصیلات کو مل بیٹھ کر طے کرلیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو اس معاملے کی انتہاء تک پہنچانے کی یقین دہانی کرادی جاتی ہے۔ منگنی کر کے نکاح کا وعدہ کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر لڑکے سے متعلق کوئی غلط بات یا لڑکی سے متعلق کوئی ایسی بات سامنے آئے جس کی وجہ سے بعد میں مسائل پیدا ہوسکتے ہوں تو اسی وقت اس تعلق کو ختم کردیا جائے اور نکاح کے بعد پیدا ہونے والے جھگڑوں اور فسادات کے وجود کی نوبت ہی نہ آئے۔

منگنی چونکہ درحقیقت محض وعدہ نکاح ہے وعدہ ہونے کے اعتبار سے اس کی پاسداری ضروری ہے وعدہ خلافی کرنے کو حدیث میں منافق کی علامت بتایا گیا ہے ایک مسلمان کو حتی الامکان اپنے کئے وعدہ کو پورا کرنا چاہیئے ایسے ہی منگنی کو بھی بغیر معقول عذر کے نہیں توڑنا چاہیئے اور اس نیت سے منگنی کرنا کہ بعد میں توڑ دیں گے اور سامنے والے فریق کو معاشرے میں بدنام اور ہتک عزت مقصود ہو تو یہ قطعاً حرام اور ناجائز ہے ایک مسلمان ایسے شنیع اقدام کا سوچ بھی نہیں سکتا البتہ اگر بوقت منگنی مثبت ارادے ہوں اور معاملات کو انجام تک پہنچانے کا مکمل عزم ہو بعد میں کسی وجہ سے ارادہ بدل جائے تو ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ کسی کی عزت پر آنچ نہ آئے اور معاشرے میں ایک تماشہ نہ بنے، افہام تفہیم کے ساتھ اس منگنی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اریبہ شیخ اور اس کے والدین نے عبید سے جو منگنی کی یا عبید نے منگنی کی ہو یہ صرف وعدہ نکاح تھا، نکاح نہیں اس منگنی کو بغیر کسی معقول عذر کے نہیں توڑنا چاہیئے البتہ اریبہ شیخ اور اس کے والدین عبید میں یا عبید اریبہ میں اخلاق وعادات کے متعلق

Marfat.com

ایسی بات دیکھے جو انہیں پسند نہ آئے یا پہلے سے معلوم نہ ہو تو اس پر مطلع کرتے ہوئے منگنی کو توڑا جاسکتا ہے مذکورہ صورت میں اریبہ شیخ یا اس کے والدین کو دین و دنیا کے اعتبار سے بہتری میں دبیل نامی شخص پسند آجاتا ہے اور وہ عبید کو ناپسند کرتی ہیں یا معاملہ اس کے برعکس ہوجائے کہ عبید کو کوئی اور لڑکی پسند آجائے اور اس کے گھر والوں کا ارادہ بدل جائے تو بجائے اس کے کہ نکاح کے بعد اختلافات پیدا ہوں اور معاملہ طلاق اور جھگڑوں تک پہنچ جائے، عبید کو جائز ہے کہ وہ منگنی توڑ دے یا معاملہ برعکس ہو تو اریبہ شیخ اور اس کے والدین کے لئے منگنی توڑنے کی گنجائش ہے۔

لما فی التفسیر المنیر (۱۲۲/۱۶) سورة مریم: إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ مشهورا بالوفاء، مبالغا بإنجاز ما وعد، فما وعد وعدا مع الله أو مع الناس إلا وفّى به ـــ وصدق الوعد من الصفات الحميدة في كل زمان ومكان، وخلفه من الصفات الذميمة، قال الله تعالى: يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ ما لا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا ما لا تَفْعَلُونَ، وقال رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلّم فيما رواه الشيخان والترمذي والنسائي عن أبي هريرة رضي الله عنه: آية المنافق ثلاث: إذا حدّث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا ائتمن خان وإذا كانت هذه صفات المنافقين فضدها صفات المؤمنين، ومما يؤسف له أن خلف الوعد شائع بين المسلمين، وبخاصة التجار والعمال وأصحاب الحرف۔

وفی عمدة القاری (۲۲۱/۱): رواه الطبراني بإسناد لا بأس به في حديث طويل من حديث سلمان رضي الله عنه إذا وعد وهو يحدث نفسه أنه يخلف وكذا قال في باقي الخصال وقال العلماء يستحب الوفاء بالوعد بالهبة وغيرها استحبابا مؤكدا ويكره إخلافه كراهة تنزيه لا تحريم ويستحب أن يعقب الوعد بالمشيئة ليخرج عن صورة الكذب ويستحب إخلاف الوعيد إذا كان التوعد به جائزا ولا يترتب على تركه مفسدة۔

وفی الحیلة الناجزة (۲۲۶): اتفق الأئمة على أن المرأة إذا كرهت زوجها لقبح منظر أو سوء عشرة جازلها أن تخالعه على عوض۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۴۹۲/۹): معنى الخطبة الخطبة هى اظهار الرغبة فى الزواج بامرأة معينة و اعلام المرأة وليها بذلك وقد يتم هذا الإعلام مباشرة من الخاطب او بواسطة اهله ـــ فإن وافقت المخطوبة أو اهلها فقد تمت الخطبة بينهما وترتبت عليها احكامها وآثارها الشرعية التى سا ذكر۔

وفی الفتاوىٰ اللجنة الدائمة (۶۴/۱۸): س:: هل إذا تركت خطيبي بعد خطبة استمرت عاما كاملا

Marfat.com

يكون في ذلك ظلم له، وإن الله سوف ينتقم مني وسبب فسخي الخطبة هو عدم اقتناعه ببعض أمور الدين.

ج: لا حرج عليك في فسخ الخطبة إذا كان الخاطب غير مرضي الخلق والدين ونحوهما۔

(۱۴۱) لڑکے کی معذوری کی وجہ سے منگنی توڑنا کیسا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے متعلق کہ زید کی منگنی ہوئی۔ منگنی کے بعد اس کو معذوری لاحق ہوگئی یعنی کام اور کسب کے قابل نہیں رہا تو آیا ایسی صورت میں لڑکی کی شادی دوسری جگہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر کا قادر علی النفقہ ہونا ضروری ہے لہٰذا جب وہ کام اور کسب کے قابل نہیں رہا تو وہ اس لڑکی کا کفؤ نہیں ہے لہٰذا اولیاء کو چاہیئے کہ اس کا نکاح ایسے آدمی سے کرادیں جو نان، نفقہ دینے پر قادر ہو لیکن اگر لڑکا نان نفقہ دینے پر قادر ہو تو محض معذوری کا بہانہ بنا کر منگنی توڑ دینا اخلاقی تقاضوں کے منافی ہے۔

لمافی البحرالرائق (۱۳۲/۳): وظاهر كلامهم أن القدرة على المهر والنفقة لا بد منه في كل زوج عربيا كان أو عجميا لكل امرأة ولو كانت فقيرة بنت فقراء كما صرح به في الواقعات معللا بأن المهر والنفقة عليه فيعتبر هذا الوصف في حقه۔الخ۔

وفی الدرالمختار (۹۰/۳): (ومالا) بأن يقدر على المعجل ونفقة شهر لو غير محترف۔

وفی الشامیة (۹۳/۳): قوله (ولا بعيوب الخ) أي ولا يعتبر في الكفاءة السلامة من العيوب التي يفسخ بها البيع كالجذام والجنون والبرص والبخر والدفر، بحر۔

(۱۴۲) لڑکا آوارہ گرد نکلے تو منگنی توڑنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری ایک عزیزہ کی منگنی ہوئی منگنی کے کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا برسر روزگار نہیں ہے اور کوئی کام کاج نہیں کرتا صرف آوارہ گردی کرتا رہتا ہے، کیا اس بنا پر یہ منگنی توڑی جاسکتی ہے یا

Marfat.com

نہیں؟ یہ وعدہ خلافی کے زمرے میں تو نہیں آئے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ منگنی کے وقت یہ بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکا برسر روزگار ہے اور اچھا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ کام کاج نہیں کرتا ہے اور آوارہ گرد بھی ہے چونکہ یہ وعدہ خلافی لڑکے والوں کی طرف سے ہوئی ہے لہٰذا یہ منگنی توڑی جاسکتی ہے اور یہ منگنی توڑنا وعدہ خلافی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

لما فی القرآن الکریم (النور:۳۲): وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَّكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِن فَضْلِهٖ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

وفی جامع الترمذی (۹۱/۲): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان۔

وفی الشامیة (۶/۳): قوله (وهذا إن ملك المهر والنفقة) هذا الشرط راجع إلى القسمين أعني الواجب والفرض وزاد في البحر شرطا آخر فيهما وهو عدم خوف الجور أي الظلم قال فإن تعارض خوف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج وخوف الجور لو تزوج قدم الثاني فلا افتراض بل يكره أفاده الكمال في الفتح ولعله لأن الجور معصية متعلقة بالعباد والمنع من الزنا من حقوق الله تعالى وحق العبد مقدم عند التعارض لاحتياجه وغنى المولى تعالى اھ۔

(۱۴۳) لڑکے کے ڈاڑھی رکھ لینے کی وجہ سے منگنی توڑنے کا حکم

سوال

میرا ایک دوست عاقب ہے وہ راولپنڈی میں رہتا ہے انجینئر ہے اس کی منگنی ایک اچھے گھرانے میں سال پہلے ہوگئی تھی تقریباً دوسال کا دورانیہ تھا لیکن اتفاق یہ پیش آیا کہ اس کا پیر عزیز الرحمن صاحب مدظلہ کی مجلس میں آنا جانا شروع ہوگیا۔ صالح متقی اور باشرع ڈاڑھی وغیرہ رکھ لی لیکن اب لڑکی کے گھر والے رشتہ توڑنے کی بات کررہے ہیں کچھ تو صراحۃً ڈاڑھی وغیرہ پر طنز کررہے ہیں کچھ کہتے ہیں مولوی بن گیا الغرض ہر ایک ماڈرن ہے تو اپنی بات کررہا ہے۔

مفتی صاحب اب لڑکے کو کیا کرنا چاہیئے وہ سخت پریشان ہے اب تک لڑکا چرسی، موالی نکلنے کی صورت میں رشتہ ختم کرنا سمجھ آتا تھا لیکن یہاں تو برعکس معاملہ ہے مجھے آپ حضرات کے بارے میں علم تھا لہٰذا میں نے کہا یاسین القرآن کے دارالافتاء سے معلوم کیا جائے، ازراہِ کرم تفصیلاً بتادیں کہ (۱) لڑکی والوں کے لئے منگنی توڑنا جائز ہے؟ (۲) نیز لڑکی والے اس فعل پر گنہگار ہوں گے؟ اور

Marfat.com

(۳) جولوگ صراحۃً ڈاڑھی عمامہ کونشانہ بنائیں وہ دائرہ اسلام میں رہیں گے؟ کیالڑکی والوں کا یہ طرزِ عمل اور دلیل درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی ایک وعدۂ نکاح ہے اور وعدہ کا حکم یہ ہے کہ جب تک کسی معصیت کا ارتکاب لازم نہ آئے اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور وعدہ خلافی پر کئی مذمتیں اور وعیدیں احادیث میں آئی ہیں حتیٰ کہ اس کو منافقین کی عادت بتلایا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جبکہ لڑکا صالح، دیندار بن گیا ہے اور شریعت میں مطلوب بھی یہی ہے کہ عورت کسی متقی، صالح لڑکے سے شادی کرے تو لڑکی والوں کو منگنی نہ توڑنا چاہیئے منگنی توڑنے کی صورت میں وعدہ خلافی کرنے والوں کے زمرے میں آئیں گے ہاں البتہ کوئی اور دینی یا دنیوی مصلحت ہو تو منگنی توڑنا جائز ہے۔ جن لوگوں نے ڈاڑھی پر طنز کیا ہے اگر یہ طنز کرنا اس لئے تھا کہ یہ نبی کی سنت ہے تو طنز کرنے والا کافر ہوجائے گا اور اگر نبی کی سنت پر طنز کرنا مقصود نہیں تو دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوں گے۔

لمافی البخاری، کتاب الایمان (ط قدیمی کتب خانه): عن أبي هريرة رضی الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان"

وفی الاشباه والنظائر (۲۸۸) کتاب الحظر والاباحة: الخلف فی الوعد حرام وفی القنية وعده ان ياتيه فلم ياته لا يأثم۔

وفی الخلاصة (۳۸۶/۴) کتاب الفاظ الکفر (ط رشیدیه): ولو قال لآخر اقلم الاظفار لأنه سنة النبی علیه الصلوة والسلام فقال الرجل لا أفعل ذلك وان كان سنة يكفر۔

وفی الشامية (۱۱/۳) :لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفی الموسوعة الفقهية (۷۵/۴۴) الوعد(ط حقانیه): قال الحنفية الخلف فی الوعد حرام اذا وعد وفی نيته أن لا يفی بما وعد أما اذا وعد وفی نيته أن يفی بما وعد فلم يف فلا إثم عليه۔

وفی اللجنة الدائمة (۶۴۸/۱۸) کتاب النکاح : ج: إذا كان الخاطب مرضيا في دينه وخلقه بأن كان متمسكا بدينه متحليا بآداب الإسلام وأخلاقه فينبغي إتمام الخطوبة، وإن كان غير ذلك فلا يجوز إتمام الخطوبة ويجب فسخها. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

Marfat.com

(۱۴۴) حلفیہ وعدہ نکاح کے بعد پتہ چلا کہ لڑکی شیعہ ہے

سوال

زید نے ایک لڑکی سے قسم کھا کر کہا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے شادی کریں گے اور دونوں نے قرآن پاک کی قسم کھا کر یہ اقرار بھی کیا کہ ہم دونوں شادی کریں گے۔ لڑکے کو بعد میں پتہ چلا کہ وہ لڑکی شیعہ ہے، اس وجہ سے لڑکا پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکا پریشان ہے کہ اس نے قسم کھائی ہے اس کا کیا ہوگا۔ آیا ان کے اقرار یا وعدہ کرنے سے "جو کہ بغیر گواہوں کے ہے" ان کا نکاح ہوا ہے کہ نہیں اور پھر ان کی قسم کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

محض اقرار اور وعدہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا جب تک شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول نہ ہو نیز سنی کا شیعہ سے مفاسدہ کثیرہ کی بنا پر نکاح ہی جائز نہیں لہٰذا اس وعدے کو پورا کرنا بھی جائز نہیں البتہ اس شخص کو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر تین دن متواتر روزے رکھے۔

لما فی مرقاة المفاتیح (۵۶/۹)الصحیح المختار الذي قاله الأكثرون أن الخوارج كسائر أهل البدء لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماء بلا نزاء۔

وفی البحرالرائق (۱۲۶/۵): الثانية الردة بسب الشيخين أبي بكر وعمر رضي الله عنهما وقد صرح في الخلاصة والبزازية بأن الرافضي إذا سب الشيخين وطعن فيهما كفر وإن فضل عليا عليهما فمبتدع ولم يتكلما على عدم قبول توبته وفي الجوهرة من سب الشيخين أو طعن فيهما كفر ويجب قتله۔

وفی الدرالمختار (۷۲۵/۳): (وكفارته) هذه إضافة للشرط لأن السبب عندنا الحنث (تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين)۔

(۱۴۵) منگنی کے تحائف اور خرچہ کا تقاضا کرنا

سوال

ہمارے ایک عزیز کی منگنی ہوئی اور کچھ عرصہ بعد منگنی ٹوٹ گئی۔ لڑکی والے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس دوران جو تحائف لڑکے

Marfat.com

یا اس کے گھر والوں کو دیئے گئے وہ واپس کئے جائیں اور کچھ اسی قسم کا مطالبہ لڑکے والے بھی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ منگنی کی تقریبات پر جو رقوم خرچ ہوئیں اُن پر بھی تنازعہ پیدا ہوگیا ہے۔ آپ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں کہ فریقین پر ان تحائف کا واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور کون کون سی اشیاء واپس کی جائیں گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

۱۔ منگنی سے پہلے یا بعد میں جو اشیاء جانبین سے ایک دوسرے کو بطور تحفہ یا ہدیہ کے دی گئیں اب منگنی ٹوٹ جانے کے بعد وہ اشیاء اگر موجود ہیں تو ایک دوسرے سے واپس لی جاسکتی ہیں، ہاں اگر وہ اشیاء ٹوٹ گئیں تو ان کے متبادل دیگر اشیاء نہیں لی جاسکتیں۔

۲۔ وہ رقوم جو کہ فریقین نے اپنی طرف سے منگنی کی تقریبات پر خرچ کی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

لمافی الهندية (۳۲۳/۱): تزوج امرأة وبعث إليها هدايا وعوضت المرأة على ذلك عوضا ثم زفت إليه ثم فارقها وقال إنما بعثت إليك عارية وأراد أن يسترد ذلك وأرادت المرأة أن تسترد العوض فالقول له في الحكم وإذا استرد ذلك من المرأة كان للمرأة أن تسترد منه ما عوضته عليه كذا في المحيط۔

وفی الدرالمختار (۱۵۳/۳): (خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائما) فقط وإن تغير بالاستعمال (أو قيمته هالكا) لأنه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد (وكذا) يسترد (ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك) لأنه في معنى الهبة۔

وفی الردتحته: قوله (لأنه في معنى الهبة) أي والهلاك والاستهلاك مانع من الرجوع بها وعبارة البزازية لأنه هبة اه ومقتضاه أنه يشترط في استرداد القائم القضاء أو الرضا وكذا يشترط عدم ما يمنع من الرجوع۔

(۱۴۶) باپ کی منگیتر کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کے والد کی ایک لڑکی کے ساتھ منگنی ہوگئی، اب تک نکاح نہیں ہوا تھا کہ ان کا کسی حادثے میں انتقال ہوگیا، زید کا ارادہ ہے کہ میں اس عورت سے خود نکاح کرلوں لیکن کچھ لوگ اعتراض کررہے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے اب آپ حضرات مسئلہ بتائیں کہ زید کا نکاح باپ کی منگیتر کے ساتھ جائز ہے یا نہیں اور جو لوگ اس

Marfat.com

نکاح پر اعتراض کر رہے ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی وعدہ نکاح ہے نکاح نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا نکاح باپ کی منگیتر کے ساتھ جائز ہے اس نکاح پر اعتراض کرنا درست نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک عورت جب دو سال باپ سے منسوب رہی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ عمر میں بھی لڑکے سے بڑی ہوگی اور باپ کی منگیتر ہونے کی حیثیت سے ایک تکلف دونوں کے درمیان پیدا ہو چکا ہوگا جو کہ مستقبل میں نکاح سے مقصود شرعی مصالح کے حصول میں رکاوٹ بن سکتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ باپ کی منگیتر سے ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے نکاح نہ کیا جائے۔

لمافی مشکوۃ المصابیح (۲۷۱/۲): وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لا يخطب الرجل على خطبة أخيه حتى ينكح أو يترك"

وفی الهداية (۶۹/۳):لا يستام الرجل على سوم أخيه ولا يخطب على خطبة أخيه ولأن في ذلك ايحاشا وإضرارا وهذا إذا تراضى المتعاقدان على مبلغ ثمن في المساومة أما إذا لم يركن أحدهما إلى الآخر فهو بيع من يزيد ولا بأس به على ما نذكره وما ذكرناه محمل النهي في النكاح أيضا۔

وفی الفقه الاسلامی (۱۱۷/۷):وأما الخطبة على خطبة الغير: فعند الجمهور يعد الزواج حينئذ صحيحاً، ولا يفرق بين الزوجين لأن النهي ليس متوجهاً إلى نفس العقد، بل إلى أمر خارج عن حقيقته، فلا يقتضي بطلان العقد، كالتوضؤ بماء مغصوب، وعند مالك على المعتمد، يجب الفسخ قبل الدخول بطلقة بائنة۔

(۱۴۷) منگنی کی تقریب میں ہی نکاح بھی ہو جائے تو رخصتی سے قبل ہمبستری کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز عدنان بھائی کا کچھ عرصے پہلے نکاح ہوا جو کہ منگنی کی تقریب میں ہی کر دیا گیا۔ ۸ ماہ کا وقفہ رخصتی میں تھا عدنان بھائی نے موبائل پر بات چیت کرتے کرتے ایک دن ہمبستری تک کر دی خیر اس کے بعد رخصتی بھی ہوگئی لیکن پوچھنا یہ ہے کہ یہ فعل شرعاً درست ہے؟ کیا شریعت رخصتی سے قبل اس کی اجازت دیتی ہے؟ اگر صحابہ یا تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے اس کی نظیر مل جائے تو بات بن جائے گی ورنہ عدنان بھائی سخت تنقید کا نشانہ بننے والے ہیں کیونکہ حرکت تو عجیب کی ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر کا بیوی کے ساتھ نکاح کے بعد ہر قسم کے ازدواجی تعلقات قائم کرنا شرعاً درست ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب موصوف کا نکاح ہوا ہے تو پھر اس کام پر ان کو ملامت کرنا مناسب نہیں اگرچہ رخصتی سے قبل عرف میں ایسا کرنا اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے اور ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسا عمل صادر نہ ہونا چاہیئے لیکن اگر عدنان بھائی نے ایسا کرلیا ہے تو انہیں تنقید کا نشانہ بنانا درست نہیں۔

لمافی القرآن المجید (البقرۃ: ۲۲۳):نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

وفی مرقاۃ المفاتیح(۲۵۶/۶) (ط: رشیدیة):[وعن ابن مسعود قال رأی رسول الله امرأة فأعجبته فأتی سودة]أي بيتها[وهي تصنع طيبا وعندها نساء] جملتان حاليتان [فاخلينه] أي انفردن عنه[فقضى حاجته]أي من الجماع[ثم قال أيما رجل رأى امرأة تعجبه فليقم إلى أهله] أي فليجامع امرأته ليكسر شهوته ويذهب وسوسته [فإن معها] أي مع امرأته [مثل الذي معها] أي فرجا مثل فرجها يسد مسدها۔

وفی الھندیة کتاب النکاح (۲۶۷/۱) (ط:حقانیه): فهو عقد يرد على ملك المتعة قصدا۔

وفيه أيضاً (۳۱۷/۱): ولو دخل الزوج بها أو خلا بها برضاها فلها أن تمنع نفسها عن السفر بها حتى تستوفي جميع المهر۔

وفی شرح عقود رسم المفتی (۸۶)(ط: عثمانیة):العرف ملحوظ فی الافتاء: فهذا كله صريح فيما قلنا من العمل بالعرف مالم يخالف الشريعة كالمكس والرباء ونحو ذلك۔

(۱۴۸) منگیتر کی پسند ناپسند معلوم کرنے کے لئے ۳، ۴ گھنٹے ساتھ رہنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص شادی سے پہلے اپنی منگیتر کے ساتھ تین چار گھنٹے رہنا چاہتا ہے تاکہ اس کی پسند وناپسند وغیرہ اور دوسری چیزوں کا بغور مشاہدہ کرسکے اور یہ فیصلہ کرسکے کہ اس کا نباہ اس کے ساتھ ہوسکے گا یا نہیں؟ دلیل وہ یہ بیان کرتا ہے کہ مخطوبہ کو شادی سے پہلے دیکھنے کی اجازت ہے لہٰذا ایک ہی مجلس میں تین چار گھنٹے رہنے میں کیا حرج ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنی منگیتر کے ساتھ تین چار گھنٹے رہنا کہ اس کی پسند و ناپسند اور دوسری چیزوں کا بغور مشاہدہ کرے اور فیصلہ کرے کہ اس کا نباہ اس کے ساتھ ہو سکے گا، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ نکاح سے قبل اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت کرنا شریعت میں حرام ہے البتہ ایک نظر اس کے چہرے وغیرہ کو دیکھنا اس کی اجازت شریعت نے ضرور تا دی ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۶۸): عن أبي هريرة قال : جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال : إني تزوجت امرأة من الأنصار قال : " فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا "

وفی المرقاۃ (۱۹۴/۶): قال فانظر إليها قال ابن الملك فيه جواز النظر إلى المخطوبة إلى وجهها وكفيها ظاهرهما وباطنهما۔

وفی الهندية (۳۳۰/۵): ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس بأن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها كذا في التبيين۔

وفی المفصل فی احکام المرأۃ: (۴۲۲/۳): قلنا ان الاصل فی الاختلاط هو الحظر ـــ الی قوله ـــ ونذکر فیمایلی بعض هذه الادلة روی الامام البخاری رحمه الله فی صحیحه أن النبی ﷺ قال لا یخلون رجل بامرءۃ الا مع ذی محرم وقد قال العلماء فی معنی الحدیث وفیه منع الخلوۃ بالاجنبیة وهو اجماع لاخلاف فیه۔

(۱۴۹) منگنی میں کھانے کا اہتمام لڑکی والے کریں یا لڑکے والے؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی کے وقت مہمانوں کیلئے کھانے کا انتظام لڑکی کے گھر والوں کے لئے مناسب ہے یا لڑکے کے گھر سے سارا سامان لے جا کر مہمانوں کو کھلانا مناسب ہے برائے کرم احادیث ونصوص کی روشنی میں جواب مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آج کل منگنی میں جو مختلف رسومات قوموں اور علاقوں کے لحاظ سے کی جاتی ہیں شریعت میں ان کا ثبوت نہیں ملتا البتہ شادی سے پہلے شادی سے متعلق امور طے کرنے کی خاطر مجلس منعقد کی جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ منگنی کے وقت مہمانوں کیلئے کھانے کا انتظام کون کرے گا، اس بارے میں افہام وتفہیم سے دونوں فریق یہ انتظام کر سکتے ہیں، بہر حال شرعی طور پر یہ

Marfat.com

خرچہ فقط لڑکے والوں پر لازم نہیں، اپنی مرضی سے اگر خرچہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

لمافی البحرالرائق (۳/۳۲۴) : لو خطب امرأة فی بیت أخیها وأبی الأخ إلا أن یدفع إلیه دراهم فدفع ثم تزوجها کان للزوج ان یسترده مادفع له۔

وفی حاشیة الطحطاوی(۲/۶۶): باب المهر :(قوله لو قوعه هدیة الخ) ای هبة ولیس له الرجوع فیها لان الزوجیة من موانع الرجوع اما اذا کان ذلك قبل العقد فله الرجوع بعینه لعدم المانع۔

(۱۵۰) منگنی میں دعاء وغیرہ کرنا نکاح شمار نہ ہوگا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی جس میں نکاح نہ کیا گیا ہو بلکہ صرف دعا وغیرہ ہوئی ہو تو آیا یہ نکاح کے قائم مقام ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صرف دعا کرنا نکاح کے قائم مقام نہیں بلکہ نکاح کیلئے ایجاب وقبول ضروری ہے۔

لمافی الهندیة (۱/۲۶۷): وأما رکنه فالإیجاب والقبول کذا فی الکافی۔

وفی الدر المختار (۳/۹): (وینعقد) ملتبسا (بإیجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر۔

وفی الرد تحته:قوله (وینعقد) قال فی شرح الوقایة العقد ربط أجزاء التصرف أي الإیجاب والقبول شرعا لکن هنا أرید بالعقد الحاصل بالمصدر وهو الارتباط لکن النکاح الإیجاب والقبول مع ذلك الارتباط إنما قلنا هذا لأن الشرع یعتبر الإیجاب والقبول أرکان عقد النکاح لا أمورا خارجیة کالشرائط ۔۔۔ فقوله وینعقد أي النکاح أي یثبت ویحصل انعقاده بالإیجاب والقبول۔

(۱۵۱) منگنی کو اپنی اغراضِ فاسدہ کی وجہ سے نکاح کہنے والوں کا حکم

سوال

میرے بھائی رحیم بخش ولد اللہ بخش کا نکاح آج سے ۲۳ سال قبل عاشو بنت عبدالکریم سے ہوا۔ ۲۰۰ روپے اس وقت کے

Marfat.com

مطابق مہر مقرر ہوا (نکاح نامہ ساتھ منسلک ہے) اس نکاح نامے میں یہ شرط بھی لکھی ہوئی ہے کہ عاشو بنت عبدالکریم کے عوض میں میری بہن شمیم بنت اللہ بخش کا رشتہ دیا جائے گا اس وقت شمیم بنت اللہ بخش ۵ سال کی تھی اور اگر جوان ہونے پر شمیم بنت اللہ بخش کا رشتہ نہ دیا تو مبلغ ۳۰ ہزار روپے دے گا جو کہ نکاح نامہ میں واضح ہے۔

اس واقعہ (یعنی اس شادی کے بعد) تقریباً ایک سال بعد عاشو کے والد عبدالکریم فوت ہو گئے اور شادی کے پانچ سال بعد دولہا رحیم بخش کے والد جو کہ میرے والد بھی تھے بھی (۱۹۹۳ء میں) فوت ہو گئے۔

رفتہ رفتہ رحیم بخش کی بہن شمیم (جس کا رشتہ ادا کرنا طے ہوا تھا) وہ جوان ہو گئی اور اس نے (جہاں باپ نے عوض میں طے کی تھی) وہاں شادی سے انکار کر دیا تو ہم نے شمیم کا رشتہ ایک اور عزیز شوکت ولد عبدالغفور سے طے کر دیا (چونکہ رحیم بخش کے نکاح نامہ میں یہ شرط تھی کہ رشتہ نہ دو گے تو ۳۰ ہزار روپے دو گے) اور رخصتی نہ ہوئی تھی اور رخصتی سے پہلے ہی خاندانوں کے اختلافات کی وجہ سے شمیم کو وہاں سے طلاق ہو گئی (یہ نکاح ۴ سال تک قائم رہا ہے نکاح ۱۹۹۷ء میں اور طلاق ۲۰۰۱ء میں ہوئی) اس میں طلاق نامہ منسلک ہے جو شوکت نے شمیم کو دی تھی۔

اب شمیم کے بھائی اور دیگر افراد شمیم کا نکاح ایک دوسرے عزیز انعام الحق سے کرنا چاہتے ہیں لڑکی بھی راضی ہے اور سب گھر والے بھی، بات بھی طے ہوئے کافی عرصہ تقریباً تین سے چار سال ہو گئے ہیں، نکاح میں تقریباً ۱۵ دن رہ گئے ہیں لیکن اب انعام الحق کے بعض اقارب جن کو انعام الحق کا یہ شمیم سے رشتہ منظور نہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ یہ شادی ہو وہ لوگ یہ ایشو اٹھا رہے ہیں کہ لڑکی شمیم کا رشتہ ۱۹۸۸ء میں عبدالکریم کے خاندان میں طے ہوا تھا اس وقت شمیم کے والد سے عبدالکریم نے ایجاب وقبول بھی کیا تھا یعنی لڑکی ۵ سال کی تھی اور ان کے والد نے عاشو کے والد عبدالکریم کو زبانی ایجاب وقبول دیا تھا یعنی شمیم کا نکاح دیا تھا اس نکاح کی کوئی دستاویز نہیں ہے صرف نکاح نامہ میں موجود شرط ہے اور کچھ نہیں۔

جو لوگ اب شرعی نکاح کا ایشو اٹھا رہے ہیں وہ شمیم اور شوکت علی کے نکاح میں بھی موجود تھے اور جب وہاں سے طلاق ہوئی تب بھی موجود تھے اس وقت کوئی کچھ نہ بولا تھا۔ عرصہ اور گذر گیا لیکن اب تک کسی نے ایسا کوئی ایشو نہیں اٹھایا تھا لیکن اب جب شمیم کی شادی انعام الحق سے ہو رہی ہے اور انعام الحق اور شمیم دونوں راضی ہیں تو (انعام الحق کے) چند اقارب یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اس لڑکی کا شرعی نکاح ہے جو اس کے والد نے عبدالکریم کو دیا تھا اور عاشو کے نکاح نامہ میں ذکر ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم وہاں موجود تھے اب عاشو کے گھر والوں کے اور شمیم کے گھر والوں کے تعلقات بھی اچھے نہیں ہیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں درج ذیل امور کا جواب دیا جائے۔

(۱) شمیم کا وہ نکاح جس کا یہ لوگ صرف زبانی دعویٰ کر رہے ہیں نہ اس کے کوئی مستند گواہ ہیں نہ کوئی تحریر صرف زبانی دعویٰ ہے کیا اس کا شرعی اعتبار ہے جبکہ شوکت سے نکاح کے وقت یہ لوگ موجود تھے۔

(۲) عاشو کے نکاح نامہ پر جو الفاظ لکھیں ہیں (کہ جوان ہونے پر رشتہ ادا کرے گا اگر رشتہ ادا نہ کیا گیا تو اس کے

Marfat.com

بدلے.....) وہ صرف ایک معاہدہ تھا کیا شرعاً وہ معاہدہ بھی نکاح نامے میں معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مقدسہ میں انعقاد نکاح کیلئے مجلس عقد میں ایجاب وقبول ضروری ہے۔ وعدہ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ شمیم بنت اللہ بخش کا نکاح عبدالکریم کے لڑکے سے ثابت نہیں۔ اس لئے کہ رحیم بخش بن اللہ بخش کے عقد نکاح میں شمیم کے نکاح کا زمانہ مستقبل میں ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے جو کہ نکاح نامہ میں خاص شرائط کے خانہ میں درج ہے (عوض عاشو بنت عبدالکریم بعوض رشتہ شمیم بنت اللہ بخش ولد قادر بخش جوان ہونے پر ادا کرے گا اگر رشتہ ادا نہ کیا گیا تو اس کے بدلے مبلغ -/30000 تیس ہزار ادا کرے گا) اور شریعت مطہرہ میں وعدہ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

لہٰذا عرصہ دراز کے بعد اگر سوال میں مذکورہ افراد (یعنی انعام الحق کے بعض اقارب) اس وعدہ نکاح کے بارے میں یہ دعویٰ کریں کہ یہ عقد نکاح تھا تو شریعت مقدسہ میں ایسے افراد کے دعوے کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ بالفرض اللہ بخش اور عبدالکریم نے ولی ہونے کی حیثیت سے شمیم اور عبدالکریم کے لڑکے کا ایجاب وقبول کرلیا تھا (جیسا کہ عقد نکاح کا دعویٰ کرنے والے کہتے ہیں) تو شمیم کے جوان ہونے کے بعد جب شمیم نے اس رشتہ سے انکار کیا اور بعد میں اس کا رشتہ شوکت کے ساتھ طے ہوا اور شوکت کے ساتھ نکاح کے وقت (۱۹۹۷ء) میں عقد نکاح کا دعویٰ کرنے والے افراد بھی موجود تھے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لیکن ان افراد نے اس وقت اس سابقہ عقد نکاح کے بارے میں کچھ نہیں کہا حتیٰ کہ شمیم کو ان افراد کی موجودگی میں ۲۰۰۱ء میں طلاق ہوگئی، اب اگر وہی افراد جو شمیم اور شوکت کے درمیان ہونے والے عقد نکاح کے وقت موجود تھے (جو کہ ۱۹۹۷ء میں ہوا) یہ دعویٰ کریں کہ شمیم کا ۱۹۸۸ء میں اس کے والد نے عبدالکریم کے لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا تھا، شریعت مطہرہ میں ایسے افراد کے دعوے کا بوجہ فاسق اور متہم ہونے کے کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ اگر بالفرض شمیم کا نکاح عبدالکریم کے لڑکے سے ہو چکا تھا تو انہوں نے ایک ایسے معاملے کے بارے میں گواہی کا چھپایا جس کا تعلق حلت وحرمت سے ہے، اس کتمان شہادت کی وجہ سے مرتکب کبیرہ ہو کر فاسق ٹھہرے نیز عرصہ دراز کے بعد نکاح سابق (ان لوگوں کے دعویٰ کے مطابق) کی گواہی دینے کی وجہ سے متہم ہوئے کہ انہوں نے ایسا کسی مفاد کیلئے کیا ہے نہ کہ اللہ جل شانہ کی رضا کیلئے اور فاسق اور متہم شخص کی شہادت قبول نہ ہونے کی فقہاء نے تصریح کی ہے لہٰذا از روئے شریعت شمیم کا عبدالکریم کے لڑکے کے ساتھ نکاح ثابت نہیں اس لئے شمیم کا نکاح اس کی رضامندی سے انعام الحق کے ساتھ کرنا آپ لوگوں کیلئے شرعاً درست ہے۔

لمافی المصنف عبدالرزاق (۳۵۲/۸): کتاب الشهادات باب الرجل يشهد بشهادة ثم يشهد بخلافها:

عن ابن المسيب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا شهد الرجل بشهادتين قبلت الأولى وتركت الآخرة وأنزل منزلة الغلام۔

وفيه أيضاً: عن أبي حصين أن شريحا شهد عنده رجل بشهادة فأمضى الحكم فيها فرجع الرجل بعد

Marfat.com

فلم يصدق قوله۔

وفيه أيضاً كتاب الشهادات باب لايقبل متهم ولا جارٌّ الى نفسه ولا ظنين (۳۲۰/۸): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم مناديا في السوق أنه لا تجوز شهادة خصم ولا ظنين قيل وما الظنين؟ قال المتهم في دينه۔

وفی البحرالرائق كتاب الشهادات (۹۷/۷): وإنما قيدنا بحقوق العباد لما في القنية أجاب المشايخ في شهود شهدوا بالحرمة المغلظة بعدما أخروا شهادتهم خمسة أيام من غير عذر أنها لا تقبل إن كانوا عالمين بأنهما يعيشان عيش الأزواج۔۔۔ مات عن امرأة وورثة فشهد الشهود أنه كان أقر بحرمتها حال صحته ولم يشهدوا بذلك حال حياته لا تقبل إذا كانت هذه المرأة مع هذا الرجل وسكتوا لأنهم فسقوا ۔۔۔ وأشار المؤلف رحمه الله إلى أن الشاهد إذا لزمه الأداء بالشروط المذكورة فيه فلم يؤد بلا عذر ظاهر ثم أدى فإنها لا تقبل ذكره شيخ الإسلام لتمكن التهمة فيه إذ يمكن أن تأخيره لعذر ويمكن أنه لاستجلاب الأجرة۔

وفی الدرالمختار (۱۲/۳): وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها أن المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

وفی الرد تحته: وبه علم أن المبدوء بالهمزة كما لا يصح فيه الاستيعاد لا يصح فيه الوعد بالتزوج في المستقبل عند قيام القرينة على قصد التحقيق والرضا۔

وفی الشامية (۳۱/۴): كتاب الحدود باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: قوله (للتهمة) لأن الشاهد مخير بين أداء الشهادة والستر فالتأخير إن كان لاختيار الستر فالإقدام على الأداء بعده لعداوة حركته فيتهم فيها وإن كان لا للستر يصير فاسقا آثما فتيقنا بالمانع۔

(۱۵۲) منگیتر کو طلاق دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی منگنی ہوئی اور وہ اس لڑکی سے بات چیت کرتا رہا بعد میں کسی بات پر وہ اس سے رنجیدہ ہوگیا اور اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں آیا اس کی منگیتر پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور منگنی برقرار رہے گی یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

منگنی شرعاً نکاح نہیں ہے بلکہ وعدہ نکاح ہے نیز کسی عورت کو طلاق دینے کیلئے اس کا نکاح میں ہونا ضروری ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا اپنی منگیتر کو یہ کہنا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس کا یہ کلام لغو ہوگا نیز منگیتر غیر محرم ہوتی ہے اور غیر محرم سے بلاضرورت بات کرنا درست نہیں۔

لمافی الدرالمختار (۳/۱۱۔۱۲):كتزوجيني نفسك إذا لم ينو الاستقبال وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا۔الخ۔

وفی الشامیة تحته:قوله (إذا لم ينو الاستقبال) أي الاستيعاد أي طلب الوعد وهذا قيد في الأخير فقط كمافي البحر وغيره ۔۔۔ لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفی الموسوعة الفقهية (۱۹/۱۹۰):والخطبة مقدمة للنكاح ، ولا يترتب عليها ما يترتب على النكاح۔ وسيأتي تفصيل ذلك۔

الحكم التكليفي:الخطبة في الغالب وسيلة للنكاح ، إذ لا يخلو عنها في معظم الصور،وليست شرطا لصحة النكاح فلو تم بدونها كان صحيحا ، وحكمها الإباحة عند الجمهور۔

(۱۵۳) منگنی کے بعد پسند بدل جانے کی وجہ سے منگنی توڑنا

سوال

عبدالقیوم کی منگنی اس کی چچازاد سے پانچ ماہ قبل ہوئی تھی، بعد میں عبدالقیوم کی والدہ کو ایک اور لڑکی پسند آگئی اب وہ چاہتی ہیں کہ عبدالقیوم کی منگنی توڑ کر اس کا نکاح دوسری لڑکی سے کردیا جائے۔سوال یہ ہے کہ اس طرح منگنی کرکے توڑ دینا درست ہے یا نہیں اور منگنی توڑنے پر کیا گناہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر منگنی میں صرف وعدہ کیا گیا ہو تو منگنی کسی عذر کی وجہ سے توڑنا جائز ہے بغیر کسی عذر کے منگنی توڑنا وعدہ خلافی ہے اور وعدہ کا گناہ اس کے اوپر لازم آئے گا اور اگر منگنی میں ایجاب وقبول کیا گیا ہو تو طلاق کے بغیر نکاح کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔

لمافی القرآن الکریم (الاسراء:۳۴):وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔

وفی جامع الترمذی (۲/۹۱):عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: آية

Marfat.com

المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان۔

وفی الشامیة (۱۲/۳): وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها ان المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

(۱۵۴) لڑکا شرابی نکلنے کی صورت میں منگنی توڑنے کیلئے استخارہ کرنا

سوال

میں نے اپنی بہن کے بیٹے سے اپنی بیٹی کی منگنی کردی۔لڑکا دبئی میں رہتا ہے وہیں کاروبار ہے اورلڑکے کی والدہ میری بہن لاہور میں رہتی ہیں۔کبھی کبھار میری بیٹی سے لڑکے کا رابطہ فون پر ہوجاتا تھا۔اس کا رویہ بھی ٹھیک تھا مگر کچھ ماہ پہلے سے اس کا رویہ ٹھیک نہیں،میری بیٹی نے بتایا کہ بداخلاقی سے بات کرنے لگا ہے اور برا بھلا کہتا ہے۔ایک بار جب وہ یہاں کراچی ہمارے گھر آیا تو مجھے شک ہوا کہ جیسے نشے وغیرہ میں ملوث ہو میں نے اپنے بھائیوں سے رابطہ کیا اور اپنے احباب سے پوچھا تو تصدیق ہوگئی کہ وہ شراب اور بہت سے نشے کرتا ہے۔

آپ مجھے اس کا حل بتایئے میں استخارہ کروانا چاہتی ہوں اگر استخارہ خود کرنا بہتر ہے تو اس کا طریقہ بتادیں ورنہ آپ استخارہ نکال کر ہمیں بتادیجئے۔یہ بھی بتادیں کہ ہم یہ رشتہ برقرار رکھیں یا نہیں اگر ہم ختم کریں تو شرعی لحاظ سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

برتقدیرِ صحتِ واقعہ اگر لڑکا شراب اور دوسرے نشوں میں ملوث ہے تو آپ اپنی بیٹی کی منگنی ختم کردیں،آگے جاکر اس کے مفاسد بڑھ جائیں گے اور ایسے امور کیلئے استخارہ درست نہیں ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ:۴۰): وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ۔

وفی عمدة القاری (۲۲۰/۱):(بيان استنباط الاحكام):وبقوله إذا وعد أخلف نبه على فساد النية لأن خلف الوعد لا يقدح إلا إذا عزم عليه مقارنا بوعده أما إذا كان عازما ثم عرض له مانع أو بدا له رأي فهذا لم توجد فيه صفة النفاق۔

وفی الجوهرة النيرة،مطلب فی الكفاءة (۱۲۵/۲): واما الكفاءة فی الدين يعنی الديانة فيعتبر أيضاً هو الصحيح وقال محمد لاتعتبر لأنها من أمور الآخرة الا اذا كان يصفع ويسخر أو يخرج الى الأسواق سكران وتلعب به الصبيان۔

وفی الدرالمختار، كتاب النكاح (۱۰/۳):وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان

Marfat.com

المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها ان المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

(۱۵۵) نکاح سے قبل منگیتر سے انٹرنیٹ یا فون پر بات کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ منگنی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ منگیتر کے ساتھ تنہائی میں لوگوں کے سامنے ملاقات کرنا یا ٹیلی فون پر اس کے ساتھ گفتگو یا انٹرنیٹ پر اس کے ساتھ چیٹنگ (گفتگو) کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شادی سے قبل ذہنی ہم آہنگی کیلئے کم از کم ٹیلی فون پر یا انٹرنیٹ کے ذریعے گفتگو کی اجازت ہونی چاہیئے۔ کیا شرعاً اس کی کوئی گنجائش ہے اور اس میں کیا قباحت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فقہائے کرام کی تصریح میں منگنی نکاح کا وعدہ ہے نکاح نہیں اور جب تک نکاح نہیں ہوجاتا دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں اور پردہ ضروری ہے اس لئے نکاح سے پہلے کسی قسم کی ملاقات وگفتگو کرنا جائز نہیں البتہ جس سے نکاح کرنا ہو شریعت نے اسے صرف ایک نظر دیکھ لینے کی اجازت دی ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة : ۲۳۵):وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ۔۔۔الآية۔

وفی عمدة القاری (۱۱۹/۲۰):(باب النظر إلى المرأة قبل التزويج)أي هذا باب في بيان جواز النظر إلى المرأة قبل أن يتزوجها وكان ينبغي أن يقال قبل التزوج لأن النظر فيه لا في التزويج ۔۔۔ (قوله: أن يؤدم بينكما) أي أحرى أن تدوم المودة بينكما وأجابوا عن حديث علي رضي الله عنه بأن النظر فيه لغير الخطبة فذلك حرام وأما إذا كان للخطبة فلا يمنع منه لأنه للحاجة ألا يرى كيف جوز به في الإشهاد عليها ولها فكذلك النظر للخطبة والله أعلم۔

وفی الشامیة (۳۷۰/۶):فظاهر تخصيص النظر إليها أنه لا يحل للخاطب النظر إلى ابنها إذا خاف الشهوة ومثله بنتها وتقييد الاستثناء بما كان لحاجة أنه لو اكتفى بالنظر إليها بمرة حرم الزائد لأنه أبيح للضرورة فيتقيد بها۔

وفی اللجنة الدائمة(۱۸/۷۵۔۷۹): لا تجوز الخلوة بالمرأة المذكورة للأدلة الدالة على تحريم خلوة الرجل بامرأة ليس لها بزوج أو بمحرم۔

Marfat.com

فصل فی رؤیۃ المرأۃ قبل النکاح

(نکاح سے قبل مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کا بیان)

(۱۵۶) پیغام نکاح دینے سے قبل لڑکے کا لڑکی کو دیکھنا

سوال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) کیا شریعت میں پیغام نکاح دینے سے قبل لڑکے لڑکی کو آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت ہے کہ نہیں؟

(۲) لڑکے کی رضامندی کے بغیر جبراً اس کا نکاح کرنا درست ہے؟ اور یہ جبر کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) شریعت مطہرہ میں پیغام نکاح دینے سے قبل لڑکے کا لڑکی کو دیکھنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس سے مقصود تلذذ حاصل کرنا یا نفسانی خواہشات پوری کرنا نہ ہو، اور نہ ہی اس کے لئے باقاعدہ طور پر کوئی انتظامات ہوں، مثلاً لڑکی کو تیار کر کے لڑکے کے سامنے بٹھانا، لوگوں کو بلانا اور غیر محرم مرد عورت کا اختلاط وغیرہ نہ ہو، بہر حال بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکا اپنے گھر کی کسی سمجھدار عورت کے ذریعے لڑکی کے اوصاف وغیرہ معلوم کرلے۔

(۲) نابالغ لڑکا ہو، یا لڑکی والدین اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی کر سکتے ہیں البتہ اولاد اگر بالغ ہو جائے تو پھر اس کی رضامندی ضروری ہے والدین ان کو شادی کیلئے مجبور نہیں کر سکتے لیکن اولاد کیلئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے والدین ہی کی رائے اور منشاء کے مطابق شادی کرلیں۔

لمافی المشکوۃ (ص۲۶۸): عن جابر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " إذا خطب أحدكم المرأة فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل "

وعن المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ قال خطبت امرأة فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : " هل نظرت إليها ؟ " قلت : لا قال : " فانظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما "

Marfat.com

وفی الدرالمختار (۵۵/۳):(والولاية تنفيذ القول على الغير) تثبت بأربع قرابة وملك وولاء وإمامة (شاء أو أبى) وهي هنا نوعان ولاية ندب على المكلفة ولو بكرا وولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيبا ومعتوهة ومرقوقة۔

وفی الشامية تحته:قوله (ولاية ندب) أي يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها كي لا تنسب إلى الوقاحة ۔

(۱۵۷) نکاح سے قبل اندیشہ شہوت کے باوجود لڑکی کو دیکھنا جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک غیر شادی شدہ آدمی ہے وہ صفیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا شادی سے پہلے وہ صفیہ کو دیکھ سکتا ہے اسے شہوت کا اندیشہ بھی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جبکہ زید صفیہ سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ اسے حسب ضرورت دیکھ سکتا ہے، اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

لمافی المشكوة (ص۲۶۸): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال : إني تزوجت امرأة من الأنصار قال : " فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا "

وفی الدر المختار (۳۷۰/۶):(وكذا مريد نكاحها) ولو عن شهوة بنية السنة لا قضاء الشهوة۔

وفی الرد تحته:(قوله بنية السنة)۔۔۔ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما رواه الترمذي والنسائي وغيرهما۔

Marfat.com

رسالة

الإجابة فی رؤیة المرأة قبل النکاح والإراءة

نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا یا دیکھنے پر اصرار کرنا

اور لڑکی کے اولیاء کیلئے اسے دکھانا، مسئلہ ھذا پر تفصیلی اور تحقیقی کلام

(۱۵۸) نکاح سے پہلے لڑکے کا لڑکی کو دیکھنے پر اصرار کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی کے رشتے کی بات چلتی ہے تو لڑکا اصرار کرتا ہے کہ میں خود لڑکی کو دیکھوں گا محلے کے امام صاحب سے جب مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ لڑکے کا یہ مطالبہ درست نہیں اور تائید میں یہ حوالہ پیش کیا:

حوالہ:۔ مفتی ابراہیم صادق آبادی صاحب، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسلامی شادی" (صفحہ ۹۵) کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث سے رؤیت (لڑکے کا دیکھنا) ثابت ہے نہ کہ اراءت (لڑکی کا دکھلانا) انتہی کلامہ۔ ہاں کبھی اتفاقاً سامنا ہوجائے تو ایک نظر دیکھ سکتا ہے مگر یہ جائز نہیں کہ لڑکی اس کے سامنے پیش کی جائے۔ (خواتین کے دینی مسائل، ۲/ ۴۲۲)

لیکن ایک اور مولوی صاحب جماعت میں آئے ہوئے تھے ان کے سامنے بات آئی تو انہوں نے کہا کہ فقہاء ومحدثین نے لڑکی کو نکاح سے پہلے دیکھنے کی اجازت دی ہے بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے تو چھونے تک کا جواز معلوم ہوتا ہے لہٰذا لڑکے کا لڑکی کو دیکھنا جائز ہے۔ مفتی صاحب آپ سے درج ذیل مسائل کی مفصل تنقیح مطلوب ہے:

۱۔ نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ لڑکی والوں کا اپنی لڑکی کو دکھانا شرعاً کیسا ہے؟ اس پر لڑکے کا اصرار کرنا درست ہے؟

۳۔ نکاح سے قبل لڑکی کا چھونا بھی جائز ہے یا نہیں؟

Marfat.com

۴۔صرف ایک نظر دیکھنے کی گنجائش ہے یا مکرر دیکھ سکتا ہے؟

ازراہِ کرم درج بالا سوالات کے شافی جواب مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جس شخص کا کسی عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کے لئے اس عورت کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ شادی کے بعد زندگی میں الفت ومحبت اور مزاجوں میں موافقت کا ذریعہ ہے۔حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بابرکت ارشاد ہے:

"عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال كنت عند النبي صلى الله عليه وسلم فأتاه رجل فأخبره أنه تزوج امرأة من الأنصار فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم أنظرت إليها قال لا. قال فاذهبْ فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا"۔

(مسلم، ۱/۴۵۶)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور بتایا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کرلی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ کہا: نہیں۔فرمایا: جاؤ اور جا کر دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

عن المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ أنه خطب امرأة فقال النبي صلى الله عليه وسلم انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما۔

(جامع الترمذی، ۱/۲۰۷)

"حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک خاتون کو پیغام نکاح بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے دیکھ لو اس (دیکھنے کے ذریعے) سے تمہارے درمیان زیادہ موافقت پیدا ہوگی۔"

شادی سے قبل مخطوبہ عورت کو دیکھنا ایک مباح امر ہے لیکن دوسری طرف ایک اجنبی عورت کو دیکھنا یا اس کے ساتھ خلوت اختیار کرنا حرام ہے لہذا مخطوبہ عورت بھی چونکہ اجنبیہ ہے چنانچہ جو تفصیل لکھی جارہی ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے وغیرہ کا حکم

(۱) شادی سے قبل مخطوبہ عورت کو دیکھنا بھی جائز ہے اور لڑکی والوں کا لڑکی کو دکھلانا بھی جائز ہے لیکن حدیث سے صرف دیکھنے کا جواز ثابت ہے دکھلانے کا جواز بطور التزام ہے البتہ یہ ایک مباح امر ہے کوئی واجب یا ضروری نہیں اس لئے لڑکے کا اصرار کرنا تو جائز ہے لیکن اگر لڑکا اصرار بھی کرے تب بھی لڑکی والوں پر دکھلانا ضروری نہیں یہ ان کی صوابدید اور مرضی پر منحصر ہے کہ لڑکی کو کسی جگہ پر دونوں طرفین کے سرپرستوں کی موجودگی میں دکھانا چاہیں تو دکھادیں اور نہ دکھانا چاہیں تو نہ دکھائیں البتہ خلوت میں دیکھنا بہرحال ناجائز اور

Marfat.com

حرام ہے۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب معلوم ہوتا ہے حضرت والا کی مکمل عبارت ان کی کتاب "اسلامی شادی" (کا جو نسخہ ہمارے پاس میسر ہے) کے صفحہ نمبر ۹۸ پر یہ ہے:

"حدیث پاک سے رؤیت (لڑکے کا دیکھنا) ثابت ہے نہ کہ ارائت (لڑکی کا دکھلانا) یعنی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ لڑکی والے اس خاطب (یعنی لڑکے) کو خود لڑکی دکھادیں بلکہ (حدیث کا مطلب یہ ہے) خاطب (لڑکے) کو اجازت ہے کہ اگر تمہارا موقع لگ جائے تو تم دیکھ لو حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لڑکی والے اہل خاطب (لڑکے والوں) کو دکھلایا کریں۔ حدیث اس سے محض ساکت ہے۔" (اسلامی شادی ص ۹۸)

لہٰذا اصل تو یہ ہے کہ اگر لڑکی رشتہ دار وغیرہ ہے یا اسے کسی جگہ بغیر خلوت کے دیکھنا ممکن ہو تو دیکھ لے لیکن اگر لڑکی باحیاء اور مکمل شرعی پردے والی ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ لڑکی کے سرپرست اپنی لڑکی کو دکھانے کا بندوبست کرلیں لڑکی کو دکھلانے کا اگرچہ حدیث سے ثبوت نہیں لیکن باپردہ لڑکی کیلئے بطورِ التزام اسے ثابت کرنا پڑے گا لیکن لڑکی کے سرپرستوں پر شرعاً یہ لازم نہیں اگر وہ منع کردیں تو یہ ان کی صوابدید پر ہے الغرض دکھانے کا ثبوت بطور التزام حدیث سے ہے البتہ لڑکی والے منع کرسکتے ہیں بظاہر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب معلوم ہوتا ہے۔

مخطوبہ لڑکی کو چھونا جائز نہیں

(۲) جہاں تک تعلق ہے لڑکی کو چھونے کا تو اس کا کوئی جواز کتب میں موجود نہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"وإنما يباح له النظر إلى وجهها و كفيها فحسب لأنهما ليسا بعورة فى حقه فيستدل بالوجه على الجمال وضده وبالكفين على سائر أعضائها باللين والخشونة وظاهره جواز مساسها فإن به يتبين اللين وضده وهو لا يستفاد من الحديث"۔ (مرقاة المفاتيح على المشكوة ۲۵۱/۶)

"لڑکے کیلئے مخطوبہ کے فقط چہرے اور ہتھیلیوں کا دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ دونوں اس کے لئے ستر کے درجے میں نہیں، چہرے سے خوبصورتی اور ہتھیلیوں سے باقی اعضاء کی نرمی وسختی کا پتہ لگ جائے گا اور یہ بظاہر اسے چھونے کے جواز پر دال ہے کیونکہ نرمی اور سختی کا (صحیح) پتہ چھو کر ہی چلے گا لیکن حدیث سے یہ بات مستفاد نہیں ہو رہی"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصریح کردی کہ چھونے کا جواز ایک احتمالی صورت ہے جس کا حدیث سے کوئی ثبوت نہیں لہٰذا چھونا بہرصورت حرام اور ناجائز رہے گا۔ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے "شامیۃ" میں تصریح کی ہے:

"ولا يجوز له أن يمس وجهها ولا كفيها وإن أمنوا الشهوة لوجوب الحرمة وانعدام الضرورة والبلوى... وفى درر البحار وشرحه لا يحل المس للقاضى والشاهد والخاطب وإن أمنوا الشهوة لعدم الحاجة" (رد المحتار على الدر المختار، ۳۷۰/۶)

Marfat.com

"لڑکے کیلئے جائز نہیں کہ (مخطوبہ کے) چہرے یا ہتھیلیوں کو چھوئے اگرچہ شہوت کا نہ ہونا یقینی ہو کیونکہ یہ ایک حرام امر ہے اور ایسی کوئی ضرورت ہے اور نہ ابتلاء..... درر البحار اور اسکی شرح میں ہے کہ قاضی، گواہ اور پیغام نکاح بھیجنے والے مرد کیلئے لڑکی کا چھونا جائز نہیں اگرچہ شہوت سے مامون ہو کیونکہ ضرورت (جواز کی) نہیں ہے۔"

مخطوبہ لڑکی کو ایک سے زائد مرتبہ دیکھنے کا حکم

(۳) آخری مسئلہ یہ رہ گیا کہ لڑکی کو ایک نظر ہی دیکھ سکتا ہے یا ایک سے زائد مرتبہ دیکھنا بھی جائز ہے تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جس محفل میں لڑکی سامنے آئے اگر ایک نظر دیکھنے سے کفایت ہو جائے تو مکرر نظر نہ ڈالے جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ المحتار میں تصریح کی ہے:

"لو اکتفی بالنظر الیها بمرة حرم الزائد لانه ابیح لضرورة فیتقید بها"

"اگر ایک دفعہ لڑکی کی طرف دیکھنا کافی ہو جائے تو ایک سے زائد مرتبہ دیکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ (نظر الی المخطوبہ) ضرورتاً جائز کیا گیا ہے تو بقدرِ ضرورت ہی جائز ہوگا"

البتہ اگر ایک بار دیکھنا کافی نہ ہو تو اسی مجلس میں مکرر دیکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ علامہ وہبہ زحیلی اپنی کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ففی اثناء الخطبة یجوز النظر للوجه والکفین فقط دون ماعداهما وللخاطب تکریر نظره ولا ینظر غیر الوجه والکفین بلامس شیئ منهما" (الفقه الاسلامی، ۲۶۵۳/۴)

"پیغام نکاح (کے معاملات) کے دوران لڑکی کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنا جائز ہے ان کے علاوہ اعضاء کا دیکھنا جائز نہیں اور لڑکے کیلئے مکرر دیکھنے کی بھی گنجائش ہے لیکن چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ کسی عضو کو نہ دیکھے اور چھونا تو کسی ایک عضو کا بھی جائز نہیں۔"

"المفصل فی احکام المرءة والبیت المسلم" میں عبارت ہے:

"وله تکریر النظر الی من یرید نکاحها..... ولان المقصود من النکاح قدلا یتحصل بمرة واحدة ولا مرتین فکانت الثلاثة حدّا اوسطا مقبولا" (المفصل ۲۲۳/۳)

"لڑکے کیلئے مخطوبہ کو مکرر دیکھنا جائز ہے..... کیونکہ بسا اوقات نکاح کا مقصود ایک یا دو بار سے حاصل نہیں ہوتا لہٰذا تین مرتبہ نظر کرنے کو معتدل حد قرار دیا جا سکتا ہے۔"

فتاویٰ لجنہ دائمہ للبحوث العلمیہ والافتاء میں ہے:

"یجوز لمن أراد أن یتزوج امرأة أن ینظر عند خطبتها إلی وجهها بلا تلذذ ولا شهوة ودون خلوة

Marfat.com

بها باتفاق العلماء۔" (الفتاوی اللجنة الدائمة ۱۸/۷۵)

"جو شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو پیغامِ نکاح کے وقت اس کے لئے اس کے چہرے کو بغیر تلذذ اور شہوت کے دیکھنا جائز ہے اور اس کے ساتھ خلوت نہ ہو اس (جواز) پر علماء کا اتفاق ہے۔"

خلاصہ کلام

لہٰذا بقدرِ ضرورت ایک سے زائد مرتبہ بھی لڑکی پر نظر ڈال لینے کی گنجائش ہے لیکن یہ نیت مدِ نظر ہے کہ سنت کا احیاء یا شادی کے بعد موافقت ملحوظ ہو بنیت شہوت یا لطف اندوزی کے دیکھنا جائز نہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں لڑکے کا اصرار کرنا جائز تو ہے البتہ لڑکی والے اگر نہ دکھانا چاہیں تو لڑکی والوں کو اختیار ہے البتہ لڑکے کو چاہیئے کہ اگر لڑکی والے راضی نہ ہو رہے ہوں تو اپنے گھر کی عورتوں کو بھیج کر لڑکی کی صفاتِ مطلوبہ معلوم کر لے کیونکہ شرفاء کا طریق یہی ہے اور مقصود کا حصول اس میں بھی ممکن ہے البتہ اگر لڑکی والے راضی ہوں تو سرپرستوں کی موجودگی میں (نہ کہ تنہائی میں) لڑکی کو دیکھنا (چاہے ایک نظر سے زائد ہو) جائز ہے البتہ چھونا جائز نہیں۔

Marfat.com

(۱۵۹) نکاح سے قبل سسر کا بہو کو دیکھنے نیز لڑکی والوں کیلئے اپنی لڑکی کو دکھانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنوری میں میرے کزن افضال کی شادی ہے رشتہ تقریباً طے ہو چکا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لڑکا افضل کہتا ہے کہ میں لڑکی کو دیکھوں گا اور افضال کے ابا جی بھی اپنی بہو کو دیکھنے کے خواہشمند ہیں اب مسئلہ پیچیدہ ہو رہا ہے لڑکی والے تیار نہیں۔ وہ صرف لڑکے کو لڑکی دکھانے پر راضی ہو سکتے ہیں لہٰذا آپ درج ذیل سوالوں کے الگ الگ جواب تحریر فرما دیں۔

(۱)۔ افضال اکیلے جا کر لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟

(۲) لڑکی والے اہتمام کر کے لڑکے کو لڑکی دکھا سکتے ہیں یعنی قصداً دکھانا گناہ، دقیانوسیت یا بے غیرتی تو شمار نہ ہوگا؟

(۳) اگر لڑکی والے منع کر دیں تو یہ کیسا ہے؟ یعنی لڑکی کو دیکھنا لڑکے کا حق ہے یا نہیں؟ حدیث میں امر وجوبی ہے یا استحبابی یا مباح ہے؟ تفصیل کر دیں۔

(۴) افضال کے ابا جی کا مطالبہ کیسا ہے؟ سسر اپنی بہو کو دیکھنا چاہے تو کیا حکم ہے؟

(۵) اگر افضال کے گھر کی خواتین ساتھ ہوں تو اس طرح گھر بلا کر دکھانا کیسا ہے؟

(۶) اگر افضال کو خفیۃً بلا کر لڑکی والے اکیلے میں لڑکی دکھا دیں تو کیا یہ جائز ہے آیا اس طرح خلوت میں لڑکی کو دکھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

ازراہ کرم ان چھ سوالات کا شافی جواب مرحمت فرمائیں اور ساتھ ہی کوئی اور تحقیقی یا دقیق بات اس مسئلے سے متعلق آپ کے سامنے آئے تو ذکر کر دیں تاکہ رؤیت اور اراءت یا والد کی رؤیت وغیرہ کے تمام مسائل منقح ہو کر سامنے آجائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذہن نشین رہے کہ لڑکے کا مخطوبہ لڑکی کو دیکھنا مباح ہے، فرض، واجب یا مستحب نہیں۔ مخطوبہ لڑکی اگرچہ اجنبیہ ہے لیکن بوجہ ورودِ نص اسے دیکھنے کی گنجائش ہے البتہ یہ دیکھنا فرض یا واجب نہیں صرف مباح ہے نیز لڑکی کے سرپرستوں کیلئے لڑکی کو دکھانا بھی جائز ہے البتہ ضروری نہیں اگر وہ اسے معیوب سمجھتے ہیں اور یہ اجازت نہیں دیتے تو لڑکا انہیں اس پر مجبور نہیں کر سکتا لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) لڑکا اکیلے جا کر لڑکی کے سرپرستوں کی موجودگی میں لڑکی کو دیکھ سکتا ہے۔

(۲) اس عمل کیلئے ضرورت سے زیادہ اہتمام اور بناؤ سنوار کرانا خلاف مروت ہے لہٰذا سادگی کے ساتھ سرپرستوں کی موجودگی

Marfat.com

میں دکھادیا جائے اسے دقیانوسیت وغیرہ کہنا درست نہیں۔

(۳) اگر لڑکی والے منع کردیں تو وہ منع کرسکتے ہیں حدیث میں امر صرف اباحت کیلئے ہے ضروری نہیں۔

(۴) افضال کے اباجی کا مطالبہ غلط اور خلافِ شرع ہے اس کے لئے وہ لڑکی اب تک اجنبیہ اور نامحرم ہے، اور اسے دیکھنا حرام ہے۔

(۵) افضال کے گھر والوں کی موجودگی میں یہ عمل انجام دیا جاسکتا ہے۔

(۶) لڑکے کو اکیلے بلاکر تنِ تنہا لڑکی کے ساتھ چھوڑ دینا ناجائز ہے اس کی شریعت میں گنجائش نہیں یہ خلوت محرمہ ہے۔

الغرض یہ بات ملحوظ رہے کہ شادی کیلئے لڑکی کو دیکھنا کوئی ضروری امر نہیں بلکہ اس میں بہتر تو یہ ہے کہ لڑکے کے گھر کی خواتین جا کر لڑکی کو دیکھ لیں اور اس سے متعلق ضروری باتیں لڑکے کو بتادیں اس معاملے میں زیادہ اصرار بے جا ہے۔

لمافی المشكوة (ص۲۶۸): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال : إني تزوجت امرأة من الأنصار قال : " فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا "

وفی حاشية المشكوة تحت هذا الحديث: ويجوز النظر إلى المرأة التى يريد أن يتزوجها عندنا۔

وفی المشكوة (ص۲۶۹): وعن المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ قال خطبت امرأة فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : " هل نظرت إليها ؟ " قلت : لا قال : " فانظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما "

وكذا فيه (ص۲۶۸): قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : إياكم والدخول على النساء ۔

وفی عمدة القارى (۱۱۹/۲۰): يباح النظر إلى المرأة التى يريد نكاحها ۔۔۔وأجابوا عن حديث على بأن النظر فيه لغير الخطبة فذلك حرام أما إذا كان للخطبة فلا يمنع منه لأنه للحاجة ألايرى كيف جوز به فى الاشهاد عليها ولها فكذلك النظر للخطبة۔

وفی الشامية (۳۷۰/۶): ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما رواه الترمذي والنسائي وغيرهما۔۔۔ وتقييد الاستثناء بما كان لحاجة أنه لو اكتفى بالنظر إليها بمرة حرم الزائد لأنه أبيح للضرورة فيتقيد بها وظاهر ما في غرر الأفكار النظر إلى الكفين أيضا ويظهر من كلامهم أنه إذا لم يمكنه النظر يجوز إرسال نحو امرأة تصف له حلاها بالطريق الأولى۔

Marfat.com

(۱۶۰) پیغام کے وقت لڑکی کا لڑکے کو دیکھنے کا مطالبہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے وقت لڑکا تو لڑکی کو دیکھ سکتا ہے لیکن اگر لڑکی یہ اصرار کرے تو کیا حکم ہے؟ کیا لڑکی کو اختیار ہے کہ لڑکے کو دیکھنے پر اصرار کرے احادیث تو مرد کے بارے میں وارد ہیں کیا عورت کو اختیار ملے گا؟ نص عام ہوگا خلافِ قیاس تو نہیں؟ صریح فقہی جزئی بھی تحریر کردیں تاکہ مسئلہ آسان ہوجائے نیز اگر دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے تو کیا کیا جائے؟ چھوڑ سکتا ہے کہ نہیں؟ اور پسند آجائے پھر کیا حکم ہے؟ پسند آنے کے باوجود شادی نہیں کررہا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جس عورت سے ایک شخص شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے دیکھنا حضراتِ فقہاء کرام نے مباح اور بعض نے مستحب لکھا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مختلف احادیث اس پر دال ہیں کہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو پہلے ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے البتہ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ عام اوقات میں ایک مرد اجنبیہ عورت کو نہیں دیکھ سکتا صرف مخطوبہ کو دیکھنے کی شریعت نے گنجائش دی ہے، اس گنجائش دینے کی کیا وجہ ہے؟ کس حکمت کی بناء پر یہ توسیع کی گئی ہے؟ جب ہم احادیث واردہ فی ھذا الباب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دو طرح کی حکمتیں نظر آتی ہیں۔ پہلی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إني تزوجت امرأة من الأنصار قال: "فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئا". رواه مسلم

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا ایک شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور کہا میں نے ایک انصاریہ سے شادی (کرنے کا ارادہ) کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھ لینا کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔''

(مشکوۃ ص ۲۶۸)

اس حدیث سے لڑکی کو شادی سے قبل دیکھنے کی حکمت ''عیوب سے خالی ہونا'' معلوم ہوتی ہے، البتہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی ایک الگ حکمت بیان کی گئی ہے۔

"وعن المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ قال خطبت امرأة فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هل نظرت إليها؟" قلت: لا قال: "فانظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما". رواه أحمد والترمذي والنسائي وابن ماجة والدارمي۔"

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک عورت کو پیغامِ نکاح بھیجا تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

Marfat.com

فرمایا کہ تو نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا دیکھ لے کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت و الفت کو رکھے گا۔"

(مشکوۃ ص ۲۶۹)

اس حدیث میں اتفاق و محبت کے پیدا ہونے کو نظر إلی المخطوبہ کے جواز کی وجہ بتایا گیا ہے۔ گویا ان دو حکمتوں کی بناء پر شادی سے قبل مخطوبہ کو دیکھنا جائز ہے:

۱) عیب نہ ہو۔

۲) محبت و اتفاق پڑھے۔

مذکورہ بالا دونوں حکمتوں کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جس طرح لڑکے کے لڑکی کو دیکھنے میں یہ فوائد ہیں اسی طرح لڑکی کے لڑکے کو شادی سے قبل دیکھنے میں بھی یہ دونوں باتیں ملحوظ رکھی جانی چاہئیں کیونکہ نکاح دونوں کا ہو رہا ہے پھر وجہ فرق کوئی نہیں!!!..... البتہ جہاں تک مخطوبہ کو دیکھنے والی احادیث کا تعلق ہے ان میں کہیں بھی لڑکی کے لڑکے کو دیکھنے کا ذکر نہیں جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرد کو گنجائش دینے کی وجہ اس کے اوپر پہلے سے موجود حرمت ہے کیونکہ ایک مرد اجنبیہ عورت کو (چاہے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو) نہیں دیکھ سکتا اس لئے مرد کو گنجائش دی گئی لیکن ایک عورت مرد کو اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو دیکھ سکتی ہے، جب پہلے ہی دیکھنے کا جواز ہے تو پھر خصوصاً موقعِ زواج پر بدرجہ اولی جواز ہوگا جس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ ایک عورت اجنبی مرد کو دیکھ سکتی ہے اگر فتنے کا اندیشہ نہ ہو اس کا جواز کتب فقہ میں مصرح ہے

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا واقعہ یوں ذکر کرتی ہیں:

عن عائشة رضی الله عنها قالت رأيت النبی صلی الله عليه وسلم يسترنی وأنا انظر إلى الحبشة وهم يلعبون فی المسجد الخ (صحيح البخاری ۱۳۵/۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے چھپایا ہوا تھا اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی وہ حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے"۔

نیز دور نبوی میں عورتیں فتنے کے خوف کے نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے آتی تھیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں اس سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"والأصح أنه يجوز نظر المرأة إلى الرجل فيما فوق السرة وتحت الركبة بلا شهوة وهذا الحديث محمول على الورع والتقوى قال السيوطي رحمه الله كان النظر إلى الحبشة عام قدومهم سنة سبع ولعائشة يومئذ ست عشرة سنة وذلك بعد الحجاب فيستدل به على جواز نظر المرأة إلى الرجل وبدليل أنهن كن يحضرن الصلاة مع رسول الله ﷺ في المسجد ولا بد أن يقع نظرهن إلى الرجال فلو لم يجز لم يؤمرن بحضور المسجد والمصلى ولأنه أمرت النساء بالحجاب عن الرجال ولم يؤمر الرجال بالحجاب"

Marfat.com

"اصح یہ ہے کہ عورت کیلئے مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے دیکھنا جائز ہے اگر شہوت نہ ہو، اور یہ حدیث (ابن ام مکتوم سے حجاب کی) ورع اور تقویٰ پر محمول ہوگی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کو دیکھنا ساتویں صدی ہجری کے سن جس سال وہ آئے تھے واقع ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت سولہ سال کی تھیں اور حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا لہٰذا اس واقعہ سے عورت کے مرد کو دیکھنے کے جواز پر استدلال کیا جائے گا اھ، اور ایک دلیل جواز کی یہ بھی ہے کہ عورتیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتی تھیں لہٰذا لامحالہ ان کی نظر مردوں پر پڑتی ہوگی اگر یہ (عورتوں کا مردوں کو دیکھنا) جائز نہ ہوتا تو انہیں مسجد میں آنے کا نہ کہا جاتا اور نہ عیدگاہ آنے کا حکم جاری ہوتا اور یہ بات بھی ہے کہ عورتوں کو مردوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے مردوں کو تو پردے کا حکم نہیں۔"

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ۶/ ۲۰۰)

یعنی عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا اس بات پر دال ہے کہ عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے کیونکہ لامحالہ عورت کی نظر مرد پر پڑے اب اگر یہ دیکھنا جائز نہ ہوتا تو مردوں کو بھی پردے کا حکم دیا جاتا جبکہ ایسا نہیں، لہٰذا یہ ثابت ہوگیا کہ ایک عورت مرد کا چہرہ وغیرہ اوقات میں اگر شہوت کا ڈر نہ ہو تو دیکھ سکتی ہے تو پھر بوقتِ ازدواج جب ضرورت ہے اور جن دو حکمتوں کی بناء پر مرد کو بھی گنجائش دی ہے تو عورت کو بدرجہ اولی دیکھنا جائز ہوگا۔

جہاں تک تعلق ہے سوال میں موجود اس بات کا کہ دیکھنے کے بعد پسند آئے یا نہ آئے تو کیا کیا جائے؟ تو دیکھیں شریعت اگرچہ وعدہ نکاح (منگنی وغیرہ) کو بھی بوقتِ عذر توڑنے کی گنجائش دی ہے البتہ بغیر عذر کے توڑنا درست نہیں لیکن یہاں نظر اِلی الخطوبہ ظاہر ہے منگنی وغیرہ سے پہلے ہوتا ہے لہٰذا اس کے بعد اگر لڑکی پسند نہ آئے تو منع کیا جاسکتا ہے البتہ اگر پسند آجائے تو شادی کر لینی چاہیے اور یہی حکم لڑکی کے لڑکے کو دیکھنے سے متعلق ہے البتہ لڑکی کے لڑکے کو دیکھنے سے متعلق جو تفصیلات تحریر کی گئی ہیں وہ اصولوں اور دلالت روشنی میں تحریر کی گئی ہیں لہٰذا اس کا جواز تو ثابت ہوتا ہے لیکن اگر اسے معیوب سمجھا جاتا ہو یا طرفین ان معاملات پر راضی نہ ہو رہے ہو تو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔

(۱۶۱) بیوہ سے نکاح کیلئے اس کے بچوں کو دیکھنے پر اصرار کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک دوست سیفی صاحب کا عنقریب ایک سے نکاح کا ارادہ ہے انہوں نے ایک نظر بیوہ کو دیکھ بھی لیا ہے لیکن اب سیفی صاحب کا کہنا ہے کہ میں بیوہ کے بچوں کو بھی دیکھوں گا تا مجھے اور تسلی ہوجائے کہ اس عورت کے بچے کیسے ہوتے ہیں چھوٹے لڑکے کو تو دکھا دیا لیکن ایک لڑکی بالغہ ہے اسے دکھانے کا مسئلہ بن

Marfat.com

سیفی صاحب بھی بضد ہیں کیا شرعی نقطہ نظر سے بیوہ کے بچوں کو اس نیت سے دیکھنا جائز ہے؟ مدلل جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ اجنبی نامحرم عورت کو دیکھنا شریعتِ مطہرہ میں ناجائز اور حرام ہے مخطوبہ عورت دیکھنے کا جواز فقط اباحت کے درجے میں ہے اسے بھی اگر لڑکی کے اولیاء منع کردیں تو وہ منع کرسکتے ہیں کیونکہ مخطوبہ عورت بھی حقیقتاً محرم ہی ہے البتہ اس کے ساتھ چونکہ پوری زندگی گزارنی ہے لہٰذا شریعت نے اسے دیکھنے کی گنجائش دی ہے لیکن اس کے بچوں کو دیکھنا اور یہ اندازہ لگانا کہ اس عورت کی اولاد کیسی ہوتی ہے یہ بے معنی اور لغو حرکت ہے بالخصوص بالغہ لڑکی کو دیکھنا تو اس کے لئے قطعاً جائز نہیں کیونکہ وہ اس کے حق میں بالکل اجنبیہ اور نامحرم ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النور: ۳۰): قُل لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۶۸): وعن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فأمرني أن أصرف بصري. رواہ مسلم۔

وفی مرقاۃ المفاتیح (۱۹۷/۶): فأمرني أن أصرف بصري أي لا أنظر مرۃ ثانیۃ لأن الأولی إذا لم تکن بالاختیار فھو معفو عنھا فإن أدام النظر أثم وعلیہ قولہ تعالی قل للمؤمنین یغضوا من أبصارھم۔

وفی الشامیۃ (۳۷۰/۶): فظاھر تخصیص النظر إلیھا أنہ لا یحل للخاطب النظر إلی ابنتھا إذا خاف الشھوۃ ومثلہ بنتھا وتقیید الاستثناء بما کان لحاجۃ أنہ لو اکتفی بالنظر إلیھا بمرۃ حرم الزائد لأنہ أبیح للضرورۃ فیتقید بھا۔

(۱۶۲) لڑکے کے گھر کی خواتین کا لڑکی کو دیکھ کر اس کی صفات بیان کردینا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی آدمی شادی کرنا، چاہے لوگ اسے کسی لڑکی کے متعلق بتائیں کہ وہ مناسب ہے آیا وہ آدمی خود اس لڑکی کو دیکھ سکتا ہے یا اپنی گھر کی خواتین کو بھیج کر دکھوالے پھر ان سے لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کرے تو یہ جائز ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

وہ آدمی خود جا کر اس لڑکی کو دیکھ سکتا ہے جس سے وہ شخص شادی کرنا چاہتا ہے ہاں اگر خود نہیں دیکھنا چاہتا تو گھر کی خواتین کو بھیج دے جو جا کر اس لڑکی کو دیکھیں اور واپس آ کر اس شخص کو لڑکی کی صفات بیان کر دیں، ایسا کرنا جائز ہے۔

لمافی المرقاة (۱۹۵/۶): وإذا لم يمكنه النظر استحب أن يبعث امرأة تصفها له وإنما يباح له النظر إلى وجهها وكفيها فحسب لأنهما ليسا بعورة في حقه فيستدل بالوجه على الجمال وضده وبالكفين على سائر أعضائها باللين والخشونة۔

وفی الشامیة (۳۷۰/۶): ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما رواه الترمذي والنسائي وغيرهما ولأن المقصود إقامة السنة لا قضاء الشهوة۔

وبعد اسطر: ويظهر من كلامهم أنه إذا لم يمكنه النظر يجوز إرسال نحو امرأة تصف له حلاها بالطريق الأولى۔

(۱۶۳) شادی سے قبل لڑکی کی تصویر دیکھنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے اہل علاقہ کا یہ رواج ہے کہ شادی سے پہلے جب نکاح کے بارے میں بات ہوتی ہے تو وہ لڑکی یا لڑکے کی تصویر کو دکھاتے ہیں اور یہ ضروری سمجھا جاتا ہے اگر کوئی نہ دکھائے تو نکاح میں رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں آیا لڑکے یا لڑکی کی تصویر ایک دوسرے کو دکھانا جائز ہے۔ عند الشرع اس کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جہاں پیغام نکاح بھیجا جا رہا ہو وہاں لڑکے یا لڑکی کی تصویر دکھانا صحیح نہیں ہے اور نہ اس غرض سے تصویر سازی (جو کہ شرعاً حرام ہے) کی شریعت میں اجازت ہے اس کے لئے دوسرے وہ ذرائع استعمال کئے جائیں جن کی شریعت نے اجازت دی ہے یا گھر کی عورتوں وغیرہ کو بھیج کر معلومات حاصل کر لی جائیں۔

لمافی المشکوة (ص۲۸۵): وعن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه

Marfat.com

وسلم يقول: "أشد الناس عذابا عند الله المصورون"

وفی المرقاة شرح مشكوة (۱۹۵/۶): استحباب النظر اليها قبل الخطبة وان لم يمكنه النظر استحب ان يبعث امرأة تصفها له۔الخ۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۲۲/۷): والشرع أباح التعرف على المخطوبة من ناحيتين فقط: الأولى: عن طريق إرسال امرأة يثق الخاطب بها تنظر إليها وتخبره بصفتها۔۔۔ وللمرأة أن تفعل مثل ذلك بإرسال رجل، فلها أن تنظر إلى خاطبها، فإنه يعجبها منه ما يعجبه منها۔الثانية: النظر مباشرة من الخاطب للمخطوبة للتعرف على حالة الجمال وخصوبة البدن، فينظر إلى الوجه والكفين والقامة، إذ يدل الوجه على الجمال، والكفان على الخصوبة والنحافة، والقامة على الطول والقصر۔الخ۔

وفی الفتاوی اللجنة الدائمة (۴۵۸/۱): لايجوز تصوير ذوات الارواح بالكاميرا أو غيرها من آلات التصوير۔

(۱۶۴) براہ راست انٹرنیٹ پر مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کا حکم

سوال

میں عنقریب اپنی بیٹی کی شادی کررہا ہوں اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان وکرم ہے لیکن لڑکا باہر ملک رہتا ہے اور اس کا شادی سے قبل واپس آنا کافی مشکل ہے (لڑکا کنیڈا میں ہے) وہ کہتا ہے لڑکی کی فوٹو بھیجو میں لڑکی کو دیکھے بغیر حتمی جواب نہیں دے سکتا لڑکے کے گھر والے بھی مجبور کررہے ہیں اب کچھ سمجھ نہیں آرہا، مفتی صاحب میں اور میری بیٹی فوٹو نہیں کھنچوانا چاہتے (ظاہر ہے حرام فعل ہے) لیکن آپ پریشر سمجھ رہے ہوں گے تو اب کیا کیا جائے؟ ایک صورت یہ ذہن میں آرہی تھی کہ انٹرنیٹ پر لڑکی کو سامنے کردیا جائے اور نمایاں مسئلے میں کچھ تخفیف ہے۔

مفتی صاحب آپ ہماری صحیح راہنمائی فرمائیں کہ مسئلہ کیسے حل ہو، لڑکا تو نہیں مانے گا کیا کیا جائے؟ کیا رشتہ ختم کردیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی آدمی نکاح کرنے کی غرض سے کسی عورت کو دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے اگر ممکن ہو اور اگر ممکن نہ ہو تو اولیاء کے مشورہ سے کوئی ایسی صورت دیکھنے دکھانے کی کی جائے جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔ مذکورہ صورت میں آپ ایک جھلک انٹرنیٹ پر دکھانے میں اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ تصویر وغیرہ نہ بنائی جائے بلکہ براہ راست دکھایا جائے۔

Marfat.com

ما رواہ البیہقی ۳۰۷/۵: ولو أراد أن یتزوج امرأۃ فلا ینبغی لہ أن ینظر إلیہا إلا أن خاف أن یتزوجہا فی التزویج

وما رواہ الحاکم ۳۷۶/۳: وکذا ما رواہ عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا خطب أحدکم امرأۃ فلا بأس أن ینظر إلیہا إذا خاف أن یتزوجہا لذلک فلیفعل ولیستأمر اللہ ولیستخر اللہ ولیشاورہ ولا بأس أن ینظر إلیہا إذا کان إنما ینظر إلیہا لذلک حتی أن یتزوج

۵۰) نظر مخطوبہ سے متعلق حدیث پاک

سوال

[illegible] ایک حدیث [illegible] ایک [illegible] نے ایک [illegible] کے [illegible] کے [illegible] ایک [illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے

حسن۔

وفى مرقاة المفاتيح (٢٥١/٦): وللعلماء خلاف في جواز النظر إلى المرأة التي يريد أن يتزوجها فجوزه الأوزاعي والثوري وأبو حنيفة والشافعي وأحمد وإسحاق رحمهم الله مطلقا أذنت المرأة أم لم تأذن لحديثي جابر والمغيرة ـــ وإنما يباح له النظر إلى وجهها وكفيها فحسب لأنهما ليسا بعورة في حقه فيستدل بالوجه على الجمال وضده وبالكفين على سائر أعضائها باللين والخشونة۔

وفى الشامية (٣٧٠/٦): ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما۔

Marfat.com

فصل فی ألفاظ النکاح

(الفاظِ نکاح کا بیان)

(۱۶۶) میں نکاح کرتا ہوں کے الفاظ سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ''میں نکاح کرتا ہوں'' ان الفاظ سے نکاح ہوجائیگا یا ماضی کا لفظ ''میں نے نکاح کیا'' یہ بولنا ضروری ہے؟ یا یہ جو کہا جاتا ہے کہ ''میں قبول کرتا ہوں'' اس پر بھی روشنی ڈال دیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جاننا چاہیئے کہ دو قسم کے الفاظ (صیغوں) سے نکاح منعقد ہوتا ہے:

(۱) لفظ ماضی: متعاقدین میں سے ہر ایک ایجاب وقبول لفظ ماضی کے ساتھ کرے جیسا کہ آدمی کہے ''میں نے تجھ سے نکاح کیا'' اور عورت جواب میں کہے ''میں نے قبول کیا''۔

(۲) لفظ حال یا مستقبل (امر): متعاقدین میں سے ایک لفظ حال یا مستقبل (امر) سے ایجاب کرلے اور دوسرا لفظ ماضی استعمال کر کے قبول کرے جیسا کہ کوئی شخص کہے ''میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں'' یا ''مجھ سے نکاح کرلو'' اور عورت قبول کرتے ہوئے کہے کہ ''میں نے قبول کرلیا'' تو اس سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور اگر قبول کرنے میں، وعدہ یا استقبال کا مطلب لئے بغیر یہ الفاظ استعمال کر لئے جائیں ''میں قبول کرتا ہوں'' تو حال کا معنی مراد لیتے ہوئے اس سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے البتہ اگر وعدہ یا استقبال مراد ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

نکاح کے انعقاد کے لئے صرف لفظ ماضی کے ذریعے ایجاب وقبول کرنا ضروری نہیں بلکہ مندرجہ بالا الفاظ میں سے جس سے بھی ایجاب وقبول کیا جائے، نکاح منعقد ہوجائے گا نیز استقبالِ محض (یعنی میں تجھ سے نکاح کروں گا وغیرہ) کا صیغہ اگر ایجاب یا قبول میں استعمال ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لما فی الدر المختار (۹/۳): (وینعقد) متلبسا (بإیجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا

Marfat.com

للمضي) لأن الماضي أدل على التحقيق (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك (و) يقول الآخر (تزوجت و) ينعقد أيضا (بما) أي بلفظين (وضع أحدهما له) للمضي (والآخر للاستقبال) أو للحال فالأول الأمر (كزوجني) أو زوجيني نفسك أو كوني امرأتي فإنه ليس بإيجاب بل هو توكيل ضمنى (فإذا قال) في المجلس (زوجت) أو قبلت أو بالسمع والطاعة، بزازية قام مقام الطرفين وقيل هو إيجاب ورجحه في البحر والثاني المضارع المبدوء بهمزة أو نون أو تاء كتزوجيني نفسك إذا لم ينو الاستقبال۔

(۱۶۷) الفاظِ کنائی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی لڑکی سے کہا کہ میں خدا کو حاضر ناظر مان کر کہتا ہوں کہ میں تمہیں اپنی زندگی میں مانتا ہوں کیا تم بھی مجھے مانتی ہو، لڑکی نے کہا "ہاں" پھر لڑکے نے کہا کہ میں تمہیں اپنی زندگی کیلئے قبول کرتا ہوں کیا تم تسلیم کرتی ہو؟ لڑکی نے کہا "ہاں کرتی ہوں۔" یہ باتیں دو عاقل بالغ گواہوں کی موجودگی میں ہوئی ہیں تو کیا اس کلام سے ان کے درمیان نکاح ہو گیا یا نہیں؟ اور اگر نکاح ہو گیا ہے تو مذکورہ دو جملوں میں سے کس جملے کی وجہ سے ہوا ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح الفاظ کنائی کے ساتھ اس شرط پر درست ہوتا ہے جب ان دونوں کی نیت بھی نکاح کی ہو، اور گواہوں نے بھی ان کے مذکورہ الفاظ کے مقصود کو سمجھا ہو کہ ان دونوں کی مراد اس سے عقدِ نکاح ہے، صورتِ مسئولہ میں اگر واقعتاً مذکورہ شخص نے یہی الفاظ کہے ہوں کہ "میں تمہیں اپنی زندگی کے لئے قبول کرتا ہوں کیا تم تسلیم کرتی ہو" تو لڑکی نے جواب دیا ہو "ہاں کرتی ہوں" اور ان دونوں کی نیت نکاح کی ہو، اور دو گواہوں نے ان الفاظ کے مقصود کو سمجھا بھی ہو تو اس سے نکاح منعقد ہو گیا ورنہ نہیں۔

لما فی الدر المختار (۳/۱۸): وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة وفهم الشهود المقصود۔

وفی الرد تحته: وملخصه أنه لا بد في كنايات النكاح من النية مع قرينة أو تصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد أو إعلامهم به۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته كتاب النكاح (۹/۶۵۲۳): وأما الألفاظ التي اختلفوا في انعقاد الزواج بها: فهي لفظ البيع، ولفظ الهبة، ولفظ الصدقة، أو العطية ونحوها مما يدل على تمليك العين في الحال،

Marfat.com

وفقه الله تعالى آمين

يقال حقيقة الملكية هي اثبات يتعقب التوجه بها شرعية وقدرة تتعلق على التوجه كيفما شاء وحقيقة الشهوة الميل الطبيعي الذي يجده الانسان بطبعه ولا يمكنه دفعه بالكلية وحقيقة الشهوة ميل الطبع الى ادراك الملائم وليس بعقد بل هو وقوع الشيء موقعا لتوجه يتعقب لذة والله سبحانه وتعالى اعلم

(۱۳۱) عورت کے خاوند کے نکاح کا حکم

سوال

[illegible] جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں تمہارے نکاح کو فسخ کرتا ہوں وہ عورت کے قول سے نکاح کے فسخ ہونے میں نکاح کے منعقد ہونے کے اعتقاد سے یا استعمال کرنے خاوند سے تعلق کرنے کے جواب دینے والے کیا کہتے ہیں

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے انعقاد کے بعد عورت کے کہنے سے کہ میں نے تجھ کو فسخ کیا کے ساتھ کچھ سوال نہیں ایک فسخ کے ساتھ کچھ سوال نہیں ایک فسخ کے ساتھ کچھ سوال نہیں اگر عورت نے کہا فسخت نکاحی منک یا فارقتک یا متارکتک یا سرحتک یا خلیتک یا بریتک یا حرمتک علی نفسی یا لا سبیل لک علی یا لا ملک لک علی یا لا عصمۃ لک علی یا لا نکاح بیننا یا لا زوجیۃ بیننا یا لا حل لک علی یا حلال اللہ علیک حرام یا حلالی علیک حرام یا بائنۃ منک یا بتۃ یا بتلۃ یا بتۃ بتلۃ یا بتلۃ بائنۃ یا بائن یا خلیۃ یا برئ یا حرام یا حرمتک یا حرمتک نفسی یا حرمتک علی نفسی یا حرمتک علی یا حرمت علی یا حرمت نفسی یا حرمت علی نفسی یا حرمت فرجی یا حرمت بضعی یا حرمت رحمی یا حرمت حیائی یا حرمت حیاتی یا حرمت حیاتی علی نفسی یا حرمت حیاتی علی یا حرمت حیاتی علی نفسی یا حرمت فرجی علی یا حرمت فرجی علی نفسی یا حرمت بضعی علی یا حرمت بضعی علی نفسی یا حرمت رحمی علی یا حرمت رحمی علی نفسی یا حرمت حیائی علی یا حرمت حیائ

اللغة لم يضع للإنشاء لفظا خاصا وإنما عرف الإنشاء بالشرع واختيار لفظ الماضي لدلالته على التحقيق والثبوت دون المستقبل اهـ

(۱۶۹) گونگا شخص ایجاب وقبول کیسے کرے گا؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکا ہے جو بہرا ہے اور گونگا ہے اور بالغ بھی ہے، اس کا نکاح کس طرح ہوسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر لڑکا گونگا اور بہرا ہے تو [اس کا نکاح اگر وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو] کتابت کے ذریعے منعقد کیا جاسکتا ہے۔ نکاح کا ایجاب، لکھ کر اس کے سامنے کردیا جائے اور وہ لکھ دے کہ "مجھے قبول ہے" تو اس کا نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن اگر لکھنا پڑھنا نہیں آتا تو پھر اشارے سے اس کا نکاح منعقد کیا جائے گا۔ اشارہ کے ذریعے بتادے کہ مجھے قبول ہے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لمافي الهندية (۲۷۰/۱): وكما ينعقد بالعبارة ينعقد بالإشارة من الأخرس إن كانت إشارته معلومة كذا في البدائع۔

وفي الشامية (۲۱/۳): وفي الفتح ينعقد النكاح من الأخرس إذا كانت له إشارة معلومة۔

وفيه أيضاً (۲۴۱/۳): قلت بل هذا القول تصريح بما هو المفهوم من ظاهر الرواية ففي كافي الحاكم الشهيد ما نصه فإن كان الأخرس لا يكتب وكان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه وشرائه وبيعه فهو جائز وإن كان لم يعرف ذلك منه أو شك فيه فهو باطل اهـ فقد رتب جواز الإشارة على عجزه عن الكتابة فيفيد أنه إن كان يحسن الكتابة لا تجوز إشارته۔ الخ۔

(۱۷۰) گونگا لکھنا جانتا ہو تو اس کے اشارے کا حکم

سوال

عبید ایک گونگا لڑکا ہے عنقریب اس کی شادی کی تقریب منعقد ہونے والی ہے گھر والے پریشان تھے کہ عبید ایجاب وقبول کیسے کرے گا میں خود بھی متردد ہوا میرے پاس جو کتابیں تھیں میں نے انہیں دیکھا تو مجھے فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ حقانیہ اور احسن الفتاویٰ وغیرہ

Marfat.com

میں مسئلہ یہی ملا کہ اشارے سے سمجھائے گا اور گونگے کا اشارہ ہی کلام ہے حقانیہ میں اشباہ اور فتح القدیر کے حوالے سے یہی درج ہے لیکن اتفاق یہ ہے کہ خیر الفتاویٰ میں مسئلہ کچھ تبدیل ہے وہ یہ کہ اگر لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو تو اشارہ کرے گا وہاں شامی وغیرہ کا حوالہ موجود ہے، جتنی عربی مجھے آتی ہے تو میں یہی سمجھا کہ حوالے میں پہلے کتابت شرط ہے اور لکھنا نہ جانتا ہو تو اشارہ قائم مقام ہوگا اس کا ذکر ہے لہٰذا آپ مسئلہ کا منقح و مفصل جواب تحریر کر دیں کس کی بات درست ہے؟ فقہ حنفی میں کیا مفتیٰ بہ ہے گونگا لکھنا جانتا ہو تو کیا اشارے سے اس کا نکاح ہوگا یا نہیں اس پر دیگر حضرات کی رائے بھی درج کر دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب۔

عموماً یہی دیکھا گیا ہے کہ گونگا لکھنے پر قدرت نہیں رکھتا، لیکن اگر کہیں ایسا ہو کہ گونگا لکھنے کی بھی قدرت رکھتا ہو تو پھر اسے نکاح وغیرہ میں صرف اشارہ پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تحریری طور پر بھی اپنی مراد واضح کر دینی چاہیئے تاکہ کسی قسم کا شبہ اور ابہام باقی نہ رہے لیکن بالفرض کتابت پر قدرت کے باوجود وہ صرف اشارہ سے ایجاب یا قبول کر لیتا ہے اور اشارہ بھی ایسا معروف اور مشہور ہے کہ نکاح کے گواہوں کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اس گونگے کی مراد بالکل صحیح سمجھ جاتے ہیں تو اس کا وہ اشارہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق معتبر ہوگا اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

لما فی الأشباہ والنظائر(ص۳۴۳)الفن الثالث الجمع والفروق،احکام الاشارۃ: الاشارۃ من الاخرس معتبرۃ وقائمۃ مقام العبارۃ فی کل شیء من بیع و اجارۃ وھبۃ ورھن ونکاح وطلاق، و عتاق وابراءو اقراروقصاص الا فی الحدود ۔۔۔ واختلفوا فی ان عدم القدرۃ علی الکتابۃ شرط للعمل بالاشارۃ اولا، والمعتمد لا، ولذا ذکرہ فی ''الکنز'' بأو، ولا بد فی إشارۃ الأخرس من أن تکون معھودۃ وإلا لا تعتبر۔

وفی فتح القدیر(۴۹۲/۳):قولہ وطلاق الأخرس واقع بالإشارۃ لأنھا صارت مفھومۃ فکانت کالعبارۃ في الدلالۃ استحسانا فیصح بھا نکاحہ وطلاقہ وعتاقہ وبیعہ وشراءہ سواء قدر علی الکتابۃ أو لا وھذا استحسان بالضرورۃ فإنہ لو لم یعتبر منہ ذلک أدی إلی موتہ جوعا وعطشا وعریا ۔۔۔ وقال بعض الشافعیۃ إن کان یحسن الکتابۃ لایقع طلاقہ بالإشارۃلاندفاء الضرورۃ بما ھو أدل علی المراد من الإشارۃ وھو قول حسن وبہ قال بعض مشایخنا۔

وفی الدرالمختار (۷۳۷/۶) مسائل شتی : (إیماء الأخرس وکتابتہ کالبیان) باللسان (بخلاف معتقل اللسان)۔

وفی الرد تحتہ: قولہ (إیماء الأخرس) أي إشارتہ بحاجب أو ید أو غیر ذلک۔۔۔وإطلاقہ یفید

Marfat.com

اعتبار الإيماء مع قدرته على الكتابة وهو المعتمد لأن كلا منهما حجة ضرورية كما في القهستاني وغيره۔

(۱۷۱) "میں نے اسے بیوی قبول کیا" کے الفاظ سے نکاح کا حکم

سوال

بالغ لڑکا اور لڑکی دو گواہوں کے سامنے اقرار کریں، لڑکا کہے میں نے اسے بیوی قبول کیا۔ لڑکی کہے میں نے اسے شوہر قبول کیا یا لڑکا دو گواہوں کے سامنے کہے میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا، لڑکی کہے میں نے قبول کیا۔ اقرار کے کون سے الفاظ صحیح ہیں کیا لڑکا لڑکی کا ایک دوسرے کا نام لے کر اقرار کرنا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے، ایجاب اور قبول میں وہ الفاظ صحیح ہیں جو عقد نکاح کے معاملہ میں صالح ہوں مثلاً مرد کہے: میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا۔ عورت کہے: میں نے قبول کیا۔ جب لڑکا اور لڑکی روبرو ہوں، تو بغیر نام لئے نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

لما فی فتح القدير (۱۹۱/۳): في شرح الطحاوي لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفی الدرالمختار (۱۷/۳): (وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح) لأنهما صريح (وما) عداهما كناية هو كل لفظ (وضع لتمليك عين) كاملة فلا يصح بالشركة (في الحال) خرج الوصية غير المقيدة بالحال (كهبة وتمليك وصدقة) وعطية۔ الخ۔

وفی الشامية (۲۱/۳): فان كانت حاضرة منتقبة كفى الاشارة اليها۔

(۱۷۲) قبول میں "ان شاء اللہ" کہہ دینے سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے عقد نکاح میں کہا کہ میں نے ہندہ سے نکاح کیا تو ہندہ نے جواب میں کہا قبلت ان شاء اللہ، اس صورت میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح کو تام کرنے کیلئے ایسے الفاظ کا استعمال ضروری ہے جو عقد کے یقینی اور قطعی ہونے پر دلالت کریں صورتِ مسئولہ

Marfat.com

میں جب ہندہ نے قبلت کے بعد ان شاء اللہ بھی کہا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا پتہ لگانا مشکل ہے اس لئے انشاء اللہ سے پہلے ہندہ کا قول "قبلت" باطل ہوجائے گا اور نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

لمافی الشامیة (۳/۳۷۱): مطلب مهم لفظ إن شاء الله هل هو إبطال أو تعليق قوله (فإنه تطليق الخ) اعلم أن التعليق بمشيئة الله تعالى إبطال عندهما أي رفع لحكم الإيجاب السابق وعند أبي يوسف تعليق ولهذا شرط كونه متصلا كسائر الشروط ولهما أنه لا طريق للوصول إلى معرفة مشيئته تعالى كان إبطالا ۔۔۔ ومثله في متن مواهب الرحمن حيث قال ويجعل أي أبو يوسف إن شاء الله للتعليق وهما للإبطال وبه يفتى۔

وفيه أيضا(۳/۳۶۶): وعن الحلواني كل ما يختص باللسان يبطله الاستثناء كالطلاق والبيع بخلاف ما يختص به كالصوم لا يرفعه لو قال نويت صوم غد إن شاء الله تعالى له أداؤه بتلك النية۔

(۱۷۳) لڑکے کے باپ نے کہا "قبول ہے" تو نکاح کس کا ہوا؟ خیر الفتاویٰ کا تسامح

سوال

مفتی صاحب! ایک انتہائی عجیب وغریب مسئلہ پیش آگیا ہے میرے عزیز ناصر اللہ کا نکاح اس کی چچازاد بہن سے ہونا تھا ہم ملتان کے رہائشی ہیں تمام انتظامات ہوچکے تھے منگنی، مایوں مہندی سب کچھ انجام دیئے جاچکے تھے ان میں سے بہت سی ہندوانہ رسموں کا منع بھی کیا گیا لیکن صحرا میں چیخ سے زیادہ فائدہ نہ ہوا، اتوار کو ولیمہ تھا اور ہفتہ کو نکاح۔ بروز ہفتہ بعد نمازِ عصر نکاح کے وقت عجیب واقعہ پیش آیا لڑکا نکاح کی مجلس میں نہ تھا مسجد سے باہر تھا اور باپ اس کا وکیل بن کر عاقد تھا قاضی نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ آپ کی بیٹی کا ناصر اللہ سے نکاح کرنے کی اجازت ہے؟ کہا اجازت ہے..... قاضی نے کہا میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح کیا، کیا تجھے قبول ہے؟ لڑکے کے باپ نے کہا: قبول ہے..... ظاہر ہے مراد معین لڑکی کا نکاح معین لڑکے (ناصر اللہ) سے نکاح تھا لیکن دعاء کے بعد ایک کہرام مچ گیا کہ نکاح ناصر کا نہیں ناصر کے باپ کا ہوگیا۔

ایک مولوی صاحب ملتان کے ہی مدرسے خیر المدارس کی کتاب ''خیر الفتاویٰ'' اٹھا کر لے آئے اس کے ۴/۲۷۸ پر مسئلہ ایسے ہی تھا بلکہ اس میں تو یہ بھی لکھا تھا کہ اب بیٹے کا نکاح کبھی بھی اس لڑکی سے نہیں ہوسکتا چاہے باپ طلاق دے دے۔

مفتی صاحب! مسئلہ کیا ہے؟ لڑکی تو ابھی نابالغہ ہے اس کی تو رضا کا اعتبار نہیں لیکن کیا لڑکی کے باپ کی رضا کا بھی اعتبار نہ ہوگا اور اس نے تو یہ کہہ کر ایجاب کا وکیل بنایا تھا کہ لڑکے ناصر اللہ کا نکاح ہو نیز کوئی بھی ذہناً تیار نہیں تو یہ نکاح صرف الفاظ کے ہیر پھیر سے کیسے واقع ہوسکتا ہے؟ پورا گھر کہرام کا شکار ہے برائے مہربانی مسئلہ حل فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ قاضی ولی کی طرف سے وکیل تھا اور ولی نے اس کو ناصر اللہ کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل بنایا تھا نہ کہ اس کے والد کے ساتھ لہٰذا جب قاضی نے اس کے والد سے نکاح کروادیا تو اس نے مؤکل کی مخالفت کی اور جب نکاح کا وکیل مؤکل کی مخالفت کرتا ہے تو وہ نکاح مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے منعقد نہیں ہوتا، نکاح کی بہتر صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول کرنے والے اگر عاقدین نہ ہوں بلکہ ان کے وکیل ہوں تو صراحت کے ساتھ اصل عاقد کا نام اور اس سے رشتہ کا ذکر کر کے ایجاب وقبول کریں مثلاً ''میں اپنے بیٹے زید کا نکاح کرتا ہوں'' وغیرہ تا کہ کوئی اشتباہ نہ رہے۔

بہر حال خیر الفتاویٰ کے مسئلہ میں تسامح ہوا ہے اور اس میں شامیہ کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے، وہ عبارت اور مسئلہ ولی کا ہے کہ جب عورت کا ولی عاقد ہو اور وہ خود ایجاب کرے جبکہ یہاں ایجاب کرنے والا قاضی (وکیل) ہے اور ولی اور وکیل میں فرق ہوتا ہے ولی مطلق نابالغہ لڑکی کا نکاح کرواسکتا ہے جبکہ وکیل صرف اس کے ساتھ نکاح کرواسکتا ہے جس کے ساتھ مؤکل نے اس کو مقید کیا ہے یا وہ عرف اور دلالت کی وجہ سے مقید ہو لہٰذا شامی کی اس عبارت سے پیش آمدہ مسئلہ پر استدلال درست نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانية (۱۴۷/۴) كتاب النكاح ط فاروقيه: وكله أن يزوجه امرأة من قبيلة فزوجها من قبيلة أخرى لم يجزوهذا ظاهر۔

وفی الهندية (۲۹۵/۱): أمره أن يزوجه بيضاء فزوجه سوداء أو على العكس لا يصح۔

وفی الشامية (۲۶/۳): لو قال أبو الصغيرة لأبي الصغير زوجت ابنتي ولم يزدْ عليه شيئا فقال أبو الصغير قبلت يقع النكاح للأب هو الصحيح ويجب أن يحتاط فيه فيقول قبلت لابنى اه وقال في الفتح بعد أن ذكر المسألة بالفارسية يجوز النكاح على الأب وإن جرى بينهما مقدمات النكاح للابن هو المختار لأن الأب أضافه إلى نفسه۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۷۲۹/۹): الوكالة المطلقة: بأن لم يعين الموكل امرأة معينة ولا وصفاً معيناً ولا مهراً اختلف أئمة الحنفية فيها: رأى أبو حنيفة: أن للوكيل أن يزوجه بأية امرأة ولو غير كفء له، وبأي مهر ـــ فأبو حنيفة يراعي عبارة الموكل ولفظه ورأى الصاحبان وباقي المذاهب: أنه يتقيد الوكيل بالمتعارف استحساناً لأن الإطلاق مقيد عرفاً وعادة بالكفء وبالمهر المألوف، والمعروف عرفاً كالمشروط شرطاً ـــ وهذا هو الرأي الراجح، وينبغي أن تكون عليه الفتوى عند الحنفية، وهو المعمول به في محاكم مصر. وبه يتبين أن الصاحبين يحكمان العرف والعادة۔

Marfat.com

(۱۷۴) "میں نے اپنی لڑکی تمہیں دیدی" کے الفاظ سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی کو کہا کہ میں نے اپنی لڑکی تم کو دیدی، اس نے قبول کیا۔ تو یہ نکاح ہو گیا یا نہیں، ہمارے اطراف میں عموماً پہلے اس قسم کے الفاظ بلا ذکر مہر وغیرہ کے کہے جاتے ہیں اور بعد میں مستقلاً نکاح رسوم مروجہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نکاح پہلے الفاظ سے منعقد ہو گیا یا دوسرے عقد سے منعقد ہوگا؟ اور اس عورت کا نکاح کیا دوسری جگہ کر دینا صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب ایک شخص نے کہا میں نے تم کو اپنی لڑکی دے دی اور دوسرے نے قبول کر لیا تو اگر لڑکی بالغہ ہو اور اس کی رضامندی سے دو گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے گئے ہوں تو دیکھا جائے گا کہ یہ مجلس نکاح کے لئے منعقد کی گئی ہے یا منگنی کے لئے۔ اگر مجلس کا انعقاد بغرض نکاح ہے تو ان الفاظ سے نکاح ہو جائے گا اور اگر مجلس منگنی کی ہو تو منگنی ہوگی۔ سوال سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ منگنی کے لئے کہے جاتے ہیں اور نکاح بعد میں مستقلاً ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں ان الفاظ سے نکاح منعقد نہ ہوگا اور اس صورت میں لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرایا جا سکتا ہے۔

لما فی الدر المختار (۱۰/۳): وكذا أنا متزوجك أو جئتك خاطبا لعدم جريان المساومة في النكاح أو هل أعطيتنيها أن المجلس للنكاح وإن للوعد فوعد۔

وفی الشامیة (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة۔

Marfat.com

باب فی الأنکحة الصحیحة

(انکحہ صحیحہ کا بیان)

(۱۷۵) باپ کا کسی عورت سے اور بیٹے کا اس عورت کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اشرف کا ایک حقیقی بیٹا اکرم ہے جبکہ ایک بیوہ عورت شمیم اور اس کی حقیقی بیٹی نسیمہ ہے۔ کیا بیک وقت اشرف بیوہ شمیم سے اور اکرم بیوہ کی بیٹی نسیمہ سے نکاح کر سکتے ہیں؟ شرعی مسئلہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

چونکہ نکاح کے حرام ہونے کی شرعاً کوئی وجہ نہیں اس لئے بیک وقت اشرف کا بیوہ شمیم سے اور اشرف کے بیٹے اکرم کا شمیم کی بیٹی نسیمہ سے نکاح جائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۴): وَاُحِلَّ لَکُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ۔

وأیضاً فی مقام آخر: فَانکِحُوْا مَا طَابَ لَکُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔

وفی الهندیة (۲۷۷/۱): لا بأس بأن یتزوج الرجل امرأة ویتزوج ابنه ابنتها أو أمها کذا فی محیط السرخسی۔

وفی الدرالمختار (۳۱/۳): وأما بنت زوجة أبیه أو ابنه فحلال۔

وفی الرد تحته: (وأما بنت زوجة ابیه الخ) ولا تحرم بنت زوج الأم ۔۔۔ ولا أم زوجة الأب ولا بنتها۔

Marfat.com

(۱۷۶) منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد نے ہمارے چچا کے بیٹے کی پرورش کی اور بڑے ہونے تک اس کو اپنے پاس رکھا پھر اس کی شادی بھی کرادی شادی کے کچھ عرصہ کے بعد ہمارے چچازاد بھائی کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی بے سہارا ہوگئی تو اس پر ہمارے والد صاحب نے ترس کھاتے ہوئے اس سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر خاندان کے لوگ شور کرنے لگے کہ کچھ عرصہ پہلے اس لڑکی کو گھر میں بہو کی طرح رکھا ہوا تھا اور اب اس کو بیوی بنا کر رکھتے ہو بہت شرم کی بات ہے اس پر میرے والد صاحب نے ان کو سمجھایا کہ یہ میرے منہ بولے بیٹے کی بیوی ہے حقیقی بیٹے کی نہیں ہے اس سے نکاح کرنے میں کچھ حرج نہیں بہرحال آپ حضرات سے یہ معلوم کرنا ہے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں جبکہ ہمارے والد صاحب نکاح کی بات سے پہلے اس کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے تھے اس سے کوئی فرق تو نہیں پڑتا؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

متبنّی (منہ بولے بیٹے) کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنّی تھے جب انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تو عدت گزرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے والد عدت گزر جانے کے بعد اس عورت سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن اس میں اس بات کا خیال رہے کہ نکاح کے دیگر مصالح پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو کیونکہ بہرحال وہ لڑکی چھوٹی بھی ہوگی اور اب تک اسے بیٹی کی طرح رکھا گیا تھا، اب بیوی بنانے میں نکاح کے مقاصدِ اصلیہ فوت ہونے کا اندیشہ ہے جبکہ اس شخص کی اولاد بھی موجود ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کا نکاح اس عورت سے کردے اور خود اس عمل سے اجتناب کرے۔

لما فی القرآن الکریم (الاحزاب:۳۷): فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۔

وفی الهندية (۲۷۴/۱): والثالثة حليلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا دخل بها الابن أم لا ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الأب المتبني هكذا في محيط السرخسي۔

وفی الشامية (۳۱/۳): { وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم } والحليلة الزوجة وأما حرمة الموطوءة بغير عقد فبدليل آخر وذكر الأصلاب لإسقاط حليلة الابن المتبنى لا لإحلال حليلة الابن رضاعا فإنها تحرم كالنسب بحر وغيره۔

Marfat.com

(۱۷۷) چوتھی بیوی کے غائب ہو جانے کی صورت میں نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی چار بیویاں تھیں ان میں سے ایک لاپتہ ہوگئی اب شوہر مزید نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ شخص اپنی گم شدہ بیوی کو طلاق دے کر اس کی عدت پورا ہونے کا انتظار کرے جب اس گم شدہ بیوی کی عدت پوری ہو جائے تب اس کیلئے دوسری شادی کرنا جائز ہوگا۔

لمافی البحر الرائق (۱۰۲/۳): أن من طلق الأربع لا یجوز له أن یتزوج امرأة قبل انقضاء عدتهن فإن انقضت عدة الکل معا جاز له تزوج أربع وإن واحدة فواحدة۔

وفی ردالمحتار (۳۸/۳): وأشار إلی أن من طلق الأربع لا یجوز له أن یتزوج امرأة قبل انقضاء عدتهن فإن انقضت عدة الکل معا جاز له تزوج أربع وإن واحدة فواحدة، بحر۔

(۱۷۸) حلالہ کی نیت سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حلالہ کی غرض سے اگر زید نے بکر کی مطلقہ سے نکاح کیا اور نیت یہ ہو کہ مباشرت کے بعد طلاق دیدوں گا تو ایسی صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً حلالہ کا معنی سمجھنا ضروری ہے حلالہ کہتے ہیں طلاقِ مغلظہ سے حرام شدہ بیوی، جہاں چاہے اپنی مرضی سے نکاح کرے اور پھر وہ شوہرِ ثانی ہمبستری کے بعد از خود طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہو جائے تو بعد از عدت کے یہ عورت شوہرِ اوّل کے لئے حلال ہو جاتی ہے اب وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے لہٰذا دوسرا شوہر اگر خود اپنی مرضی سے طلاق دیدے اور اس کی نیت اصلاح کی ہو (کہ اس عورت کے بچوں کا مستقبل وغیرہ بہتر بن جائے) تو امید ہے کہ اس پر شوہرِ ثانی کا مؤاخذہ نہ ہو، لیکن اس کے علاوہ جو بھی صورت ہو مثلاً طلاق کی شرط پر نکاح ہو، یا اجرت لے کر نکاح کرے وغیرہ تو یہ ساری صورتیں مکروہِ تحریمی ہوں گی اور اس کے مرتکب

Marfat.com

افراد حدیث کی وعید میں موجود لعنت کے مستحق ہوں گے البتہ نکاح بہر حال درست ہوگا کیونکہ اگر انعقاد نکح کی شرائط ایجاب وقبول اور گواہ وغیرہ موجود ہوں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن ایسی شرائط کی موجودگی میں باعث گناہ ہوتا ہے اور شرط لغو ہو جاتی ہے۔

لمافی التاتارخانية (٦٠٦/٣، ٦٠٧): وأما اذا نوى التحليل بالقلب ولم يقل باللسان تحل للأول فى قولهم جميعا۔۔۔ اذا تزوج ليحللها للأول فهذا الثانى ماجور فى ذلك ،وفى السراجية اذا لم ينص على الوقت ولم يأخذعلى ذلك أجرا۔

وفى الدرالمختار(٤١٥/٣): (أما إذا أضمرا ذلك لا) يكره (وكان) الرجل (مأجورا) لقصد الإصلاح وتأويل اللعن إذا شرط الأجر۔

وفى الرد تحته: قوله (أما إذا أضمرا ذلك) محترز قوله بشرط التحليل (لا يكره) بل يحل له في قولهم جميعا قهستاني عن المضمرات قوله (لقصد الإصلاح) أي إذا كان قصده ذلك لا مجرد قضاء الشهوة ونحوها۔

(۱۷۹) ہیجڑے کے نکاح اور کفاءت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہیجڑے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اور یہ بھی بتادیں کہ ہیجڑے ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہیجڑے کے بارے میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس کے عضو مخصوص مرد اور عورت دونوں کے پائے جاتے ہوں تو جس عضو سے وہ پیشاب کرے گا اس کا اعتبار ہوگا مثلاً اگر ذکر سے پیشاب کرے تو مرد کے حکم میں ہوگا اور اگر فرج سے کرے تو عورت کے حکم میں ہوگا اور اگر پیشاب دونوں سے خارج ہوتا ہو تو جس سے پہلے نکلتا ہو اس کا اعتبار ہوگا لہٰذا اگر عورت کے حکم میں ہو تو مرد سے شادی کرسکتا ہے اور اگر مرد کے حکم میں ہو تو عورت سے شادی کرسکتا ہے اور اگر مرد عورت دونوں کی علامات میں سے کوئی بھی ظاہر نہ ہو یا دونوں برابر پائی جائیں تو وہ خنثیٰ مشکل ہے اس کی شادی درست نہیں اسی طرح ایک خنثیٰ مشکل کا دوسرے خنثیٰ مشکل سے شادی کرنا بھی درست نہیں جب تک کہ ان میں سے ایک کا مؤنث اور دوسرے کا مذکر ہونا ثابت نہ ہو جائے اور اگر مرد ہو لیکن خصی ہو یا مجبوب تو اس کو نکاح نہیں کرنا چاہیئے اور اگر ہو جائے تو عورت چاہے تو تفریق کرا سکتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک کفوٴ میں چھ چیزیں معتبر ہیں۔ دین، اسلام، حریت، نسب، مال اور حرفت۔ حنفیہ کے ہاں کفوٴ میں جسمانی عیوب سے سالم ہونا معتبر نہیں ہے لہٰذا ایک ہیجڑا مذکر اور دوسرا مؤنث کے حکم

Marfat.com

میں ہوتو ایک دوسرے کے کفوٴ ہوں گے۔

لمافی الشامیة (۴/۳):قوله (فخرج الذكر والخنثى المشكل) أي أن إيراد العقد عليهما لا يفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له وكذا على الخنثى لامرأة أو لمثله ففي البحر عن الزيلعي في كتاب الخنثى لو زوجه أبوه أو مولاه امرأة أو رجلا لا يحكم بصحته حتى يتبين حاله أنه رجل أو امرأة فإذا ظهر أنه خلاف ما زوج به تبين أن العقد كان صحيحا وإلا فباطل لعدم مصادفة المحل وكذا إذا زوج خنثى من خنثى آخر لا يحكم بصحة النكاح حتى يظهر أن أحدهما ذكر والآخر أنثى اهـ

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۷۴۷/۲):اختلف الفقهاء في خصال الكفاءة ـــ عند الحنفية ستة: هي الدين والإسلام والحرية والنسب والمال والحرفة ولا تكون الكفاءة عندهم في السلامة من العيوب التي يفسخ بها البيع كالجذام والجنون والبرص، والبخَر والدفَر إلا عند محمد في الثلاثة الأولى۔

(۱۸۰) ہیجڑے اور خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم

سوال

ہیجڑے سے نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے سنا ہے کہ غلبے کا اعتبار ہے لیکن مفتی صاحب اگر کسی عام لڑکی سے اسے مرد سمجھ کر شادی کردی لیکن سال بعد اس پر عورتوں کی علامات غالب آگئیں کہ عورت والے عضو سے حیض آنے لگا تو حکم کیا ہوگا؟ دونوں لڑکیاں بن جائیں گی نیز خنثیٰ مشکل کسے کہتے ہیں؟ فقہاء کی عبارات کی روشنی میں تفصیل فرمائیں آج کل اسٹاپوں پر پھرنے والے کون سے خنثیٰ ہیں، علامات دیکھ کر کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟ سنا ہے علامہ طوسی خنثیٰ تھے یہ کون ہیں ان کی کتابوں کا تذکرہ کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خنثیٰ میں علامات کے غلبے کا اعتبار کیا جاتا ہے اگر مرد والا آلہ پیشاب وغیرہ کے لئے استعمال کرتا ہو تو یہ خنثیٰ مرد ہے اور اگر عورت والی شرمگاہ سے حیض وغیرہ آتا ہو تو یہ خنثیٰ عورت ہے اور اگر بیک وقت دونوں علامات مستعمل ہوں تو یہ خنثیٰ مشکل ہے۔ خنثیٰ اگر مرد یا عورت ہو تو خلافِ جنس سے اس کی شادی جائز ہے یعنی اگر مرد ہو تو کسی عورت سے اور عورت ہو تو کسی مرد سے اس کی شادی کی جاسکتی ہے البتہ خنثیٰ مشکل کی شادی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کا مرد یا عورت ہونا معلوم نہیں۔

آج کل اسٹاپ وغیرہ پر موجود ہیجڑے عموماً خلقۃً خنثیٰ نہیں ہوتے بلکہ یہ درحقیقت مرد ہی ہیں مگر اپنی مردانہ صلاحیت ختم

Marfat.com

[illegible] ہوتے تھے یہ دونوں لفظ استعمال کرتے تھے والے کو یہ تینوں طلاق کر لیتے تھے یہ تحقیق [illegible] الیہ کے بارے میں تحقیق معلوم ہوئے کہ ان کے پاس تینوں لفظوں کے الفاظ تھے تو وہ تحقیق شمار ہوگی جس کی علامات ہیں کہ [illegible] ہوتے ہوئے کے ساتھ پہچانی جائیں گے

تحقیق کے تحقیق کے مسائل ہیں اس میں تحقیق کی جائے گی جو مختلف مسئلوں میں تحقیق ہوئے اگر میں اس [illegible] صورت میں [illegible] ہوئے ہیں بہرحال یا تفریق کر لیتا ہے کہ تحقیق حکم مرتفع ہو گیا تو اس کی عورت [illegible] علامات غالب کے تحقیق ہے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] ہوئے ہیں [illegible] ہیں

تحقیق [illegible] کے [illegible] میں علامتوں سے تحقیق تفصیلات ہیں

قال [illegible] وختثی مشکل تزوج امرأة فمسها على أن أحدهما رجل والآخر امرأة قال إذا صرن كل واحد منهما مشكلا قيل للزوج يكون موقوفا إلى أن يتبين حاله حتى إذا كان فيكون هذا ذكرا تزوج بذكر فيكون النكاح باطلا وكذلك يجوز أن يكون أنثى فيكون النكاح باطلا

قال [illegible] هو أن [illegible] (حتى يتبين حال المتعة) أي حتى استمتاع الرجل من امرأة مريضة من تشخيص علامة شرعي فخرجه الذكر والخنثى المشكل والوثنية

(۱۹) دو بھائیوں کا کسی ماں بیٹی سے نکاح کرنے کا حکم

سوال

[illegible] ہوتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو بھائیوں میں سے بڑے بھائی نے شادی کی ایک لڑکی

Marfat.com

سے اور چھوٹے بھائی نے شادی کی ہے اس لڑکی کی ماں سے، ان کے ساتھ بچے بھی ہیں، کیا یہ شادی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں دونوں بھائیوں کا نکاح درست ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النسآء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ -الآية.

(البقرة:۱۸۴): فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

وفی الشامیة (۳/۳۱): قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال) وكذا بنت ابنها، بحر. قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اهـ

(۱۸۲) بیوہ عورت کا بعد از عدت نکاح کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے یہاں ایک لڑکی کا شوہر فوت ہوگیا عدت کے بعد وہ لڑکی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے لیکن لڑکی کے والدین اور دوسرے تمام خاندان والے لڑکی کے دوسرے نکاح کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیا لڑکی کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے اور تمام خاندان والوں کو چھوڑ دے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کیلئے عدت پوری کرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے اور والدین کیلئے روکنا جائز نہیں بلکہ والدین کو چاہیئے کہ جہاں اس کا نکاح ہو رہا ہے باخوشی نکاح کردیں۔ اگر خاندان والے نہیں مان رہے تو ان کی مخالفت بے جا ہے بشرطیکہ کفو میں نکاح کرے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۴): وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

Marfat.com

وفي الخانية (۱/۸۸): وفي ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه يجوز النكاح بكراً كانت أو ثيباً زوجت نفسها كفؤا أو غير كفء الا انه إذا لم يكن كفأ كان للأولياء حق الاعتراض وروي الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه يجوز النكاح ان كان كفأ وإن لم يكن كفأ لا يجوز النكاح أصلاً واختلفت الروايات عن أبي يوسف رحمه الله تعالى والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن رحمه الله تعالى قال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى رواية الحسن أقرب إلى الإحتياط إذ ليس كل ولي يحسن المرافعة إلى القاضي ولا كل قاض يعدل فكان الأحوط في باب التزويج عليها من غير كفء۔

وفي الدر المختار (۳/۵۱۰): (و) العدة (للموت أربعة أشهر) بالأهلة لو في الغرة كما مر (وعشرة) من الأيام بشرط بقاء النكاح صحيحا إلى الموت (مطلقا)۔

وفي الرد تحته: مطلب في عدة الموت قوله (والعدة للموت) أي موت زوج الحرة أما الأمة فيأتي حكمها بعدم الخ۔

(۱۸۳) لڑکی کا ماں کی ناراضگی کے باوجود کفو میں نکاح منعقد ہو جائے گا

سوال

ایک باروزگار لڑکا ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے دونوں آپس میں راضی ہیں لڑکے کے گھر والے بھی راضی ہیں لیکن لڑکی کی ماں سخت ناراض ہے لڑکی کا کوئی اور سرپرست بھی نہیں ان حالات میں کیا لڑکی ماں کی رضامندی کے بغیر اپنی شادی کر سکتی ہے؟ لڑکی عاقلہ اور بالغہ ہے ماں چاہتی ہے کہ لڑکی فیکٹری میں ملازمت کے ذریعے پیسے کمائے اور لڑکی اپنا گھر آباد کرنا چاہ رہی ہے اس لئے اس نے لڑکے کو کہا ہے کہ اپنی والدہ وغیرہ کو گھر بھیجو، شاید ماں راضی ہو جائے۔ پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ صورت میں جب لڑکی اور لڑکا بالغ عاقل ہیں اور لڑکا دیندار ہے، پیشہ کے اعتبار سے گرا ہوا نہیں کہ لڑکی کے اولیاء کیلئے باعث عار ہو تو والدین رضامند ہوں یا ناراض دونوں کا نکاح درست ہے اور بلاوجہ شرعی والدین کو ناراض نہ ہونا چاہیئے اور نکاح کر دینا چاہیئے ورنہ گنہگار ہوں گے اور اگر یہ نکاح لڑکی غیر کفوء میں کر رہی ہو تو یہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا اس صورت میں ماں کو راضی کرنا ضروری ہوگا۔

Marfat.com

لما فى الشامية (٣/٨٤): فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصح ـ

وفيه أيضاً(٣/٥٧): قوله (بعدم جوازه أصلا) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده،بحر وأما إذا لم يكن لها ولي فهو صحيح نافذ مطلقا اتفاقا كما يأتي ـــ قوله (وهو المختار للفتوى)ـ

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

الإجابة

عن

تحذير بعض الناس من نكاح القرابة

بعض ڈاکٹروں کا قرابت داروں (بالخصوص فرسٹ کزن)

میں نکاح سے منع کرنے پر مدلل اور تفصیلی رد

قرآن وسنت اور خیر القرون کے نظائر سے استشہاد

اور اس ذیل میں پائی جانے والی بعض بے اصل روایات پر ملزم

ایک مدلل و مفصل استدراک

Marfat.com

(۱۸۴) فرسٹ کزن (قرابت داری) میں نکاح پر مفصل تحقیق

سوال

میں ایک دینی مدرسے کا فاضل ہوں اور سلیم سینٹر کے قریب واقع ایک مسجد کا پیش امام ہوں مسائل دریافت کرنے کے لئے عموماً آپ سے مراجعت کرتا ہوں۔ پیش امام کا عہدہ ایسا ہے جسے اہل علاقہ اپنا مرجع اور مسائل پوچھنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ میرے سے بھی مختلف نوعیت کے مسائل دریافت کئے جاتے ہیں ایک مسئلہ گزشتہ دنوں پوچھا گیا جس کا باوجود تحقیق کرنے کے کوئی شافی جواب نہ دے سکا مسئلہ تھوڑا پیچیدہ ہے بلکہ جتنا میں نے زیادہ تحقیق کی کوشش کی اتنا زیادہ پیچیدہ ہوتا گیا۔

مختصراً مسئلہ یہ ہے:

کچھ دن قبل اہل علاقہ میں سے ایک باوقار شخص آئے اور فرمانے لگے کہ آجکل ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ "خدا کے واسطے فرسٹ کزن شادی سسٹم ختم کرو اس وجہ سے موروثی بیماریاں آگے منتقل ہوتی ہیں" کیا یہ درست ہے؟ اور کیا شریعت کے مزاج کے موافق ہے۔

مفتی صاحب! میں نے اس سلسلے میں کتب کی طرف مراجعت کی تو مجھے کچھ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ دیگر فقہاء اسی کو مستحب قرار دیتے ہیں کہ فرسٹ کزن میں شادی نہ کی جائے جب میں نے کتب کی طرف مراجعت کی تو میں نے دیکھا کہ امام شافعیؒ، امام حمدؒ، امام غزالیؒ اور بہت سے حضرات فرسٹ کزن کے مقابلے میں اجنبیہ سے نکاح کے استحباب کے قائل ہیں، وہ یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں:

"لا تنکحوا القرابة القریبة فإن الولد یخلق ضاویا"

یعنی قریبی رشتہ داروں سے نکاح نہ کرو کیونکہ اس سے بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے اور بھی دیگر وجوہات ان حضرات نے تحریر کی ہیں نیز ہمارے شیخ المشائخ مجددِ ملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے کہ تجربہ کار لوگوں کا کہنا ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں شادی کرنے سے بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے۔

مفتی صاحب! ایک طرف تو وہ احادیث ہیں جن میں کسی بھی بیماری کے منتقل ہونے کی نفی ہے مثلاً "لا عدوی ولا طیرة" وغیرہ دوسری طرف چند احادیث میں کوڑھ کے مریض وغیرہ سے بھاگنے اور دور رہنے کی تلقین بھی موجود ہے تو کیا ان احادیث کو لے کر یہ کہنا کہ "موروثی بیماریاں بھی منتقل ہوسکتی ہیں لہٰذا قریبی رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو" کیا یہ درست ہے؟ بظاہر تو یہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن میرا دل معلوم نہیں کیوں مان نہیں رہا تھا لہٰذا میں نے ان صاحب کو اور بھی حضرات جو اس جیسے مسائل پوچھتے ہیں جواب نہیں دیا بلکہ کچھ دنوں

Marfat.com

انتظار کا کہا ہے۔

مفتی صاحب اب آپ بتائیں کہ کیا درست ہے؟ کیا ان باتوں کو لے کر کسی شخص کا ڈاکٹروں کی بات پر یقین کر لینا درست ہے؟ کیا اس طرح فرسٹ کزن سے شادی کرنا نامناسب قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا بیماریاں نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شادیاں کس طرح ہوتی تھیں کیا ان کے ہاں فرسٹ کزن میں شادیاں کرنے کا رواج تھا یا نہیں؟ نیز بہتر طریقہ کیا ہے فرسٹ کزن میں شادی کرنا یا اجنبیہ سے؟ نیز اگر ڈاکٹروں کی بات پر یقین کرنا درست نہ ہو تو ان سب باتوں کا کیا جواب ہوگا اور جب رشتہ داروں میں نکاح شرعاً جائز ہے تو پھر ان باتوں کا کیا فائدہ؟

مفتی صاحب ازراہِ کرم مسئلے کے تمام پہلوؤں پر نظر فرماتے ہوئے فتویٰ جاری فرمائیں تا کہ مسئلہ کی تنقیح ہو جائے اور تمام مبہم باتیں واضح ہو جائیں نیز کیا مستحب ہے رشتہ داروں میں نکاح کرنا یا اجانب میں اس کی تعیین فرمادیں اور ہماری پوزیشانی کو دور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جواب سے قبل چند باتیں ملحوظ رہیں:

شریعت مطہرہ میں نکاح کیلئے محرم عورتوں کا بیان

شریعت مطہرہ میں درج ذیل عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے:

(۱) مرد کا نکاح اپنے اصول سے حرام ہے یعنی مرد کا اپنی ماں، دادی، نانی وغیرہ اوپر تک سے نکاح حرام ہے۔

(۲) مرد کا اپنے فروع سے نکاح حرام ہے یعنی مرد کا اپنی بیٹی، پوتی، نواسی اسی طرح نیچے تک سب سے نکاح حرام ہے۔

(۳) مرد کا اپنے والدین کے فروع سے بھی نکاح حرام ہے یعنی مرد کا اپنی بہنوں، بھتیجیوں، بھانجیوں وغیرہ سے نکاح حرام ہے۔

(۴) دادا، دادی اور نانا، نانی کی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے یعنی مرد کا اپنی پھوپھی اور خالہ سے بھی نکاح حرام ہے۔ (البتہ دادا، دادی اور نانا، نانی کی اولاد کی اولاد یعنی کزنز سے نکاح حرام نہیں لہٰذا پھوپھی یا خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے)۔

شریعت کی رو سے خاندان میں فقط درج بالا عورتوں سے نکاح ناجائز ہے ان کے علاوہ سے نکاح جائز ہے۔

بیماری کا ایک فرد سے دوسرے کی طرف انتقال اور اس میں شریعت کا نقطہ نظر

دوسری بات یہاں یہ ہے کہ ایک بیماری ایک انسان سے دوسرے انسان میں اللہ کے حکم اور ارادے کے بغیر منتقل نہیں ہو سکتی

Marfat.com

بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو بیماری منتقل ہوتی ہے ورنہ پہلے شخص کو بھی اللہ کے حکم سے ابتداءً لگی تھی تو دوسرے شخص کو بھی اللہ کے حکم سے لگتی ہے اللہ کا حکم نہ ہو تو بیماری کا ذرہ بھی دوسرے شخص تک نہیں پہنچ سکتا۔ باقی کسی بھی بیماری میں ذاتی طور پر یہ تاثیر نہیں کہ وہ دوسروں میں منتقل ہو۔

بخاری شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہے:

"قال رسول الله ﷺ: لا عدوى ولا طيرة"

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امراض متعدیہ (ایک سے دوسرے کو لگنے والے) نہیں اور بدشگونی کچھ بھی نہیں۔"

(بخاری مع فتح الباری، ۱۰/ ۱۹۹)

اس حدیث میں صراحۃً کسی بھی بیماری کے متعدی ہونے کی نفی ہے اسی طرح بعض احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوڑھ کے مریض کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا ذکر ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بیماریوں کا اللہ کے حکم سے لگنے پر یقین کامل تھا۔

اس باب میں وارد احادیث میں تعارض اور تطبیقات کا بیان

البتہ بعض لوگ کمزور اعتقاد کے ہوتے ہیں وہ اگر کسی مریض کے ساتھ بیٹھ جائیں اور پھر انہیں وہ مرض لگ جائے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مریض کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے مرض ہمیں لگ گیا ان کمزور عقیدے والوں کا اعتقاد مزید خراب ہونے سے بچانے کیلئے بعض احادیث میں چند امراض والوں سے دور رہنے کا حکم ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

"قال رسول الله ﷺ: فر من المجذوم كما تفرّ من الأسد"

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوڑھ کے مریض سے ایسے بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے"۔ (فتح الباری، ۱۰/ ۱۲۹)

ایک اور حدیث میں ہے:

"لا يورد ممرض على مصحّ"

"بیماری کو صحیح آدمی کے قریب نہ لایا جائے"۔ (نووی علی مسلم، ۲/ ۲۳۰)

ان احادیث میں جو بعض بیماریوں سے دور رہنے کی تلقین ہے وہ کمزور اعتقاد والوں کیلئے ہے اس لئے ان دونوں طرح کی احادیث (ایک وہ جن میں مطلق متعدی ہونے کی نفی ہے اور ایک وہ جن میں بعض بیماریوں سے دور رہنے کا ذکر ہے) ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ فتح الباری میں ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے:

"ثانيها حمل الخطاب بالنفي والإثبات على حالتين مختلفتين فحيث جاء لا عدوى كان المخاطب بذلك من قوي يقينه وصح توكله بحيث يستطيع أن يدفع عن نفسه اعتقاد العدوى

Marfat.com

كما يستطيع أن يدفع التطير الذى يقع فى نفس كل أحد لكن القوى اليقين لا يتأثر به وهذا مثل ما تدفع قوة الطبيعة العلة فتبطلها وعلى هذا يحمل حديث جابر فى أكل المجذوم من القصعة وسائر ما ورد من جنسه وحيث جاء فر من المجذوم كان المخاطب بذلك من ضعف يقينه ولم يتمكن من تمام التوكل فلا يكون له قوة على دفع اعتقاد العدوى فأريد بذلك سد باب اعتقاد العدوى عنه بأن لا يباشر ما يكون سببا لاثباتها... السادس العمل بنفى العدوى أصلا ورأسا وحمل الأمر بالمجانبة على حسم المادة وسد الذريعة لئلا يحدث للمخالط شيء من ذلك فيظن أنه بسبب المخالطة فيثبت العدوى التى نفاها الشارع وإلى هذا القول ذهب أبو عبيد وتبعه جماعة فقال أبو عبيد ليس فى قوله لا يورد ممرض على مصح إثبات العدوى بل لأن الصحاح لو مرضت بتقدير الله تعالى ربما وقع فى نفس صاحبها أن ذلك من العدوى فيفتتن ويتشكك فى ذلك فأمر باجتنابه. الخ."

"ایک تطبیق ان احادیث میں یہ ہے کہ نفی اور اثبات کو دو مختلف حالتوں پر محمول کرلیا جائے جس حدیث میں امراض متعدیہ کی نفی ہے اس میں مضبوط اعتقاد والوں کو خطاب ہے اور ان کا بھروسہ (اللہ پر) ہو اس طور پر کہ (اگر بیماری لگ بھی جائے) تو وہ اسے متعدی ہونے کی وجہ سے نہ سمجھیں جیسا کہ اس شخص میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ بدشگونی سے دور رہے وہ بدشگونی جو ہر دوسرے شخص کے دل میں واقع ہوتی ہے لیکن مضبوط یقین والے اس سے متاثر نہیں ہوتے (بلکہ ہر امر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں) یہ اسی طرح ہے جیسا کہ انسان کی قوت مدافعت بیماریوں کا مقابلہ کرتی ہے اور انہیں ختم کر دیتی ہے۔ حضرت جابر کی کوڑھ کے مریض کے ساتھ ایک برتن میں کھانے والی حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا اور دیگر بھی اس طرح کی جتنی احادیث ہیں۔ نیز جن احادیث میں کوڑھ وغیرہ کے مریض سے بھاگنے کا حکم آیا ہے وہاں مخاطب کمزور اعتقاد والے لوگ ہیں جن کا اللہ پر بھروسہ کامل نہیں ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ متعدی ہونے کے خیال کو دل سے نکالیں تو ان احادیث کے ذریعے متعدی ہونے کے خیال کا دروازہ اور اصل ہی جڑ سے اکھاڑ دی گئی کہ اس کے سبب کے بھی قریب نہ جاؤ (جس کی وجہ سے یہ مرض لگنے کا خیال دل میں آئے)..... ایک اور تطبیق ان احادیث میں یہ ہے کہ اصلا ہی بیماریوں کے متعدی ہونے کی نفی مراد لی جائے اور جن احادیث میں بعض بیماریوں سے دور رہنے کا ذکر ہے انہیں سد الذرائع اور اصل کو جڑ سے اکھاڑنے پر محمول کرلیا جائے تاکہ بیمار کے ساتھ رہنے والے کے دل میں بھی ایسا کوئی خیال نہ آئے اور پھر وہ یہ گمان کر بیٹھے کہ بیمار کے ساتھ بیٹھنے سے ایسا ہوا اور اس طرح وہ تعدیہ جس کی شریعت بالکلیہ نفی کر رہی ہے یہ اس کا اثبات دل میں لے آئے۔ ابوعبید نے (ان احادیث کے بارے میں) یہی رائے اختیار کی ہے اور ایک جماعت نے ابوعبید کی اس سلسلے میں پیروی کی ہے ابوعبید کہتے ہیں: آپ ﷺ کے قول "مریض کو صحیح شخص کے پاس نہ لاؤ" میں تعدیہ کا اثبات نہیں بلکہ صحیح شخص اگر

Marfat.com

اللہ کے حکم اور اس کی تقدیر سے بیمار ہو جائے تو اس کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ یہ بیماری متعدی ہونے کی وجہ سے لگی ہے تو وہ اس طرح فتنے میں پڑ جائے گا اور شکوک کا شکار ہو جائے گا لہٰذا اسے اجتناب کا کہا گیا ہے الخ"۔

(فتح الباری، ۱۰/ ۱۳۰، باب الجذام)

لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ امراض کے متعدی ہونے کی کوئی حقیقت نہیں اور جن احادیث میں بعض امراض سے دور رہنے کا ذکر ہے وہ اعتقاد کے اعتبار سے کمزور لوگوں کا ایمان محفوظ رکھنے کیلئے ہے۔

البتہ بعض حضرات نے ان احادیث میں یہ تطبیق بھی دی ہے کہ بعض امراض میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے متعدی ہونے کی صلاحیت ہے لہٰذا جن احادیث میں نفی ہے وہ اللہ کے حکم کے بغیر متعدی ہونے کی ہے اور جن میں اثبات ہے وہ اللہ کے حکم سے متعدی ہونے کا اثبات ہے مثلاً امام نووی مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

"وطریق الجمع أن حدیث لاعدوی المراد به نفی ما کانت الجاهلیه تزعمه وتعتقده أن المرض والعاهة تعدی بطبعها لابفعل الله تعالی وأما حدیث لایورد ممرض علی مصح فأرشد فیه إلی مجانبة ما یحصل الضرر عنده فی العادة بفعل الله تعالی وقدره فنفی فی الحدیث الأول العدوی بطبعها ولم ینف حصول الضرر عند ذلك بقدر الله تعالی وفعله وأرشد فی الثانی إلی الاحتراز مما یحصل عنده الضرر بفعل الله وارادته وقدره"

"ان احادیث میں جمع کا طریقہ یہ ہے کہ "لاعدوی" امراض متعدیہ نہ پائے جانے والی حدیث سے مراد جاہلیت کے اس زعم اور اعتقاد کی نفی کرنا ہے کہ مرض اور آفات خود ہی متعدی ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے محتاج نہیں اور حدیث "لایورد ممرض علی مصح" میں یہ راہنمائی کی گئی ہے کہ عادۃً اللہ کے حکم اور اسی کی قدرت سے جو بعض بیماریاں متعدی ہو جاتی ہیں ان سے علیحدگی اختیار کرو لہٰذا پہلی حدیث میں کسی بھی بیماری کے خود ہی منتقل ہو جانے کی نفی کی گئی ہے لیکن اس میں اللہ کی قدرت اور حکم سے کسی ضرر کے لاحق ہو جانے کی نفی نہیں اور دوسری حدیث میں یہ راہنمائی کی گئی کہ ایسی بیماریاں جن میں اللہ کے ارادے اور قدرت سے ضرر لاحق ہو جاتا ہے ان سے اجتناب کیا جائے"

(نووی علی مسلم، ۲/ ۲۳۰)

مذکورہ بالا احادیث میں اصل تطبیق تو پہلی والی ہے کہ امراض کا متعدی ہونا کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا لیکن اگر اس دوسری تطبیق کو بھی لے لیا جائے تو اس میں اللہ کے حکم سے ان امراض کے متعدی ہو جانے کا ذکر ہے جو متحقق موجود ہیں اور ایک شخص کو لگے ہوئے ہیں اور اس کی مصاحبت سے دوسرے شخص کو لگ سکتے ہیں نہ کہ موروثی امراض جو نسل در نسل منتقل ہو رہے ہوں جن کا نہ تو ظاہری وجود ہے اور نہ ان کا منتقل ہونا یقینی ہے۔ یہ ایک تو ہماتی اور غیر تحقیقی بات ہے ڈاکٹروں کی طرف سے لوگوں کو شبہ میں ڈالا جا رہا ہے ایک شخص کے نطفہ سے بیماریاں دوسرے بچے میں منتقل ہونا اس کا ان احادیث سے کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی درجے میں اس کا اثبات ممکن ہے۔

لہٰذا فرسٹ کزن سے نکاح جب شرعاً جائز ہے اور بیماریوں کا متعدی ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا لہٰذا ڈاکٹروں کا اصل مستدل ہی

Marfat.com

مخدوش ہوگیا تو پھر اس نکاح کے جواز میں کوئی شک نہیں رہ جاتا اور یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ فرسٹ کزن سے شادی کرنے کی صورت میں موروثی بیماریاں منتقل ہوتی ہیں تو پھر غیر میں نکاح میں بھی تو یہ احتمال ہے **فما هو وجه الفرق بينهما؟؟** اور یہ کہنا کہ مخصوص ذرات کا ملاپ خاندانی لڑکی میں بچے کی کمزوری کا باعث بنے گا ایک غیر تحقیقی امر ہے بالخصوص دورِ نبوی میں قرابت داری میں نکاح کے جو حوالہ جات ہم آگے ذکر کر رہے ہیں اس کے بعد یہ بات نا قابل التفات اور بے معنی ہے۔

اس لئے ڈاکٹروں کا یہ کہنا کہ "فرسٹ کزن شادی سسٹم کو ختم کرو اس سے موروثی بیماریاں منتقل ہوجاتی ہیں" درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ خاکم بدہن دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کفر کی سازش کا حصہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ آج مغرب اپنا خاندانی سسٹم تباہ کر چکا ہے اور وہ مشرق سے بھی یہ مایۂ افتخار چھیننا چاہتا ہے لہٰذا جب خاندان میں رشتے نہ ہوں گے اور لڑکے، لڑکیاں غیر میں رشتے ڈھونڈیں گے تو دو خرابیاں لازم آئیں گی۔

(۱) رشتہ دار لڑکیاں بن بیاہی رہ جائیں گی۔

(۲) دوسری خرابی یہ کہ جب لڑکے، لڑکیاں خاندان میں شادی کی قید سے آزاد ہوں گے تو وہ خود ہی اپنے لئے باہر رشتہ پسند کریں گے جو معاشرے میں فساد پھیلائے گا۔ آج کا ماحول آپ کے سامنے ہے رشتہ داروں میں شادی ہی وہ چیز ہے جس نے آج کی نوجوان نسل کو بہت سے غلط اقدامات سے باز رکھا ہوا ہے۔

دورِ نبوی میں قرابت داری میں کئے گئے نکاح

خاندان میں تو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمائے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے آسمان پر اللہ تعالیٰ نے پڑھایا حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرایا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتہائی قریبی رشتہ دار تھے۔ اسی طرح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت علیؓ کی صاحبزدی سے نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بہن عاتکہ رضی اللہ عنہا (جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چچا زاد بہن تھیں) سے نکاح فرمایا۔ حضرت عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے چچا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام حکیم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ نیز حضرت حسن (بن حسن بن علی) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دو چچا زاد بہنوں سے نکاح فرمایا تھا۔ ان نکاحوں کے حوالے درج ذیل ہیں۔

لمافی البداية والنهاية (۲۵۷/۵): وتزوج زينب بنت جحش بن رئاب بن اسد بن خزيمة وامها بنت عبدالمطلب عمة رسول الله ﷺ۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب سے نکاح فرمایا اور ان کی والدہ عبدالمطلب کی صاحبزادی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔"

وفی البخاری (۷۶۵/۲): جمع عبدالله بن جعفر بين ابنة علی وامرأة علی ..... وجمع الحسن بن الحسن

Marfat.com

بن علی بین ابنتی عمّ فی لیلة۔

عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی اوران کی بیوہ سے نکاح فرمایا.....حسن بن حسن بن علی نے اپنی دو چچازادکوایک رات میں اپنے نکاح میں لیا"۔

وفی أسد الغابة (۲/۲۵۵): سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ..... وهو ابن عم عمر بن الخطاب یجتمعان فی نفیل أمه فاطمة بنت بعجة وکان صهر عمر زوج اخته فاطمة بنت الخطاب وکانت اخته عاتکة بنت زید تحت عمر بن الخطاب تزوجها بعد ان قتل عنها عبدالله بن ابی بکر الصدیق۔

"سعید بن زید بن عمرو بن نفیل ..... یہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے نفیل میں دونوں کا نسب مل جاتا ہے ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سسرالی رشتے دار تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ فاطمہ بنت خطاب کے شوہر تھے اوران کی بہن عاتکہ بنت زید حضرت عمر کے نکاح میں تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن ابی بکر کے انتقال کے بعدان سے نکاح فرمایا"

وکذا فی اسد الغابة (۴/۷۸): قیل ان زوجته ام حکیم بنت عمه الحارث بن هشام سارت الیه...

ان (عکرمہ) کی اہلیہ ام حکیم ان کے چچاحارث بن ہشام کی صاحبزادی تھیں۔

ان حوالجات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ، اہل بیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے چچازاد اور پھوپھی زادرشتہ داروں وغیرہ میں نکاح فرمایا ہے۔

قرابت داری میں نکاح سے منع میں وارد ایک روایت اوراس کی تخریج وتنقیح

البتہ ایک روایت ایسی نقل کی جاتی ہے جس میں قرابت داروں میں نکاح سے منع ذکر ہے، وہ یہ ہے۔

"لاتنکحوا القرابة القریبة فان الولد یخلق ضاویا" (الحدیث)

قریبی رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو کیونکہ کمزور بچہ پیدا ہوتا ہے (احیاء علوم الدین ۲/۵۷)

لیکن یہ حدیث بے اصل ہے اس سے استدلال درست نہیں علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء کے حاشیہ پر علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اسکی وضاحت فرمائی ہے "قال ابن صلاح رحمہ اللہ لم اجد له اصلا" ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید سید مرتضی بن محمد الزبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) تاج الدین سبکی (المتوفی ۷۷۱ھ) سراج الدین ابوحفص عمر بن علی المعروف بابن الملقن (المتوفی ۸۰۴ھ) ناصر الدین البانی

Marfat.com

وغیرہ محدثین نے کی ہے[1]۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں اس حدیث کو ذکر کر کے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوع قرار دیا ہے لیکن ملک المحدثین علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۸۶ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں "لیس بمرفوع" دیکھئے تذکرۃ الموضوعات للفتنی (ص ۱۲۷)۔محمد بن علی الشوکانی نے بھی اس حدیث کے مرفوع ہونے کی نفی کی ہے۔

جن احادیث کی سند نہ ہو اور نہ ہی کوئی اصل ہو اور نہ معتبر کتب احادیث میں اس کا ذکر ہو وہ احادیث قابل قبول اور جدیر استدلال نہیں ہوتیں۔علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الموضوعات (ص ۶) پر اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے نیز احیاء علوم الدین سے متعلق علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں احادیث باطلہ تک موجود ہیں علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء کو باطل حدیثوں سے بھر دیا ہے اور ان کا بطلان معلوم نہ تھا تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الشافعیہ الکبری میں احیاء کی بے اصل احادیث سے متعلق ایک فصل باندھی ہے اس میں اس زیر بحث حدیث کا بھی ذکر ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ایک اثر کی تحقیق

مسئلہ زیر بحث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اثر بھی نقل کیا جاتا ہے جس کے رواۃ پر سخت کلام اور ''غریب الحدیث'' میں اس اثر کا ذکر ہے[2] لہذا جب یہ حدیث انتہائی درجہ میں ضعیف اور بے اصل و بے سند ہے [اس کی سند کا کہیں کسی کتاب میں ذکر نہیں] تو ایک ایسے مسئلے میں جو قرآن وسنت سے ثابت اور قرون اولی میں رائج تھا اس کے خلاف استدلال محل نظر ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق فقہاء کے مذاہب اور ان کی تفصیلات

باقی جہاں تک تعلق ہے فقہاء کا تو امام شافعی اور امام احمد سے اس سلسلے میں غیر اقارب میں نکاح کی ترجیح منقول ہے۔مغنی المحتاج ۳/ ۱۲۷ پر شوافع کا مذہب غیر قرابت داروں میں نکاح کے استحباب کا نقل کیا گیا ہے نیز مغنی لابن قدامہ ۷/ ۴۶۹ پر غیر قرابت داروں میں نکاح کو اختیار کرنے کا ذکر ہے ان دونوں کتب کی عبارت آگے ''المفصل'' کے حوالے سے آرہی ہیں۔

البتہ یہاں اتنی بات تو اولا ملحوظ رہے کہ فقہاء میں سے جو بھی جس بھی درجے میں غیر اقارب میں نکاح کا قائل ہے اس کی وجہ موروثی بیماریوں کی منتقلی نہیں اور نہ ہی کسی حدیث (چاہے موضوع ہی کیوں نہ ہو) میں موروثی بیماریوں کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے غیر

---

[1] دیکھئے اتحاف السادات ۵/ ۳۴۹ (ط۔المیمنیہ) اور طبقات الشافعیہ الکبری ۶/ ۳۱۰ (ط۔دار الاحیاء مصر) اور البدر المنیر لابن الملقن الشافعی ۷/ ۵۰۰ (ط۔دار الھجرۃ۔ریاض)

[2] ان تمام تفصیلات نیز حدیث اور اس اثر کی مکمل تحقیق سے متعلق مدلل فتوی نجم الفتاوی جلد اول میں "فصل فی ما یتعلق بتحقیق الروایات" کی ذیل میں طبع ہے، اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

اقارب میں نکاح کی ترغیب موجود ہے لہٰذا کسی شخص کا موروثی بیماریوں کی منتقلی کی وجہ سے اقارب میں رشتے کو منع کرنے کا ان فقہاء کے منع سے کوئی جوڑ نہیں۔

مغنی المحتاج میں شوافع کا غیر قرابت دار میں نکاح کے استحباب کی دلیل اسے قرار دیا ہے کہ اس سے روابط اور اجتماعی ماحول میں زیادتی ہوگی، پرائے قریب آجائیں گے۔ اس دلیل میں اولاً تو موروثی بیماریوں کی وجہ سے منع کا ذکر نہیں ثانیاً یہ دلیل قاعدہ کلیہ نہیں ایک عقلی اختراع ہے جو کبھی اجانب میں نکاح کی صورت میں ہے تو کبھی اقارب میں نکاح بھی بہت سے رشتوں کو جنم دے دیتا ہے بسا اوقات غیروں میں نکاح کرنے سے اپنے بھی ناراض ہوجاتے ہیں اور اپنوں میں نکاح سالوں کی دشمنی ختم کر کے محبتوں کو جنم دے دیتا ہے۔ مثلاً قیام پاکستان کے وقت جو حضرات ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے ان کا پہلے سے پاکستان میں بسنے والی اقوام سے کوئی خاصا ربط نہ تھا تو اس وقت بڑوں نے دیگر اقوام میں اپنی لڑکیاں دیں بھی اور ان سے لڑکیاں لیں بھی اور یہ اس وقت کا تقاضہ تھا اس طرح رشتہ داریاں بڑھیں اور اجانب اقارب بن گئے تو اس وقت مصلحت اجانب میں نکاح میں تھی لیکن بسا اوقات یہی مصلحت اقارب سے نکاح میں بھی ہوتی ہے لہٰذا رشتہ داریوں کا بڑھنا کوئی ایسی کلی دلیل نہیں جس پر اجانب کے نکاح کے مطلقاً استحباب کا قول کر دیا جائے۔

مغنی لابن قدامہ میں حنابلہ کے نزدیک اجانب میں نکاح کو اختیار کرنے کی دو علتیں ذکر ہیں ایک تو یہ کہ اقارب سے نکاح میں بچہ کمزور اور اجانب سے نکاح میں بچہ سمجھدار ہوگا۔ یہ علت ظاہر ہے مذکورہ بالا حدیث سے مقتبس ہے جس کا ضعف بیان کر دیا گیا نیز یہ بھی کوئی کلی قاعدہ نہیں مشاہدہ دلیل ہے رشتہ داروں میں نکاح سے ہونے والے بچے کبھی بہت زیادہ صحت منداور سمجھدار بھی ہوتے ہیں اور اجانب سے ہونے والے خاندانی سلیقوں سے ناآشنا پیدا ہوجاتے ہیں بہرحال اقارب سے نکاح میں یہ لازم نہیں کہ بچہ کمزور یا کم عقل ہی پیدا ہو ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔

مغنی لابن قدامہ میں اجانب سے نکاح کو اختیار کرنے کی دوسری دلیل یہ تحریر ہے کہ جب نکاح ہوتا ہے تو طلاق اور جھگڑوں تک بھی نوبت آتی ہے اب اگر یہ نکاح اقارب میں ہو تو نکاح کے ساتھ ساتھ قرابت داری بھی ختم ہوجاتی ہے جبکہ صلہ رحمی ایک مستقل حکم شرعی ہے۔ مغنی کی اس دلیل کو اگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں کافی وزن معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہی چیز اقارب میں نکاح کی دلیل بن جاتی ہے کیونکہ جب نکاح اقارب میں ہو تو بہت سے ازدواجی جھگڑے بڑے بیٹھ کر سلجھا لیتے ہیں اور نوبت طلاق تک نہیں آپاتی۔ اس کے برعکس اجانب میں مل بیٹھ کر بات کرنے سے پہلے ہی نوبت طلاق تک آجاتی ہے اور نکاح کا یہ بندھن ختم ہوجاتا ہے۔ مشاہدہ دلیل ہے کہ قرابت داروں میں طلاق کی نسبت وہ نہیں جو اجانب میں ہے لہٰذا اس بات کو بھی مطلقاً اجانب سے نکاح کے مختار ہونے پر دلیل بنانا محل نظر ہے۔ اگر اس وجہ سے اقارب میں نکاح پر اجانب سے نکاح کو ترجیح دی جائے تو پھر اقارب کے ساتھ کوئی عقد بھی نہیں کرنا چاہیئے چاہے وہ کاروبار ہو یا ملازمت کیونکہ جھگڑا تو ہو ہی جاتا ہے اور پھر کاروبار کے ساتھ ساتھ رشتہ داری بھی ختم ہوجائے گی، لہٰذا اس دلیل کا مدار ہی منفی سوچ پر ہے۔

Marfat.com

سئلہ زیر بحث سے متعلق احیاء علوم الدین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حیاء علوم الدین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اجانب سے نکاح سے متعلق جو تفصیلات تحریر کی ہیں وہ یہ ہیں:

"الثامنة أن لا تكون من القرابة القريبة فإن ذلك يقلل الشهوة قال ﷺ: لا تنكحوا القرابة القريبة فإن الولد يخلق ضاويا أى نحيفا وذلك لتأثيره فى تضعيف الشهوة فإن الشهوة انما تنبعث بقوة الإحساس بالنظر واللمس وإنما يقوى الاحساس بالأمر الغريب الجديد فأما المعهود الذى دام النظر اليه مدة فإنه يضعف الحسّ عن تمام ادراكه والتأثر به ولا تنبعث به الشهوة فهذه هى الخصال المرغبة فى النساء۔"

"آٹھواں: یہ کہ قریبی عزیزوں میں نکاح نہ کیا جائے کیونکہ اس سے شہوت کم ہوتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: قریبی رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو کیونکہ بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے یعنی لاغر یہ اس لئے کہ (قریبی عزیز میں نکاح) شہوت پر اثر انداز ہو کر اسے کم کر دیتا ہے کیونکہ شہوت تو چھونے اور دیکھنے کے احساس سے جنم لیتی ہے اور یہ احساس ایک اَن دیکھی اور نئی چیز میں مضبوط ہوتا ہے اور جہاں تک تعلق ہے پہلے سے جان پہچان والی لڑکی کا جسے ایک عرصہ دیکھ چکا ہے تو یہ (پہلے سے جان پہچان) حسن کیلئے اس کے صحیح ادراک اور تاثر سے مانع بن جاتا ہے اور شہوت پیدا نہیں ہو پاتی جبکہ یہ تو وہ خصلتیں ہیں جو عورت میں مطلوب ہوتی ہیں"۔ (احیاء علوم الدین، ۲/۵۷)

احیاء کی اس عبارت میں قرابت داروں میں رشتہ نہ کرنے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے [وہ یہ ہے کہ قرابت دار میں شہوت کم ہوتی ہے کیونکہ شہوت ان دیکھی چیز میں زیادہ ہوتی ہے جبکہ قرابت دار کو یہ پہلے سے دیکھتا رہا ہے لہذا اس میں شہوت کی حس کم ہو گی نیز یہ تو عورت میں اصل مطلوبہ چیز ہے۔] اس سے متعلق بندہ ناچیز یہ عرض کرتا ہے کہ اولاً تو قرابت داروں سے بلوغت کے بعد پردہ فرض ہے، لہذا قرابت دار لڑکی سے متعلق "دام النظر اليها" کی بات کرنا ہی محل نظر ہے لہذا اجنبیہ اور قرابت دار دونوں اس معاملے میں برابر ہوئے۔ ثانیاً یہ کہ یہ تو کوئی ایسی وجہ نہیں جس سے اجنبیہ سے نکاح کا استحباب ثابت ہو کیونکہ یہ چیز تو شادی کے کچھ عرصے بعد اجنبیہ میں بھی آ ہی جائیگی۔

فقہاء کے مذاہب کا خلاصہ اور نتیجہ کلام

نیز ان عبارات سے اتنی بات تو ثابت ہو گئی کہ چاہے وہ ضعیف حدیث ہو یا مغنی المحتاج میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یا مغنی لابن قدامہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب کسی میں بھی اقارب میں نکاح سے منع کی وجہ موروثی بیماریاں نہیں، بلکہ عقلی بنیادوں پر اجانب میں نکاح کو ترجیح دی گئی ہے اور ان عقلی دلائل کا جواب ہم دے چکے ہیں۔ بہرحال یہ سب بیرونی مسائل ہیں جو زمان اور مکان

Marfat.com

کے مختلف ہونے سے مختلف ہوجاتے ہیں ان پر کلی طور پر اجانب سے نکاح کے استحباب کا قول کر دینا محل نظر ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں "المفصل" کی عبارات

شیخ عبدالکریم زیدان نے "المفصل فی أحکام المرأة والبیت المسلم" میں فقہاء کے مذاہب وغیرہ بیان کرکے یہ ہی نتیجہ نکالا ہے کہ اس مسئلے کا حتمی فیصلہ ممکن نہیں دونوں طرح کے نکاح درست ہیں البتہ حالات وواقعات کسی ایک جانب کو اس مخصوص شخص کیلئے ترجیح دے دیتے ہیں۔ علامہؒ کی کتاب سے اقتباس نقل کیا جارہا ہے جس میں اُولاشوافع اور حنابلہ کے مذہب کا ذکر ہے علامہؒ کی عبارت یہ ہے:

۵۶۱۔ اختیار المرأة البعیدة لا القریبة:

قال الشافعیة فی ضوابطهم فی ما یستحب فی اختیار المرأة المراد تزوجها: أن لا تکون ذات قرابة قریبة وعللو ذلك بقولهم لخبر فیه النهی عن ذلك وهو الحدیث المنسوب إلی النبی ﷺ: لا تنکحوا القرابة القریبة فإن الولد یخلق ضاویا أی نحیفا ثم قالوا قال ابن صلاح ولم أجد لهذا الحدیث أصلا معتمدا۔"

قال السبکی: فینبغی أن لا یثبت هذا الحکم لعدم الدلیل وقد زوّج النبی علیا بفاطمة۔ رضی الله عنهما۔ وهی قرابة قریبة۔

وفی "مغنی المحتاج" فی فقه الشافعیة ((أن الشافعی نص علی أنه یستحب للرجل أن لا یتزوج من عشیرته، وعلله الزنجانی بأن من مقاصد النکاح اتصال القبائل لأجل التعاضد والمعاونة باجتماع الکلمة)) ویبدولی أن التعلیل المقبول فی استحباب الزواج من النساء البعیدات لا القریبات فی النسب هو ما علل به الزنجانی لاجل توسع دائرة الروابط الاجتماعیة المؤثرة فی تحقیق التعاضد والتعاون بین اطراف هذه الروابط۔ وعلی هذا فلیس الاستحباب فی زواج البعیدات وتفضیلهن علی القریبات لمعنی مرغوب فیه فی القریبات۔

۵۰۶۲۔ اغتربوا لا تضووا:

وفی المغنی لابن قدامة الحنبلی: ((ویختار الأجنبیة فإن ولدها انجب ولهذا یقال اغتربوا لا تضووا یعنی انکحوا الغرائب کیلا تضعف اولادکم ولأنه لاتؤمن العداوة فی النکاح وافضاءه الی الطلاق فإذا کان فی قرابة افضی إلی قطیعة الرحم المأمور بصلتها))وهذا القول یصلح أیضا تعلیلا مقبولا لترجیح نکاح البعیدات۔

Marfat.com

۵۰۶۱۔آٹھواں: دور کی عورت کو قریبی کے مقابلے میں ترجیح دینا

شوافع نے اپنے ضوابط میں کہا ہے کہ عورت کو اختیار کرنے یعنی اس سے شادی کے معاملے میں مستحب یہ ہے کہ وہ عورت قریبی رشتہ دار نہ ہو، اور اس کی علت یوں بیان کی ہے کہ ((ایک خبر ہے جس میں اس سے نہی وارد ہوئی ہے اور اس خبر کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیث بھی کہا جاتا ہے (وہ یہ ہے کہ:) "قریبی رشتہ داروں سے نکاح نہ کرو کیونکہ بچہ کمزور یعنی لاغر پید اہوتا ہے")) ۔ پھر انہوں نے خود کہا کہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے اس حدیث کی کوئی قابل اعتماد اصل نہیں ملی۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مناسب تو یہ ہے کہ یہ (استحباب کا) حکم ثابت ہی نہ ہو کیونکہ دلیل ہی نہیں (اور جو حدیث بیان کی جاتی ہے اس کی کوئی اصل نہیں) جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا (جو کہ قریبی عزیز تھے) اور مغنی المحتاج جو کہ شوافع کی کتاب ہے میں تحریر ہے کہ: ((شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مستحب آدمی کا خاندان میں شادی نہ کرنا ہے۔ زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت یہ بیان کی کہ نکاح کا ایک مقصد یہ ہے کہ مختلف قبائل یکجا ہوں اور ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک فرد کی طرح بن جائیں (اور یہ بات رشتے داروں اور اپنے قبیلے والوں میں نکاح کرنے میں نہیں)۔

مجھ پر یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ اجانب سے نکاح کرنے اور اقارب سے نکاح نہ کرنے میں مقبول ترین علت، یہی ہے جو زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی کہ اجتماعی روابط کا دائرہ کار اگر وسیع ہوگا تو یہ آپس میں مدد اور تعاون کا سبب بنے گا اس علت کے مطابق اتنا فرق ضرور آئے گا کہ پھر اجانب سے نکاح نہ کرنے کے استحباب کی وجہ کوئی ایسی چیز (یا خرابی) نہ ہوگی جو قریبی رشتہ داروں کے اندر پائی جاتی ہو (بلکہ فقط بیرونی روابط کا بڑھانا اجانب سے نکاح کرنے کی علت ہوگی)۔

۵۰۶۲۔غیر اقارب میں نکاح کرو اور (اقارب میں نکاح کر کے) اپنے بچوں کو کمزور نہ کرو:

ابن قدامہ حنبلی کی کتاب مغنی میں ہے ((اور مرد اجنبیہ سے نکاح کو اختیار کرے کیونکہ اجنبیہ کا بچہ عقلمند اور سمجھدار ہوگا اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ غیر اقارب میں نکاح کرو اور (اقارب میں نکاح کر کے) اپنے بچوں کو کمزور نہ بناؤ۔ یعنی اجنبیات سے نکاح کرو تا کہ تمہارے بچے کمزور نہ ہوں اور اس لئے بھی کہ نکاح میں عداوت کا پیدا ہونا بعید نہیں اور پھر بعد میں یہ عداوت طلاق تک جاتی ہے پس اگر یہ نکاح قرابت میں ہو تو یہ طلاق قطع رحمی کا سبب بنتی ہے جبکہ ہمیں تو صلہ رحمی کا حکم ہے)) یہ علت بھی اجانب میں نکاح کے راجح ہونے کی تعلیل مقبول بن سکتی ہے۔" (المفصل، ۲/ ۵۳، ۵۴)

مذکورہ بالا عبارت میں ذکر امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ علیہما کے مذاہب اور ان کی طرف سے بیان کردہ مسئلہ کی علل کا تفصیلی جواب ہم گزشتہ صفحات پر دے چکے ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک مختلف مذاہب کا ذکر کیا تھا آخر میں راجح اور حتمی فیصلہ تحریر فرماتے ہیں۔

۵۰۶۳۔ الراجح فی اختیار البعیدة او القریبة:

والراجح فی مسئلة اختیار القریبة أو البعیدة هو أن تنظر کل مسئلة علی حدة لأن هذا

Marfat.com

الاختیار یرادبه تحقیق المصلحة الشرعیة الراجحة، سواء جاءت هذه المصلحة بزواج البعیدة او القریبة، وهذا یختلف باختلاف الظروف والاحوال، فلو کانت القریبة یتیمة لا کافل لها وهی متدینة فالزواج بها أولی وارجح من الزواج بالأجنبیة، لأن الاقربین أولی بالمعروف والزواج بهذه الیتیمة القریبة معروف لاشك فیه ویحقق مصلحة شرعیة مؤکدة ترجح علی ما یظن من المصلحة بزواج الأجنبیة و کذلك لو کانت القریبة لها اقارب طامعون فی الزواج بها فمن المصلحة الراجحة ان یتخلی بعضهم عن خطبتها والتحول إلی الزواج بالأجنبیة۔

و کذلك إذا روی أن الزواج بامراة اجنبیة یؤدی إلی توثیق الروابط بین عائلتین او بین عشیرتین مما یؤدی إلی دفن عداوات قدیمة لا یؤمن ظهورها فإن مثل هذا الزواج ارجح من الزواج بالقریبة وهکذا توزن کل مسئلة بمیزان الشرع لیعرف مقدار المصلحة الشرعیة الراجحة فیتقدم المسلم لتحقیقها سواء بتزوجه بامرأة قریبة أو بعیدة۔

۵۰۶۳۔ اجنبیہ یا رشتہ دار لڑکی میں سے اختیار کرنے میں راجح بات

اس مسئلے میں راجح یہ ہے کہ ہر مسئلہ کو علیحدہ جانچا جائے کیونکہ یہ ایک ایسا اختیار ہے جس میں شرعاً راجح مصلحت کا تحقق مطلوب ہوتا ہے۔ چاہے وہ مصلحت اجنبیہ سے نکاح کی صورت میں ہو یا رشتے دار سے، یہ چیز احوال و واقعات کے مختلف ہونے سے بدل جاتی ہے اگر قریبی لڑکی یتیم ہے اور اس کا کوئی ذمہ دار بھی نہیں اور وہ لڑکی دیندار ہے تو اس سے شادی کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اور اجنبیہ کے مقابلے میں بلاشبہ یہ لڑکی راجح ہے کیونکہ قرابت دار تو نیکی اور بھلائی کے زیادہ مستحق ہیں اور اس یتیم لڑکی سے نکاح بلاشبہ اس کے ساتھ ایک بھلائی ہے تو یہاں ایک ایسی مؤکد شرعی مصلحت یقینی طور پر پائی جارہی ہے جو اجنبیہ سے نکاح کی صورت میں گمان کی حد تک پائی جانے والی مصالح سے زیادہ قوی ہے (لہٰذا اس صورت میں رشتہ دار میں نکاح راجح ہوگا)۔

اسی طرح ایک لڑکی رشتہ دار میں ہے لیکن بہت سے قرابت دار اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو یہاں راجح مصلحت یہ ہے کہ بعض اس لڑکی کو پیغام نکاح بھیجنے کے بجائے اجنبیہ سے نکاح کرلیں (تاکہ آپس میں عداوت پیدا نہ ہو) یا اسی طرح اگر ایسا لگے کہ اجنبی لڑکی سے شادی کرنے میں دو خاندانوں یا دو قبیلوں میں موجود پرانی عداوتیں اور دشمنیاں دفن ہو جائیں گی تو یہ نکاح بلاشبہ رشتہ دار لڑکی سے نکاح سے زیادہ راجح ہوگا۔ ہر مسئلے کو اسی طرح شریعت کے ترازو میں تولنا چاہیئے تاکہ اس مسئلے میں جو بھی شرعی مصلحت ہو وہ معلوم ہو جائے اور پھر ایک مسلمان اسے ہی مقدم رکھے کیونکہ وہ ایک ایسی یقینی بات ہوگی جو سامنے نظر آرہی ہوگی چاہے وہ اجنبیہ سے نکاح کرنے کی صورت میں ہو یا رشتہ دار میں۔"

(المفصل فی احکام المرأة والبیت المسلم ۲/ ۵۴)

Marfat.com

خلاصہ کلام

ان تفصیلی دلائل اور عبارات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ رشتہ دار (فرسٹ کزن وغیرہ) یا اجنبی دونوں میں نکاح جائز ہے۔ موروثی بیماریوں کی منتقلی ایک وہمی اَمر ہے جس کا ہم نے شروع میں ذکر کر دیا شرعاً وعقلاً ایک توہماتی امر پر اتنے اہم مسئلے کی بنیاد رکھنا درست نہیں۔ ایک قول کے مطابق زیادہ سے زیادہ متحقق بیماریاں مثلاً کوڑھ، چیچک وغیرہ اللہ کے حکم سے منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن ان کا موروثی بیماریوں سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز فقہاء میں سے بھی کوئی موروثی بیماریوں کی منتقلی کی وجہ سے اقارب سے نکاح کے منع کا قائل نہیں بلکہ ان کے بعض اور عقلی دلائل ہیں نیز ان عقلی دلائل کی وجہ سے بھی مطلقاً اجانب کے نکاح کے استحباب کا قول بعید از قیاس ہے جس کا تفصیلی ذکر ہم نے کر دیا ہے۔

بہر حال دونوں صورتوں میں الگ مصالح ہیں اگر خاندان میں لڑکیاں زیادہ ہوں اور انہیں خاندان کی طرف سے رشتے نہ آئیں تو یہ ان پر زیادتی ہے ایسی جگہ رشتہ داروں میں نکاح کرنا اولیٰ ہوگا اور اگر اجانب سے نکاح میں دشمنیاں ختم ہوسکتی ہیں یا دیگر کوئی خاص مصلحت ہو تو اجانب میں نکاح اولی ہوگا۔ الغرض یہ کوئی لگی بندھی چیز نہیں کہ اس کا حتمی فیصلہ کر دیا جائے بلکہ حالات اور واقعات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ہر شخص خود فیصلہ کرلے کہ میرے لئے خاندان میں نکاح بہتر ہے یا خاندان سے باہر، البتہ اقارب سے اس وجہ سے نکاح نہ کرنا کہ اس سے موروثی بیماریاں وغیرہ منتقل ہوں گی ایک فضول اور لغو خیال ہے۔ ایسے ڈاکٹروں کو بھی دھیان میں رہنا چاہیئے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں!!! جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مبارک کلام میں فرما رہے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ۔ الآیة۔

"اے نبی ہم نے آپ کے لئے حلال کر دیں آپ کی وہ بیویاں جن کا مہر آپ دے چکے ہیں..... اور آپ کی چچا زاد بہن اور آپ کی پھوپھی زاد، ماموں زاد، اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (آپ کیلئے حلال کر دی ہیں)"۔

(احزاب:۵۰)

اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا، صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل، ان سب کے پائے جانے کے بعد کسی شخص کا یہ کہنا:

"خدارا فرسٹ کزن شادی سسٹم کو ختم کرو کہ اس سے موروثی بیماریاں آئندہ نسلوں میں منتقل ہو جاتی ہیں"

یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف ایک موقف ہے جسے اختیار کرنا انتہائی خطرناک امر ہے اس لئے ان ڈاکٹروں کو اس پروپیگنڈے سے باز رہنا چاہیئے اور عامۃ المسلمین کو بھی ایسے لوگوں کی باتوں میں آنے کے بجائے اپنے رب اور پیغمبر کی بات ماننی چاہیئے۔

Marfat.com

(۱۸۵) زانی کے زانیہ سے نکاح کا حکم

سوال

میں نے اور ایک لڑکی نے گناہ کرلیا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنے پر اصرار کررہی ہے۔ میرے گھر والے اس شادی کے مخالف ہیں۔ میرے اور اس لڑکی کے تعلقات کو چار سال کا عرصہ ہوگیا ہے۔ کیا میں اس لڑکی سے شادی کروں یا اپنے گھر والوں کی پسند کی لڑکی سے شادی کروں؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زنا کی حرمت انتہائی شدید ہے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں واضح ارشادات اس بارے میں وارد ہوئے ہیں اور گناہ کبیرہ میں سے ایک گناہ اس زنا کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ حاکم کو شرعاً حکم ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انہیں سو سو کوڑے سرعام لگائے جائیں۔ اگر یہ فعل شادی شدہ مرد اور عورت سے صادر ہو تو چونکہ اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے لہذا شریعت انہیں سنگسار کرنے کا حکم دیتی ہے۔ سرعام انہیں پتھر مار مار کر سنگسار کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

"اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" (النور:۲)

زانیہ اور زانی ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن عمر رضي الله عنه قال : إن الله بعث محمدا وأنزل عليه الكتاب فكان مما أنزل الله تعالى آية الرجم رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده والرجم في كتاب الله حق على من زنى إذا أحصن من الرجال والنساء إذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف (متفق عليه)۔

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کتاب نازل فرمائی ہے پس اللہ تعالیٰ نے جو آیتیں نازل فرمائی تھیں ان میں رجم کی آیت بھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور ان کے بعد ہم نے بھی رجم کئے ہیں اور کتاب اللہ میں محصن مرد اور عورت کا زنا اگر گواہ یا حمل یا اقرار سے ثابت ہو جائے تو کتاب اللہ میں اس کو رجم کرنا حق ہے اور ثابت ہے۔''

(مشکوۃ، کتاب الحدود- الفصل الأول)

اسی طرح ایک اور حدیث میں زنا سے متعلق انتہائی پر خطر وعید وارد ہوئی ہے جو اس فعل کی قباحت انتہائی درجہ تک پہنچا دیتی ہے:

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا زنى العبد خرج منه الإيمان فكان فوق

Marfat.com

رأسه كالظلة فإذا خرج من ذلك العمل عاد إليه الإيمان "۔

''حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اسکے اندر سے نکل جاتا ہے پھر اس کے سر پر سائبان بن کر سایہ کئے رہتا ہے۔ جب وہ شخص اس زنا کے عمل سے نکلتا ہے تو ایمان اس کے اندر لوٹ جاتا ہے۔'' (مشکوۃ، باب الکبائر وعلامات النفاق)

الغرض زنا کرنا شرعاً انتہائی قبیح اور موجب عذاب اللہ عمل ہے۔ دور نبوی میں اس پر سزائیں جاری ہوئی ہیں۔ اس کے بعد بھی سزائیں معین تھیں۔ اسلامی سلطنتوں میں ان سزاؤں کا اجراء ہی ان کی روک تھام کا سبب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار احادیث میں اس فعل کی قباحت بیان فرمائی ہے۔ نصوص قرآنیہ میں بھی اس شناعت سے دور رہنے کا حکم ہے لہذا سائل کو اولاً اس گناہ پر سچے دل سے توبہ واستغفار کرنی چاہیئے۔

جہاں تک تعلق ہے شادی کا تو اس سے متعلق یہ واضح رہے کہ خیر القرون میں ایسی نظائر ملتی ہیں کہ زانی اور زانیہ پر حد کے اجراء کے بعد ان کا آپس میں نکاح کر دیا گیا اور فقہاء نے اسے لیا ہے:

"روى أن رجلا زنى بامرأة فى زمن أبي بكر رضى الله عنه فجلدهما مائة جلدة، ثم زوج أحدهما من الأخر مكانه ونفاهما سنة وروى مثل ذلك عن عمر وابن مسعود وجابر رضى الله عنهم وقال ابن عباس: أوله سفاح وآخره نكاح۔۔ وبهذا أخذ الشافعي وأبو حنيفة، ورأوا أن الماء لا حرمة له۔" (الجامع لاحکام القرآن ۶۔۱۷۰)

''روایت کیا جاتا ہے کہ ایک مرد نے ایک عورت سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں زنا کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں سو سو کوڑے مارے۔ پھر دونوں کی ایک دوسرے سے شادی کرادی اور انہیں ایک سال کیلئے جلاوطن کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمر، ابن مسعود اور حضرت جابر رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور ان کا مذہب ہے کہ زنا کے پانی کی کوئی حرمت نہیں۔''

لہذا فی الحال مسئلے کا فوری حل یہی ہے کہ دونوں اپنے گناہ پر توبہ اور ندامت کریں۔ نیز آپس میں شادی کر لیں۔ اس کے لئے لڑکا اپنے گھر والوں کو راضی کر لے، اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح ہی بہتر ہے تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو البتہ آئندہ زندگی میں معاصی اور منکرات سے بچنے کا عزم کیا جائے۔

لما فى القرآن الحكيم (المعارج:۲۹): وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ

وفى مشكوة المصابيح(۲/۲۶۷):عن أسامة بن زيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"ماتركت بعدي فتنة أضر على الرجال من النساء" متفق عليه۔

Marfat.com

وفی الشامية(۶/۳): قوله (عند التوقان) ـــ والمراد شدة الاشتياق كما في الزيلعي أي بحيث يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج إذ لا يلزم من الاشتياق إلى الجماع الخوف المذكور بحر ـ قلت وكذا فيمايظهر لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم أو عن الاستمناء بالكف فيجب التزوج وإن لم يخف الوقوع في الزنا ـ

(۱۸۶) نامحرم سے آپریشن کروانا اور پھر اس لڑکی کے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کے جسم پر مرض کی وجہ سے پھوڑا نکل آیا مجبوراً ایک نامحرم مرد سے نشتر لگوانا پڑا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا یہ عمل جائز ہے؟ نیز وہ لڑکی اب کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے؟ اسی طرح آج کل آپریشن وغیرہ کا عمل انجام دیا جاتا ہے اور بھی جدید ذرائع ہیں ان کے احکام بھی بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت کیلئے بوقت ضرورت نشتر لگوانا جائز ہے نیز آپریشن کروانا یا عورت کے جسم کے متاثرہ حصے کو بوقت ضرورت دیکھنا جائز ہے لیکن مطلوبہ حصے پر ہی توجہ ہو دیگر اعضاء سے غضِ نظر ہو، لہٰذا آپریشن کرنے والا اور نشتر لگانے والا اور نامحرم ہر ایک کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح درست ہے، علاج کا نکاح کی حرمت سے کوئی تعلق نہیں۔

لمافی ابن كثير (۱/۳۷۴): وأحل لكم ما وراء ذالكم الآية أى ما عدا من ذُكرن من المحارم۔

وفی الهندية (۵/۳۳۰): ويجوز النظر إلى الفرج للخاتن وللقابلة وللطبيب عند المعالجة ويغض بصره ما استطاع كذا في السراجية۔

وفی الدرالمختار (۶/۳۷۰): (ينظر) الطبيب (إلى موضع مرضها بقدر الضرورة) إذ الضرورات تتقدر بقدرها ۔

وفی الرد تحته: وإن كان في موضع الفرج فينبغي أن يعلم امرأة تداويها فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلك أو صيبها وجع لا تحتمله يستر منها كل شيء إلا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع إلا عن موضع الجرح اهـ

Marfat.com

(۱۸۷) مطلقہ ہونے کی دعویدار عورت سے نکاح کا حکم

سوال

ایک عورت کسی جگہ سے آئی ہے اس کا کہنا ہے کہ اسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہے اور عدت بھی ختم ہوگئی ہے، کوئی شادی کرنا چاہے تو وہ تیار ہوں کیونکہ اس کا کوئی بھی رشتہ دار نہیں ہے۔ کیا ایسی عورت کیساتھ صرف اس کے کہنے پر اعتماد کر کے شادی کرنا جائز ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر عورت مذکورہ دیانتدار ہو، یا تحری، سوچ وفکر کے ذریعے اس کے قول پر اعتماد پیدا ہوجائے تو اس کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۴):وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ۔

وفی المظهری(۶۴/۲):وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ عطف على أمهاتكم يعنى حرمت عليكم المحصنات من النّساء أى ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن ما لم يمت زوجها أو يطلقها وتنقضى عدّتها من الوفاة أو الطلاق۔

وفی الدرالمختار (۵۲۹/۳):لو قالت امرأته لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي لا بأس أن ينكحها۔

وفی الرد تحته: قوله (لا بأس أن ينكحها) في الخانية قالت ارتد زوجي بعد النكاح وسعه أن يعتمد على خبرها ويتزوجها وإن أخبرت بالحرمة بأمر عارض بعد النكاح من رضاع طارئ أو نحو ذلك فإن كانت ثقة أو لم تكن ووقع في قلبه صدقها فلا بأس بأن يتزوجها إلا لو قالت كان نكاحي فاسدا أو كان زوجي على غير الإسلام لأنها أخبرت بأمر مستنكر اه أي لأن الأصل صحة النكاح،سائحانی۔

(۱۸۸) کیا بھتیجے کی بیوی بھی بہوشمار ہوگی؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھتیجے کی چار سال قبل شادی ہوئی تھی اس کی بیوی

Marfat.com

ماشاء اللہ بڑی دیندار اور سنجیدہ لڑکی ہے، چھ ماہ قبل میرے بھتیجے کا انتقال ہوگیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی بیوی کو بجائے کسی اور کے حوالے کرنے کے میں خود نکاح کرلوں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے چونکہ یہ آپ کی بہو ہے تو معلوم یہ کرنا ہے کہ واقعی میرا اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں یا شریعت میں کچھ گنجائش موجود ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شرعاً آپ کا مذکورہ لڑکی سے نکاح درست ہے، بشرطیکہ کوئی اور مانع موجود نہ ہو اور لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ آپ کی بہو ہے، کیونکہ شرعاً صرف حقیقی بہو یعنی سگے بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے جبکہ بھتیجے کی بیوی اس حکم میں داخل نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (سورۃ النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ اللّٰتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ ..... وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی التفسیر المظهری (۶۶/۲) سورۃ النساء: قوله تعالیٰ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ یعنی ماسوی المحرمات المذکورات فی الآیات السابقة وخص عنه بالسنه والاجماء والقیاس ما ذکرنا من المحرمات فی الشرح وما فوق الاربع من النساء۔

وفی البخاری (۷۶۵/۲):عن ابن عباس رضی اللہ عنہ :حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع ثم قرأ: {حرمت علیکم أمهاتکم} وجمع عبد الله بن جعفر بین ابنة علي وامرأة علي وقال ابن سیرین: لا بأس به وکرهه الحسن مرة، ثم قال:لا بأس به وجمع الحسن بن الحسن بن علي بین ابنتي عم في لیلة،وکرهه جابر بن زید، للقطیعة ولیس فیه تحریم لقوله تعالی: {وأحل لکم ما وراء ذلکم}۔

وفی الهندیة (۲۷۳/۱):والثالثة حلیلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا دخل بها الابن أم لا ولا تحرم حلیلة الابن المتبنی علی الأب المتبني هکذا في محیط السرخسي۔

وفی الدر المختار(۲۸/۳): فصل في المحرمات أسباب التحریم أنواء قرابة مصاهرة رضاء جمع ملك شرك إدخال أمة علی حرة فهي سبعة۔الخ۔

وفی الرد تحته:قوله (مصاهرة) کفروع نسائه المدخولْ بهن وإن نزلن وأمهات الزوجات وجداتهن بعقد صحیح وإن علون وإن لم یدخل بالزوجات وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنی والمعقودات لهم علیهن بعقد صحیح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا۔الخ۔

Marfat.com

(۱۸۹) باپ کا بیوہ سے نکاح کی صورت میں کیا بیوہ کی بیٹی بہن شمار ہوگی؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب نے ایک بیوہ سے نکاح کیا اور اس بیوہ کی ایک لڑکی پہلے شوہر سے ہے اب ہمارے والد صاحب یہ چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح ہم بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کرادیں۔ جب خاندان میں یہ بات چلی تو خاندان کے لوگوں نے کہا کہ وہ تمہاری بیٹی ہے اور یہ تمہارے بیٹے ہیں لہٰذا یہ آپس میں بہن بھائی ہیں ان کا نکاح نہیں ہوگا، میرے والد صاحب نے کہا کہ یہ تو تمہاری اپنی بات ہے میں کسی مفتی صاحب سے معلوم کرتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے کہا کہ بیٹا آپ کسی مفتی صاحب سے یہ مسئلہ معلوم کرو لہٰذا آپ ہی بتایئے کہ اس لڑکی سے ہم بھائیوں میں سے کسی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر نکاح ہوسکتا ہو تو پھر ہمارا اس سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس بیوہ کی لڑکی سے جو کہ پہلے شوہر سے ہے آپ کے والد صاحب آپ تمام بھائیوں میں سے جس کا بھی نکاح کرانا چاہیں تو یہ نکاح کرانا جائز ہے کیونکہ وہ لڑکی آپ کی نامحرم ہے لہٰذا آپ پر اس سے پردہ کرنا بھی ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آپ بھائیوں میں سے کوئی بھائی اس بیوہ سے پیدا نہ ہوا ہو کیونکہ جو بھائی اس بیوہ سے پیدا ہوگا وہ اور وہ لڑکی جو کہ اس بیوہ کی پہلے شوہر سے ہے ماں شریک بہن بھائی ہیں جو کہ سبب حرمت ہے۔ لہٰذا یہ لڑکی اس لڑکے کی محرم ہوگی اور اس سے پردہ بھی نہ ہوگا۔

بظاہر آپ کے مسئلے کی جو صورت ہے وہ پہلی ہے آپ لوگ اس بیوہ سے نہیں ہیں لہذا اس بیوہ کی لڑکی آپ کی نامحرم ہے اس سے شادی کرنا جائز ہے البتہ پردہ ضروری ہے۔

لما فی الهندية (۲۷۷/۱): لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا في محيط السرخسي۔

وفی الدر المختار (۳۱/۳): وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال۔

وفی الشامية تحته (۳۱/۳): (قوله وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال) وكذا بنت ابنها، بحر۔

Marfat.com

(۱۹۰) لڑکی نے بعد از بلوغ خلع کی ڈگری لے لی تو نکاح کا حکم

سؤال

ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی کا نکاح نابالغی کی حالت میں باپ نے کرادیا تھا بعد میں اس کے والد کا انتقال ہوگیا اور لڑکی نے عدالت سے ڈگری لے لی اور دوسرے لڑکے سے شادی کیلئے تیار ہوگئی لیکن کوئی نکاح پڑھانے کیلئے تیار نہ ہوا، آخر میں ایک بریلوی مسلک کے مولوی صاحب نے نکاح پڑھادیا اس نکاح کا کیا حکم ہے نکاح پڑھنے اور اس میں شریک ہونے والے لوگوں کا کیا حکم ہے آیا ان کا نکاح باقی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد خلع لیتے وقت شوہر بھی بالغ ہو اور وہ خلع دینے پر رضامند ہو تو اس خلع کی ڈگری سے ایک طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے اس لئے لڑکی کا عدت گزارنے کے بعد دوسرے لڑکے سے اگر وہ لڑکا کفؤ بھی ہو تو یہ نکاح کرنا دو گواہوں کی موجودگی میں درست ہے اور اس میں شرکت کرنا بھی صحیح ہے بشرطیکہ وہاں کوئی اور خلافِ شرع یا معصیت کا کام نہ ہو۔

لمافی المسلم (۱/۴۵۵): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: الثیب أحق بنفسها من ولیها والبکر تستأمر وإذنها سکوتها۔

وفی المحیط البرهانی (۵/۵۹): قال علماؤنا رحمهم الله الخلع طلاق بائن ینتقص به من عدد الطلاق به ورد الأثر عن رسول الله صلی الله علیه وسلّم وعن عمر وعلي وابن مسعود رضي الله عنهم۔

وفی الشامیة (۶/۳۴۸): لو دعي إلی دعوة فالواجب الإجابة إن لم یکن هناك معصیة ولا بدعة والامتناء أسلم في زماننا الا إذا علم یقینا أن لا بدعة ولا معصیة۔

(۱۹۱) نابالغہ چچازاد بہن سے اپنا نکاح کرلینے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نابالغ لڑکی کے چچا کے بیٹے کے علاوہ کوئی ولی نہیں اور وہ اس کی پرورش کرتا ہے۔ اگر لڑکی کی نابالغی کی حالت میں وہ اس کا نکاح اپنے ساتھ کرلے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں نکاح درست ہوگا۔

لمافی الهندية (۲۸۴/۱): ويجوز لابن العم أن يزوج ابنة عمه من نفسه كذا في الحاوي۔

وفی الدرالمختار (۹۸/۳): (ولابن العم أن يزوج بنت عمه الصغيرة)۔۔۔ (من نفسه) فيكون أصيلا من جانب وليا من آخر (كما للوكيل)۔

(۱۹۲) نکاحِ بیوگان کو برا سمجھنے والوں کا حکم

سوال

بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو وہ دوبارہ اس کا نکاح کسی اور سے نہیں کراتے اگرچہ وہ عورت نوجوان ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کو عیب شمار کرتے ہیں اگر کوئی عورت نکاح کر بھی لے تو دوسری عورتیں اس پر طعن وتشنیع کرتی ہیں آیا واقعی بیوہ کا نکاح کرنا عیب ہے؟ اگر عیب نہیں ہے تو جو لوگ اس کو عیب شمار کرتے ہیں اور نکاح کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں شرعاً ان کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو ایام عدت یعنی (اگر حاملہ ہے تو وضع حمل اور غیر حاملہ ہے تو چار مہینے دس دن) تک وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ جب مذکورہ عدت پوری ہوجائے تو دوسرا نکاح کرنا جائز بلکہ حصول پاکدامنی کے لئے ضروری ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جتنے نکاح ہوئے ان میں سے اکثر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بیوہ تھیں لہٰذا شریعت میں بیوہ عورت کا نکاح کرانا جائز بلکہ مستحسن ہے اور اس کو عیب شمار کرنا، ان لوگوں کی سراسر جہالت اور شریعت کے احکام سے ناواقفی پر مبنی ہے۔

لمافی القرآن الكريم (البقرة:۲۳۵): وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲۳۴) وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِن لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا إِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ۔۔۔الآية۔

وفی صحيح البخاری (۷۶۰/۲): عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قلت يا رسول الله، أرأيت لو

Marfat.com

نزلت واديا وفيه شجرة قد أكل منها، ووجدت شجرا لم يؤكل منها، في أيها كنت ترتع بعيرك؟ قال: في الذي لم يرتع منها تعني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يتزوج بكرا غيرها۔

وفى الدرالمختار (٥١٠/٣): (و) العدة (للموت أربعة أشهر) بالأهلة لو في الغرة كما مر (وعشرة) من الأيام۔

وفى الرد تحته: مطلب في عدة الموت قوله (والعدة للموت) أي موت زوج الحرة أما الأمة فيأتي حكمها بعيده قوله (كما مر) أي قريبا قوله (من الأيام) أي والليالي أيضا كما في المجتبى۔

وفى الفقه الاسلامى وادلته (٧١٩٨/٩): ثانياً۔ تحريم الزواج: لا يجوز للأجنبي إجماعاً نكاح المعتدة، لقوله تعالى: {ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله} أي لا تعقدوا عقد النكاح حتى تنقضي العدة التي كتبها الله على المعتدة، ولبقاء الزوجية في الطلاق الرجعي، وبعض آثار الزواج في الطلاق الثالث والبائن. وإذا تزوجت فالنكاح باطل، لأنها ممنوعة من الزواج لحق الزوج الأول، فكان نكاحاً باطلاً كما لو تزوجت وهي في نكاحه، ويجب أن يفرق بينه وبينها. ويجوز لصاحب العدة أن يتزوج المعتدة؛ لأن الإلزام بالعدة إنما شرع مراعاة لحق الزوج، فلا يجوز أن يمنع حقه، فالعدة لحفظ مائه وصيانة نسبه، ولا يصان ماؤه عن بعضه، ولا يحفظ نسبه عنه، فإذا انقضت العدة جاز لأي شخص أن يتزوجها.

(۱۹۳) استانی سے نکاح جائز ہے

سوال

میں ایک کالج میں پڑھتا ہوں ہماری ایک استانی ہیں وہ بہت نیک عورت لگتی ہیں ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے مجھے اپنی استانی پر بہت ترس آیا اور اس خیال سے چلو ان کا سہارا بن جاؤں گا ان کو نکاح کا پیغام بھیجا لیکن جب ہمارے خاندان میں یہ بات چلی تو سب نے کہا کہ یہ نکاح درست نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی اپنی ماں سے نکاح نہیں کرتا اور اسی طرح استانی بھی ماں کی جگہ ہوتی ہے لہٰذا اس سے بھی نکاح کرنا درست نہیں۔ جناب مفتی صاحب آپ ہی بتائیں کہ آیا میرا استانی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا وہ میری ماں کی طرح ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے استاذ کو بڑا مقام دیا ہے نیز شریعت میں اساتذہ کا ادب ایسے ہی کرنے کی ترغیب ہے جیسے والدین کا ادب

Marfat.com

حترام ہے لیکن ظاہر ہے کہ استاذ ہونا کوئی نسبی رشتہ نہیں اور نہ ہی دیگر اسباب حرمت میں سے ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں بلاشبہ آپ کا پنی استانی سے نکاح کرنا جائز ہے نکاح کے معاملے میں استانی کو ماں کی طرح کہنا درست نہیں۔

لمافی احیاء العلوم الدین، کتاب العلم (۸۳/۱): قال رسول الله ﷺ : انما انا لکم مثل الوالد لولده ۔۔۔ ولذا صار حق المعلم اعظم من حق الوالدین، فان الوالد سبب الوجود الحاضر والحیاة الفانیة والمعلم سبب الحیاة الباقیه۔

وفی الجوهرة النیرة (۶۹/۲): فالشرط ان یتصور التحریم من الجانبین وحاصله ان المانع من النکاح خمسة اوجه النسب والسبب والجمع وحق الغیر والدین۔

وفی الدرالمختار، کتاب النکاح (۳/۳): (هو) عند الفقهاء (عقد یفید ملك المتعة) أي حل استمتاء الرجل من امرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعي فخرج الذکر والخنثی المشکل والوثنیة لجواز ذکورته والمحارم والجنیة وإنسان الماء۔الخ۔

(۱۹۴) استاذ کا اپنی شاگردہ سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معاشرتی یا شرعی طور پر ایک استاد (مرد) کا اپنی شاگردہ (لڑکی) سے شادی کرنا کیسا ہے؟ جبکہ دونوں کے درمیان نہ پہلے سے محبت ہے نہ میل جول اور دونوں کے گھر والے تیار ہیں لیکن طالبہ کے ذہن میں سوالات ہیں۔ازراہ کرم اخلاقی، شرعی دلائل کی روشنی میں جواب دیدیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ میں مرد وعورت کیلئے اپنے محرمات کے علاوہ ہر ایک سے نکاح درست ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں صرف "لڑکی کا شاگردہ ہونا" سبب حرمت نہیں جو نکاح سے مانع ہو۔اس لئے جہاں شاگردہ ہونے کی وجہ سے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہو وہاں بضرور ایسے نکاح منعقد کئے جائیں تاکہ یہ غلط رجحان ختم ہو البتہ اگر کہیں نکاح سے قبل روابط رکھے جاتے ہوں اور استاذ شاگردہ سے بے محابا ملاقاتیں کرتے ہوں تو یہ انتہائی خطرناک امر ہے اور استاذ کے مقام کا تقدس پامال کرنے کے مترادف ہے۔ایسے ماحول میں شاگردہ سے نکاح سے کلی اجتناب لازمی ہوگا نیز اگر استاذ اور شاگردہ کی عمر میں تفاوت زیادہ ہو تو بھی نکاح سے پرہیز کرے کیونکہ مصالح نکاح کا حصول مشکل ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳،۲۴): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَ

Marfat.com

عَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ ـــ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفی قوله تعالیٰ: فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللهِ مَفْعُولًا۔

وفی الشامیة (۲۸/۳): وقد نظمت السبعة مع الخمسة المزيدة بقولی:[انواء تحريم النكاح سبع][قرابةٌ ملكٌ رضاعٌ جمعٌ][كذاك شركٌ نسبة المصاهره][وامةٌ عن حرة مؤخّره][وزيد خمسةٌ اتتك بالبيان][تطليقه لها ثلاثا واللعان][تعلق بحق غير من نكاح][او عدةٌ خنوثةٌ بلا اتضاح][وآخر الكل اختلاف الجنس][كالجن والمائی لنوع الانس]۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۷۶۵۵/۹): الاولی مراعاة التقارب بين هذه الاوصاف وبخاصة السن والثقافة لان وجودهما ادعی لتحقيق الوفاق الخ۔

(۱۹۵) زانی کے بیٹے کا مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کرنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوا۔ پھر اس عورت نے کسی اور آدمی سے نکاح کیا اور اس شخص نے کسی اور عورت سے۔ بعد میں اس شخص نے اپنے بیٹے کا نکاح اس عورت کی بیٹی سے کیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان دونوں کے درمیان جو نکاح ہوا ہے، وہ صحیح اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اس شخص کے بیٹے کا مزنیہ کی بیٹی کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے، وہ صحیح اور جائز ہے۔

لما فی البحر الرائق (۱۷۹/۳): ويحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها۔

وفی الشامیة (۳۲/۳): حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطء الحلال ويحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها اهـ

Marfat.com

(۱۹۶) مزنیہ سے حالتِ حمل میں نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی اور لڑکے کے ناجائز تعلقات تھے جس کا علم لڑکی کے گھر والوں کو اس وقت ہوا جب لڑکی کا ناجائز حمل تین ماہ کا ہوگیا، اب لڑکی والے اپنی لڑکی کا اس لڑکے سے نکاح کر رہے ہیں۔ آپ سے شرعاً معلومات یہ درکار ہیں کہ تین ماہ کے حمل کے دوران کیا یہ نکاح جائز ہوگا؟ دین اسلام میں لڑکی اور لڑکے اور اس ناجائز حمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ناجائز تعلقات کی وجہ سے لڑکا اور لڑکی دونوں از روئے شرع سخت گناہگار ہیں ان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں البتہ حمل کے دوران نکاح جائز ہے اور حمل کا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح کے کم از کم چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو نسب اسی لڑکے سے ثابت ہوگا اگر نکاح کے بعد چھ ماہ کے اندر پیدا ہوا تو نسب لڑکے سے ثابت نہ ہوگا البتہ اگر لڑکا اقرار کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس صورت میں بھی نسب لڑکے سے ثابت ہوگا۔

لمافی الدرالمختار(۴۸/۳): (و) صح نکاح (حبلی من زنی)۔

وفی الرد تحته: ای عندهما وقال ابو یوسف لایصح والفتوٰی علی قولهما کما فی القهستانی۔

وفیه أیضا(۴۹/۳): فروع لو نکحها الزاني حل له وطؤها اتفاقا والولد له ولزمه النفقة۔

وفی الرد تحته: قوله (والولد له) أي إن جاءت بعد النکاح لستة أشهر مختارات النوازل فلو لأقل من ستة أشهر من وقت النکاح لا یثبت النسب ولا یرث منه إلا أن یقول هذا الولد مني ولا یقول من الزنی خانیة۔

(۱۹۷) غیر زانی کا مزنیہ حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سوال

زید نے ایک لڑکی سے زنا کیا جب لڑکی کے والدین کو علم ہوا تو انہوں نے اس لڑکی کا نکاح نوید سے کر دیا تو یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور نوید کے لئے ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

مزنیہ سے نکاح کرنے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نوید کا نکاح اس لڑکی سے درست ہے لیکن اس لڑکی سے ہمبستری کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک وہ لڑکی ایک بار حیض سے پاک نہ ہوجائے۔

لما فی الھندیة (۲۸۱/۱): وإذا رأى امرأة تزني فتزوجها حل وطؤها قبل أن يستبرئها عندهما وقال محمد رحمه الله تعالى لا أحب له أن يطأها ما لم يستبرئها كذا في الهداية۔

وفی القول الراجح (۲۴۷/۱): هو قول محمد قال العلامة أكمل الدين البابرتي وقال محمد لا أحب له أن يطأها حتى يستبرأها لأنه احتمل الشغل بماء المولى ولو تحقق الاشتغال بماء الغير كان الوطء حراما فاذا احتمل ذلك ثبت التنزه۔

(۱۹۸) غیر ثابت النسب لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فاطمہ نامی عورت کا نکاح نہیں ہوا تھا اس کے ہاں ایک لڑکی کی ولادت ہوئی بعد میں فاطمہ کا نکاح ہوا اس سے اور اولاد پیدا ہوئی جو لڑکی نکاح سے پہلے پیدا ہوئی تھی اب وہ بالغ ہوچکی ہے میرا نکاح اس کے ساتھ کرانا چاہتے ہیں جبکہ وہ غیر ثابت النسب ہے میں والدین کی بات رد بھی نہیں کرسکتا اور شریعت کو بھی نہیں چھوڑ سکتا اب آپ حضرات شریعت کے مطابق مسئلہ بتائیں کہ میرا اس لڑکی سے نکاح کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپ کا نکاح مذکورہ لڑکی سے کرنا از روئے شرع جائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النسآء:۳): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔

وفی الشامیة (۲۹/۳): البنت من الزنى لا تحرم على عم الزاني وخاله لأنه لم يثبت نسبها من الزاني حتى يظهر فيها حكم القرابة وأما التحريم على آباء الزاني وأولاده فلاعتبار الجزئية ولا جزئية بينها وبين العم والخال۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۷۶/۹): ولا يشترط في المرأة أن تكون مساوية للرجل أو مقاربة له، بل يصح أن تكون أقل منه في أمور الكفاءة؛ لأن الرجل لا يعير بزوجة أدنى حالاً منه۔

Marfat.com

(۱۹۹) کافر کا بعد از اسلام فوراً نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ۳۰ مارچ ۲۰۰۶ء کو اسلام قبول کیا ہے میں اپنے والد جارج مسیح کے گھر میں رہتی رہی۔ اس دوران میرے والدین کو پتہ چل گیا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے تو میں گھر سے خود آگئی اور میں جس شخص محمد شبیر سے شادی کرنا چاہتی ہوں اس کے پاس آگئی ہوں، آیا میں اب شادی کرسکتی ہوں یا مجھے کچھ وقت مسلمانوں کے درمیان گزارنا ہوگا؟ اسلام کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اسلام نے عورت کی عزت وآبرو، تقدس اور حقوق کی حفاظت کے لئے نکاح کرنے کا حکم فرمایا ہے لہٰذا اسلام قبول کرنے کے بعد اگر آپ پہلے سے شادی شدہ نہیں تو فوراً کسی بھی مسلمان شخص سے نکاح کرسکتی ہیں۔ شریعت کی طرف سے آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۲۱): وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔

وفی صحیح البخاری (۲/۷۵۸): قال لنا النبي صلى الله عليه وسلم: يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج. ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء۔

وفی الدر المختار (۳/۵۵.۵۶) (فنفذ نكاح حرة مكلفة)۔

وفی الرد تحته: قوله (فنفذ الخ) أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحكام من طلاق وتوارث وغيرهما۔۔۔ وأما حديث أيما مرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل وحسنه الترمذي وحديث لا نكاح إلا بولي رواه أبو داود وغيره فمعارض بقوله الأيم أحق بنفسها من وليها رواه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي ومالك في الموطأ والأيم من لا زوج لها بكرا أو لا فإنه ليس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضيت وقد جعلها حق منه به ويترجح هذا بقوة السند والاتفاق على صحته بخلاف الحديثين الأولين فإنهما ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفي للكمال أو بأن يراد بالولي من يتوقف على إذنه أي لا نكاح إلا بمن له ولاية لينفي نكاح الكافر للمسلمة الخ۔

Marfat.com

(۲۰۰) قادیانی لڑکی سے بعد از اسلام نکاح کرنا

سوال

میرا بیٹا ایک لڑکی کے چکر میں پڑ گیا ہے وہ لڑکی قادیانی ہے اس کی ماں قادیانی اور باپ مسلمان ہے لڑکی کہتی ہے کہ میں مسلمان ہونے کو تیار ہوں اور اپنے ماں باپ کو چھوڑنے کیلئے تیار ہوں۔ مفتی صاحب میرا بیٹا سب سے بڑا ہے اور میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اب میں پریشان ہوں آپ بتائیں کہ میں اپنے بیٹے کی اس لڑکی سے شادی کروں یا نہیں؟ آپ جو کہیں گے وہی میں کروں گی آپ کی بڑی مہربانی ہوگی آپ مجھے اس مشکل سے نکالیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر وہ قادیانی لڑکی قادیانیت سے توبہ تائب ہو جائے اور مکمل طور پر اسلام اختیار کر لے تو اس کے ساتھ آپ کے بیٹے کا نکاح کرنا جائز ہے البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة :۲۲۱): وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔

وفی الهندية(۲۸۱/۱):لا يجوز نكاح المجوسيات ولا الوثنيات ۔۔۔ ويدخل في عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية وكل مذهب يكفر به معتقده كذا في فتح القدير۔

وفی اللجنة الدائمة (۲۱۱/۱۸): لايجوز ان يتزوج شاب مسلم فتاة تدين بالديانة القاديانية لكونها كافرة۔

وفيه أيضاً: لا يصح للمسلم ان يتزوج المشركة من غير اليهود والنصارى ۔۔۔ واذا تابت من شركها واسلمت جاز له ان يتزوجها۔

(۲۰۱) جس سنی لڑکے کا باپ شیعہ ہو، اس سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص شیعہ ہے لیکن اس کی بیوی اور اولاد سنی مذہب

Marfat.com

ہے گھر کا ماحول سنی طرز پر ہے باپ کا اولاد پر مذہب کے بارے میں کچھ جبر نہیں ہے الٹا اولاد اس کو سمجھاتی رہتی ہے۔ کیا اس صورت میں سنی مذہب کی لڑکی کا رشتہ دینا اس کی اولاد کو جائز ہے یا ناجائز ہے؟ تفصیل سے بیان فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے انعقاد کی شرائط میں سے ایک شرط لڑکے اور لڑکی (میاں بیوی) کا مسلمان ہونا ہے چنانچہ جب لڑکا اور لڑکی مسلمان ہوں تو ان کا آپس میں رشتہ کرنا جائز ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ مذکورہ شخص کی اولاد صحیح العقیدہ سنی ہے تو ان سے رشتہ کرنا یا ان کا رشتہ مسلمانوں کا اپنے ہاں کرانا جائز ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ اس گھرانے میں نکاح کیا جائے جن کا پورا خاندان صحیح العقیدہ سنی ہو۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۴): وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی الدرالمختار(۳/۸۴): (الكفاءة معتبرة) في ابتداء النكاح للزومه أو لصحته (من جانبه) أي الرجل لأن الشريفة تأبى أن تكون فراشا للدنيء ولذا (لا) تعتبر (من جانبها) لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح كما في الخبازية۔

وفی (ص۸۷): (و) أما في العجم فتعتبر (حرية وإسلاما) ۔۔۔ (و) تعتبر في العرب والعجم (ديانة)أي تقوى فليس فاسق كفؤا لصالحة أو فاسقة بنت صالح معلنا كان أولا على الظاهر نهر۔

(۲۰۲) صحیح العقیدہ لڑکی سے دوسرا نکاح اور اس کے بعض احکام

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید جو کہ سنی عقیدے کا حامل ہے اور تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کا باپ ہے، زید کی پہلی بیوی گردوں کی بیماری کی تکلیف کی وجہ سے اکثر حق زوجیت ادا نہ کرسکتی تھی جس پر اس کی بیوی زید کو اکثر دوسری شادی کیلئے کہتی رہی اور زید نے ایک شیعہ لڑکی کو شادی کیلئے تیار کیا جس میں اسکی پہلی بیوی معاونت کرتی رہی اور تقریباً آٹھ ماہ قبل اس لڑکی سے سنی مذہب کے مطابق کورٹ میں نکاح کرلیا اور پہلی بیوی نے زید کے زبردستی کرنے پر تحریری دستخط اسٹامپ پیپر پر کرکے کورٹ میرج کی اجازت زید کی خوشی کیلئے دے دی۔

یہ کہ دوسری بیوی نے محرم الحرام کے دوران بقول اس کے اس ماہ مبارک کا احترام کیا اور صرف ایک مرتبہ اپنے شوہر کی مرضی سے اپنے شوہر کے ساتھ منت اتارنے کیلئے امام بارگاہ گئی اور ادائیگی منت کے فوراً بعد واپس آگئی۔

Marfat.com

یہ کہ لڑکی اور لڑکا حلفیہ قرآن پاک پر بیان دیتے ہیں کہ لڑکی نے شیعہ مذہب ترک کر دیا ہے اور وہ سنی العقیدہ ہے۔ زید کی پہلی بیوی نے دورانِ تلخ کلامی کہا کہ تم شیعہ بیوی کے کہنے پر چلتے ہو کیا تم بھی شیعہ ہو گئے ہو؟ زید نے غصے میں کہا کہ ہاں میں بھی شیعہ ہو گیا ہوں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ:

(۱) کیا یہ نکاح جائز ہے کہ نہیں؟ اور پہلی بیوی کے نکاح پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟

(۲) عزیز و اقارب، رشتہ داروں سے اس کا ملنا جلنا، کھانا پینا جاری رہے یا ختم کیا جائے؟

(۳) پہلی بیوی اور بچے اس کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں یا علیحدگی اختیار کی جائے؟

(۴) کچھ قریبی رشتہ دار جھوٹ پر مبنی، من گھڑت، بغیر تصدیق کے صرف سنی سنائی باتوں پر اپنے پاس سے جھوٹا اضافہ کر کے مختلف علماء کرام سے فتوے حاصل کر کے زید کے گھر کو اپنی مرضی کے مطابق شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے برباد کرنا اور اپنے نفس کی تسکین چاہتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق جو بہتان گھڑیں قرآن اور سنت میں کیا حکم ہے؟

(۵) یہ کہ اہل کتاب سے نکاح کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

جو بھی تحریر کیا گیا ہے اللہ عزوجل کو حاضر و ناظر جان کر سچ لکھا گیا ہے۔ برائے مہربانی فقط عاقبت کو مدنظر رکھتے ہوئے تفصیل سے راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

الجواب بعون الملک الوھاب

سوال میں ذکر کردہ مسائل کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ دوسرا نکاح درست ہے اور اس کی وجہ سے پہلی بیوی کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

(۲) عزیز و اقارب سے اس کا ملنا جلنا اور کھانا پینا جاری رہنا چاہیئے، بلاوجہ قطع تعلق درست نہیں ہے۔

(۳) پہلی بیوی اور اس کے بچے، اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں محض شوہر کی دوسری شادی کرنے کی وجہ سے، پہلی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

(۴) جو لوگ محض جھوٹ اور بہتان گھڑ کر زید کے گھر کو برباد کرنا چاہتے ہیں، ایسے لوگ گنہگار ہیں، ان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور توبہ کریں۔

(۵) اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔

لما فی القرآن لکریم (البقرة:۲۲۱): وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔۔

وفیه ایضاً (النساء:۳): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔

وفی المصنف لابن ابی شیبه (۱۵۷/۱۳) کتاب الادب: عن حفص بن عاصم عن النبی ﷺ قال: کفی

Marfat.com

بالمرء كذبا ان يحدث بكل ماسمع۔

و فی مرقاة المفاتيح (۵۶/۹)الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون أن الخوارج كسائر أهل البدع لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماء بلا نزاء ۔

وفی الدرالمختار(۴۵/۳) فصل فی المحرمات:(وصح نكاح كتابية) وإن كره تنزيها (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل وإن اعتقدوا المسيح إلها وكذا حل ذبيحتهم على المذهب بحروفي النهر تجوز مناكحة المعتزلة لأنا لا نكفر أحدا من أهل القبلة إن وقع إلزاما في المباحث۔

وفی الرد تحته: (قوله كتابية) اطلقبه فشمل الحربية والذمية والحرة والامة ح عن البحر۔

وفی التحرير المختار للرافعی(۱۸۳/۳): (قوله ماخوذ من الفتح حيث قال واما المعتزلة الخ) وجعل الرملی فی حاشية المنح المعتزلی والرافضی بمنزلة اهل الكتاب حيث قال قوله وصح نكاح كتابية اقول يدخل فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا يجوز ان تتزوج المسلمة السنية من الرافضی لانها مسلمة وهو كافر فدخل تحت قولهم لايصح تزوج مسلمة بكافر اه وقال الرستغفنی لا تصح المناكحة بين اهل السنة والاعتزال اه فالرافضة مثلهم او اقبح والرملی جعلهم من قبيل اهل الكتاب فيجوز نكاح نسائهم ولا يزوّجون ولعله اعدل الاقوال لانه لايشك فی كفر الرافضة اه سندی۔

(۲۰۳) کافر جوڑا مسلمان ہوجائے تو نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر اور بیوی پہلے ہندو تھے اور کچھ مدت کے بعد دونوں نے اسلام قبول کرلیا تو کیا دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں پہلا نکاح باقی ہے۔

لمافی الهندية(۳۳۷/۱):إذا تزوج الذمي ذمية بغير شهود وهم يدينون ذلك فهو جائز حتى لو أسلما يقران على ذلك عند علمائنا الثلاثة۔

Marfat.com

وفی الدرالمختار (۱۸۶/۳): (أسلم المتزوجان بلا) سماء (شهود أو في عدة كافر معتقدين ذلك أقرا عليه)۔

وفی الرد تحته: قوله (أسلم المتزوجان الخ) وكذا لو ترافعا إلينا قبل الإسلام أقرا عليه ۔۔۔ قوله (أو في عدة كافر) احترز عن عدة مسلم ۔۔۔ قوله (معتقدين ذلك) فلو لم يكن جائزا عندهم يفرق بينهما اتفاقا لأنه وقع باطلا فيجب التجديد بحر۔

(۲۰۴) حالتِ کفر کے عدت میں کئے گئے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک کافر نے ایک کافرہ عورت کے ساتھ عدت طلاق میں نکاح کرلیا اور اس طرح نکاح اس کے دین میں جائز تھا بعد میں یہ دونوں مسلمان ہوگئے تو کیا ان کا نکاح برقرار رکھا جائے یا ان کے درمیان جدائی کی جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر معتدۃ الغیر کے ساتھ نکاح ان کفار کے ہاں جائز تھا تو بعد اسلام بھی ان کا نکاح برقرار رکھا جائے گا جیسا کہ عبارات ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

لمافی الهندية (۳۳۷/۱): إذا تزوج الكافر في عدة كافر وهذا في دينهم جائز ثم أسلما أقرا عليه هذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في الهداية وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى لا يقران عليه والصحيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المضمرات۔

وفی الدرالمختار (۱۸۴/۳): (كل نكاح حرم بين المسلمين لفقد شرطه) لعدم شهود (يجوز في حقهم إذا اعتقدوه) عند الإمام (ويقرون عليه بعد الإسلام) ۔۔۔ (أسلم المتزوجان بلا) سماء (شهود أو في عدة كافر معتقدين ذلك أقرا عليه)۔

وفی الرد تحته: قوله (كعدم شهود) وعدة من كافر قوله (عند الإمام) هو الصحيح كما في المضمرات قهستاني۔

Marfat.com

فصل فی النکاح بالکتابۃ والھاتف والرسائل

(تحریر، موبائل، خط، میسج اور جدید آلات وغیرہ کے ذریعے نکاح کا حکم)

(۲۰۵) ٹیلیفون کے ذریعہ نکاح کا حکم

سوال

مفتی صاحب! کیا درج ذیل صورتوں میں نکاح منعقد ہوجائے گا؟

(۱) لڑکا سعودی عرب میں ہے اور لڑکی پاکستان میں ہے۔ پاکستان میں مجلسِ نکاح منعقد کی جاتی ہے، اور پھر اسی مجلس میں لڑکے کو فون کیا جاتا ہے لڑکا فون پر اس طرح ایجاب کرتا ہے کہ اس کو دو گواہ سن لیتے ہیں اور آواز بھی پہچانتے ہیں، اور لڑکی قبول کرتی ہے، آیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا؟ کیا نکاح کے منعقد ہونے کیلئے گواہوں کا مجلسِ حقیقی میں موجود ہونا ضروری ہے، مجلسِ معنوی کا وجود کافی نہیں؟ جبکہ خیر الفتاویٰ (۴/۱۷۳، کتاب النکاح) میں مجلس معنوی کو کافی بتایا ہے۔

(۲) ایک لڑکا اور ایک لڑکی اکٹھے بیٹھ کر اس طرح ایجاب وقبول کرتے ہیں کہ ایجاب وقبول کو دو ایسے گواہ فون پر سنتے ہیں جو اس مجلس میں موجود نہیں ہوتے، کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا؟ کیا اس صورت میں بھی مجلسِ معنوی کا وجود کافی سمجھا جائے گا یا نہیں؟ دونوں صورتوں کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ٹیلیفون کے ذریعے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ نکاح کی صحت کیلئے گواہوں کا مجلسِ عقد میں موجود ہونا ضروری ہے جو کہ مذکورہ صورت میں نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول کو سننا بھی شرط ہے اور ٹیلیفون (اور دیگر آلاتِ جدیدہ) کے ذریعے یہ امکان موجود ہے کہ بولنے والا غیر عاقد ہو بلکہ آج کے زمانے میں تو آواز بدلنا، دھوکہ دینا اور دیگر مکر وفریب ان ذرائع کے ذریعے عام ہیں جبکہ شریعت عورت کی عصمت کے بارے میں شدید احتیاط کی قائل ہے لہٰذا کسی صورت میں بھی ان آلات کے ذریعے نکاح کے انعقاد کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ نیز جب اس کا متبادل موجود ہے تو پھر خواہ مخواہ اپنے کو شبہات میں ڈالنا کوئی عقلمندی نہیں اور وہ یہ ہے کہ کسی اہل شخص کو اپنا وکیل بنا کر بھیج دے یا بذریعہ خط کسی کو اپنا وکیل بنادے وہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کردے۔

Marfat.com

لمافى الدرالمختار (٢١/٣) كتاب النكاح:(وشرط سماء كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح(فاهمين) أنه نكاح على المذهب ـ

وفى الشامية تحته (ص٢٣): قال في الفتح ومن اشتراط السماء ما قدمناه في التزوج بالكتاب من أنه لا بد من سماء الشهود ما في الكتاب المشتمل على الخطبة بأن تقرأه المرأة عليهم أو سماعهم العبارة عنه بأن تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني ثم تشهدهم أنها زوجته نفسها اه لكن إذا كان الكتاب بلفظ الأمر بأن كتب زوجي نفسك مني لا يشترط سماء الشاهدين لما فيه بناء على أن صيغة الأمر توكيل لأنه لا يشترط الإشهاد على التوكيل.

وفى الفتاوىٰ اللجنه الدائمة للبحوث العلمية والافتاء(٩١/١٨): نظرا إلى ما كثر في هذه الأيام من التغرير والخداء، والمهارة في تقليد بعض الناس بعضا في الكلام وإحكام محاكاة غيرهم في الأصوات حتى إن أحدهم يقوى على أن يمثل جماعة من الذكور والإناث صغارا وكبارا، ويحاكيهم في أصواتهم وفي لغاتهم المختلفة محاكاة تلقي في نفس السامع أن المتكلمين أشخاص، وما هو إلا شخص واحد، ونظرا إلى عناية الشريعة الإسلامية بحفظ الفروج والأعراض، والاحتياط لذلك أكثر من الاحتياط لغيرها من عقود المعاملات رأت اللجنة أنه ينبغي ألا يعتمد في عقود النكاح في الإيجاب والقبول والتوكيل على المحادثات التليفونية تحقيقا لمقاصد الشريعة، ومزيد عناية في حفظ الفروج والأعراض حتى لا يعبث أهل الأهواء ومن تحدثهم أنفسهم بالغش والخداء.

(۲۰۶) میسج پرنکاح منعقد نہیں ہوگا

سوال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص میسج (Message) کرے کسی لڑکی کو اور وہ اس میں نکاح کا ایجاب کرے اور لڑکی اس کے جواب میں "قبول ہے" کا (Rply) کرے اور لڑکی کے پاس جو میسج آیا تھا اور جو اس لڑکی نے جواباً میسج کیا ہے اس کو لڑکی کا بھائی اور اس لڑکی کی سہیلیاں پڑھ لیں اور دوسرے طرف لڑکے کے دوست ان میسج کو پڑھ لیں تو اس طریقہ سے نکاح ہوجاتا ہے؟ اگر نہیں تو میسج پر نکاح کی کوئی ممکنہ جائز صورت ہے؟ اگر ہے تو برائے مہربانی تحریر فرمادیں اور نکاح جائز

Marfat.com

نہ ہونے کی وجہ بھی تفصیل سے تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ بغیر اولیاء کے لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح کے معاملات کرنا شرفاء کا طریقہ کار نہیں نیز نکاح سے قبل لڑکے، لڑکی کا آپس میں ایک دوسرے کو میسج بھیجنا، یا فون پر بات کرنا جائز نہیں یہ انتہائی قبیح اور غیر اسلامی حرکت ہے البتہ اگر ایسی صورت پیش آجاتی ہے اور لڑکے کی طرف سے ایجاب کا میسج لڑکی پڑھ کر دو گواہوں کو سنائے اور پھر اسے قبول کرلے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔ صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکی نے وہ میسج پڑھ کر نہیں سنایا اور گواہوں نے لڑکی کے قبول کے الفاظ نہیں سنے لہٰذا یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الشامیة (۱۲/۳) کتاب النکاح: مطلب التزوج بإرسال کتاب قوله (ولا بکتابة حاضر) فلو کتب تزوجتك فکتبت قبلت لم ینعقد بحر والأظهر أن یقول فقالت قبلت الخ إذ الکتابة من الطرفین بلا قول لا تکفي ولو في الغیبة تأمل ---ینعقد النکاح بالکتاب کما ینعقد بالخطاب وصورته أن یکتب إلیها یخطبها فإذا بلغها الکتاب أحضرت الشهود وقرأته علیهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا کتب إلي یخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوی زوجت نفسي من فلان لا ینعقد لأن سماع الشطرین شرط صحة النکاح وبإسماعهم الکتاب أو التعبیر عنه منها قد سمعوا الشطرین بخلاف ما إذا انتفیا۔

(۲۰۷) انٹرنیٹ پر نکاح

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک دوست امریکہ میں مقیم ہیں ان کا نکاح ایک پاکستانی لڑکی کے ساتھ (براہ راست) ویڈیو کانفرس کے ذریعے ہوا اور اس کی صورت یہ تھی کہ لڑکا امریکہ میں اور لڑکی پاکستان میں دو دو گواہوں اور دیگر اولیاء کے ساتھ ایک ایک کمرے میں بیٹھ گئے۔ اب نکاح کی مکمل کارروائی دونوں فریقوں نے کمپیوٹر اسکرین پر براہ راست دیکھی جس کا انٹرنیٹ کے ذریعے براہ راست تبادلہ جاری تھا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس بارے میں کوئی گنجائش دی جاسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح منعقد نہیں ہوا، اس لئے کہ نکاح میں لڑکے اور لڑکی کا یا پھر ان کے وکیل کا گواہوں کے ساتھ ایک مجلس میں ہونا ضروری

Marfat.com

ہے، جبکہ صورتِ مسئولہ میں مجلس کا اتحاد نہیں پایا جارہا، رہا کمپیوٹر اسکرین پر تصویر کا دکھائی دینا تو اس میں احتمالِ خدع (دھوکہ) موجو ہے، ممکن ہے کہ سامنے دکھائی دینے والی تصویر حقیقی نہ ہو بلکہ سائنس و کمپیوٹر کا کمال ہو، لہٰذا نکاح منعقد نہیں ہوا اور شریعت نے جب اتنی رخصت دی ہے کہ لڑکا یا لڑکی کسی وجہ سے مجلس عقد میں حاضر نہ ہوسکتے ہوں تو اپنی طرف سے کوئی وکیل مقرر کردیں تو پھر خواہ مخواہ نکاح میں ان آلات کے استعمال کی ضرورت نہیں۔

لمافی الهندية(۲۶۸/۱): رجل زوج ابنته من رجل في بيت وقوم في بيت آخر يسمعون ولم يشهدهم إن كان من هذا البيت إلى ذلك البيت كوة رأوا الأب منها تقبل شهادتهم وإن لم يروا الأب لا تقبل كذا في الذخيرة۔

وفيه ايضاً(۲۹۴/۱): يصح التوكيل بالنكاح وان لم يحضره الشهود۔

وفی الشامية (۹۵/۳): واعلم أنه لا تشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح بل على عقد الوكيل وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها۔

(۲۰۸) بذریعہ کانفرنس کال یا کیمرے والے موبائل کے ذریعے نکاح کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بذریعہ ٹیلیفون کے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس صورت میں کہ جب (کانفرنس کال) کے ذریعے یہ عقد دونوں فریقوں کے درمیان ہورہا ہو اور ان کے علاوہ کم از کم دو مزید افراد (لائن) پر بطور گواہ کے موجود ہیں یا پھر دونوں فریقوں نے اپنے "فونوں" کا لاؤڈ اسپیکر کھول رکھا ہو کہ جس سے دونوں اطراف میں اور بھی کئی لوگ اس گفتگو کو براہ راست سن رہے ہوں۔

(۲)..... یا اسی طرح ہر دو فریق ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس میں آواز کا مشتبہ ہونا ختم ہوجائے مثلاً اپنے فون پر کیمرے کا نصب کرنا کہ جوان کی تصاویر کو بھی دوسری طرف سے ارسال کررہا ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بذریعہ ٹیلی فون دونوں طرف گواہوں کی موجودگی میں مرد و عورت کا ایجاب و قبول کرنا اگرچہ فون پر تصویر بھی دکھائی دے رہی ہو، مجلس کے شرعاً ایک نہ ہونے اور دوسری وجوہ فاسدہ پر مشتمل ہونے کی بنا پر شرعاً اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا اور وجہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے عورت کی عزت و عصمت کے تحفظ کے بارے میں بڑی احتیاط کی ہے اور نکاح میں بھی عورت کی عزت و عصمت کا مسئلہ ہوتا ہے، اس لئے ہر وہ طریقہ جس میں دھوکہ اور جعل سازی کا امکان ہو، نکاح کے معاملہ میں معتبر نہ ہوگا۔ نیز چونکہ دور حاضر میں ایسے

Marfat.com

بہت سے آلات اور طریقے ایجاد ہو گئے ہیں جس سے ایک آدمی کی تصویر دکھا کر دوسرے کی آواز سنا دی جاتی ہے یا اس کے برعکس کیا جاتا ہے اس لئے نکاح کے معاملے میں شرعی احکام کی پاسداری اور عورت کی عزت وعصمت کی حفاظت کی وجہ سے اس قسم کی چیزوں پر اعتماد نہیں کیا جائے گا تا کہ بے دین اور فاسق وفاجر لوگوں کو ایسے معاملات میں دھوکہ دہی اور ان کو کھیل بنا لینے کی کھلی چھوٹ نہ مل جائے البتہ اگر یہ صورت اختیار کر لی جائے کہ فریق اوّل کسی کو یہاں اپنا وکیل بنالے اور وہ وکیل اس کی طرف سے ایجاب یا قبول کرلے تو نکاح منعقد شمار ہوگا۔

لمافی الدر المختار (۱۴/۳):ومن شرائط الإيجاب القبول اتحاد المجلس لو حاضرين وإن طال كمخيرة۔

وفی الرد تحته:(قوله: اتحاد المجلس) قال فی البحر فلو اختلف المجلس لم ينعقد۔

وفی الفتاوىٰ اللجنه الدائمة للبحوث العلمية والافتاء(۹۱/۱۸): رأت اللجنة أنه ينبغي ألا يعتمد في عقود النكاح في الإيجاب والقبول والتوكيل على المحادثات التليفونية تحقيقا لمقاصد الشريعة، ومزيدٌ عناية في حفظ الفروج والأعراض حتى لا يعبث أهل الأهواء ومن تحدثهم أنفسهم بالغش والخداء.

(۲۰۹) فیس بک اور ٹیوٹر پر نکاح پڑھانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل فیس بک اور ٹیوٹر کا طریقہ چل رہا ہے لڑکے لڑکی گروپ بنا کر آپس میں ٹیوٹ کرتے ہیں مثلاً ۱۵ بندوں کا ایک گروپ ہے ایک شخص یہاں کراچی سے پیغام چھوڑ دیتا ہے کہ گرمی ہو رہی ہے تو باقی چودہ کراچی یا پاکستان میں جہاں ہوں وہ اپنے اعتبار سے پیغام کا جواب دیتے ہیں اس طرح مشترکہ بات چیت چلتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اگر لڑکا یہ پیغام چھوڑ دے کہ میں انیلہ سے نکاح کرتا ہوں اور انیلہ ٹیوٹر پر ہی قبول کا پیغام چھوڑ دے، باقی ۱۳ بھی مشاہدہ کرلیں تو کیا نکاح ہو جائے گا؟ یا انیلہ کے پاس اس کے دو بہنیں اور ایک بھائی بیٹھا ہو اور انیلہ منہ سے بول دے قبول کیا اور بھائی بہن سن لیں تو نکاح ہوگا؟ ازراہ کرم ٹیوٹر کے تمام احکام بسطِ مشفی کے ساتھ بیان کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

انعقاد نکاح کیلئے ضروری ہے کہ دو گواہ مجلسِ نکاح میں حاضر ہوں اور ایجاب وقبول سنیں۔صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ گواہ مجلسِ نکاح میں ایجاب اور قبول نہیں سن رہے۔اگر دوسرے شہر یا ملک میں نکاح کرنا ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس شہر میں

Marfat.com

کسی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کردیں وکیل اس کی طرف سے دوسرے فریق کے ساتھ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرے اس طرح نکاح صحیح ہوجائے گا یا جب عورت کے پاس مرد کا پیغام جائے تو عورت مرد کے پیغام کو دو گواہوں کے سامنے پڑھے اور پھر اُس کو گواہوں کے سامنے قبول کرے اس طرح ایجاب اور قبول کو گواہ مجلسِ نکاح میں سن لیں گے اور نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ گواہ مرد کو جانتے ہوں اور پیغام بھی اُسی مرد کا ہو۔

لمافی خلاصة الفتاوى (۴۸/۲) (ط رشيديه): لأن سماع الشهود كلام المتعاقدين شرط انعقاد النكاح فالشهود وإن سمعوا كلامها لكن لم يسمعوا كلام الزوج ولو قرأت الكتاب على الشهود أو قالت إن فلانا كتب إلى يخطبني فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه صح النكاح۔

وفي التاتارخانية (۱۲۶/۴) (ط فاروقيه): ويصح النكاح بالوكالة والرسالة والكتابة لأنه عقد ينعقد بالرضا والإنابة۔

وفي الهندية كتاب النكاح (۲۶۷/۱)(ط: ماجديه): وأما شروطه ۔۔۔ ومنها سماع الشاهدين كلامهما معاهكذا في فتح القدير ۔۔۔ ولا ارسل اليها رسولا اوكتب اليها بذلك كتابا ۔۔۔ جاز لا تحاد المجلس من حيث المعنى۔

وفي الدرالمختار كتاب النكاح (۱۲/۳): بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب ما لم يكن بلفظ الأمر فيتولى الطرفين۔

وفيه أيضاً(۲۱/۳): (وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح۔

(۲۱۰) موبائل وغیرہ پر نکاح کے عدم انعقاد پر ایک شبہ کا جواب

سوال

ایک عالم صاحب بتارہے تھے کہ موبائل پر نکاح منعقد نہیں ہوتا لیکن اگر لڑکی باہر ہے اور وہ اپنا وکیل موبائل کے ذریعے بنا دے تو وکیل نکاح کرادے وجہ یہ بتائی کہ بندہ تبدیل ہونے اور آواز کے اشتباہ کا خوف ہے اس لئے براہ راست موبائل اور انٹرنیٹ پر نکاح منعقد نہیں ہوگا البتہ وکالت درست ہے۔ اشکال یہ ہے کہ وکالت میں اگرچہ اتحاد مجلس اور حضور شاہدین ضروری نہ ہو لیکن لڑکی سے اس کے نکاح کی وکالت کے باب میں بڑی سخت شرائط لگائی جاتی ہے کہ وہاں کمرے میں کوئی اور عورت نہ ہو آواز سمجھتے ہوں الخ وکالتِ نکاح کے مسائل سے آپ زیادہ واقف ہوں گے اب یہاں نیٹ یا موبائل پر وکالت میں بھی تو یہ احتمال موجود ہے، کہ بندہ تبدیل ہو وہ

Marfat.com

کی وہاں نہ ہوتو وکالت میں اتنی کھلی اجازت کیوں دی جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نکاح موقوف علی الاجازت ہوگا تو یہ توبراہِ راست نکاح میں بھی کہا جاسکتا ہے۔ بندے کا خیال ہے کہ فتاویٰ لجنہ دائمہ میں بھی موبائل کے ذریعے وکالت کو علماء حرمین نے منع کہا ہے اسے بھی دیکھ لیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

موبائل یا انٹرنیٹ پر ایجاب وقبول کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا البتہ جدید ذرائع کے ذریعے نکاح کا وکیل بنایا جائے تو یہ درست ہے۔ بعدازاں وکیل مؤکل کی طرف سے ایجاب وقبول کرلے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

فاضل مستفتی مسئلے کی اصل علت میں خلط کی وجہ سے تردد کا شکار ہوگئے ہیں درحقیقت مسئلے کی علت اشتباہ نہیں کہ موبائل یا انٹرنیٹ یا ٹیلیفون پر بات کرنے والا غیر شخص بھی ہوسکتا ہے بلکہ علت حقیقۃً اتحادِ مجلس اور حضورِ شاہدین ہے یہی ہمارے مسئلے میں نکاح اور توکیل بالنکاح میں فرق کی وجہ بن رہی ہے نکاح کے لئے عاقدین کا ایک مجلس میں ایجاب وقبول کرنا نیز گواہوں کا بیک وقت اس ایجاب وقبول کا سننا شرط ہے اس کے بغیر انعقاد نکاح محال ہے جبکہ وکالت کے لئے نہ مؤکل اور وکیل کی مجلس متحد ہونا ضروری ہے نہ گواہوں کا موجود ہونا صحت وکالت کی شرط ہے اسی وجہ سے اگر انٹرنیٹ کے ذریعے لائیو (Live) کال کرکے جس میں بولنے والے کی تصویر بھی براہ راست آرہی ہو اس میں اشتباہ بہت کم رہ جاتا ہے بلکہ ایک حد تک ختم ہوجاتا ہے لیکن پھر بھی اس کال کے ذریعے نکاح کا ایجاب وقبول کرنا صحیح نہیں کیونکہ اشتباہ اگرچہ نہ ہو لیکن اتحادِ مجلس کی شرط موجود نہیں لہٰذا موبائل پر نکاح کے منعقد ہونے کی اصل وجہ اختلافِ مجلس اور عدمِ حضورِ شاہدین ہے اور وکالت اس لئے درست ہے کہ وکالت میں یہ چیزیں ضروری نہیں۔

البتہ فتاوی لجنہ دائمہ میں علماء حرمین نے نکاح کے ساتھ ساتھ توکیل بالنکاح کو بھی منع لکھا ہے، لجنہ کی عبارت یہ ہے:

"نظرا إلى ما كثر في هذه الأيام من التغرير والخداع، والمهارة في تقليد بعض الناس بعضا في الكلام وإحكام محاكاة غيرهم في الأصوات حتى إن أحدهم يقوى على أن يمثل جماعة من الذكور والإناث صغارا وكبارا، ويحاكيهم في أصواتهم وفي لغاتهم المختلفة محاكاة تلقي في نفس السامع أن المتكلمين أشخاص، وما هو إلا شخص واحد، ونظرا إلى عناية الشريعة الإسلامية بحفظ الفروج والأعراض، والاحتياط لذلك أكثر من الاحتياط لغيرها من عقود المعاملات رأت اللجنة أنه ينبغي ألا يعتمد في عقود النكاح في الإيجاب والقبول والتوكيل على المحادثات التليفونية تحقيقا لمقاصد الشريعة، ومزيد عناية في حفظ الفروج والأعراض حتى لا يعبث أهل الأهواء ومن تحدثهم أنفسهم بالغش والخداع."

"دورِ حاضر میں درج ذیل چیزوں کا رواج عام ہوچکا ہے دھوکہ دینا، بعض کا بعض کی طرح گفتگو کرلینا، دوسرے کی آواز کی

Marfat.com

نقل اتار لینا، یہاں تک کہ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو چھوٹے بڑے مردوں اور عورتوں کی نہ صرف آواز کی نقل کر لیتے ہیں بلکہ ان کے لب ولہجہ اور مختلف زبانوں پر بھی عبور رکھنے کی وجہ سے ایسی نقل کرتے ہیں کہ سننے والا سمجھتا ہے کہ بہت سے لوگ بیٹھے بات کر رہے ہیں درحقیقت وہ ایک ہی شخص ہوتا ہے تو لجنہ نے ایک طرف انہیں مدنظر رکھا اور دوسری طرف اس بات کو کہ شریعت نے عورت کی عزت وعصمت کی بہت حفاظت کی ہے اور اس معاملے میں دیگر معاملات کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط برتی ہے۔ اس لئے لجنہ کا خیال ہے کہ نکاح جیسے معاملات میں ایجاب وقبول اور توکیل میں ٹیلیفون جیسے ذرائع پر اعتماد نہ کیا جائے تا کہ شریعت کے مقاصد کا حصول متحقق ہو جائے۔"

(فتاوی لجنہ دائمہ ۱۸/۹۱)

ظاہر ہے کہ یہاں صرف اشتباہ کا احتمال ہے جس کی وجہ سے لجنہ میں اس سے اجتناب کا ذکر ہے لیکن اس اشتباہ کو دور کرنے کی صورت موجود ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص وکیل بنا رہا ہے وہ اگر اپنا نام یا آواز تبدیل کر کے وکیل بنائے تو اس صورت میں وکیل اگر مؤکل کو جانتا ہے تو وکالت درست ہو جائے گی وگرنہ (اگر لائن پر کوئی دوسرا شخص آواز بدل کر بات کر رہا ہو تو) پھر وکیل کا پڑھایا نکاح اصل مؤکل کی اجازت پر موقوف ہو جائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اتحاد مجلس اور حضور شاہدین کے نہ پائے جانے کی وجہ سے موبائل یا انٹرنیٹ وغیرہ پر نکاح منعقد نہ ہوگا البتہ توکیل میں چونکہ یہ چیزیں شرط نہیں لہٰذا وہ درست ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص آواز بدل کر بھی وکیل بنا دیتا ہے تو نکاح اصل شخص کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

لمافی ملتقی الابحر (۲۳۸/۱) وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر و حضور حرین أو حرو حرتین مکلفین مسلمین ان الزوجة مسلمة سامعین معالفظهما فلایصح ان سمعا متفرقین۔

وفی الهندیة (۲۶۸/۱): (ومنها) سماع الشاهدین کلا مهما هکذا فی فتح القدیر۔

وفی الدرالمختار (۲۱/۳): (وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر) لیتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدین (حرین) أو حر وحرتین (مکلفین سامعین قولهما معا) علی الأصح۔

(۲۱۱) خط کے ذریعے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خط کے ذریعے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

خط کے ذریعے نکاح منعقد ہوجاتا ہے لیکن اس کیلئے شرط یہ ہے کہ جب عورت کو وہ خط ملے تو دو گواہوں کے سامنے وہ خط ھے اور یہ کہے کہ فلاں نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے اور تم گواہ رہو کہ میں نے اپنا نکاح اس سے کر دیا ہے کیونکہ گواہوں کا ایجاب وقبول سننا صحت نکاح کیلئے شرط ہے۔

لمافی الهندية (۲۶۹/۱): ولو قالت إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني قد زوجت، نفسي منه صح النكاح لأن الشهود سمعوا كلامهما بإيجاب العقد وسمعوا كلام الخاطب بإسماعها إياهم۔

وفی الشامية (۱۲/۳): قال ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لأن سماء الشطرين شرط صحة النكاح وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين۔

(۲۱۲) بذریعہ ٹیلیفون کئے گئے نکاح سے پیدا شدہ بچے ثابت النسب ہوں گے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل لوگ ٹیلی فون پر نکاح کر لیتے ہیں۔ کیا اس طرح نکاح درست ہے؟ اور اگر درست نہیں تو جو بچے پیدا ہوں گے وہ ثابت النسب ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ٹیلیفون پر نکاح اگر براہ راست ہوا ہے بایں طور کہ دو گواہوں کی موجودگی میں ایک فریق کی طرف سے ایجاب ہوا اور پھر ٹیلیفون پر دوسرے فریق سے قبول کرایا گیا تو یہ نکاح فاسد ہوگا کیونکہ یہاں ایجاب وقبول کی مجلس متحد نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ گواہان نے بذریعہ ٹیلیفون قبول ہونے کو اکٹھے نہیں سنا۔ نکاح فاسد کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد نے عورت سے جماع کر لیا تو اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کا نسب اس مرد سے ثابت ہوجائے گا۔

ٹیلیفون پر نکاح کرنے کی اگر نوبت آجائے تو اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک فریق، فریقِ ثانی کو یا کسی اور شخص کو اپنی طرف سے نکاح کے لئے وکیل بنادے اور وہ وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں بحیثیت وکیل ایجاب وقبول کا فریضہ انجام دے۔ مثلاً: زید کسی شخص کو بذریعہ خط کے اپنا وکیل بنادے میں تم کو ہندہ بنت فلاں سے اپنے نکاح کا وکیل بناتا ہوں، اب وہ وکیل یہ

Marfat.com

کرے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں ہندہ سے ایجاب کرلے اور خود زید کی طرف سے قبول کرلے تو اس طرح نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لمافی الهندية(۱/۳۳۰):ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالى وعليه الفتوى قاله أبو الليث كذا في التبيين۔

(۲۱۳) بذریعہ تحریر نکاح اور طلاق کے وقوع میں فرق کی وجہ

سؤال

اگر لڑکا لڑکی (دونوں بالغ) تحریری طور پر ایجاب وقبول کر کے نکاح کریں اور دونوں زبان سے کچھ بھی نہ کہیں تو یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو بذریعہ تحریر یعنی صرف لکھنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور نکاح نہیں دونوں میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح کیلئے زبان سے کچھ کہے بغیر صرف تحریری طور پر ایجاب وقبول کیا جائے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا لیکن تحریراً برضا ورغبت طلاق لکھ کر دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے ان دونوں کے درمیان فرق بالکل واضح ہے کہ نکاح کے انعقاد کیلئے دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے نیز عاقدین کا ایک دوسرے کے کلام کو سننا اور گواہوں کیلئے بیک وقت عاقدین کے کلام کو سننا بھی شرط ہے جو کہ تحریراً نکاح کی صورت میں نہیں پایا جاتا جبکہ طلاق کے وقوع کیلئے نہ گواہ شرط ہیں نہ کسی شخص کا طلاق کے الفاظ کا سننا شرط ہے لہٰذا برضا ورغبت لکھ کر طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

لمافی الجوهرة النيرة (۲/۶۷): ومن شرط الشهادة في انعقاد النكاح ان يسمع الشهود كلامهما جميعا في حالة واحدة۔

وفي فتح القدير(۳/۲۰۳):ونص القدوري وغيره على اشتراط السماء ولأنه المقصود بالحضور فلا يجوز بالأصمين على ما هو الأصح وعن اشتراط السماء ما قدمناه في التزوج بالكتابة من أنه لا بد من سماء الشهود ما في الكتاب المشتمل على الخطبة بأن تقرأه المرأة عليهم أو سماعهم العبارة عنه۔

وفي الدرالمختار (۳/۲۱):(وشرط سماء كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين(حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا)على الأصح۔

وفي الشامية (۳/۲۴۶):مطلب في الطلاق بالكتابة قوله (كتب الطلاق الخ) قال في الهندية

Marfat.com

الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔

(۲۱۴) جانبین کے خط سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں لاہور میڈیکل کالج میں تھا تو کراچی سے ایک لڑکی نے مجھے نکاح کے بارے میں خط لکھا اور اپنی تصویر بھی ساتھ بھیج دی میں نے نکاح قبول کر کے خط لکھ دیا اور مہر پچاس ہزار لکھ دیا کچھ دنوں پہلے ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ خط کے ذریعے نکاح نہیں ہوتا تو مجھے تردد ہوا، اب آپ حضرات میرے تردد کو دور کریں اور بتائیں کہ میرا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خط کے ذریعے نکاح میں یہ ضروری ہے کہ خط وصول کرنے والا دو گواہوں کے سامنے اس خط کی عبارت پڑھے اور پھر نکاح کو قبول کرلے۔ دونوں طرف سے خط بھیج دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کا نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الشامية(۱۲/۳): مطلب التزوج بإرسال كتاب قوله (ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر ۔۔۔ قوله (فتح) فإنه قال ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين۔

Marfat.com

فصل فی الإکراہ علی النکاح

(نکاح میں اکراہ کا بیان)

(۲۱۵) زبردستی ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے

سؤال

مفتی صاحب مجھے آپ سے ایک اہم مسئلے کے متعلق دریافت کرنا ہے مسئلہ یہ پیش آیا کہ ہمارے علاقے کے ایک شخص کو جمیلہ نامی لڑکی سے محبت ہوگئی اس نے کافی زور لگایا لیکن بات بن نہ پائی کیونکہ جمیلہ ہی شادی پر تیار نہ تھی ایک رات وہ شخص اپنے دوستوں کے ہمراہ جمیلہ کے گھر گیا اور زبردستی نکاح پڑھوالیا جمیلہ قطعاً تیار نہ تھی لیکن اس کے باپ کا منہ پیسوں کے ذریعے خرید لیا گیا اور زدوکوب کر کے جمیلہ سے قبول کرالیا گیا لیکن مفتی صاحب وہ قطعاً راضی نہیں تھی اور پاگل ہونے کے قریب ہے محلے والوں کو پتہ چلا تو اکثریت نے کہا کہ یہ نکاح نہیں ہوا نکاح رضامندی کے بغیر نہیں ہوتا۔ مسئلہ پیچیدہ ہوتا جارہا ہے آپ سے گزارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اس شخص نے انتہائی قبیح فعل کا ارتکاب کیا ہے اور باپ نے بھی اپنے سرپرست ہونے کا حق ادا نہیں کیا لیکن اگر جمیلہ نے زبان سے قبول کے الفاظ کہہ دیئے تو یہ نکاح منعقد ہو چکا ہے نکاح جیسے عام حالات میں منعقد ہو جاتا ہے اسی طرح زبردستی منہ سے کہلوالیا جائے تب بھی منعقد ہو جاتا ہے لیکن اگر قبول میں زبان سے الفاظ نہ کہے گئے ہوں بلکہ جمیلہ سے فقط دستخط کروائے گئے ہوں یا انگوٹھا لگوایا گیا ہو تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الشامیة (۲۱/۳): قوله (ليتحقق رضاهما) أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل رحمتي--- إلى قوله --- وأما ما ذكر من أن نكاح المكره صحيح إن كان هو الرجل وإن كان هو المرأة فهو فاسد فلم أر من ذكره وإن أوهم كلام القهستاني السابق ذلك بل عبارتهم مطلقة في أن نكاح المكره صحيح كطلاقه وعتقه مما يصح مع الهزل ولفظ المكره شامل للرجل والمرأة۔

Marfat.com

وفيه ايضاً(٢٣٦/٣): قوله (نكاح) يشمل ما إذا أكره الزوج أو الزوجة على عقد النكاح كما هو مقتضى إطلاقهم

وفى الفقه الاسلامى (٤٤٥٢/٦): ويرى جمهور الأئمة غير الحنفية أن الإكراه يؤثر في هذه التصرفات، فيفسدها. فلا يقع طلاق المكره مثلاً، لا يثبت عقد النكاح بالإكراه ونحوهما. وهذا هو الأرجح۔

(۲۱۶) عورت کو اغواء کر کے زبردستی دستخط کروانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی عورت کو اغواء کیا جائے پھر اس سے زبردستی نکاح کیا جائے زبردستی دستخط یا انگوٹھا لگوایا جائے تو کیا اس طرح اس کا نکاح منعقد ہو جائے گا جبکہ عورت عاقلہ بالغہ ہے اور بالکل نکاح کیلئے تیار نہیں۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کو اغوا کرنا اور پھر اس سے زبردستی نکاح کرنا بہت برا، قبیح اور موجب گناہ فعل ہے ایسا ہرگز ہرگز نہیں کرنا چاہیئے تاہم اگر کسی نے ایسا کرلیا تو نکاح منعقد ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ عورت سے اگر صرف زبردستی نکاح نامے پر دستخط کرائے گئے یا انگوٹھا لگوایا گیا، لیکن زبانی ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوا اور اگر انگوٹھے اور دستخط کے ساتھ ساتھ زبانی ایجاب قبول بھی کرایا گیا، تو اگر مرد عورت کا کفؤ نہیں تو اس صورت میں بھی نکاح منعقد نہیں ہوا لیکن اگر مرد عورت کا کفوء ہے تو نکاح منعقد ہو گیا۔

لمافى سنن ابي داود (٢٨٥/١):عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الثيب حتى تستأمر ولا البكر إلا بإذنها ۔۔۔ عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تستأمر اليتيمة فى نفسها فإن سكتت فهو إذنها وإن أبت فلا جواز عليها ۔

وفى الشامية (٨٣/٣): قوله (الكفاءة معتبرة) قالوا معناه معتبرة في اللزوم على الأولياء حتى أن عند عدمها جاز للولي الفسخ اه فتح وهذا بناء على ظاهر الرواية من أن العقد صحيح وللولي الاعتراض أما على رواية الحسن المختارة للفتوى من أنه لا يصح فالمعنى معتبرة في الصحة وكذا لو كانت الزوجة صغيرة والعاقد غير الأب والجد فقد مر أن العقد لا يصح ۔

Marfat.com

(۲۱۷) زبردستی انگوٹھا لگوانے سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا

سوال

میرا ایک دوست ہے وہ ایک دن مجھے اپنا واقعہ سنا رہا تھا کہ میری ایک بہن ہے جو عاقلہ بالغہ تھی میں اپنے گھر میں بڑا تھا چنانچہ میں نے اس بہن کا رشتہ اپنے ایک جاننے والے کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا نکاح وغیرہ کی تاریخ طے ہوگئی جس دن نکاح تھا تو عین نکاح کے وقت میری بہن نے انکار کرنا شروع کر دیا اس پر مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے اس کو مار پیٹ کر فارم پر اس کا انگوٹھا لگوا دیا اور مزید اس دوست نے یہ کہا کہ نہ ہی میری بہن نے مجھے وکیل بنایا اور نہ ہی ایجاب وقبول ہوا بلکہ اس نے تو انکار کر دیا لیکن میں نے جعلی طور پر فرضی گواہ اور وکیل بنا کر فارم پُر کر دیا، تو اب مفتی صاحب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس مذکورہ صورت میں میرے دوست کی بہن کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت اگر عاقلہ بالغہ ہو تو اس سے نکاح کی اجازت لینا ضروری ہے اور نکاح زبانی ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے نیز گواہوں کا ہونا شرط ہے جبکہ صورت مسئولہ میں نہ زبانی ایجاب وقبول ہوا نہ گواہ پائے گئے، زبردستی انگوٹھا لگوانے سے نکاح منعقد نہیں ہوا جبکہ مذکورہ لڑکی کی اجازت بھی نہیں پائی گئی۔

لما فی الهندية (۲۸۷/۱): لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكرا كانت أو ثيبا فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردته بطل كذا في السراج الوهاج۔

وفی الشامية (۲۱/۳): قوله (ليتحقق رضاهما) أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل رحمتي--- الى قوله --- وأما ما ذكر من أن نكاح المكره صحيح إن كان هو الرجل وإن كان هو المرأة فهو فاسد فلم أر من ذكره وإن أوهم كلام القهستاني السابق ذلك بل عبارتهم مطلقة في أن نكاح المكره صحيح كطلاقه وعتقه مما يصح مع الهزل ولفظ المكره شامل للرجل والمرأة۔

Marfat.com

باب من یحل به النکاح ومن لا یحل

(نکاح کیلئے حلال اور حرام عورتوں کا بیان)

(۲۱۸) کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے ناجائز؟

سوال

ہم لوگ پہاڑ میں رہتے ہیں جہاں کوئی عالم، مفتی نہیں ہے جو ہمیں مسائل بتائے اس لئے کافی پریشانی ہوتی ہے خصوصاً نکاح کے موقعہ پر کہ کس عورت سے شادی جائز ہے کس سے جائز نہیں، آپ لوگ ہماری راہنمائی فرمائیں اور تفصیل سے بتائیں کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ اور کن سے جائز نہیں ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

درج ذیل اقسام کی عورتوں سے نکاح حرام ہے:

(۱) وہ عورتیں جو مرد کی محرم ہوں ان سے زندگی کے کسی بھی موقع پر نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا ان کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ ماں، دادی، نانی وغیرہ اوپر تک۔

۲۔ اولاد، اولاد کی اولاد آخر تک۔

۳۔ بہنیں پھر ان کی اولاد نیچے تک۔

۴۔ خالہ، پھوپھی اور اسی طرح باپ کی خالہ، پھوپھی وغیرہ آخر تک۔

(۲) رضاعت سے بھی یہ چاروں قسم کے رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام تھے۔

(۳) مصاھرت کی وجہ سے چار اقسام کے رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔

۱۔ خاوند کا باپ، دادا وغیرہ اوپر تک۔

۲۔ بیوی کی ماں، نانی، دادی وغیرہ اوپر تک۔

۳۔ خاوند کے لڑکے جو کسی اور بیوی سے ہوں حرام ہیں چاہے دخول ہو یا نہ ہو۔

Marfat.com

۴۔ ربیبہ (بیوی کی دوسرے شوہر سے پیدا شدہ لڑکی) مرد پر حرام ہے بشرطیکہ بیوی سے دخول ہو چکا ہو۔

(۴) محرمات بالجمع: یعنی جن دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں مثلاً خالہ، بھانجی اور دو بہنیں وغیرہ انہیں بیک وقت نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔

(۵) آزاد آدمی کا چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے۔

(۶) مطلقہ ثلاثہ سے بھی حلالہ شرعیہ سے قبل نکاح حرام ہے۔

(۷) غیر کی منکوحہ یا معتدہ سے بھی نکاح حرام ہے۔

(۸) کفار و مشرکین وغیرہ سے بھی نکاح حرام ہے۔

ان مذکورہ بالا اقسام کے علاوہ باقی تمام عورتوں سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے البتہ درپیش نکاح کی حلت یا حرمت میں اگر کوئی ابہام ہو تو اسے تحریراً پوچھ لیا جائے۔

لما فی القرآن الکریم (سورۃ النساء:۲۳) وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلاً۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الأَخِ وَبَنَاتُ الأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ اللَّاتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

وفی الشامیة (۲۸/۳): قوله (قرابة) كفروعه وهم بناته وبنات أولاده وإن سفلن وأصوله وهم أمهاته وأمهات أمهاته وآبائه وإن علون وفروع أبويه وإن نزلن فتحرم بنات الإخوة والأخوات وبنات أولاد الأخوة والأخوات وإن نزلن وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح قوله (مصاهرة) كفروع نسائه المدخول بهن وإن نزلن وأمهات الزوجات وجداتهن بعقد صحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح فتح وكذا المقبلات أو الملموسات بشهوة لأصوله أو فروعه أو من قبل أو لمس أصولهن أو فروعهن قوله (رضاء) فيحرم به ما يحرم من النسب إلا ما استثنى

Marfat.com

كما سيأتي في بابه وهذه الثلاثة محرمة على التأبيد قوله (جمع) أي بين المحارم كأختين ونحوهما أو بين الأجنبيات زيادة على أربع قوله (ملك) كنكاح السيد أمته والسيدة عبدها۔۔۔أو ملكها لبعضه قوله (شرك) عبارة الفتح عدم الدين السماوي كالمجوسية والمشركة اه وتشمل أيضا المرتدة ونافية الصانع تعالى۔

(۲۱۹) کسی عورت کو خون دینے سے وہ محرم نہیں بنتی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک جگہ شادی کرلی ہے لیکن بیوی اکثر بیمار رہتی ہے اب میں دوسری جگہ شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں اس لڑکی کی ماں کو میری بہن نے خون دیا تھا تو کیا میں یہ شادی کرسکتا ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت اسلامیہ نے محرمیت کو نسب، مصاہرت اور رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے ان سے تجاوز کرنا صحیح نہیں اور رضاعت سے بھی ثبوت محرمیت کیلئے مدت رضاعت کا اعتبار کیا ہے مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اگر کسی شخص نے بحالت مجبوری کسی کو خون دیا تو اس سے ان کے درمیان کسی قسم کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ایسے شخص سے یا اس کے اصول وفروع سے خون دینے والے یا اس کی اولاد اور بھائی بہن وغیرہ کیلئے نکاح کرنا درست ہے جبکہ کوئی اور مانع نہ پایا جاتا ہو، البتہ دوسری شادی کرنے کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ آدمی دونوں بیویوں کے درمیان عدل ومساوات سے کام لے اس لئے مذکورہ صورت میں اگرچہ پہلی بیوی بیمار ہے لیکن پھر بھی شوہر کیلئے لازم ہے کہ وہ دوسری شادی کے بعد بھی اس کے حقوق کی پوری پوری رعایت رکھے اور اس کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہ کرے۔

لما فی القرآن الحکیم (النساء:۳): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۔

وفی السنن للامام ابی داود (۲۹۰/۱): عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: من كانت له امرأتان فمال إلى إحداهما جاء يوم القيامة وشقه مائل.

وفی الدرالمختار (۲۱۱/۳): (ويثبت التحريم) في المدة فقط ۔۔۔ الى قوله۔۔۔ (ولم يبح الإرضاء بعد مدته) لأنه جزء آدمي والانتفاء به لغير ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية وفي

Marfat.com

البحر لا يجوز التداوي بالمحرم في ظاهر المذهب أصله بول المأكول كما مر۔

وفی الردتحته: قوله (في المدة فقط) أما بعدها فإنه لا يوجب التحريم بحر ۔۔۔ قوله (ولم يبح الإرضاء بعد مدته) ۔۔۔ ولا يخفى أن التداوي بالمحرم لا يجوز في ظاهر المذهب أصله بول ما يؤكل لحمه فإنه لا يشرب أصلا اه قوله (بالمحرم) أي المحرم استعماله طاهرا كان أو نجسا ۔

وفی الفتاوىٰ اللجنة (١٤٦/٢١): انتقال الدم من شخص لآخر لا يسمى رضاعا لغة ولا شرعا ولا عرفا فلهذا لا يثبت له شيء من أحكام الرضاء من نشر الحرمة وثبوت المحرمية وغيرها ، فإن قيل : إن أصل اللبن من الدم فيعطى حكمه ، قلنا : لا نسلم بهذا ؛ لأنه قد تغير بالاستحالة ، وانقلب بقدرة الله من دم إلى لبن فاختص به الحكم دون أصله ، وأيضا فالرضاء مما لا مجال للاجتهاد فيه ؛ لأنه من المقدرات ، فأشبه الأمر التعبدي ، فلهذا لا يصح القياس عليه مما ذكرتم من وجود التغذية بالدم ولأن الأصل فيه قبل الشرع أنه لا يترتب عليه شيء من الأحكام حتى ورد النص بذلك فتقتصر على ما ورد فيه النص ، وهو الرضاء المستجمع للشروط بكونه لبنا من ثدي امرأة ثاب عن حمل، وقد استكمل خمس رضعات فأكثر في الحولين .

(٢٢٠) بیوی مرتدہ ہوجائے تو اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی بیوی ہندہ زید سے تنگ آ گئی اور کلمۂ کفر کہہ کر مرتدہ ہوگئی۔ آیا زید کیلئے اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہندہ کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا اور مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ اس کا نکاح زید سے کیا جائے گا یہ اس وقت جب زید اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے اگر زید اس سے دوبارہ نکاح نہ کرنا چاہے یا یہ عورت مرتد ہوکر دارالحرب چلی جائے تو زید کیلئے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندية (٣٣٩/١): ولو أجرت كلمة الكفر على لسانها مغايظة لزوجها أو إخراجا لنفسها عن حبالته أو لاستيجاب المهر عليه بنكاح مستأنف تحرم على زوجها فتجبر على الإسلام ولكل قاض

Marfat.com

أن يجدد النكاح بأدنى شيء ولو بدينار سخطت أو رضيت وليس لها أن تتزوج إلا بزوجها قال الهندواني آخذ بهذا قال أبو الليث وبه نأخذ كذا في التمرتاشي۔

وفی الدرالمختار(۱۹۴/۳): (لو ارتدت)۔۔۔ وصرحوا بتعزيرها خمسة وسبعين وتجبر على الإسلام وعلى تجديد النكاح زجرا لها بمهر يسير كدينار وعليه الفتوى ولو الجية۔

وفی الشامیةتحته:قوله (وتجبر) أي بالحبس إلى أن تسلم أو تموت قوله (وعلى تجديد النكاح) فلكل قاض أن يجدده بمهر يسير ولو بدينار رضيت أم لا وتمنع من التزوج بغيره بعد إسلامها ولا يخفى أن محله ما إذا طلب الزوج ذلك أما لو سكت أو تركه صريحا فإنها لا تجبر وتزوج من غيره لأنه ترك حقه۔

(۲۲۱) ارتداد سے قتل میں مرد اور عورت میں فرق کی وجہ

سوال

عورت مرتدہ ہوجائے یا قادیانی بن جائے تو اسے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ ایک عزیز بتا رہے تھے کہ قتل صرف مرد ہوگا، عورت کو صرف قید کیا جائے گا یہ کیا بات ہوئی مرد ہی کیوں قتل ہوگا؟ رجم کوڑے وغیرہ تو غالباً یکساں ہیں تو ارتداد تو زیادہ خطرناک ہے پھر کیا وجہ ہے کہ عورت میں تفریق کی جائے کوئی نص ہے یا خالی اجتہاد ہے فقہاء نے بیان کیا ہے یا اس شخص نے اپنی طرف سے مسئلہ نکالا ہے؟ مفتی صاحب مسئلہ کا مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت اگر مرتدہ ہوجائے یا قادیانی بن جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ دوبارہ اسلام قبول کرلے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا کہ جو کوئی مرد اسلام سے مرتد ہوجائے تو اس کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ توبہ کرلے تو قبول کرلو اور اگر انکار کرے تو اس کی گردن اڑا دو اور جو کوئی عورت اسلام سے مرتد ہوجائے تو اس کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ توبہ کرلے تو قبول کرلو اور اگر انکار کرے تو اس سے توبہ طلب کی جائے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرتدہ عورت سے توبہ طلب کی جائے گی اس کو قتل نہیں کیا جائے گا لہٰذا ان نصوص کی بنیاد پر مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جاتا البتہ اگر مرتدہ عورت فساد کا باعث بن رہی ہو اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بن رہی ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا بالکل اسی طرح جس طرح جنگ میں فسادی کافرہ عورت کو قتل کرنا جائز ہے۔

دوسری بات یہ کہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء ہے اب مرد ہو یا عورت اس کے کفر کی اصل سزا تو اللہ تعالیٰ ہی آخرت

Marfat.com

میں دیں گے البتہ مرد اگر مرتد ہو جائے تو اس کو اس وجہ سے قتل کیا جاتا ہے تا کہ اس کے شر کو ختم کیا جا سکے جو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ یہ مرتد ہو کر مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی اور فساد برپا کرے گا اور عورت کے اندر عموماً یہ صفت معدوم ہوتی ہے لہٰذا اس کو قتل نہیں کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ رجم اور کوڑے وغیرہ میں دونوں کا حکم یکساں ہے کیونکہ یہ اس وجہ سے مشروع ہیں کہ ان کے جرم کی وجہ سے جس شر نے جنم لیا ہے اس کو ختم کیا جا سکے مثلاً قصاص اس لئے مشروع ہے تا کہ انسانی نفوس کی حفاظت ہو سکے، رجم اس لئے مشروع ہے تا کہ نسب کی حفاظت ہو سکے، کوڑے اس لئے مشروع ہیں تا کہ لوگوں کی عزتیں محفوظ ہو جائیں اور ان وجوہات میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں لہٰذا کوڑوں کی سزا ہو یا قصاص وغیرہ کے معاملات ان میں دونوں یکساں ہیں نیز شریعت میں مطلقاً عورت کو قتل کرنا ممنوع ہے چاہے وہ کافرہ ہو یا مرتدہ حالتِ جنگ میں بھی اُن کو قتل سے منع کیا گیا ہے۔

لمافی المعجم الكبير (۵۴/۲۰): عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له حين بعثه الى اليمن أيما رجل ارتد عن الاسلام فادعه فان تاب فاقبل منه وان لم يتب فاضرب عنقه، و أيما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها فان تاب فاقبل منها وان ابت فاستتبها۔

وفی اعلاء السنن (۶۱۲/۱۲) باب لا تقتل المرأة المرتدة (ط ادارة القرآن): عن خلاس بن عمرو عن علی قال المرتدة تستتاب ولا تقتل۔

وفيه أيضاً (۶۱۶): النهى عن قتل النساء مطلق يعم الكافرة أصليا وعارضا وثبت تعليله صلى الله عليه وسلم بالعلة المنصوصة فى الحديث من عدم حرابها بقوله ما كانت هذه لتقاتل فكان مخصصا لعموم مارواه الشافعى من قوله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه بعد أن عمومه مخصص بمن بدل دينه من الاسلام الى الكفر وأيضا فيه فان الأصل تأخير الأجزية إلى دار الآخرة وإنما عدل عنه دفعا لشر ناجز لمصالح تعود إلينا فى هذه الدار كالقصاص وحد القذف والشرب والزنا والسرقة شرعت لحفظ النفوس والأعراض والعقول والأنساب والأموال فكذا يجب فى القتل بالردة أن يكون لدفع شر حرابه لاجزاء على فعل الكفر لأن جزائه أعظم من ذلك عند الله فيختص بمن يتأتى منه الحراب وهو الرجل ولهذا نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن قتل النساء وعلله بأنها لم تكن تقاتل على ما صح من الحديث ولهذا قلنا لو كانت المرتدة ذات رأى وتبع تقتل لالردتها بل لأنها حينئذ تسعى فى الأرض بالفساد۔

وفی الدرالمختار (۲۵۳/۴) باب المرتد (ط سعيد): (والمرتدة) ولو صغيرة او خنثى بحر (تحبس) ابدا ولا تجالس ولا تواكل حقائق (حتى تسلم ولا تقتل)۔

Marfat.com

(۲۲۲) ممانی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ایک مامون ہیں جنھوں نے مجھے بچپن سے پالا پوسہ اوراب میں جوان ہو چکا ہوں اچانک کچھ عرصہ پہلے میرے ماموں کا انتقال ہوگیا۔ان کی بیوی کی عمر تو زیادہ ہوگئی ہے لیکن دیکھنے میں جوان معلوم ہوتی ہیں تو میرے خاندان کے کچھ لوگوں نے کہا کہ تم اس بیوہ کا سہارا بن جاؤ اوران سے نکاح کرلو۔میں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے انہوں نے تو مجھے بچپن سے پالا پوسہ ہے اوراب میں ان سے نکاح کرلوں بہرحال میں بہت پریشان ہوں۔یہ یاد رہے کہ میں نے ممانی کا دودھ نہیں پیا۔اب آپ حضرات بتائیں کہ میں اپنی ممانی سے نکاح کرسکتا ہوں اورشریعت مطہرہ اس کی اجازت دیتی ہے کہ جس کی گود میں آپ جوان ہوں اسی سے نکاح کرلیں اورنکاح کے وقت عمر کا لحاظ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کی ممانی نے چونکہ آپ کو بچپن سے پالا پوسہ ہے اب آپ کا انہی سے نکاح کرنا ایک گونہ بہتر نہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے مصالح نکاح حاصل نہ ہو پائیں گے البتہ شریعت کی نظر میں ممانی سے نکاح درست ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو (رضاعت وغیرہ) لہٰذا اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً فتنہ کا اندیشہ ہو (یعنی ان کے زنا میں مبتلاء ہونے کا خطرہ ہو) اور کوئی ان سے نکاح کرنے والا نہ ہو وغیرہ وغیرہ تو ایسی صورت میں آپ کو ان سے نکاح کرلینا چاہیئے ورنہ احتراز بہتر ہے۔

لمافی المشکوۃ (۲/۲۷۵) کتاب النکاح: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال : حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع ثم قرأ: (حرمت عليكم أمهاتكم) الآية۔

وفی الدرالمختار (۳/۲۸): فصل في المحرمات أسباب التحريم أنواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك إدخال أمة على حرة فهي سبعة ۔۔۔ (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة مذكورة في آية {حرمت عليكم أمهاتكم} ويدخل عمة جده وجدته وخالتهما الأشقاء وغيرهن وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى {وأحل لكم ما وراء ذلكم}۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۹/۶۷۵۵) الکفاءۃ فی النکاح، المبحث الخامس: هذه هي خصال الكفاءة،

Marfat.com

أما ماعداها كالجمال والسن والثقافة والبلد والعيوب الأخرى غير المثبتة للخيار في الزواج كالعمى والقطع وتشوه الصورة، فليست معتبرة، فالقبيح كفء للجميل، والكبير كفء للصغير، والجاهل كفء للمثقف أو المتعلم، والقروي كفء للمدني، والمريض كفء للسليم لكن الأولى مراعاة التقارب بين هذه الأوصاف وبخاصة السن والثقافة لأن وجودهما أدعى لتحقيق الوفاق والوئام بين الزوجين، وعدمهما يحدث بلبلة واختلافاً مستعصياً، لاختلاف وجهات النظر، وتقديرات الأمور، وتحقيق هدف الزواج، وإسعاد الطرفين.

(۲۲۳) منہ بولی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اور عمر دونوں دوست ہیں لیکن بھائیوں کی طرح رہتے ہیں ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے ہیں ایک مرتبہ زید نے عمر سے کہا کہ عمر کی ماں میری ماں ہے اور اس کی بہن میری بہن ہے۔ کیا اب زید کی شادی عمر کی بہن سے ہوسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کا عمر کی بہن سے شادی کرنا بالکل جائز ہے کیونکہ منہ بولی بہن، شرعی محرمات کے حکم میں نہیں ہوتی لہٰذا وہ سگی بہن نہیں ہوگی نیز اس سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

لمافی القرآن الكريم (الأحزاب:۳۷): فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا۔ وَكَانَ اَمْرُ اللهِ مَفْعُوْلًا۔

وفی حاشية الطحطاوی (۱۴/۲): لقوله تعالىٰ "وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم" وذكر الاصلاب لاسقاط اعتبار التبنى لا لاحلال حليلة الابن من الرضاء والدليل على ذلك ان التبنى انتسخ لقوله تعالىٰ ادعوهم لآبائهم۔

وفی الشامية (۳۱/۳): وذكر الأصلاب لإسقاطه حليلة الابن المتبنى لا لإحلال حليلة الابن رضاعا فإنها تحرم كالنسب بحر وغيره۔

Marfat.com

(۲۲۴) چچا کی پوتی سے نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اپنے سگے چچا کی پوتی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، آیا زید اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے؟ واضح رہے کہ خود یہ لڑکی زید کو چچا جان کہہ کر پکارتی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کا اپنے سگے چچا کی پوتی سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ کسی کو چچا ماموں وغیرہ کے ناموں سے پکارنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

لما فی القرآن المجید (النساء:۲۳): وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ۔

وفیه أیضاً: وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ۔

وفی الدرالمختار (۳/۳۰): وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى { وأحل لكم ما وراء ذلكم }۔

(۲۲۵) نانی کی بہن کی بیٹی سے شادی کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام یاسر شیخ ہے۔ میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ پر مسئلہ یہ ہے کہ وہ لڑکی میری رشتہ میں دور کی خالہ لگتی ہے یعنی وہ میری نانی کی سب سے چھوٹی بہن کی بیٹی ہے۔ آیا وہ میرے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نانی کی بہن کی بیٹی یہ محرمات میں داخل نہیں ہے البتہ نانی کی بہن محرمات میں داخل ہے لہٰذا نانی کی بہن کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (الاحزاب:۵۰): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ

Marfat.com

وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ۔

وفی ردالمحتار(۲۸/۳): وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح۔

(۲۲۶) نانی کی دوسرے شوہر سے ہونے والی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے نانا کی دوسری بیوی (یعنی کہ میری سوتیلی نانی نے دوسری جگہ شادی کرلی میرے نانا کے انتقال کے بعد اب ان کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے اور کافی بڑی ہوگئی ہے اور اس ہمارے گھر بھی آنا جانا رہتا ہے اور مذاق وغیرہ بھی چلتا ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا میرا اس لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے، حالانکہ یہ میری سوتیلی خالہ ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کی سوتیلی نانی کی لڑکی نہ تو آپ کے نانا کی اولاد ہے اور نہ آپ کا اس سے کوئی خونی رشتہ ہے اس لئے یہ لڑکی آپ کیلئے نامحرم ہے آپ کا اس سے نکاح کرنا جائز ہے چونکہ یہ آپ کیلئے نامحرم ہے اس لئے آپ کا نکاح سے پہلے اس سے ملنا اور مذاق وغیرہ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النسآء:۲۴): وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفی الهندية (۲۷۷/۱): لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا في محيط السرخسي اهـ

(۲۲۷) سابقہ شوہر کے بھانجے اور بھتیجی کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کو طلاق دی گئی اب اس کے سابقہ شوہر کا بھانجا اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کیا اس کیلئے نکاح کرنا جائز ہے؟ نیز چچی یا چچی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ مطلقہ عورت اپنے سابقہ شوہر کے بھانجے کے محارم میں سے نہیں ہے اسی طرح چچی اور اس کی بہن بھی محارم نہیں لہٰذا ان سے نکاح کرنا جائز ہے البتہ چچی کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ وہ چچا کے عقد میں نہ ہو، اسی طرح حرمت کا کوئی اور سبب موجود نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی صورت ہو تو چچی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

لمافی قوله تعالیٰ (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الاَخِ۔الآية۔

وفی صحیح البخاری(۷۶۵/۲): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ حرم من النسب سبع، ومن الصهر سبع ثم قرأ: {حرمت عليكم أمهاتكم} ۔

وفی الهندية (۲۸۰/۱): لايجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا فی السراج۔

وفی الدر المختار (۲۸/۳): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة مذكورة في آية {حرمت عليكم أمهاتكم} ۔

(۲۲۸) بیٹی کا نکاح رشتے کے پوتے سے کرنا جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا چچازاد بھائی ہے اسکا لڑکا رشتہ کے اعتبار سے میرا بھتیجا ہوا میں اس کا چچا، اس لڑکے کا بیٹا رشتہ کے اعتبار سے میرا پوتا ہوا میں اس کا دادا۔ کیا میں اپنی لڑکی کا رشتہ اس لڑکے سے (یعنی جو میرا پوتا بنتا ہے) کرسکتا ہوں کیونکہ رشتہ کے اعتبار سے میری بیٹی اس لڑکے کی پھوپھی ہوئی۔ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ نیز میری اہلیہ اور میرے بھتیجے کی اہلیہ بھی آپس میں دونوں بہنیں ہیں یعنی جس لڑکے کو میں اپنی بیٹی دینا چاہتا ہوں اس کی ماں میری اہلیہ کی بہن ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں آپ نے جس لڑکے کا ذکر کیا ہے اس کے آپ حقیقی اور صلبی دادا نہیں ہیں بلکہ وہ آپ کے چچا کے بیٹے کا پوتا ہے لہٰذا آپ اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کرسکتے ہیں نکاح کی ممانعت اپنے حقیقی اور صلبی پوتے کے ساتھ خاص ہے۔

لمافی الشامية (۲۸/۳) كتاب النكاح فصل المحرمات: قوله (قرابة) كفروعه وهم بناته وبنات

Marfat.com

أولاده وإن سفلن وأصوله وهم أمهاته وأمهات أمهاته وآبائه وإن علون وفروع أبويه وإن نزلن فتحرم بنات الإخوة والأخوات وبنات أولاد الأخوة والأخوات وإن نزلن وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح۔

(۲۲۹) پہلی بیوی کی لڑکی سے بیٹے کے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے ایک عورت زینب سے نکاح کیا اور شب زفاف بھی ہوا پھر زید نے زینب کو طلاق دے دی زینب نے خالد سے نکاح کرلیا اور خالد سے زینب کو ایک لڑکی ہوئی اور زید نے ہندہ سے نکاح کرلیا اور ہندہ سے زید کو ایک لڑکا ہوا اب زید یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا جو زینب سے نہیں بلکہ ہندہ سے ہے کا نکاح زینب کی لڑکی [جو دوسرے شوہر سے ہے] سے کردے۔ زید کی سابقہ بیوی زینب کی لڑکی کا نکاح زید کی موجودہ بیوی کے لڑکے کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کی سابقہ بیوہ زینب کی لڑکی کا نکاح زید کی موجودہ بیوی ہندہ کے لڑکے کیساتھ جائز ہے۔

لمافی الهندية (۲۸۸/۱): لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها كذا في محيط السرخسي۔

وفی الشامية كتاب النكاح فصل فی المحرمات (۳۱/۳): قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه حلال) وكذا بنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۲۳۰) باپ شریک بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے شادی کی اور عرصہ آٹھ ماہ میں اس کا انتقال

Marfat.com

ہوگیا۔اس کے انتقال کے وقت اس کی بیوی نے اعلان کیا کہ اس سے مجھے حمل ہے اس کے بعد اس نے وضع حمل کے بعد اپنے خاوند کے بھائی سے نکاح کرلیا اس سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی اور یہ اس کو دودھ پلاتی رہی اب وہ بچی جوان ہوچکی ہے اور اس کے خاوند نے بعد میں دوسری شادی کی اور اس کی دوسری بیوی سے ایک لڑکا ہے۔اب وہ شوہر اس بچی کی شادی اس لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔آیا یہ نکاح ہوجائے گا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر لڑکی سے مراد وہ ہے جو کہ عورت کے پہلے شوہر سے ہے تو اس صورت میں اس لڑکی کا اس لڑکے سے [جو کہ دوسرے شوہر کی دوسری بیوی سے ہے] نکاح درست ہوگا کیونکہ ان میں حرمت کا کوئی سبب موجود نہیں اور اگر لڑکی سے دوسرے شوہر (میت کے بھائی) کی بیٹی جو کہ اس بیوہ سے ہوئی مراد ہے تو اس صورت میں اس لڑکی اور دوسری بیوی کے لڑکے کا آپس میں نکاح کرنا یا باپ کا ان کا نکاح کرانا ناجائز وحرام ہے کیونکہ یہ دونوں باپ شریک بہن بھائی ہیں اور اخوت کے رشتے کی بنا پر ایک دوسرے کے لئے محرم ہیں۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی عمدة القاری (۱۰۰/۲۰) باب مایحل من النساء وما یحرم الخ: الثالثه الاخوات والمراد الشقیقات وغیرهن من الاباء والأمهات الخ)

وفی الدرالمختار(۲۸/۳) فصل فی المحرمات: (حرم) علی المتزوج ذکرا کان أو أنثی نکاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخیه وأخته وبنتها) ولو من زنی (وعمته وخالته) فهذه السبعة۔

(۲۳۱) دو سگے بہن بھائی اپنے بچوں کا رشتہ آپس میں کرا سکتے ہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو سگے بہن بھائی ہیں وہ اپنے بچوں کا رشتہ آپس میں

Marfat.com

کروانا چاہتے ہیں یعنی بہن اپنی لڑکی کا رشتہ اپنے سگے بھائی کے لڑکے کو دینا چاہتی ہے، تو آیا شریعت کی نگاہ میں یہ رشتہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز میں نے سنا ہے کہ اس طرح نکاح سے بچے معذور پیدا ہوتے ہیں۔ براہ کرم جواب عنایت فرما کر مشکور و ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت اپنی لڑکی کا رشتہ اپنے سگے بھائی کے لڑکے کو دے سکتی ہے اور شریعت میں دونوں کا آپس میں نکاح جائز ہے بشرطیکہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان رضاعی رشتہ نہ ہو، باقی یہ کہنا کہ اس طرح کے نکاح سے بچے معذور پیدا ہوتے ہیں درست نہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے نیز اس طرح کے نکاح قرونِ اولیٰ سے ہوتے آئے ہیں لہٰذا انہیں کسی بدشگونی کا باعث سمجھنا درست نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (الاحزاب: ۵۰): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ...

وفی الدرالمختار (۳/۳۰) فصل فی المحرمات: وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى { وأحل لكم ما وراء ذلكم }۔

(۲۳۲) خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ خالہ کے ساتھ جس طرح نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح خالہ کی بیٹی کے ساتھ بھی نکاح کرنا درست نہیں میں نے اس سے کہا کہ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ صرف خالہ کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز وحرام ہے اس کی بیٹی سے کوئی حرج نہیں لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ مہربانی فرما کر تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں تاکہ ہمارا آپس کا تنازعہ ختم ہوجائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے خالہ کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے البتہ خالہ کی بیٹی سے نکاح کرنا درست ہے جیسا کہ پھوپھی کے ساتھ نکاح حرام ہے لیکن پھوپھی کی بیٹی سے نکاح درست ہے کیونکہ خالہ کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی محرمات میں شامل نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (الاحزاب: ۵۰): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ

Marfat.com

خَالاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ۔

وفی الشامیة (۲۸/۳) (کتاب النکاح، فصل فی المحرمات): قوله (قرابة) کفروعه وهم بناته وبنات أولاده وإن سفلن۔۔۔ وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح۔

(۲۳۳) باپ کی چچازاد بہن سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنے باپ کی چچازاد سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا شرعاً نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس شخص کیلئے اپنے والد کی چچازاد بہن سے نکاح کرنا جائز ہے ان کے درمیان محرمیت کا کوئی رشتہ نہیں۔

لمافی الدرالمختار (۳۰/۳): وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى { وأحل لكم ما وراء ذلكم }۔

وفی الرد تحته: قوله (وأما عمة عمة أمه الخ) قال في النهر وأما عمة العمة وخالة الخالة فإن كانت العمة القربي لأمه لا تحرم۔۔۔ وأخت زوج الأم لا تحرم فأخت زوج الجدة بالأولى۔

(۲۳۴) وٹہ سٹہ کے نکاح سے ہونے والے بچوں کا آپس میں نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے عمر کی بہن سے نکاح کیا ہے اور عمر نے زید کی بہن سے نکاح کیا ہے، اور ان دونوں کی اولاد بھی ہے۔ اب زید اور عمر و اپنی اولاد کا ایک دوسرے سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آیا ان کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ان دونوں کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہے۔

Marfat.com

لمافی الدرالمختار (۲۸/۳): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل(وبنت أخيه وأخته وبنتها)ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعةمذكورة في آية {حرمت عليكم أمهاتكم}۔

(۲۳۵) دوطلاق والی عورت سے بعد از عدت دوبارہ نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دوطلاق دی تھیں اس عورت کی عدت گزر گئی بلکہ کافی سال گزر چکے ہیں اب یہ دونوں دوبارہ آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوسکتا عدت کے بعد یہ عورت ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی ازراہِ کرم مسئلہ کا حکم بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر اس شخص نے اپنی بیوی کو دوطلاقیں ہی دی ہوں تو عدت گزرنے کے بعد بھی یہ شخص دوبارہ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے اس عورت کو حرام کہنا درست نہیں البتہ اب اس شخص کو صرف ایک طلاق دینے کا حق رہے گا اگر ایک طلاق نکاح کے بعد دے دی تو یہ عورت ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے گی۔

لمافی الهندية (۴۷۲/۱):فصل فيما تحل به المطلقةوما يتصل به إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية۔

(۲۳۶) بھائی کی ربیبہ (سوتیلی بیٹی) سے نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے ایک بیوہ سے شادی کی اور اس بیوہ کی پہلے شوہر سے ایک لڑکی بھی ہے جو کہ زید ہی کے گھر میں رہتی تھی اب زید کا بھائی اس لڑکی کیساتھ شادی کرنا چاہتا ہے آیا زید کے بھائی کیلئے اس لڑکی کی ساتھ شادی کرنا فقہ حنفی کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں زید کے بھائی کے لئے زید کی ربیبہ کے ساتھ نکاح درست ہے کیونکہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ ..... إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

(۲۳۷) حق زوجیت ادا کرنے سے پہلے اپنی ربیبہ سے نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے اس نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی اور اس بیوہ کی ایک لڑکی ہے اب جب میرے دوست نے اس بیوہ سے نکاح کیا تو کچھ عرصہ کے بعد اس بیوہ سے ناچاقی ہوئی اور بات طلاق تک آ گئی۔ اب میرا دوست چاہتا ہے کہ اس بیوہ کو طلاق دے دے اور اس کا اس بیوہ کی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اب جب مجھ سے اس نے یہ کہا کہ میں اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو میں بہت پریشان ہوا کہ یہ تو اسی کی بھی بیٹی لگتی ہے بہرحال تسلی کرنے کے لئے میں یہ مسئلہ آپ سے پوچھ رہا ہوں برائے مہربانی مفتی صاحب آپ ہی اس مسئلہ کا حل تجویز فرمائیں کہ آیا میرے دوست کا اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر آپ کے دوست نے اس بیوہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد حق زوجیت بھی ادا کیا تو اس صورت میں ربیبہ یعنی اس کی بیٹی (جو پہلے خاوند سے ہے) کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ بصورت دیگر اگر حق زوجیت ادا نہیں کیا تو اس بیوہ کو طلاق دینے کے بعد اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النسآء:۲۳) : حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ ..... وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی الشامیة (۳/۳۰): قوله (بنت زوجته الموطوءة) أي سواء كانت في حجره أي كنفه ونفقته أو لا ذكر الحجر في الآية خرج مخرج العادة أو ذكر للتشنيع عليهم كما في البحر واحترز بالموطوءة عن غيرها فلا تحرم بنتها بمجرد العقد وفي ح عن الهندية أن الخلوة بالزوجة لا تقوم مقام الوطء في تحريم بنتها اه قلت لكن في التجنيس عن أجناس الناطفي قال في نوادر أبي يوسف إذا خلا بها في

Marfat.com

صوم رمضان أو حال إحرامه لم يحل له أن يتزوج بنتها وقال محمد يحل فإن الزوج لم يجعل واطئا حتى كان لها نصف المهر اه وظاهره أن الخلاف في الخلوة الفاسدة أما الصحيحة فلا خلاف في أنها تحرم البنت تأمل وسيأتي تمام الكلام عليه في باب المهر عند ذكر أحكام الخلوة ويشترط وطؤها في حال كونها مشتهاة۔

وفيه ايضاً (۳/۳۱):قوله(وفي الكشاف الخ) تبع في النقل عنه صاحب البحر ولا يخفى أن المتون طافحة بأن اللمس ونحوه كالوطء في إيجابه حرمة المصاهرة من غير اختصاص بموضع دون موضع لكن لما كانت الآية مصرحة بحرمة الربائب بقيد الدخول وبعدمها عند عدمه كان ذلك مظنة أن يتوهم أن خصوص الدخول هنا لا بد منه وأن تصريحهم بأن اللمس ونحوه يوجب حرمة المصاهرة مخصوص بما عدا الربائب۔

(۲۳۸) سوتیلے باپ کی بہن (سوتیلی پھوپھی) کے ساتھ نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کے والد کے انتقال کے بعد زید کی والدہ نے خالد سے نکاح کرلیا، اب زید خالد کی بہن (سوتیلی پھوپھی) کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کی والدہ کا نکاح ہونے کی وجہ سے خالد کی بہن زید کیلئے محرم نہیں بنتی لہٰذا نامحرم ہونے کی وجہ سے زید اپنے سوتیلے والد کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔

لمافی القرآن المجید(النسآء:۲۳) : وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی التاتارخانية (۳/۲): ولو جاز لواحد منهما ان يتزوج الاخرى فالجمع جائز كالجمع بين المرأة وابنة زوج كان لها من قبل۔

وفی الشامية (۳/۳۱):قوله(وأما بنت زوجة أبيه أوابنه حلال)وكذابنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

Marfat.com

(۲۳۹) سگے اور سوتیلے میں فرق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے سگے اور سوتیلے کا فرق معلوم کرنا ہے ماں کی باپ شریک بہن سوتیلی کہلائے گی یا حقیقی خالہ؟ اور ماں کے بجائے باپ نے دوسری شادی کی ہو تو اس دوسری ماں کی بہن آنٹی کہلائے گی یا سوتیلی خالہ؟ ہم نے کہیں پڑھا کہ یہ دوسری سوتیلی خالہ ہے اور پہلی سوتیلی نہیں وہ حقیقی ہے میں بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہمارے ہاں تو پہلے کو سوتیلی اور دوسری کو آنٹی کہتے ہیں۔ نیز شرعی احکام کے اعتبار سے دونوں قسم کی عورتوں میں کوئی فرق ہو تو اسے بھی تحریر فرمادیں، ازراہ کرم عرف اور شرع دونوں کے اعتبار سے مسئلے کی مدلل وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک ہی ماں باپ کی اولاد آپس میں اور والدین کے اعتبار سے سگی اور حقیقی کہلائی جاتی ہے لیکن اگر ماں ایک ہو باپ الگ الگ ہوں یا اس کے برعکس ہو تو ایسی اولاد آپس میں اور والدین کے اعتبار سے سوتیلی کہلائی جاتی ہے۔ یہاں پر "سوتیلے" کا اطلاق سگے اور حقیقی کے مقابلے میں کردیا گیا یعنی وہ سوتیلا مراد ہے جس کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں خونی تعلق قائم ہو۔

اس کے علاوہ "سوتیلے" کا اطلاق عرف کے اعتبار سے بعض دفعہ ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے جن کے ساتھ خونی رشتہ داری نہیں ہوتی، لیکن یاد رکھیں! کہ شریعت نے صرف پہلی قسم کے سوتیلوں کا اعتبار کیا ہے، دوسری قسم کے سوتیلوں پر سوتیلے کا اطلاق صرف عرفاً ہے شریعت نے ان سوتیلوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا ہے نیز اردو لغات میں بھی صرف پہلی قسم یعنی خونی رشتے والے سوتیلے کو ہی سوتیلا کہا گیا ہے دوسری قسم کو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے نکاح، میراث وغیرہ کے اعتبار سے دونوں قسم کے سوتیلوں میں فرق کیا ہے۔ پہلی قسم کے سوتیلوں [یعنی جو ماں یا باپ شریک ہوں] کے احکام، سگے اور حقیقی رشتہ داروں کے احکام کی طرح ہیں جبکہ دوسری قسم کے سوتیلوں کے احکام، اجنبی اور پرائے لوگوں کے احکام کی طرح ہیں، چنانچہ جس طرح سگی اور حقیقی خالہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، ایسے ہی سوتیلی خالہ (یعنی ماں کی باپ شریک یا ماں شریک بہن) کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں کیونکہ یہاں پر مذکور خالہ کے ساتھ کسی حد تک خونی رشتہ داری قائم ہے اس کے برعکس جس طرح کسی اجنبی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے ایسے ہی اپنے باپ کی دوسری بیوی کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ عرفاً بعض لوگ اس کو بھی سوتیلی خالہ کہہ دیتے ہیں لیکن خونی رشتہ داری نہ ہونے کی وجہ سے درحقیقت یہ سوتیلی ہے ہی نہیں۔ اس لئے شریعت نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دے دیا۔

سوتیلے کی مذکورہ دونوں قسموں میں فرق کی وضاحت "فتاویٰ محمودیہ" میں مذکورہ بعض جزئیات سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں باپ کی دوسری بیوی کی بہن کو خالہ ہونے سے خارج کردیا ہے۔ چنانچہ [۱۱/۲۷۱] پر مذکور ہے "خالہ سے نکاح حرام ہے مگر خالہ وہ ہے جو حقیقی

Marfat.com

والدہ کی بہن ہو، سوتیلی والدہ، والد کی دوسری بیوی کی جو بہن ہے وہ خالہ نہیں اس سے نکاح حرام نہیں....."

لہٰذا صورت مسئولہ میں ماں کی باپ شریک بہن لغۃً اور شرعاً سوتیلی خالہ ہے۔ اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن باپ کی دوسری بیوی کی بہن لغوی اور شرعی اعتبار سے نہ حقیقی خالہ ہے اور نہ سوتیلی خالہ، اس لئے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ عرف میں ان کو بھی سوتیلی خالہ کہہ دیتے ہیں لیکن شرعاً یہ معتبر نہیں۔ باقی رہا بعض لوگوں کا باپ کی دوسری بیوی کی بہن کو "آنٹی" کہنا، تو دراصل "آنٹی" انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ انگریزی زبان میں اس کا اطلاق پھوپھی، خالہ، چچی، ممانی سب پر برابر ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی عرف کی وجہ سے ان کو "آنٹی" کہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ اردو زبان میں "خالہ" کا لفظ، کہ بعض دفعہ ان عورتوں کو احتراماً خالہ کہہ دیا جاتا ہے جو ماں کے درجے میں ہوں اگرچہ ان سے دور کا رشتہ بھی نہ ہو۔

لمافی لسان العرب "شقق" (۱۸۳/۱۰): وشقيق الرجل اخوه لامه وأبيه۔ وفيه الحديث انتم اخواننا وأشقاءنا۔

وفی المعجم الوسيط فی "شق" (۴۸۹): الشقيق: الأخ من الأب والأم (ج) اشقاء۔

الشقيقة: الاخت من الاب والام..... (ج) شقائق۔

وفی قاموس الاضداد(۲۰۲): العلات: الاخياف، الاعيان۔

وفی فيروز اللغات الاردو (س ۔ گ) (۸۰۴/۲): سگا: (س۔گا) ایک ماں باپ کا۔ ایک خون۔ حقیقی۔ بہت قریبی۔ اپنا۔ یگانہ.....الخ

وفيه أيضاً (س ۔ و) (۸۱۸/۲): سوتیلا: (سو۔تے۔لا) سوت یا سوکن سے تعلق رکھنے والا۔ اولاد، بھائی، بہن یا ماں باپ جو اصلی نہ ہوں۔

وفی الهندية كتاب النكاح الباب الثالث فی بيان المحرمات (۲۷۳/۱): القسم الأول المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات والخالات وبنات الأخ وبنات الأخت فهن محرمات نكاحا ووطئا ودواعيه على التأبيد ۔۔۔ وأما الخالات فخالته لأب وأم وخالته لأب وخالته لأم وخالات آبائه وأمهاته۔

وفی الدر المختار كتاب النكاح فصل فی المحرمات (۳۰/۳): وأما عمة عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته لقوله تعالى { وأحل لكم ما وراء ذلكم }۔

Marfat.com

(۲۴۰) لڑکی کا اپنی سوتیلی دادی کے بیٹے کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ لڑکی اپنی سوتیلی دادی کے بیٹے (جو کہ رشتے میں اس لڑکی کا چچا کہلاتا ہے) کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی مفصل ومدلل تحقیق سے بمع دلائل کی نشاندہی کے مطلع فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مستفتی نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ لڑکی کی سوتیلی دادی کا بیٹا (جو کہ رشتہ میں اس لڑکی کا چچا کہلاتا ہے) یہ اپنے سگے دادا سے ہے یعنی اپنے دادا کا بیٹا ہے یا کسی اور کا۔ اس اعتبار سے مسئلے کی دو صورتیں بنیں گی اور دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔

صورت نمبر (۱): لڑکی کی سوتیلی دادی کا بیٹا اس کے اپنے دادا کا بیٹا ہو اس صورت میں حکم یہ ہوگا کہ لڑکی کیلئے اپنے سوتیلی دادی کے بیٹے سے نکاح حرام ہے۔ کیونکہ سوتیلی دادای کا بیٹا اس صورت میں لڑکی کے والد کا (باپ شریک) بھائی ہے اس کو شریعت کی اصطلاح میں علاتی چچا کہا جاتا ہے اور علاتی چچا کے ساتھ نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

صورت نمبر (۲): لڑکی کی سوتیلی دادی کا یہ بیٹا لڑکی کے دادا سے نہ ہو بلکہ کسی اور شخص سے ہو اس طور پر کہ سوتیلی دادی کا نکاح پہلے کسی اور سے تھا اور اس شخص سے اس کا ایک بیٹا ہوا پھر اُس شخص نے اس عورت (یعنی لڑکی کی سوتیلی دادی) کو طلاق دیدی یا وہ شخص فوت ہوگیا پھر اس کے بعد اس عورت نے لڑکی کے دادا سے نکاح کیا تو اب لڑکی کا اس سوتیلی دادی کے بیٹے سے نکاح جائز ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ لڑکی کا چچا نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ الآية

وفی البدائع (۲/۲۵۷): وتحرم عليه أخواته وعماته وخالاته بالنص وهو قوله عز وجل { وأخواتكم وعماتكم وخالاتكم } سواء كن لأب وأم أو لأب أو لأم لإطلاق اسم الأخت والعمة والخالة۔

وفی الشامیة (۳/۲۸-۲۹): (حرم على المتزوج) أي مريد التزوج وقوله ذكرا كان أو أنثى بيان لفائدة إرجاء الضمير إلى المتزوج الشامل لهما لا إلى الرجل فإن ما يحرم على الرجل يحرم على الأنثى إلا ما يختص بأحد الفريقين بدليله فالمراد هنا أن الرجل كما يحرم عليه تزوج أصله أو فرعه كذلك يحرم على المرأة تزوج أصلها أو فرعها وكما يحرم عليه تزوج بنت أخيه يحرم عليها

Marfat.com

تزوج ابن أخيها وهكذا فيؤخذ في جانب المرأة نظير ما يؤخذ في جانب الرجل لا عينه۔

(۲۴۱) بہن کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بہن کی شادی ایک شادی شدہ مرد سے ہوئی جس کی ایک بیٹی پہلی بیوی سے ہے۔ آیا میرے لئے اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپ کی بہن کا نکاح ہونے کی وجہ سے یہ لڑکی محرم نہیں بنتی لہٰذا غیر محرم ہونے کی وجہ سے اس سے آپ کا نکاح جائز ہے۔

لمافی القرآن المجید (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ ..... وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی الهدایه (۳۰۹/۲): ولا بأس بان يجمع بين امرأة وبنت زوج كان لها من قبل لانه لاقرابة بينهما ولارضاء وقال زفر لا يجوز ۔۔۔ قلنا امرأة الاب لو صورتها ذكرا جاز له التزوج بهذه والشرط ان يصور ذلك من كل جانب۔

وفی الشامیة (۳۱/۳):قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه حلال) وكذا بنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۲۴۲) سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے نیز نکاح میں شرطِ فاسد لگانا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عمران کا انتقال ہو چکا ہے اس نے دو بیویاں چھوڑیں کیا اب عمران کا داماد اپنی سوتیلی ساس سے نکاح کرسکتا ہے یا حرمت مصاہرت کی بنا پر نہیں کرسکتا کیونکہ میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ اپنی

Marfat.com

سوتیلی ساس سے نکاح کرسکتا ہے۔ نیز نکاح میں جو شرائط رکھی جاتی ہیں مثلاً حق مہر دس ہزار روپے کے علاوہ یہ شرط رکھی کہ اگر تم نے بیوی کو طلاق دے دی تو تین تولے سونا دینا ہوگا ان شرائط کا شرعاً کیا حکم ہے؟

میں نے اپنی بیوی کو ہمبستری سے قبل طلاق دے دی ہے کیا مجھ پر ان شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے۔ یعنی جس طرح ہمبستری سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں آدھا مہر دیا جاتا ہے تو کیا شرائط میں جو چیزیں تھیں ان میں سے بھی آدھی چیزیں دینی پڑیں گی اور شرط کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے اگر کوئی نہ کرے تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

داماد اور سوتیلی ساس کے درمیان حرمت مصاہرت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں عمران کا داماد اپنی سوتیلی ساس سے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کرسکتا ہے۔ نیز عقد نکاح میں شرط فاسد معتبر نہیں لیکن ایسی شرائط سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ وہ شرط لغو ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ عقد نکاح میں اس بات کی شرط لگانا کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو حق مہر دس ہزار کے علاوہ تین تولہ سونا ہوگا یہ شرط فاسد ہے اس کا پورا کرنا لازم نہیں اگر شوہر نے وطی یا خلوت صحیحہ سے پہلے بیوی کو طلاق دی ہے تو بیوی صرف 5000 روپے نصف مہر کی حقدار ہوگی اور اگر وطی یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی تو کل مہر مسمی یعنی -/10000 روپے کی حقدار ہوگی تین تولہ سونے کی شرط لغو ہوجائے گی۔ چنانچہ صورت مسئولہ میں بھی شرط فاسد پائی جاتی ہے لہٰذا آپ کے ذمہ -/5000 روپے واجب ہوں گے باقی تین تولہ سونے کی شرط لغو ہوجائے گی۔

لمافی جامع الترمذی (۱۸۹/۲): عن عقبة بن عامر الجهنی رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحق الشروط أن يوفى بها ما استحللتم به الفروج۔

وفی الدرالمختار (۳۹/۳): فجاز الجمع بين امراة وبنت زوجها... الخ۔

وفی الدر المختار (۱۲۳/۳): (نكحها بألف على أن يخرجها من البلد أو لا يتزوج عليها أو) نكحها (على ألف إن أقام بها وعلى ألفين إن أخرجها فإن وفى) بما شرطه في الصورة الأولى (وأقام) بها في الثانية (فلها الألف) لرضاها به۔

وفی الدرالمختار ایضا (۵۳/۳): (والنكاح لا يصح تعليقه بالشرط)---(ولكن لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد و) إنما (يبطل الشرط دونه) يعني لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط۔

وفی الرّدّ تحته: قوله (مع شرط فاسد) كما إذا قال تزوجتك على أن لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويفسد الشرط ويجب مهر المثل۔

Marfat.com

وفی الفقه الاسلامی (۹/۶۶۴۱): لا یجوز الجمع بین امرأتین؛ لو فرضت کل منهما ذکراً حرمت علیه الأخری، فإن ثبت الحل علی أحد الفرضین، جاز الجمع بینهما۔

(۲۴۳) سوتیلی خالہ سے نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی پہلی بیوی جس سے ایک لڑکا بھی تھا انتقال کرگئی بعد میں اس شخص نے دوسری شادی کرلی تھی۔ اب اسی شخص کا بیٹا اپنے والد کی سالی یعنی اپنی سوتیلی ماں کی بہن جو اس لڑکے کی سوتیلی خالہ ہے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا یہ نکاح جائز ہوگا؟ نیز سگی خالہ وغیرہ اور سوتیلی خالہ وغیرہ نکاح کے احکامات میں ایک جیسے ہوتے ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنی حقیقی ماں کی بہن (چاہے وہ بہن حقیقی ہو یا باپ شریک ہو یا ماں شریک ہو) سے تو نکاح کرنا بوجہ نص صریح کہ قطعی حرام ہے البتہ اپنی ماں کے علاوہ باپ کی منکوحہ کی بہن (جسے ہمارے عرف میں سوتیلی خالہ کہتے ہیں) سے چونکہ کوئی نسبی تعلق نہیں اس لئے اس سے نکاح کرنا درست ہے جبکہ کوئی اور مانع شرعی نہ پایا جاتا ہو۔

لمافی القرآن الحکیم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ۔ الآیة

(النساء:۲۴):وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی الهندیة (۱/۲۷۷): لا بأس بأن یتزوج الرجل امرأة ویتزوج ابنه ابنتها أو أمها کذا في محیط السرخسي۔

وفی الشامیة (۳/۳۱):قوله (وأما بنت زوجة أبیه أو ابنه حلال) وکذا بنت ابنها بحر قال الخیر الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربیب ولا زوجة الراب اه

Marfat.com

(۲۴۴) باپ کی سوتیلی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں محمد سلیم ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں شرعی لحاظ سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ جس کی تفصیل یہ ہے میرے دادا کمال الدین کی والدہ کا انتقال ہوگیا اس کے بعد میرے دادا کے والد نے دوسری شادی کی اس سے چار بیٹے پیدا ہوئے اس طرح میرے دادا کے سوتیلے بھائی شکور کی بیٹی جس کا نام سعیدہ ہے سعیدہ میری سگی پھوپھی نہیں ہے میرے دادا کے سوتیلے بھائی شکور کی بیٹی ہے اس لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر کوئی اور مانع موجود نہ ہو تو آپ کیلئے یہ نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۳/۱): المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات ---

وأما العمات فثلاث عمة لأب وأم وعمة لأب وعمة لأم وكذا عمات أبيه الخ۔

وفی الدرالمختار (۲۸/۳): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعة۔

(۲۴۵) لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہے یعنی دونوں کو نکاح میں جمع کرنا چاہتا ہے آیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور امہات نسائکم والے نص میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں بیک وقت جمع کرسکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ دونوں میں کوئی نسبی یا رضاعی رشتہ ایسا نہ ہو جو کہ دونوں کو جمع کرنے سے مانع بنتا ہو لیکن بوقت نکاح عمر اور مصالح نکاح کو بھی مدنظر رکھا جائے اگر عمر میں تفاوت ہو اور مصالحِ نکاح کا حصول مشکل ہو تو نکاح نہ کیا جائے نیز یہ قرآنی نص "وأمهات نسائكم" میں داخل نہیں ہے۔

Marfat.com

لمافی الدرالمختار (۳۹/۳): فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها أو أمة ثم سیدها لأنه لو فرضت المرأة أو امرأة الابن أو السیدة ذکرا لم یحرم بخلاف عکسه۔

(۲۴۶) بیوی کی سوتیلی ماں محرم نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ سوتیلی ساس یعنی اپنی بیوی کی سوتیلی ماں محرم ہے یا نہیں

الجواب بعون الملک الوھاب

سوتیلی ساس (یعنی اپنی بیوی کی سوتیلی ماں) محرم نہیں ہے بلکہ غیر محرم ہے۔

لمافی الدرالمختار (۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بین المحارم (نکاحا) أي عقدا صحیحا۔۔۔(و) حرم الجمع (وطأ بملك یمین بین امرأتین أیتهما فرضت ذکرا لم تحل للأخری)۔۔۔ فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها۔

(۲۴۷) عورت اور اس کی سوتیلی پوتی سے نکاح کا حکم

سوال

شاکر کے ہاں پہلے ایک عورت موجود ہے اب وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ جس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ اس پہلی عورت کی رشتہ میں سوتیلی پوتی لگتی ہے جو عورت شاکر کے نکاح میں ہے وہ اس کی دوسری بیوی کے رشتے سے سوتیلی دادی کہلاتی ہے شرعی اعتبار سے ان دونوں کا آپس میں جمع کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شاکر کیلئے مذکورہ دونوں عورتوں (سوتیلی دادی منکوحۃ الجد اور سوتیلی پوتی) کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے کیونکہ ایسی دو عورتوں نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی اگر مرد فرض کرلیا جائے تو ان دونوں کا نکاح نہ ہو سکے جبکہ زیر بحث صورت میں سوتیلی پوتی کو مرد فرض کرلیا جائے تو اس کے لئے اپنے دادا کی منکوحہ سے نکاح کرنا جائز نہیں لیکن اگر سوتیلی دادی کو مرد مانا جائے تو وہ اجنبی بن جائے گا اور کسی شخص کا اجنبی شخص کی پوتی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب النکاح (۲۸۱/۴): باب لاتنکح المرأة علی عمتها۔

Marfat.com

والضابطة فيه عندنا انه لا يجوز الجمع بين كل امرأتين لو فرضت احداهما ذكرا لم تحل لها النكاح بالاخرى۔

وفی الدرالمختار (۳/۳۸): فصل فی المحرمات من کتاب النکاح۔(و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى) أبدا ۔۔۔ فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها أو أمة ثم سيدتها لأنه لو فرضت المرأة أو امرأة الابن أو السيدة ذكرا لم يحرم بخلاف عكسه۔

وفی الشامیة تحته: (قوله: وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها ۔

(۲۴۸) حقیقی سالی محرم نہیں بیوی کے مرنے کے بعد نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک عورت سے تین سال قبل شادی کی تھی جن سے میرے دو بچے ہیں۔ایک مہینہ قبل میری بیوی کا انتقال ہوگیا۔اب میں خود چونکہ دن بھر کام کرتا ہوں اور بچوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے تو کیا ایسی صورت میں میں اپنی حقیقی سالی سے نکاح کرسکتا ہوں شرعاً یہ درست ہے؟ اور نکاح کرنے کیلئے کوئی مدت تو متعین نہیں جیسے عورت کیلئے عدت گزارنا ضروری ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کیلئے بیوی کے انتقال کے بعد اپنی حقیقی سالی سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کیلئے کچھ مدت ٹھہرنے کی ضرورت نہیں فوراً بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔

لما فی القرآن الكريم (النساء : ۲۴):وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی الهندية (۱/۲۷۹): ويجوز لزوج المرتدة إذا لحقت بدار الحرب تزوج أختها قبل انقضاء عدتها كما إذا ماتت ۔

وفی الشامية (۳/۳۸): فرع ماتت امرأته له التزوج بأختها بعد يوم من موتها كما في الخلاصة عن

Marfat.com

الأصل وكذا في المبسوط لصدر الإسلام والمحيط والسرخسي والبحر والتاترخانية وغيرها من الكتب المعتمدة وأما ما عزي إلى النتف من وجوب العدة فلا يعتمد عليه وتمامه في كتابنا تنقيح الفتاوى الحامدية۔

(۲۴۹) کیا عورت کی موت پر شوہر عدت گزارے گا؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شامیہ میں کہا گیا ہے، کہ نتف میں یہ ہے کہ مرد عورت کے مرنے پر عدت گزارے گا اور علامہ نے فرمایا ہے کہ میں نے تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں اس پر اور بحث کی ہے (شامیہ ۳/۳۸) اگرچہ یہ ضعیف اور مرجوح قول ہو لیکن میں بڑا حیران ہوں کہ جنہوں نے کہا ہے تو مرد عدت کیسے گزارے گا؟ ۴ ماہ دس دن یا ۳ ماہ کس حساب سے ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شامیہ اور تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں نتف کی طرف اس قول (مرد اپنی بیوی کے مرنے پر عدت گزارے گا) کی نسبت کی ہے۔ فتاوی النتف میں تلاش کے باوجود یہ قول نہیں ملا اور ساتھ ساتھ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول کے صیغے کے ساتھ نسبت کی ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جس کتاب وغیرہ میں دیکھ کر نتف کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے اس کتاب میں نتف کی طرف نسبت کرنے میں تسامح ہوا ہے۔

البتہ بالفرض اگر اس قول کو موجود بھی مان لیا جائے تو ہمارے نزدیک یہاں پر عدت سے عدت کا اصطلاحی معنی مراد نہیں کیونکہ عدت کا اصطلاحی معنی عورت ہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہاں عدت کا شرعی معنی مراد ہوگا "یعنی مرد اور عورت کا کسی مانع کی وجہ سے نکاح کرنے سے رکے رہنا"۔ اس اعتبار سے مرد پر بھی عدت لازم ہے لیکن یہ قول عقلاً نقلاً دونوں طرح سے مرجوح اور غیر معتمد ہے۔

لما فی مجمع الانھر (۱/۴۷۸) کتاب النکاح (ط دار الکتب): اما لو ماتت المرأة فتزوج بأختها بعد يوم جاز الخ۔

وفی الشامیة (۳/۳۸): فرع ماتت امرأته له التزوج بأختها بعد يوم من موتها كما في الخلاصة عن الأصل وكذا في المبسوط لصدر الإسلام والمحيط والسرخسي والبحر والتاترخانية وغيرها من الكتب المعتمدة وأما ما عزي إلى النتف من وجوب العدة فلا يعتمد عليه وتمامه في كتابنا تنقيح الفتاوى الحامدية۔

Marfat.com

وفى الدرالمختار (۵۰۲/۳) كتاب العدة (ط سعيد): (هى) لغة بالكسر الاحصاء وبالضم الا ستعداد للأمروشرعا تربص يلزم المرأة او الرجل عند وجود سببه ومواضع تربصه عشرون مذكورة فى الخزانة حاصلها يرجع إلى من امتنع كاحها عليه لمانع لا م زواله كنكاح اختها واربع سواها واصطلاحا (تربص يلزم المراة) أو ولى ا صغيرة (عند زوال النكاح) الخ۔

وتحته فى الرد: قوله (أو الرجل الخ) قال في الفتح حرمة تزوجه بأختها لا يكون من العدة بل هو حكم عدتها ولا شك أنه معنى كونه هو أيضا في العدة لأن معنى العدة وجوب الانتظار بالتزوج وهو مضي المدة وهو كذلك في العدة غير أن اسم العدة اصطلاحا خص بتربصها لا بتربصه اهـ

مطلب عشرون موضعا يعتد فيها الرجل قوله (عشرون) وهي نكاح أخت امراته وعمتها۔۔الخ

(۲۵۰) داماد کی بہن سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس عورت کے بھائی کے نکاح میں زید کی بیٹی ہے۔ نکاح ہونے کی صورت میں زید کی بیوی، زید کی بیٹی کی سوتیلی ماں ہوگی اور پہلے سے وہ نند بھی ہیں مذکورہ صورت میں شرعی طور پر نکاح ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتوی صادر فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کا نکاح مذکورہ عورت (یعنی اپنے داماد کی بہن) سے جائز ہے اور شرعاً یہ نکاح درست ہوگا۔

لمافى الهندية (۲۷۳/۱): القسم الأول المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات والخالات ۔۔۔ القسم الثاني المحرمات بالصهرية وهي أربع فرق الأولى أمهات الزوجات وجداتهن من قبل الأب والأم وإن علون والثانية بنات الزوجة وبنات أولادها ۔۔۔ والثالثة حليلة الابن وابن الابن ۔۔۔والرابعة نساء الآباء والأجداد من جهة الأب أو الأم وإن علوا۔

Marfat.com

(۲۵۱) بھابھی سے بھائی کے انتقال کے بعد نکاح جائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک بھائی کا انتقال ہوگیا کیا اس کی بیوی کے ساتھ دوسرا بھائی شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ایسا کرنا جائز ہے تو کتنی مدت تک انتظار کرے گا یا اس کے پیٹ میں بچہ ہو یا نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلے کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں بھائی کے فوت ہونے پر اس کی بیوی سے عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے۔ اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک انتظار کرنا پڑے گا اور اگر حاملہ نہیں تو چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد اُن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ :۲۳۴): وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ فَإِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

(الطلاق:۴): وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَن يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَن يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۔

وفی المشکوۃ (۲۶۸/۲): وعن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء فقال رجل: يا رسول الله أرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت"۔

وفی الدر المختار (۵۱۰/۳، ۵۱۱): (و) العدة (للموت أربعة أشهر) بالأهلة لو في الغرة كما مر (وعشرة) من الأيام بشرط بقاء النكاح صحيحا إلى الموت (مطلقا) وطئت أو لا ولو صغيرة أو كتابية تحت مسلم ولو عبدا فلم يخرج عنها إلا الحامل ۔۔۔ (و) في حق (الحامل) مطلقا ولو أمة أو كتابية أو من زنا بأن تزوج حبلى من زنا ودخل بها ثم مات أو طلقها تعتد بالوضع جواهر الفتاوى۔

Marfat.com

(۲۵۲) بیٹے کی ساس نامحرم ہے پردہ ضروری ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ لڑکی کا سسر لڑکی کی ماں، نانی، دادی سے مل سکتا ہے یا نہیں، شرعی طور پر پردہ ہے یا نہیں؟ اسی طرح لڑکا اپنی ساس کی بہنوں سے پردہ کرے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ انسان کے وہ رشتہ دار جن سے بوجہ نسب یا رضاعت یا نکاح کے ہمیشہ کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں وہ رشتہ دار محرم کہلاتے ہیں۔ ان سے پردہ فرض نہیں ہے اور انسان کے وہ رشتہ دار جن سے کسی بھی وقت (فی الحال یا آئندہ) نکاح کرنا درست ہو وہ انسان کے غیر محرم رشتہ دار کہلاتے ہیں ان سے پردہ کرنا فرض ہے جیسے چچازاد، بہن، خالہ زاد بہن، سالی وغیرہ۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بہو کی والدہ، نانی، دادی کا سسر سے پردہ کرنا ضروری ہے اور سسر اُن خواتین سے خلوت میں نہ ملے۔

اسی طرح خالہ کا بھانجی کے شوہر سے پردہ کرنا ضروری ہے اور لڑکا بیوی کی خالہ سے خلوت میں نہ ملے۔

لمافی القرآن الکریم (الاحزاب:۵۹): يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَن يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ الآية۔

وفی الجوهرة النيرة (۶۸/۲): وكذا يجوز للأب أن يتزوج أم حليلة ابنه وبنتها۔

وفی الشامية (۳۱/۳): قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اھ

وفی الدرالمختار (۳۶۷/۶): (ومن محرمه) هي من لا يحل له نكاحها أبدا بنسب أو سبب ولو بزنا۔

وفيه أيضا (۳۶۸/۶): وفي الأشباه الخلوة بالأجنبية حرام إلا لملازمة مديونة هربت ودخلت خربة أو كانت عجوزا شوهاء أو بجائل والخلوة بالمحرمة مباحة۔

(۲۵۳) باپ اور بیٹے کا دو سگی بہنوں سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فاروق نے رشیدہ نامی عورت سے شادی کی جس سے

Marfat.com

ایک بیٹا سلمان پیدا ہوا پھر رشیدہ حادثہ میں مرگئی تو فاروق نے رضوانہ نام کی خاتون سے شادی کرلی اس وقت تک فاروق کا بیٹا سلمان بھی بالغ ہو چکا تھا سلمان کی شادی رضوانہ کی بہن ڈاکٹر ریحانہ سے کردی گئی اب باپ اور بیٹے کے نکاح میں دو سگی بہنیں ہیں لیکن کچھ لوگ اشکال کررہے ہیں کہ دوسرا نکاح صحیح نہیں کیونکہ سلمان نے اپنی خالہ سے نکاح کرلیا ہے لیکن باپ کہتا ہے کہ یہ سگی خالہ نہیں اور کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ان باپ بیٹے کی اولاد کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ ازراہِ کرم مسئلہ کی مفصل ومدلل تنقیح مع بیان الحرمات الصادرۃ من ھذا النکاح بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خالہ چاہے حقیقی (ماں اور باپ شریک خالہ) ہو یا اخیافی (ماں شریک خالہ) ہو یا علاتی (باپ شریک خالہ) ہو یہ محرمات ابدیہ میں داخل ہیں لہٰذا ان سے نکاح کرنا حرام اور ناجائز ہے البتہ سوتیلی ماں کی بہن خالہ نہیں بلکہ یہ اجنبی عورت کے حکم میں ہے اس لئے اگر کوئی دوسری ممانعت نہ ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اس عورت کو شرعی احکام میں سوتیلی خالہ سمجھنا درست نہیں بلکہ شرعی احکام میں حقیقی ماں کی باپ شریک یا ماں شریک بہن سوتیلی خالہ ہے اور سوتیلی خالہ کے احکام حقیقی خالہ والے ہوتے ہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں باپ (فاروق) اور بیٹے (سلمان) کے نکاح میں دو سگی بہنیں ہیں۔ یہ چونکہ سلمان کی خالہ نہیں اس لئے سلمان کا سوتیلی ماں کی بہن ریحانہ سے نکاح جائز ہے لہٰذا لوگوں کا یہ اشکال کرنا کہ دوسرا نکاح صحیح نہیں (اس لئے کہ سلمان نے اپنی خالہ سے نکاح کرلیا ہے) یہ شرعی امور سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ ان باپ اور بیٹے کی اولاد کا نکاح آپس میں جائز نہیں کیونکہ ان دونوں کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کے ابدی محرم رشتے دار بن جائیں گے مثلاً سلمان بیٹے کا لڑکا ہو اور فاروق باپ کی لڑکی تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ لڑکی اس لڑکے کی پھوپھی بھی ہے (چونکہ وہ لڑکی فاروق کی بیٹی ہے لہٰذا اس لڑکے کے باپ سلمان کی بہن ہے اور باپ کی بہن یعنی پھوپھی سے نکاح نہیں ہوسکتا) اور خالہ بھی ہے۔ (وہ لڑکی اس کی خالہ اس طرح ہے کہ اس لڑکی کی ماں یعنی فاروق کی بیوی اور اس لڑکے کی ماں یعنی سلمان کی بیوی اگرچہ بہنیں ہیں لیکن فاروق کی بیوی چونکہ باپ فاروق کے نکاح میں ہے تو وہ سلمان کی موطوءۃ الاب ہے اور سلمان کی بیوی اس کی بیٹی کے درجے میں ہے لہٰذا فاروق کی بیٹی اس لڑکے کے باپ یعنی سلمان کے موطوءۃ الاب کی بیٹی اور اس کی ماں کی بہن ہے لہٰذا یہ دور کی خالہ بھی ہے) اسی طرح کوئی بھی صورت ہو مثلاً فاروق باپ کا لڑکا اور سلمان بیٹے کی لڑکی ہو تو وہ لڑکا اس لڑکی کا چچا ہو جائیگا اور چچا کا بھتیجی سے نکاح جائز نہیں لہٰذا ان کی اولاد کا آپس میں نکاح نہ ہو پائے گا۔

ولما فی مجمع الانھر کتاب النکاح (۱/۴۸۱) (ط دارالکتب العلمیة): ولا بأس بأن یتزوج الرجل امرأة، ویتزوج ابنه امها او بنتها الخ۔

وفی الھندیة کتاب النکاح (۱/۲۷۷) (ط حقانیة): لا بأس بان یتزوج الرجل أمرأة ویتزوج ابنه

Marfat.com

ابنتها أو أمها ... الخ۔

(۲۵۴) بھائی کی ساس سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آیا بھائی کی ساس سے شادی کرنا درست ہے یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بھائی کی ساس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ دیگر کوئی مانع نہ ہو۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الاَخِ۔الآیة۔

وفی الدرالمختار(۲۸/۳): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى (وعمته وخالته) فهذه السبعةمذكورة في آية {حرمت عليكم أمهاتكم }۔

(۲۵۵) سوتیلے دادا اور سوتیلی نانی کی بہن سے نکاح کے جواز پر مفصل تحقیقی فتوی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ درمختار میں ہے کہ ماں کی پھوپھی اور باپ کی خالہ کی خالہ حلال ہیں ''واما عمة عمة امه وخالة خالة ابيه حلال '' (درمختا ۳/ ۳۰) مفتی صاحب کیا یہ درست ہے؟ کیونکہ ماں کی پھوپھی تو نانا کی بہن ہے اور اس کی پھوپی پر نانا کی بہن ہوگی تو کیا پر نانا کی بہن حلال ہوگی؟ اسی طرح دوسرا جملہ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

درمختار کی عبارت میں کچھ اغلاق اور تسامح ہے جسے ردالمحتار میں واضح کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ "أمه" نہیں بلکہ "لأم" ہے، یعنی اصل یوں ہونا چاہیئے تھا "واما عمة العمة لأم وخالة الخالة لأب فحلال" اور اس لام کا تعلق قریبی پھوپھی سے ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا: ماں شریک پھوپھی کی پھوپھی حلال ہے۔

Marfat.com

یعنی ایک شخص کی دادی نے دوشادیاں کی ہوں ایک سے اس کا باپ ہواور دوسرے سے پھوپھی۔تو یہ پھوپی اس کی ماں شریک پھوپی ہے۔اب اس پھوپھی کی جو پھوپھی ہے، وہ ظاہر ہے کہ اس کے سوتیلے دادا کی بہن ہے۔گویا سگے دادا کی بہن سے تو نکاح ناجائز ہے، لیکن سوتیلے دادا کی بہن سے نکاح جائز ہے لہذا "عمة العمة لأم" کا پرنانا کی بہن سے تعلق ہی نہیں بلکہ اس سے مراد سوتیلے دادا کی بہن سے نکاح کی حلت ہے۔

اسی طرح "خالة الخالة لاب" کا مسئلہ ہے۔یعنی ایک شخص کے نانا نے دوشادیاں کی ہوں ایک سے اس کی ماں اور دوسری سے اس کی خالہ ہوں، تو یہ دونوں باپ شریک بہنیں ہیں، اور وہ عورت اس شخص کی باپ شریک خالہ ہے۔اب اس عورت (باپ شریک خالہ) کی خالہ اس شخص کیلئے حلال ہے۔کیونکہ اس عورت کی خالہ اس کی سگی نانی کی بہن نہیں بلکہ سوتیلی نانی کی بہن ہے، اور سوتیلی نانی کی بہن سے نکاح حلال ہے۔

لہذا دولفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ سوتیلے دادا کی بہن اور سوتیلی نانی کی بہن دونوں حلال ہیں۔اس کی عقلی وجہ بھی واضح ہے، سوتیلے باپ کی بہن حلال ہے تو سوتیلے دادا کی بہن بدرجہ اولی حلال ہوگی۔اسی طرح سوتیلی ماں کی بہن حلال ہے تو سوتیلی نانی کی بہن تو بدرجہ اولی حلال ہوگی۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ درمختار کی اس عبارت کے تحت یہ عقلی وجہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"واخت زوج الام لا تحرم فاخت زوج الجدة بالاولی"

''سوتیلے باپ کی بہن حرام نہیں تو سوتیلے دادا کی بہن تو بدرجہ اولی حرام نہ ہوگی'' (ردالمحتار ۳/۳۰)

یہاں واضح رہے کہ عمة العمة کے ساتھ لام کی قید احترازی ہے۔اسی طرح خالة الخالة کے ساتھ ''لاب'' کی قید بھی احترازی ہے۔''لام'' کی قید احترازی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر پھوپھی ماں شریک کے بجائے باپ شریک یا حقیقی ہو تو اس کی پھوپھی حلال نہ ہوگی۔کیونکہ پھوپھی اگر باپ شریک ہو تو اس کا مطلب ہے کہ دادی نہیں بلکہ دادا نے دوشادیاں کی ہیں۔ایک سے اس کا باپ اور دوسری سے اس کی پھوپی ہیں۔اب اس شخص کے والد اور پھوپی باپ شریک بہن بھائی ہیں۔اس پھوپھی کی پھوپھی ظاہر ہے اس کے سگے دادا کی بہن ہے کیونکہ یہاں دادا ایک ہے اور سگے دادا کی بہن حرام ہے لہذا یہ نکاح جائز نہ ہوگا۔اسی طرح پھوپھی اگر بالکل حقیقی ہو تو حرمت بالکل ظاہر ہے۔

اسی طرح "خالة الخالة لاب" میں اب کی قید احترازی ہے یعنی باپ شریک خالہ کی خالہ حلال ہے۔باقی ماں شریک خالہ کی خالہ یا حقیقی خالہ کی خالہ دونوں حرام ہیں۔کیونکہ ماں شریک خالہ یا حقیقی خالہ کی خالہ اس شخص کی سگی نانی کی بہن بنے گی۔وہ ایسے کہ ایک شخص کی نانی نے دوشادیاں کی ہوں ایک سے ماں اور ایک سے خالہ ہو تو یہ دونوں ماں شریک بہنیں ہیں۔اب اس ماں شریک خالہ کی جو خالہ ہوں گی وہ اس شخص کی سگی نانی (کیونکہ اس شخص کی خالہ اور والدہ دونوں کی ماں ایک ہے) کی بہن ہوگی، جو کہ حلال نہیں، اور اگر حقیقی خالہ ہو تب تو حرمت بالکل واضح ہے۔

لہذا درمختار کی عبارت میں تسامح ہے اس کی تاویل بھی ممکن ہے، لیکن وہ بعید ہے، شامیہ کے حوالے میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

لما فى الد ر المختار(٣/٣٠): واما عمة عمة أمه وخا لة خا لة أبيه حلال۔
وفى الطحطا وى على الدر (٢/١٣): فالأ و لى للشا رح ان يقو ل واماعمةالعمةلأم ويكون قوله لأم را جع الى المضا ف (قو له وخا لة خالة ابيه)الصواب ان يقول وخا لة الخا لة التى لأب قال فى البحر الخا لة القر بي ان كانت لاب وام او لام فخالتها تحرم عليه وان كا نت القر بي خالة الخا لة لأب فخالتها لا تحرم عليه لأن أم الخالة القربي تكون امرءة الجد أب الأ م لا أم أمه فا ختها تكو ن أخت امرأة أب الأ م وأخت امرأة الجد لا تحرم عليه۔ قلت وكذا يفصل مثل هذا التفصيل فيما ذكره الشا رح فى العمة وا لخالة فليتا مل۔
وفى الهندية(١/٢٧٣): وأما خالة الخالة فإن كانت الخالة القربي خالة لأب وأم أو لأم فخالتها تحرم عليه وإن كانت القربي خالة لأب فخالتها لا تحرم عليه هكذا في محيط السرخسي۔
وفى الشا مية(٣/٣٠):قوله (وأما عمة عمة أمه الخ) قال في النهر وأما عمة العمة وخالة الخالة فإن كانت العمة القربي لأمه لا تحرم وإلا حرمت وإن كانت الخالة القربي لأبيه لا تحرم وإلا حرمت لأن أبا العمة حينئذ يكون زوج أم أبيه فعمتهما أخت زوج الجدة ثم الأب وأخت زوج الأم لا تحرم فأخت زوج الجدة بالأولى وأم الخالة القربي تكون امرأة الجد أبي الأم فأختها أخت امرأة أبي الأم وأخت امرأة الجد لا تحرم اهـ والمراد من قوله لأمه أن تكون العمة أخت أبيه لأم احترازا عما إذا كانت أخت أبيه لأب أو لأب وأم فإن عمة هذه العمة لا تحل لأنها تكون أخت الجد أبي الأب۔
والمراد من قوله وإن كانت الخالة القربي لأبيه أن تكون أخت أمه لأبيها احترازا عما إذا كانت أختها لأمها أو شقيقة فإن خالة هذه الخالة تكون أخت جدته أم أمه فلا تحل وكأن الشارح فهم من قول النهر لأمه وقوله لأبيه إن الضمير فيهما راجع إلى مريد النكاح كما هو المتبادر منه فقال ما قال وليس كذلك لما علمته فكان عليه أن يقول وأما عمة العمة لأم وخالة الخالة لأب ۔ويمكن تصحيح كلامه بأن تقيد العمة القربي بكونها أخت الجد لأمه والخالة القربي بكونها أخت الجدة لأبيها كما أوضحه المحشي وأما على إطلاقه فغير صحيح ۔

Marfat.com

(۲۵۶) بیوہ سمدھن سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی شادی ایک بیوہ عورت کی بیٹی سے کردی۔اس کے بعد یہ شخص خود اس بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔اس کے لئے یہ شادی کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس بیوہ کیساتھ اس شخص کا شادی کرنا جائز ہے۔

لمافی الشامیة (۳/۲۱): قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه حلال) وكذا بنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۲۵۷) بھائی یا بہن کسی کا دودھ پئیں تو رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکا اپنی پھوپھی کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے جبکہ لڑکے کا بڑا بھائی اور لڑکی کی بڑی بہن آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں اور لڑکی والے کہہ رہے ہیں کہ یہ شادی جائز نہیں ہے جبکہ لڑکے والے کہہ رہے ہیں کہ شادی جائز ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکے کا اپنی پھوپھی کی لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ لڑکے کا اپنی پھوپھی کی لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے لڑکے کے بڑے بھائی اور لڑکی کی بڑی بہن کے رضاعی بہن بھائی ہونے سے ان کے رشتہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی القرآن الکریم (النسآء:۲۴): وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی الهندية (۱/۳۴۳): وتحل أخت أخيه رضاعا كما تحل نسبا مثل الأخ لأب إذا كانت له أخت من أمه يحل لأخيه من أبيه أن يتزوجها كذا في الكافي۔

Marfat.com

(۲۵۸) بیٹے کی مرضعہ سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیوی بیمار ہے لہٰذا بچے کو دودھ پلانے کیلئے اس نے ایک عورت کا اہتمام کیا اب چند سال بعد وہ شخص اپنی ایک اور بیٹی کا نکاح اس دودھ پلانے والی عورت کے بیٹے سے کرنا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے نیز کیا وہ مرد خود اس عورت سے شادی کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس شخص کیلئے اپنی بیٹی کا نکاح دودھ پلانے والی عورت کے بیٹے سے کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس لڑکی نے اس عورت کا دودھ نہ پیا ہو نیز اس شخص کیلئے بھی اس دودھ پلانے والی عورت سے نکاح جائز ہے کیونکہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

لمافی قاضی خان (۱/۱۹۱): لا بأس للرجل أن يتزوج بمرضعة ولده۔

وفی الهندية(۱/۳۴۳): وكذا يجوز له أن يتزوج بأم حفدته وبجدة ولده من الرضاء ولا يحل ذلك من النسب كذا في التبيين۔

(۲۵۹) ممانی کے مرضعہ ہونے کا شک ہو تو اس کی نواسی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنے ماموں کی نواسی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور شبہ یہ ہے کہ شاید ممانی (یا ممانی کی بیٹی) نے اس کو بچپن میں دودھ پلایا ہو اور وہ اسکی مرضعہ ہو لہٰذا اگر پلایا ہو تو رضاعی بہن ہونے کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہونا چاہیئے۔ مکمل تفصیل بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنے ماموں کی نواسی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اگرچہ شبہ رضاعی بہن کا ہے کیونکہ شبہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے جب تک یقین نہ ہو البتہ احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ نکاح نہ کریں۔

لمافی الاشباہ والنظائر (ص۶۸): وفي الخانية : صغير وصغيرة بينهما شبهة الرضاء ولا يعلم ذلك حقيقة قالوا : لا بأس بالنكاح بينهما هذا إذا لم يخبر بذلك أحد. فإن أخبر به عدل ثقة يؤخذ

Marfat.com

بقوله ولا يجوز النكاح بينهما۔

وفی الشامیة (۲۱۲/۳): وفي الفتح لو أدخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاء لا تثبت الحرمة بالشك۔

(۲۶۰) بھائی کی مرضعہ خالہ کے بیٹے سے نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری حقیقی خالہ نے میرے ایک چھوٹے بھائی اور بہن جو جڑواں پیدا ہوئے تھے کو دودھ پلایا تھا، وہ دونوں بعد میں انتقال کر گئے ان دونوں بچوں سے بڑی میری ایک بہن جو حیات اور بالغہ ہے، کیا اس کا رشتہ ازدواج میری خالہ کے لڑکے سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مدلل اور مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کی ہمشیرہ کا نکاح آپ کے خالہ زاد بھائی سے شرعاً جائز ہے۔

لمافی تبیین الحقائق (۱۸۴/۲): (وتحل أخت أخيه رضاعا ونسبا) مثاله في النسب أن يكون له أخ من أب له أخت من أمه جاز له أن يتزوج بها ومثاله في الرضاء ظاهر۔

وفی الدرالمختار (۲۱۷/۳): (وتحل أخت أخيه رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعيةوبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

Marfat.com

فصل فی نکاح أهل الکتاب والفرق المختلفة

(اہل کتاب اور دیگر مذاہب اور فرقوں میں نکاح کا بیان)

(۲۶۱) کتابیہ سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح سے جو منع کیا تھا کیا وہ حکم آخر تک رہا تھا یا رجوع کرلیا تھا؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف بعد میں اس سلسلہ میں کیا تھا؟ سنا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سخت تشدید فرماتے تھے۔ نص تو مطلق اباحت بتاتا ہے مسئلہ کیا ہے؟ شامی نے دارالحرب میں مکروہ تحریمی کہہ دیا ہے، یہ کیوں کہا؟ نص تو جواز کا ہے اس کا جواب کیا ہے؟ فتویٰ کس قول پر ہے؟ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں عمل کس پر تھا؟ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا مسکت جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے سے جو منع کیا تھا وہ اس لئے نہیں تھا کہ وہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے، بلکہ ان کا منع کرنا ان مفاسد اور خرابیوں کے پیشِ نظر تھا جو ناکح اور اس کی اولاد کے لئے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے [ازروئے تجربہ] لازمی طور سے پیدا ہوں گی، اور زمانے کے گزرنے کے ساتھ ان مفاسد اور خرابیوں کے خطرات بڑھتے چلے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع کسی روایت سے ثابت نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک وہ اسی موقف پر برقرار تھے۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ بھی تھے جو اہلِ کتاب سے نکاح کو جائز ہی نہیں سمجھتے تھے جن میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان کا تشدید فرمانا اس لئے تھا کہ وہ اہل کتاب کو مشرکین میں داخل سمجھتے تھے، اور مشرکین سے نکاح قرآن کے نصوص سے حرام ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے وہ کتابیہ عورتیں مراد لیتے تھے جو اسلام لے آئی ہوں جبکہ جمہور صحابہ کرام، تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ اس آیت کی بناء پر کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کے قائل ہیں، آج بھی اگر کوئی شخص کتابی عورت سے نکاح کرلے تو اس کا نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ کر کتابیہ سے نکاح کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

Marfat.com

نص کے جواز بتلانے کے باوجود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا حربیہ کتابیہ سے نکاح کو مکروہ کہنا بھی خارجی مفاسد کے پیشِ نظر ہے کہ جب اس کے ساتھ تعلق ہوگا تو دارالحرب میں بھی ٹھہرے گا جس سے مختلف قسم کے فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نیز کفار کے ساتھ رہنے سے ان کے بچوں کے اخلاق بھی بگڑ جائیں گے، وغیرہ۔ یہی وہ مفاسد ہیں جن کی وجہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کتابیہ سے نکاح کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، واضح رہے کہ اہلِ کتاب سے وہ اہل کتاب مراد نہیں جو محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں اور حقیقۃً وعقیدۃً وہ لامذہب اور دہریے ہیں، اس قسم کے اہل کتاب سے نکاح بالاتفاق ناجائز وحرام ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سورۃ المائدۃ آیت (۵) کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"آیت قرآن کریم (وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ) اسی مضمون کے لئے آئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور اہل کتاب کے سوا دوسری قومیں سب مشرکات میں داخل ہیں۔

ـا غرض قرآن مجید کی دو آیتیں اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں، ایک میں یہ ہے کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح حلال نہیں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ دوسری یہ آیت سورۃ مائدۃ کی جس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

ـا اس لئے جمہور علماء صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دونوں آیتوں کا مدلول ومفہوم یہ قرار دیا ہے کہ اصولی طور پر غیر مسلم عورت سے مسلمان کا نکاح نہ ہونا چاہیئے، لیکن سورۃ مائدۃ کی اس آیت نے اہل کتاب کی عورتوں کو اس عموم سے مستثنیٰ کر دیا ہے، اس لئے یہود ونصاریٰ کی عورتوں کے سوا کسی دوسری قوم کی عورت سے بغیر اسلام لائے ہوئے مسلمان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اب رہا مسئلہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کی عورتوں کا تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے..... اور جمہور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک اگرچہ از روئے قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو مفاسد اور خرابیاں پیدا ہوں گی ان کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے ہیں۔ اوّل تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں، ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رُو سے یہودیت ونصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں۔ نہ تو ان کا تورات وانجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر۔ وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لا مذہب اور دہریے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمان کے لئے کسی طرح حلال نہیں"۔

(معارف القرآن، ۳/۶۱، ۶۲، ۶۴)

لمافی الکتاب المصنف لابن ابی شیبۃ (۴۶۲/۳) من کان یکرہ النکاح فی اھل الکتاب: ... عن

Marfat.com

شقيق قال: تزوج حذيفة رضي الله عنه يهودية فكتب (اليه) عمر رضي الله عنه أن خل سبيلها فكتب اليه إن كانت حراما خليت سبيلها، فكتب اليه انى لا ازعم انها حرام، ولكنى اخاف ان تعاطوا المومسات منهن۔۔۔ عن سعيد بن جبير رحمه الله قال: لا بأس بنكاح النصرانية ۔۔۔ عن الشعبى رحمه الله أنه كان لا يرى بأسا بالنكاح فى أهل الكتاب ۔۔۔ عن أبي عياض قال لا بأس بنكاح اليهوديات والنصرانيات الا أهل الحرب۔

وفى مصنف عبدالرزاق (٧٨/٦) نكاح نساء اهل الكتاب:عن زيد بن وهب قال : كتب عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن المسلم ينكح النصرانية والنصرانى لاينكح المسلمة۔

وفى كتاب الآثار (للامام محمد)(ص ٢٥٨) باب من تزوج اليهودية او النصرانية انها لا تحصن ٣١٥: محمد قال اخبرنا ابو حنيفة رحمه الله عن حماد عن ابراهيم عن حذيفة ابن اليمان رضي الله عنه انه تزوج يهودية بالمدائن، فكتب اليه عمر بن الخطاب رضي الله عنه: أن خل سبيلها، فكتب اليه: أحرام هى يا أمير المومنين؟ فكتب اليه: أعزم عليك أن لا تضع كتابي حتى تخلى سبيلها، فإنى أخاف أن يقتديك المسلمون فيختاروا نساء اهل الذمة لجمالهن وكفى بذلك فتنة لنساء المسلمين، قال محمد: وبه نأخذ، لا نراه حراما، ولكنا نرى أن يختار عليهن نساء المسلمين وهو قول أبي حنيفة۔

وفى اعلاء السنن (٣١/١١) جواز نكاح المسلم نساء اهل الكتاب الا المجوسيات: وقال ابن عباس رضى الله عنهما نزلت هذه الآية: ولا تنكحوا المشركات حتى يومن: فحجز الناس عنهن حتى نزلت هذه الآية التى بعدها: اليوم احل لكم الطيبات ۔۔۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ" فنكح الناس نساء اهل الكتاب (رواه الطبرانى)۔

وفى الدرالمنثور فى التفسير بالماثور (٢٥/٣) سورة المائدة: عن جابر بن عبدالله : أنه سئل عن نكاح المسلم اليهودية والنصرانية، فقال: تزوجناهن زمن الفتح ونحن لانكاد نجد المسلمات كثيرا، رجعنا طلقناهن، قال نساؤهن لناحل، ونساؤنا عليهم حرام۔

وفى احكام القرآن لأبي بكر الجصاص (٣٢٣/٣) باب تزويج الكتابيات: قال أبو بكر الاختلاف فى نكاح الكتابية على أنحاء مختلفة، منها اباحة نكاح الحرائر منهن اذا كن ذميات فهذا لاخلاف بين السلف وفقهاء الامصار فيه الاشيأ يروى عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه كرهه ۔۔۔ فلما راى ابن عمر رضى الله عنهما الآيتين فى نظامهما تقتضى احداهما التحليل والاخرى التحريم وقف

Marfat.com

[illegible]

[illegible] ۳۱۳ [illegible] کتابۃ [illegible] حرۃ [illegible]

[illegible] حرۃ [illegible] حر

ہو بلکہ نکاح تحفظِ عفت اور افزائش نسل کے لئے ہو اور اس کے لئے انتخاب بھی ایسی عورت کا ہو جس سے یہ مقصد حاصل ہو جائے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں شادی شہوت کو توڑنے، نفس کو عفیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لئے ہو۔ (فتح الباری ۲۱/۲۷)

یہ باتیں آج کل کے دور میں اہل کتاب کی عورتوں میں نہیں پائی جاتیں ان سے نکاح کرنا صرف جنسی خواہشات کو پورا کرنا ہے اور اپنی اولاد کو کفار کے اخلاق کے سانچہ میں ڈھالنا ہے لہٰذا اہل کتاب کی عورتوں سے اگرچہ وہ اللہ کو ایک مانتی ہوں اور اپنی کتاب پر بوجہ تحریف کے عمل نہ کرتی ہوں ان سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے اس سے بچنا اپنے ایمان کی بھی حفاظت ہے اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی حفاظت ہے۔

لمافی الدرالمختار (۴۵/۳) فصل فی المحرمات: (وصح نكاح كتابية) وإن كره تنزيها (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل وإن اعتقدوا المسيح إلها وكذا حل ذبيحتهم على المذهب ۔ وفی الردتحته:قوله (كتابية) أطلقه فشمل الحربية والذمية والحرة والأمة ۔۔۔ فقوله والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل۔

(۲۶۳) کیا آج کے زمانے میں صحیح اہل کتاب موجود ہیں؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آجکل صحیح اہل کتاب موجود ہیں کہ نہیں نیز آجکل کے عیسائیوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہود اور نصاریٰ کے عقائد کتنے ہی خراب ہوں اگر وہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں تو وہ اہل کتاب ہوں گے لہٰذا ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہوگا لیکن آج کل کے اکثر یہودی اور نصرانی کسی کتاب اور رسول کو نہیں مانتے محض نام کے یہودی اور نصرانی ہیں بلکہ یہ لامذہب اور دھریے ہیں اہل کتاب نہیں لہٰذا ان سے نکاح ناجائز ہے البتہ اگر کسی کے بارے میں تحقیق ہو کہ یہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہے تو فی نفسہ نکاح تو جائز ہے مگر بے شمار مفاسد کی بناء پر احتراز ضروری ہے چنانچہ معارف القرآن (۳/۶۴) میں ہے "اوّل تو بہت سے لوگ آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی اور نصرانی لکھواتے ہیں۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدے کی رو سے یہودیت اور نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں نہ تو ان کا توراۃ اور انجیل پر عقیدہ ہے اور نہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر، وہ عقیدے کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دھریئے ہیں، الغرض قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی طور پر پرہیز کریں۔

Marfat.com

لمافی احکام القرآن للعثمانی (۴۰۲/۳): کان ابن عمررضی اللہ عنہما واقفا فی حکم نکاح الکتابیات من غیر قاطع فیہ بشی ۔۔۔ وما ذکر عنہ من الکراھۃ یدل علی انہ لیس علی وجہ التحریم ۔۔۔ وانما کرہ عمر ذلک لئلا یزھد الناس فی المسلمات او لغیر ذلک من المعانی کماحدثنا ابو کریب ۔۔۔ عن شقیق قال تزوج حذیفۃ یھودیۃ فکتب الیہ عمر خل سبیلھا فکتب الیہ اتزعم انھا حرام فاخلی سبیلھا فقال لا ازعم انھا حرام ولکنی اخاف ان تغاظوا المؤمنات منھن۔

(۲۶۴) اہل کتاب سے نکاح جائز اور مشرکہ سے ناجائز ہونے کی وجہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اہل کتاب سے نکاح جائز اور مشرک سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ اہل کتاب کن عقائد پر ہوں تو نکاح جائز ہے ورنہ نکاح جائز نہیں کیا اب کوئی ایسا اہل کتاب موجود ہے جس کے عقائد مشرکانہ نہ ہوں، اگر موجود ہوں تو نشاندہی فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) اس فرق کی اصل وجہ تو قرآن کریم کے نصوص ہیں اور قرآن کریم کے قطعی الدلالۃ نصوص سامنے آنے کے بعد کسی دوسری وجہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ"

ترجمہ: "اور تم نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں" (سورۃ البقرۃ:۲۲۱)۔

اس آیت سے مطلقاً مسلم وکافر کے درمیان ازدواجی تعلقات کی حرمت معلوم ہوئی مگر قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی بناپر اہل کتاب غیر مسلم عورتیں اس عمومی حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

"وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ"

ترجمہ: "اور پاک دامن عورتیں اُن میں سے جن کو دی گئی کتاب تم سے پہلے" (سورۃ المائدۃ:۵)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ نکاح کی حرمت کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ" (سورۃ البقرۃ:۲۲۱)۔ بظاہر اس وجہ میں تمام غیر مسلم مذاہب برابر ہیں۔ مگر اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کرنے کی بعض مفسرین نے عقلی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اہل کتاب کا اسلام کے ساتھ اختلاف دوسرے غیر مسلموں کے

Marfat.com

مقابلہ میں کم اور ہلکا ہے کیونکہ اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں۔توحید، آخرت، رسالت۔ان میں سے عقیدۂ آخرت وتوحید میں تو اہل کتاب یہود ونصاریٰ اپنے اصل مذہب کے اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ متفق ہیں لیکن ہمارے اور اہلِ کتاب کے درمیان بنیادی اختلاف صرف یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے اور اس عقیدہ کے بغیر کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جبکہ دوسرے غیر مسلم کسی عقیدہ میں بھی مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں لہٰذا دیگر کافروں کے مقابلہ میں اہل کتاب کا اسلام سے اختلاف ہلکا ہے۔نیز مسلمان مردوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔اس کے برعکس جائز نہیں کیونکہ عورت فطرتاً کمزور اور متبع واقع ہوئی ہے، اس لئے اہل کتاب کی "عورتوں" سے نکاح میں مفسدہ کا خطرہ زیادہ نہیں ہے بلکہ اس بات کی قوی امید ہے کہ کتابیہ، مسلمان مرد کے زیر سایہ رہ کر عقیدۂ رسالت کے اختلاف کو بھی ختم کر کے مسلمان ہوجائے۔

(۲) قرآن وسنت کی اصطلاح میں اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایسی کتاب پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہوں جس کا کتاب اللہ اور وحی الٰہی ہونا قرآن وسنت سے یقینی طور پر ثابت ہو۔جیسے تورات، انجیل، زبور، صحفِ موسیٰ وابراہیم وغیرہ۔یہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ اہل کتاب اصلی تورات وانجیل پر صحیح طور سے ایمان وعمل رکھتے ہوں بلکہ محرف تورات وانجیل کے متبعین اور حضرت عیسیٰ ومریم علیہما السلام کو شریکِ خدا قرار دینے والے بھی بتصریحِ قرآن اہل کتاب میں داخل ہیں۔الغرض اہل کتاب ہونے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ کسی آسمانی کتاب کی اتباع کے دعویدار ہوں۔البتہ آجکل اکثر یہود ونصاریٰ مردم شماری کے اعتبار سے تو یہود ونصاریٰ کہلاتے ہیں مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود کے ہی منکر اور لادین ہیں۔ایسے لوگ اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔بہرحال اہل کتاب کی عورتوں سے اگرچہ ازروئے قرآن نکاح حلال ہے لیکن ان سے نکاح کرنے میں ایمان وعمل کے لحاظ سے جو مفاسد اور خرابیاں اپنے لئے، اولاد کے لئے، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے عام طور سے مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں، ان کی بنا پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح مکروہ ہے۔

لمافی التفسیر المنیر (۲۹۳/۲) : والفرق بین المشرکة والکتابیة واضح، وھو ان الاولی لاتؤمن بدین اصلا واما الثانیة فتشرك مع المسلم بالایمان بالله والیوم الآخر، وبالحلال والحرام ووجوب فعل الخیر والفضیلة، والبعد عن الشر والرذیلة۔

وفی الدرالمختار (۴۵/۳) کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: (و) حرم نکاح (الوثنیة) بالإجماع (و صح نکاح کتابیة) وإن کره تنزیھا (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بکتاب) منزل وإن اعتقدوا المسیح إلھا۔

وفی الشامیة تحته: قوله (مقرة بکتاب) في النھر عن الزیلعي واعلم أن من اعتقد دینا سماویا وله کتاب منزل کصحف إبراھیم وشیث وزبور داود فھو من أھل الکتاب فتجوز مناکحتھم وأکل ذبائحھم۔

وفی الشامیة (۴۵/۳): وتکره الکتابیة الحربیة إجماعا لافتتاح باب الفتنة من إمکان التعلق

Marfat.com

المستدعي للمقام معها في دار الحرب وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر وعلى الرق بأن تسبى وهي حبلى فيولد رقيقا وإن كان مسلما اه فقوله والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل۔

(۲۶۵) اہل کتاب مرد سے شادی قطعاً حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مسلمان مرد کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنا درست ہے، لیکن آیا اس کے برعکس کہ مسلمان عورت کی شادی اہل کتاب میں سے کسی مرد کیساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ کہنا کہ اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنا درست ہے یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ اہل کتاب میں سے، جو لوگ اپنے عقائد کے پیروکار ہیں ان سے نکاح کرنا صحیح ہے لیکن وہ اہل کتاب کہ جن کے عقائد دھریوں کی طرح ہوں جیسا کہ آجکل عام طور پر اہل کتاب ایسے ہی ہیں ان سے شادی کرنا جائز نہیں اور دوسری صورت میں مسلمان عورت کی شادی اہل کتاب میں سے کسی مرد کے ساتھ جائز نہیں ہے اس لئے کہ دین اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر فوقیت حاصل ہے نیز فطری طور پر رشتہ ازدواج کے بعد مرد عورت پر مسلط ہوتا ہے لہٰذا عورت کی اہل کتاب میں شادی کی صورت میں عورت کے بددین ہونے کا قوی خدشہ ہے اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہیں جس کی بناء پر مسلمان عورت کی شادی اہل کتاب میں جائز نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (المائدۃ:۵):وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی الفتاوی النتف (ص۱۶۸): واما الکفر فانه یحل للمسلم نکاح الکتابیة ولا یحل له غیرهن من الکوافر ولیس للمسلمة ان تنکح الا مسلماً۔

(۲۶۶) ملازمت کے لئے جا کر غیر ملک میں عیسائی عورت سے نکاح کر لینا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان اپنی مسلمان بیوی کے ہوتے ہوئے کسی

Marfat.com

دوسرے غیر مسلم ملک میں صرف ملازمت کی خاطر عیسائی عورت سے شادی کرسکتا ہے کہ نہیں؟ ایسا کرنے کی صورت میں اس کا پہلا نکاح باقی رہے گا؟ وہ مسلمان عورت اس کے لئے حلال ہوگی؟ اس مسلمان شخص کا ایمان باقی رہے گا؟ شریعت کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مسلمان بیوی کی موجودگی میں عیسائی عورت سے نکاح [بشرطیکہ وہ عورت دھریہ اور لامذہب نہ ہو لہذا اگر صرف نام کی اہل کتاب ہے تو نکاح منعقد نہ ہوگا] منعقد ہوجاتا ہے لیکن مکروہ ہے، بالخصوص کافر ملک میں اس امر کی کراہت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ اس میں اپنے اور اپنی اولاد کے مستقبل کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ نیز بچے بھی کافروں کے اطوار واخلاق اپنائیں گے اور دیگر مسلمان عورتوں سے نکاح اس کے لئے حلال ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی مسلمان عورت کو تلاش کر کے اس سے دوسری شادی کرلے۔

لمافی الهندية (۲۸۲/۱): ويجوز نكاح الكتابية على المسلمة والمسلمة على الكتابية وهما في القسم سواء لاستوائهما في محلية النكاح كذا في شرح الجامع الصغير لقاضي خان۔

وفی الدرالمختار (۴۵/۳) فصل فی المحرمات: (وصح نكاح كتابية) وإن كره تنزيها (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل وإن اعتقدوا المسيح إلها وكذا حل ذبيحتهم على المذهب۔

وفی الردتحته: قوله (مقرة بكتاب) في النهر عن الزيلعي واعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داود فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم۔

وفی الشامية(۴۵/۳): قوله (كتابية) أطلقه فشمل الحربية والذمية والحرة والأمة ۔۔۔ فقوله والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل۔

(۲۶۷) بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والے سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری چچازاد کا نکاح ایک شخص سے ہوگیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو بریلوی ہے، دیوبندیوں کو گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتا ہے مولانا تھانوی کو کافر کہتا ہے تمام رسومات اور بدعات کرتا ہے آیا میری

Marfat.com

چچازاد کا نکاح اس شخص سے صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر اس شخص کے نظریات اور بدعات حد کفر تک نہ پہنچی ہوں تو ایسے شخص سے نکاح منعقد ہو جائیگا اور اس سے علیحدگی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور اگر بدعات وغیرہ حد کفر تک پہنچی ہوں تو نکاح منعقد نہ ہوگا اور چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ باقی علماء دیوبند گستاخ رسول نہیں بلکہ سچے عاشق ہیں۔

لمافی القرآن الکریم (الممتحنة:۱): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ...الآية۔

وفی المشکوۃ (ص۲۷): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد "۔

وفی الهندية (۲/۲۸۳): ما كان في كونه كفرا اختلاف فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط وما كان خطأ من الألفاظ ولا يوجب الكفر فقائله مؤمن على حاله ولا يؤمر بتجديد النكاح والرجوع عن ذلك كذا في المحيط إذا كان في المسألة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع فعلى المفتي أن يميل إلى ذلك الوجه كذا في الخلاصة۔

وفيه أيضا (۱/۲۹۲): ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وهو قول أبي يوسف رحمه الله تعالى آخرا وقول محمد رحمه الله تعالى آخرا أيضا۔۔۔ وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الجسن أقرب إلى الاحتياط كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامية (۳/۸۴): وان زوجت من غير كفء لا يلزم او لا يصح۔

(۲۶۸) بدعات کے مرتکب گھرانے میں نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں الحمدللہ علماء دیوبند رحمہ اللہ علیہم کے مسلک پر ہوں اور ہمارے ہاں مروجہ ساری بدعات سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ میری والدہ نے میرے لئے ایک جگہ لڑکی پسند کی ہے۔ لڑکی اچھی سیرت اور

Marfat.com

صورت کی مالک ہے، لیکن ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کے بھائی اور والد صاحب "دعوت اسلامی" جو بریلوی مسلک کی ایک جماعت ہے اس میں ہیں، ان کے گھر مروجہ تمام بدعات پر سختی سے عمل ہوتا ہے۔ اب آپ مجھے بتایئے کہ میرے لئے اس گھرانے میں شادی کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والا شخص اگر عقائد وغیرہ میں حد کفر تک نہ پہنچا ہو تو ایسے شخص سے نکاح کیا جا سکتا ہے البتہ اگر بدعات وغیرہ پر مصر ہو تو اپنے بچوں وغیرہ کے مستقبل کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔

لمافی الاعتصام (ص۷۲): ان البدعة لایقبل معها عبادة من صلاة ولاصیام ولا صدقة ولا غیرها من القربات، ومجالس صاحبها تنزع منه العصمة ویوکل الی نفسه والماشی الیه وموقره معین علی هدم الاسلام۔

وفیه ایضاً: واياك ان یکون لك من البدع اخ او جلیس او صاحب فانه جاء الاثر من جالس صاحب بدعة نزعت منه العصمة ووکل الی نفسه، ومن مشی الی صاحب بدعة مشی الی هدم الاسلام۔

(۲۶۹) غیر مقلد لڑکے سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری ایک لڑکی ہے جس کی عمر چودہ سال ہے اس کیلئے کافی رشتے آرہے ہیں ابھی حال ہی میں ایک رشتہ آیا ہے یہ لڑکا تعلیم یافتہ اور نہایت شریف ہے اور خاندانی لحاظ سے بھی اچھا ہے لیکن یہ غیر مقلد ہے لوگوں سے بحث مباحثے بھی کرتا رہتا ہے میری بیوی کا رجحان اس لڑکے کی طرف ہو رہا ہے لیکن میں دلی طور پر مطمئن نہیں ہوں میں نے سوچا چلو علماء کرام سے معلوم کرلوں اب آپ حضرات میری راہنمائی فرمائیں کہ اس لڑکے کو اپنی لڑکی دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ شریعت اسلامیہ میں ہر مسلمان سے نکاح جائز ہے اس لئے غیر مقلد سے بھی اگر وہ اسلاف کو گالیاں نہیں دیتا اور اختلافی مسائل میں غلو نہ کرتا ہو تو ایسے شخص سے نکاح کیا جا سکتا ہے البتہ اگر غالی ہو اور سلف صالحین کو گالی دیتا ہو تو ایسے شخص سے نکاح سے اجتناب کیا جائے۔

Marfat.com

لما فی الفقه النافع (۵۲۲/۲): والكفاءة معتبرة فی النكاح لقوله عليه السلام (قريش بعضهم اكفاء بعض) ---- ولأن مصالح النكاح لا تتحقق الا بطاعتها اياه ولا تطيعه مع عدم الكفاءة ظاهراً۔

وفی الهندية (۲۹۱/۱): (ومنها الديانة) تعتبر الكفاءة فی الديانة وهذا قول ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله تعالیٰ وهو الصحيح كذا فی الهداية۔ فلا يكون الفاسق كفؤا للصالحة۔

وفی الشامية (۴۵/۳):قوله (وفي النهر الخ) مأخوذ من الفتح حيث قال وأما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم لأن الحق عدم تكفير أهل القبلة وإن وقع إلزاما في المباحث۔

وفی التحرير المختار للرافعی (۱۸۳/۱): (قوله ماخوذ من الفتح حيث قال واما المعتزلة الخ) وجعل الرملی فی حاشية المنح المعتزلی والرافضی بمنزلة اهل الكتاب حيث قال "قوله:وصح نكاح كتابية" اقول يدخل فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا يجوز ان تتزوج المسلمة السنية من الرافضی لانها مسلمة وهو كافر فدخل تحت قولهم لا يصح تزوج مسلمة بكافر۔

(۲۷۰) مودودی ذہنیت رکھنے والے سے نکاح کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ نوجوانوں میں کچھ تو نوعمری کا جذبہ، کچھ ناتجربہ کاری اور بے کاری نے ایک عجیب فضا پیدا کردی ہے کہ جہاں کہیں کسی بات پر کوئی جلسہ ہو یا کوئی پروگرام ہو، اور وہاں جو بات ان کے دل ودماغ میں بیٹھ جائے یا بٹھادی جائے تو وہ اس سے ٹس سے مس نہیں ہوتے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود خاندان میں ہی بعض نوجوان مودودیت سے اتنے متاثر ہوجاتے ہیں کہ مودودی صاحب کے غلط نظریات کا پرچار ان کے لئے مقصدِ حیات ہوجاتا ہے اور بعض نوجوان ڈاکٹر اسرار احمد یا پروفیسر طاہر القادری کے خیالات کے حامل ہوجاتے ہیں اور ان کی زبانیں ہر وقت انہی کے گن گاتی ہیں۔ آپ سے پوچھنا یہ تھا کہ اگر ایسے نوجوانوں کا رشتہ جب خاندانی تعلقات کی بنا پر آتا ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ کیا ایسے نوجوانوں کو اپنی سادہ ذہن لڑکیاں دینا یا ایسے گھرانوں سے جہاں مذکورہ ذہنیت کا راج ہو وہاں سے اپنے لڑکوں کیلئے لڑکیاں لینا درست ہے؟ کیا یہ نکاح منعقد ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں یہ بات واضح رہے کہ نکاح کے لئے اسلام شرط ہے باقی لڑکے یا لڑکی کا تعلق کس مسلک سے ہے اس کا نکاح کے انعقاد سے کوئی تعلق نہیں البتہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس شخص کے عقائد ونظریات کفریہ حد تک نہ پہنچے ہوں کیونکہ

Marfat.com

اس صورت میں نکاح نہ ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کے عقائد کفریہ نہ ہوں تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر وہ شخص معتدل المزاج ہو، اختلافی مسائل میں غالی نہ ہو اور انبیاء واصحاب کی شان میں گستاخی نہ کرتا ہو تو ایسے شخص سے نکاح کر لینا بہتر ہے تاکہ معاشرے میں حلال طریقہ سے زندگی گزارنا آسان ہو۔

لما في الفقه الاسلامي وادلته (۹/۶۴۹۱، ۶۴۹۲): والسبب في عناية الشرع بهذه المقدمات: هوا لحرص على إقامة الزواج على أمتن الأسس، وأقوى المبادئ، لتتحقق الغاية الطيبة منه، وهي الدوام والبقاء، وسعادة الأسرة، والاستقرار ومنع التصدع الداخلي. وحماية هذه الرابطة من النزاع والخلاف، لينشأ الأولاد في جو من الحب والألفة والود والسكينة واطمئنان كل طرف إلى الآخر. قال الله تعالى: {ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجاً لتسكنوا إليها، وجعل بينكم مودة ورحمة، إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون}۔

Marfat.com

باب من یحرم به النکاح، وفیه فصول

فصل فی المحرمات بالنسب

(بوجہ نسب حرام عورتوں کا بیان)

(۲۷۱) محارم کون ہیں؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کون کون سے مرد عورت کے محارم میں آتے ہیں جن سے پردہ نہیں تفصیلاً ان کے اسماء ذکر کردیں۔ عورت کیلئے نسب کی وجہ سے جن مردوں سے نکاح حرام ہوجاتا ہے ان کا بھی ذکر خصوصاً کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مردوں میں سے درج ذیل افراد عورت کے محارم ہیں جن سے پردہ نہیں ہے اور انہی افراد سے عورت کا نکاح کرنا حرام ہے۔
باپ، دادا، بھائی، بیٹا، بھتیجا، بھانجا، پوتا، نواسہ، چچا، ماموں، سسر، داماد اور رضاعی رشتہ دار جو اوپر ذکر کردیئے گئے۔
نوٹ: اگر سسر اور ساس جوان ہوں تو سسر کو بہو سے اور داماد کو ساس سے اختلاط میں احتیاط کرنا چاہیئے۔
لما فی القرآن المجید (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ ۔الآیۃ۔
وفی (سورۃ النور:۳۱) وَقُل لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ

Marfat.com

الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوبُوْا إِلَى اللهِ جَمِيْعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

وفی بدائع الصنائع، کتاب النکاح (۳/۴۱۵) (ط: بیروت): أما النوع الأول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الأمهات، والبنات، والأخوات والعمات، والخالات، وبنات الأخ، وبنات الأخت۔ قال الله تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ الخ ۔۔وأما النوع الثالث وهو المحرمات بالرضاعة فكل من حرم لقرابة من الفرق السبع الذين وصفهم الله تعالیٰ يحرم بالرضاعة۔

وفی الدرالمختار، کتاب الکراهیة (۶/۳۶۸): والخلوة بالمحرمة مباحة إلا الأخت رضاعا والصهرة الشابة۔

(۲۷۲) محرمات ابدیہ سے نکاح جائز نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کریم کی بہن کا ایک ہی لڑکا ہے جس نے غیر خاندان میں شادی کی ہے جس سے اس کی ایک لڑکی ریحانہ ہے اس طرح یہ لڑکی ریحانہ کریم کے بھانجے کی لڑکی اور بڑی بہن کی پوتی ہے، مولانا صاحب کیا شریعت کی رو سے لڑکی ریحانہ اور کریم کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بہن اور اس کی اولاد یا اس کی اولاد کی اولاد وغیرہ محرمات ابدیہ میں شامل ہیں کہ جن سے کسی صورت شریعت نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتی لہٰذا صورت مسئولہ میں کریم کا اپنے بھانجے کی لڑکی ریحانہ سے نکاح کرنا قطعاً جائز نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (سورة النساء :۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ۔ الآية۔

وفی الدرالمختار، کتاب النکاح فصل فی المحرمات (۳/۲۸): (حرم) على المتزوج ذكرا كان أو أنثى نكاح (أصله وفروعه) علا أو نزل (وبنت أخيه وأخته وبنتها) ولو من زنى۔

Marfat.com

(۲۷۳) خالہ کا بھانجے سے نکاح جائز نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے جس نے دو نکاح کئے ایک عورت کا نام فاطمہ دوسری کا آمنہ ہے فاطمہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام رابعہ ہے میرے دوست نے اپنی بیٹی رابعہ کا نکاح خالد نامی ایک شخص سے کر دیا اور اس خالد کا رابعہ سے ایک لڑکا ہوا اور میرے دوست کی دوسری بیوی آمنہ سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی اب میرے دوست کا ارادہ ہے کہ میری اس بیٹی کا نکاح خالد کے لڑکے کے ساتھ ہو جائے نیز میرا دوست خالد کا بہنوئی بھی ہے اور خالد اس کا داماد بھی ہے کیونکہ میرے دوست کی منکوحہ آمنہ خالد کی بہن ہے اور میرے دوست کی بیٹی رابعہ خالد کی بیوی ہے اب صورتِ مندرجہ بالا میں ایک وجہ سے خالد کی اولاد کا آمنہ کی لڑکی کے ساتھ خالہ کا رشتہ بنتا ہے اور ایک وجہ سے پھوپھی کی لڑکی کا رشتہ متصور ہوتا ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تسلی بخش جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت نکاح کے اسباب میں سے ایک سبب نسب بھی ہے یعنی ذی رحم محرم سے نکاح کرنا جائز نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں آمنہ کی لڑکی اور رابعہ کے لڑکے کا آپس میں رشتہ خالہ اور بھانجے کا ہے کیونکہ رابعہ اور آمنہ کی لڑکی آپس میں بہنیں ہیں اور خالہ اور بھانجے کا آپس میں نکاح ناجائز ہے اگرچہ والد کے رشتے سے وہ لڑکی اس کی پھوپھی زاد بہن بنتی ہے لیکن والدہ کے رشتہ سے خالہ ہونے کی وجہ سے یہ نکاح حرام ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (سورۃ النساء :۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ۔الآیۃ۔

وفی الشامیۃ (۲۸/۳): وفروع أجداده وجداته ببطن واحد فلهذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والأخوال فتح۔

(۲۷۴) سوتیلے ماموں اور سوتیلی خالہ سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی شادی اس کی سوتیلی خالہ اور زید کی بہن کی شادی

Marfat.com

ل کے سوتیلے ماموں سے ہوسکتی ہے جبکہ زید کے نانا تو سگے ہیں لیکن نانی سوتیلی ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید کی شادی اس کی سوتیلی خالہ سے، حرام ہے، اور اسی طرح زید کی بہن کی شادی اس کے سوتیلے ماموں سے ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ مذکورہ سوتیلی خالہ اور سوتیلا ماموں، حقیقی خالہ اور حقیقی ماموں کے مانند ہیں۔

لمافی القرآن الکریم (سورۃ النساء :۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ۔الآیۃ۔

وفی الهندية (۲۷۳/۱)الباب الثالث في بيان المحرمات وهي تسعة أقسام القسم الأول المحرمات بالنسب وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات والخالات وبنات الأخ وبنات الأخت فهن محرمات نكاحا ووطئا ودواعيه على التأبيد ۔۔۔ وأما الأخوات فالأخت لأب وأم والأخت لأم وكذا بنات الأخ والأخت وإن سفلن ۔۔۔ وأما الخالات فخالته لأب وأم وخالته لأب وخالته لأم وخالات آبائه وأمهاته۔

(۲۷۵) ساس کا داماد سے نکاح حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان [illegible] مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص نے اپنی دوسالہ بچی کا نکاح ایک شخص سے کیا اور اس شخص کا یعنی بچی کے والد کا کچھ عرصہ کے بعد انتقال ہوگیا اب اس کی بیوی نے اس شخص سے اپنی بچی کو طلاق دلوائی اور پھر خود اس سے نکاح کرلیا برائے کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ اس عورت کا اپنے داماد سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کسی آدمی کا کسی عورت سے عقد صحیح کے ساتھ نکاح ہوجائے تو نفس عقد ہی سے اس عورت کی ماں جو کہ ا [illegible] ساس بنتی ہے اس آدمی پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوجاتی ہے اب اگر اس مرد وعورت میں جدائی ہوجائے تب بھی اس شخص کا اپنی ساس سے نکاح جائز نہیں ہوگا وہ ہمیشہ کیلئے اس پر حرام رہے گی لہٰذا صورت مسئولہ میں اس عورت کا اس مرد سے جو کہ اس کا داماد بنتا ہے نکاح شرعاً درست نہیں فوراً جدائی اختیار کر کے توبہ کرنی چاہیئے۔

لمافی القرآن الکریم (سورۃ النساء :۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ۔الآیۃ۔

Marfat.com

وفی الدرالمختار (۳/۳۰) کتاب النکاح: و حرم المصاهرة (بنت زوجته الموطوءة وأم زوجته.) وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحیح۔

وفی الرد تحته: قوله (وأم زوجته) خرج أم أمته فلا تحرم إلا بالوطء أو دواعيه۔۔۔قوله (و جداتها مطلقا) أي من قبل أبيها وأمها وإن علون بحر قوله (بمجرد العقد الصحيح) يفسره قوله وإن لم توطأ قوله (الصحيح) احتراز عن النكاح الفاسد۔

(۲۷۶) دادا وغیرہ کی بہن سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دادا کی بہن سے نکاح حرام ہے یا حلال، نیز دادی کے بھائی سے نکاح کا حکم کیا ہے؟ اسی طرح نانا کی بہن سے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ان تینوں نکاح کے حلت وحرمت کا بیان کردیں۔ نیز پرنانا کی بہن اور پردادی کے بھائی سے نکاح کے جواز وعدم جواز پر بھی روشنی ڈال دیں۔ ان نکاحوں میں اگر عدم جواز اور جواز کے اعتبار سے فرق ہو تو فرق کی وجہ کیا ہے؟ اصول کے بھائی بہنوں سے کون سے نکاح حلال ہیں اور کون سے حرام نیز وجہ فرق کیا ہے؟ تفصیلاً تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ اصول کے بھائی بہنوں سے نکاح کرنا حرام ہے چنانچہ دادا کی بہن، دادی کے بھائی اور بہن نیز نانا کی بہن، پرنانا کی بہن اور پردادی کے بھائی ان تمام سے نکاح کرنا حرام ہے، البتہ ماں شریک پھوپھی کی پھوپھی [یعنی باپ کی ماں شریک بہن] اور باپ شریک خالہ کی خالہ سے نکاح حلال ہے۔

لما فی القرآن (النساء:۲۱۔۲۲): وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلاً۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الاَخِ وَبَنَاتُ الأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ ۔الآية۔

وفی الشامیة (۳/۳۰): قوله (وأما عمة عمة أمه الخ) قال في النهر وأما عمة العمة وخالة الخالة فإن كانت العمة القربى لأمه لا تحرم وإلا حرمت وإن كانت الخالة القربى لأبيه لا تحرم۔

Marfat.com

(۲۷۷) بیٹے نے بہو کو دخول سے قبل طلاق دی تو بہو سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بیٹے کی منکوحہ جس سے بیٹے نے وطی اور خلوت صحیحہ نہیں کی اسے اگر بیٹا طلاق دے تو اس سے اس کا باپ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ عورت شوہر کے والد کیلئے حلال نہیں اگرچہ شوہر نے وطی یا خلوت صحیحہ نہ کی ہو۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳): وَحَلَائِلُ اَبْنَائِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ

وفی الھندیۃ (۱/۲۷۴): والثالثة حليلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا دخل بها الابن أم لا ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الأب المتبني هكذا في محيط السرخسي۔

(۲۷۸) سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے

سوال

زید کے والد نے دوسری شادی کی، نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے یہ معلوم ہونے پر کہ خود زید اس عورت میں دلچسپی رکھتا ہے، زید کے والد نے اس عورت کو طلاق دیدی، اب زید اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے، آیا زید کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اس عورت کے ساتھ زید کا نکاح ناجائز ہے کیونکہ والد کی منکوحہ کیساتھ نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہوتا ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۲): وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلاً۔

وفی الشامیۃ (۳/۲۸): وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم

Marfat.com

علیهن بعقد صحیح۔

وفیه ایضاً (۵/۳): وأما حرمة التي عقد عليها عقدا صحيحا عليهم فبالإجماع۔

(۲۷۹) بیوی کی سوتیلی بہن اور داماد سے نکاح حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا سوتیلی سالی سے نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کوئی عورت اپنی بیٹی کے انتقال کے بعد داماد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

زوجہ کی حیات میں اور حالت نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی سوتیلی بہن [خواہ باپ شریک ہو یا ماں شریک ہو یا رضاعی ہو] سے نکاح درست نہیں ہے اسی طرح عورت اپنی بیٹی کی وفات کے بعد داماد سے نکاح نہیں کرسکتی۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا

وفی الدر المختار (۳۰/۳): (وأم زوجته) وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح (وإن لم توطأ) الزوجة۔

وفی الرد تحته: قوله (وأم زوجته) خرج أم أمته فلا تحرم إلا بالوطء أو دواعيه لأن لفظ النساء إذا أضيف الى الأزواج كان المراد منه الحرائر كما في الظهار والإيلاء، بحر۔ وأراد بالحرائر النساء المعقود عليهن ولو أمة لغيره كما أفاده الرحمتي وأبو السعود قوله (وجداتها مطلقا) أي من قبل أبيها وأمها وإن علون بحر قوله (بمجرد العقد الصحيح) يفسره قوله وإن لم توطأ قوله (الصحيح) احتراز عن النكاح الفاسد فإنه لا يوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطء أو ما يقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة لأن الإضافة لا تثبت إلا بالعقد الصحيح بحر أي الإضافة إلى الضمير في قوله تعالى { وأمهات نسائكم } أو في قوله وأم زوجته ويوجد في بعض النسخ زيادة قوله فالفاسد لا يحرم إلا بمس شهوة ونحوه قوله (الزوجة) أبدله في الدرر بالأم وهو سبق قلم۔

Marfat.com

(۲۸۰) دو جڑی ہوئی بہنوں کے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر دو بہنیں خلقی طور پر ایک دوسری کے ساتھ جڑی ہوئی ہوں اور بذریعہ آپریشن ان دونوں کی ایک دوسرے سے علیحدگی بھی ناممکن ہو یا ممکن تو ہو لیکن اس کی استطاعت نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک یا دونوں کے ساتھ نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسی کیفیت میں دونوں کو جدا کئے بغیر نکاح درست نہیں۔ اس لئے کہ یا تو آدمی دونوں سے نکاح کریگا یا دونوں میں سے کسی ایک سے، پہلی صورت قطعاً حرام ہے جبکہ دوسری صورت میں نکاح کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا وہ یہ کہ میاں بیوی بلا مانع غیر کے ایک دوسرے سے استمتاع حاصل کریں لہٰذا دونوں کو جدا کئے بغیر نکاح درست نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ ..... وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

وفی ردالمحتار (۴۱/۳): أما في مسألة تزوجهما معا في عقد واحد فالباطل نكاح كل منهما يقينا۔

(۲۸۱) دو جڑی ہوئی بہنوں کے نکاح سے متعلق بعض شبہات کا جواب

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو جڑواں بہنیں ایک ہی سات جڑی ہوئی پیدا ہوئیں کیا کیا جائے؟ آپریشن سے جدا کرنا ممکن نہیں تو کسی ایک سے نکاح کرنا جائز ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ جائز نہیں یہ ان دونوں پر زیادتی ہے؟ نیز اگر دونوں کے اعضائے رئیسہ ایک ہوں تو پھر؟ جائز ہونا چاہیئے شرمگاہ ایک ہو تو ایک عورت شمار کرلیا جائے، کیا فتویٰ ہے؟ جدید فتاویٰ اور عرب علماء نے اپنے فتاویٰ میں اس پر بحث کی ہو تو تحریر کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ جڑی ہوئی دو بہنوں سے نکاح درست نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نکاح کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

Marfat.com

(۱) دونوں میں سے ایک کا ایک لڑکے کے ساتھ اور دوسری کا دوسرے لڑکے کے ساتھ نکاح کیا جائے۔

(۲) ایک کا ایک لڑکے کے ساتھ نکاح کیا جائے اور دوسری کا کسی کے ساتھ بھی نکاح نہ کیا جائے مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح تو جائز اور منعقد ہے کیونکہ جس قدر اسباب حرمت ہیں ان میں سے کوئی بھی متحقق نہیں ہے لیکن چونکہ خلوت زوجہ خلوت اجنبیہ کو مستلزم ہے اسی طرح ایک کے مس سے دوسرے کا مس لازماً ہوتا ہے اس لئے ہر ایک شوہر کو اپنی زوجہ کے ساتھ خلوت حرام ہے اس وجہ سے ان دوصورتوں میں نکاح لغیرہ منہی عنہ ہوگا۔

(۳) تیسری صورت دونوں کا ایک لڑکے کے ساتھ نکاح کیا جائے یہ صورت جمع بین الاختین کو مستلزم ہے جو نص قرآنی کی وجہ سے قطعاً حرام ہے لہذا اس صورت میں نکاح حرام ہوگا۔

یہ کہنا کہ شرمگاہ ایک ہو تو ان کو ایک شمار کر کے نکاح جائز ہونا چاہیئے یہ بات نہ عقلاً درست ہے اور نہ نقلاً۔ عقلی وجہ سائل کے سوال سے ظاہر ہے کہ انہوں نے بھی دو جڑواں بہنیں کہہ کر سوال میں ذکر کیا ہے یعنی دیکھنے والا ان کو دو ہی سمجھتا ہے نہ کہ ایک۔ نقلی وجہ یہ ہے کہ ذخیرہ فقہ میں کئی ایسی مثالیں ملیں گی جہاں اکثر بدن کا اعتبار کیا گیا ہے اس کے مقابلے میں اقل بدن کو نظر انداز کیا گیا ہے جیسے کسی میت کا اکثر بدن مل جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اس کے برخلاف اقل پر مذکورہ حکم جاری نہیں ہوگا اسی طرح اگر اکثر بدن پر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد کوئی عضو مل جائے تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی لہٰذا مذکورہ صورت میں شرمگاہ کے ایک ہونے کو بنیاد بنا کر اکثر بدن کو نظر انداز کر کے ان کے ساتھ نکاح کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ماضی قریب کے فتاویٰ (فتاویٰ دارالعلوم، فتاویٰ خلیلیہ، امداد الفتاوی) میں اس مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا ہے سب کے جوابات کا تقریباً یہی خلاصہ نکلتا ہے۔

لمافی الهندية (۱۵۹/۱) كتاب الصلوة الباب الحادى والعشرون: ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس يغسل ويكفن ويصلى عليه كذا في المضمرات وإذا صلي على الأكثر لم يصل على الباقي إذا وجد كذا في الإيضاح۔

وفى الدرالمختار (۳/۳) كتاب النكاح: (هو) عند الفقهاء (عقد يفيد ملك المتعة) أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي۔

وفى الشامية (۳۸/۳) كتاب النكاح فصل فى المحرمات: وحرم الجمع بين المحارم نكاحا أى عقدا صحيحاً۔

Marfat.com

فصل فی المحرمات بالرضاع

(بوجہ رضاعت حرام عورتوں کا بیان)

(۲۸۲) حرمت رضاعت سے کن لوگوں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ حرمت رضاعت کن کے دودھ پلانے سے کن کن افراد کے ساتھ ثابت ہوتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مدت رضاعت میں بچے کا مرضعہ (دودھ پلانی والی عورت) کا دودھ پینے سے دودھ پلانے والی عورت اور اس کے خاوند کے اصول، یعنی ماں باپ دادا، دادی وغیرہ اور فروع یعنی ان دونوں کی اولاد سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور رضیع کا ان سے نکاح جائز نہ ہوگا لہٰذا وہ تمام رشتے جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں رضاعت میں بھی حرام ہوں گے۔

لمافی البخاری (۷۶۴/۲): عن عمرة بنت عبد الرحمن، أن عائشة رضي الله عنها، زوج النبي صلى الله عليه وسلم، أخبرتها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان عندها، وأنها سمعت صوت رجل يستأذن في بيت حفصة، قالت عائشة: فقلت: يا رسول الله، هذا رجل يستأذن في بيتك، قالت: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أراه فلانا لعم حفصة من الرضاعة، فقالت عائشة: لو كان فلان حيا لعمها من الرضاعة دخل علي؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم، إن الرضاعة تحرم ما يحرم من الولادة۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قيل للنبي صلى الله عليه وسلم: ألا تتزوج ابنة حمزة؟ قال: انها ابنة أخي من الرضاعة۔

وفی النسائی (۶۷/۲): عن عائشة رضی الله عنهاعن النبی ﷺ قال :ماحرمته الولادة حرمه

Marfat.com

الرضاء عن عائشة رضی الله عنهاعن النبی ﷺ قال: یحرم من الرضاء مایحرم من النسب۔

وفی الشامیة (۲۱۵/۳) بوبیان ذلك أن الحدیث دل علی أن کل ما یحرم من النسب یحرم نظیره من الرضاء فیقال تحرم الأم نسبا فکذا تحرم الأم رضاعا وتحرم البنت نسبا فکذا تحرم البنت رضاعا وهکذا إلی آخر المحرمات النسبیة فأم أخیك الشقیق أو لأم إنما تحرم لکونها أمك لا لکونها أم أخیك ولذا تحرم علیك ولو لم یکن لك أخ منها۔

(۲۸۳) حرمت رضاعت اور نسب میں کن رشتوں میں فرق ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ نے سنا ہے کہ رضاعی اور نسبی رشتوں میں جو کہا جاتا ہے کہ رضاعت سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں وہ نسب سے بھی ہوتے ہیں لیکن رضاعت کے چند رشتے مستثنیٰ ہیں وہ رشتے کون سے ہیں، نہیں کیوں مستثنیٰ کیا جاتا ہے؟ کیا حدیث میں ذکر ہے؟ فقہاء کی عبارات سے مفصل ومدلل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک حدیث میں آیا ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو رشتے ولادت سے (یعنی نسب سے) حرام ہوتے ہیں وہی رشتے رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں جیسے نسب میں خون کی وجہ سے حرمت آتی ہے، اسی طرح رضاعت میں دودھ کی وجہ سے آتی ہے لہٰذا جہاں تک دودھ کا اثر جائے گا وہاں تک رشتۂ رضاعت کا تعلق ہوگا اور حرمت بھی آئے گی، اور جہاں اس کا اثر نہیں جاتا وہاں رشتہ رضاعت کا تعلق بھی نہیں ہوگا۔

رضاعت میں دودھ پینے اور پلانے کی نسبت سے چار لوگ ہیں:

(۱) مرضعہ (دودھ پلانے والی)

(۲) مرضع (دودھ پلانے والی کا شوہر، جس کی وجہ سے عورت میں دودھ آیا)

(۳) رضیع (دودھ پینے والا)

(۴) رضیعہ (دودھ پینے والی)

دودھ پلانے والوں میں حرمت رضاعت کا اثر اصول وفروع سب میں پھیل جاتا ہے، لہٰذا رضیع/رضیعہ کے لئے مرضع/مرضعہ کی طرف سے اصول وفروع میں سے جو لوگ نسبی رشتہ میں حرام ہیں وہ سب رضاعی رشتہ میں بھی حرام ہیں ان میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے، جیسے رضیع کے اوپر رضاعی رشتہ میں ماں، بہن، پھوپھی، خالہ، دادی، نانی، بھتیجی، بھانجی وغیرہ اور رضیعہ کے لئے باپ، بھائی، چاچا،

Marfat.com

ماموں، دادا، نانا، بھتیجا، بھانجا وغیرہ سب حرام ہیں۔

مگر دودھ پینے والوں (یعنی رضیع/رضیعہ) میں حرمت صرف ان کے فروع میں آئے گی، اصول میں نہیں، کیونکہ دودھ کا اثر اصول تک تجاوز نہیں کرتا لہٰذا مرضع/مرضعہ اور باقی رضاعی محرمات پر رضیع کے تمام نسبی فروع تو حرام ہیں، مگر اصول حرام نہیں۔ فقہاء کرام نے استثناء کی چند مشہور صورتیں ذکر کی ہیں ان میں مذکورہ باتیں سامنے آتی ہیں۔

رضاعی بہن کی ماں، رضیع بیٹے کی بہن، رضیع کے چچا کی ماں، رضیع کی پھوپھی کی ماں، رضیع بیٹے کی دادی، رضیع بیٹے کی نانی، رضیع پوتے کی ماں، رضیع بیٹے کی پھوپھی وغیرہ۔ ان سب صورتوں میں مضاف ومضاف الیہ میں تذکیر وتانیث عام رکھا جائے تو ہر ایک میں چار چار صورتیں بنیں گی، جیسے (۱) رضاعی بھائی کا باپ۔ (۲) رضاعی بھائی کی ماں۔ (۳) رضاعی بہن کا باپ۔ (۴) رضاعی بہن کی ماں۔

اسی طرح مضاف ومضاف الیہ میں نسبی ورضاعی کو عام رکھا جائے تو ہر ایک میں مزید تین تین صورتیں بنیں گی جیسے (۱) رضاعی بہن کی نسبی ماں (۲) نسبی بہن کی رضاعی ماں (۳) رضاعی بہن کی رضاعی ماں (مضاف ومضاف الیہ دونوں نسبی ہوں تو ان کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں)، نسبی رشتے میں ان سب کا آپس میں نکاح حرام ہے۔

ان میں سے مذکر ہو تو مؤنث کے ساتھ، مؤنث ہو تو مذکر کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ سب لوگ رضیع کے فروع میں سے نہیں ہیں لہٰذا رشتہ رضاعت کا تعلق ان کے ساتھ نہیں ہے، محققین کے نزدیک استثناء کی مذکورہ صورتوں سے حدیث کی تخصیص نہیں ہوگی، کیونکہ یہ سب لوگ حدیث کے عموم کے تحت داخل نہیں ہیں۔

لمافی تکملة فتح الملهم بشرح صحيح مسلم (۴۰/۷) باب يحرم من الرضاعة مايحرم من الولادة: (عن عمرة أن عائشة رضى الله عنها أخبرتها أن رسول الله ﷺ كان عندها۔۔۔ فقالت عائشة رضى الله عنها يا رسول الله! لو كان فلانا حيا (لعمها من الرضاعة) دخل على؟ قال، رسول الله ﷺ: نعم ان الرضاعة تحرم ماتحرم الولادة) ۔۔۔ وقد اجمعت الامة لهذا الحديث على ان ما يحرم من قربات النسب والصهرية يحرم امثالها فى الرضاء، فيحرم من الرضاء الامهات والبنات والاخوات والعمات والخالات والاعمام والاخوال وجميع الاصول الفروع۔ وقد استثنى منه الفقهاء بعض الصور، مثل ام اخته من الرضاء واخت ابنه من الرضاء وغيرهما، وقد بلغ ابن نجيم فى البحر الى احدى وثمانين صورة ولكنه استثناء منقطع لما قال ابن الهمام قالت طائفة هذا الاخراج تخصيص للحديث بدليل العقل، والمحققون على انه ليس تخصيصا ۔۔۔ فالحاصل ان الام النسبية لاخته الرضاعية انما تحل للرجل اذا لم ترضعه لانه لا نسب ولارضاء بينهما ۔۔۔ فالقول بحلتها ليس تخصيصا للنص ولا استثناء متصلا، وانما سماه الفقهاء استثناء من جهة الصورة فحسب لما كان يتوهم فى الظاهر انه داخل فى عموم

Marfat.com

الحديث۔

وفی البحرالرائق (۳/۳۸۹):قوله (إلا أم أخته وأخت ابنه) يعني فإنهما يحلان من الرضاع دون النسب أطلق المضاف والمضاف إليه ففي أم أخته ثلاث صور الأولى الأم رضاعا والأخت نسبا بأن أرضعت أجنبية أخته نسبا ولم ترضعه الثانية عكسه أن يكون لأخته رضاعا أم من النسب الثالثة أن يكونا رضاعا بأن أرضعت امرأة صبيا وصبية ولهذه الصبية أم أخرى من الرضاع لم ترضع الصبي ۔۔۔ وبعد اسطر: وأقول في بيان حلها إن مسألتي الكتاب أربع وعشرون صورة لأن لأم أخيه بتذكير الأخ وبتأنيث الأخت صورتين لجواز إضافة الأم إلى الأخ والأخت وكل منهما بالاعتبارات الثلاثة فهي ستة۔

وفی الدر المختار(۳/۲۱۴): واستثنى بعضهم إحدى وعشرين صورة وجمعها في قوله يفارق النسب الإرضاء في صور كأم نافلة أو جدة الولدوأم أخت وأخت ابن وأم أخ وأم خال وعمة ابن اعتمد (إلا أم أخيه وأخته) ۔۔۔۔ (و) قس عليه (أخت ابنه) وبنته (وجدة ابنه) وبنته (وأم عمه) وعمته وأم خاله وخالته وكذا عمة ولده وبنت عمته وبنت أخت ولده وأم أولاد أولاده فهؤلاء من الرضاء حلال للرجل وكذا أخو ابن المرأة لها فهذه عشر صور تصل باعتبار الذكورة والأنوثة إلى عشرين وباعتبار ما يحل له أو لها إلى أربعين۔

(۲۸۴) رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے اپنی بہن کی بیٹی کو اپنا دودھ پلایا ہے اور اب وہ عورت اپنی بہن کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتی ہے جس لڑکی کو اس نے دودھ پلایا ہے تو اس طریقے سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ اس کا جواب قرآن اور حدیث کی روشنی میں تفصیل سے دیں۔

نوٹ: ایک سال سے کم عمر تھی جس بچی کو دودھ پلایا تھا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ہر وہ عورت جو کسی بچہ یا بچی کو دودھ پلائے تو وہ عورت اس کی رضاعی ماں کہلاتی ہے اور اس عورت کی اولاد اس بچہ یا بچی کے رضاعی بھائی و بہن ہوتے ہیں۔ جس طرح حقیقی بہن بھائی سے نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی سے بھی نکاح کرنا حرام

Marfat.com

ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ عورت اپنی بہن کی بیٹی سے اپنے بیٹے کا نکاح نہیں کرسکتی۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الاَخِ وَبَنَاتُ الاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔الآیة۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۷۳) باب المحرمات: عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ یحرم من الرضاعة مایحرم من الولادة (رواه البخاری)۔

وفی الهندیة (۳۴۳/۱) کتاب الرضاء: یحرم علی الرضیع أبواه من الرضاء وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاء جمیعا۔

وفی الدرالمختار(۲۱۷/۳)(باب الرضاء): (ولا) حل (بین الرضیعة وولد مرضعتها) أي التي أرضعتها (وولد ولدها) لأنه ولد الأخ۔

(۲۸۵) رضاعی ماموں سے نکاح درست نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اسلم کی ماں نے صابرہ کو دودھ پلایا یعنی صابرہ اسلم کی رضاعی بہن ہے اور اسلم کا ایک رضاعی ماموں ہے جس کا نام ذاکر ہے تو کیا صابرہ کا نکاح اسلم کے رضاعی ماموں ذاکر کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اسلم کے رضاعی ماموں ذاکر (یعنی جس نے اسلم کی نانی کا دودھ پیا ہے) کا نکاح اسلم کی رضاعی بہن صابرہ کے ساتھ جائز نہیں اس لئے کہ ذاکر جس طرح اسلم کا رضاعی ماموں ہے اسی طرح صابرہ کا بھی رضاعی ماموں ہے۔

لمافی الدرالمختار(۳۱/۳): (و) حرم (الکل) مما مر تحریمه نسبا ومصاهرة (رضاعا) إلا ما استثني في بابه۔

و فی الرد تحته:وقوله رضاعا تمییز عن نسبة تحریم إلی الکل یعني یحرم من الرضاء أصوله وفروعه وفروع أبویه وفروعهم۔

Marfat.com

(۲۸۶) رضاعی ماں کی اخیافی بہن سے نکاح کا حکم

سؤال

ایک بچہ نے مدت رضاعت میں ایک عورت کا دودھ پیا اب وہ بچہ بعداز بلوغ اپنی رضاعی ماں کی اخیافی بہن سے نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ بچہ اور اس کی رضاعی ماں کی اخیافی بہن رضاعت کے رشتے سے آپس میں خالہ اور بھانجا ہوئے اور جس طرح حقیقی اخیافی خالہ کے ساتھ نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی اخیافی خالہ کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ اس لئے کہ جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتے ہیں لہٰذا یہ لڑکا اپنی رضاعی ماں کی اخیافی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا۔

لمافی بدائع الصنائع (۴/۲-۳): وأخوات المرضعة يحرمن على المرضع لأنهن خالاته من الرضاعة واخواتها أخوال المرضع فيحرم عليهم كما في النسب۔

وفی الهندية (۱/۲۷۳): وأما الخالات فخالته لأب وأم وخالته لأب وخالته لأم۔

(۲۸۷) اگر نانی کا دودھ پیا ہو تو اپنی خالہ زاد سے نکاح جائز نہیں

سؤال

ایک شخص نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے آیا اس شخص کا نکاح اپنی ماموں زاد یا خالہ زاد سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اس شخص کا نکاح جس نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہو اپنی خالہ زاد اور ماموں زاد سے نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ اس کی بھانجیاں اور بھتیجیاں بن گئیں تو جس طرح نسبی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے بھی حرام ہے جیسا کہ نصوص سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

جامع الترمذی (۱/۲۱۷) عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب۔

Marfat.com

وفی الدرالمختار(۲۱۷/۳):(ولا حل بين رضيعي امرأة) لكونهما أخوين وإن اختلف الزمن والأب (ولا) حل (بين الرضيعة وولد مرضعتها) أي التي أرضعتها (وولد ولدها) لأنه ولد الأخ۔

(۲۸۸)بیوی کی رضاعی یاسوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

اپنی بیوی کی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح بیوی کی رضاعی ماں کا کیا حکم ہے، اس کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنی بیوی کی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ اسباب حرمت میں سے کوئی سبب موجود نہیں اور بیوی کی رضاعی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ اسباب حرمت میں سے ایک سبب رضاعت موجود ہے۔

لمافی الدرالمختار (۳۸/۳):(و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)۔۔۔ فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها أو أمة ثم سيدتها لأنه لو فرضت المرأة أو امرأة الابن أو السيدة ذكرا لم يحرم بخلاف عكسه

وفی الرد تحته: قوله (لم يحرم) أي التزوج في الصور الثلاث لأن الذكر المفروض في الأولى يصير متزوجا بنت الزوج وهي بنت رجل أجنبي۔

(۲۸۹)رضاعی بہن بھائی کے سگے بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو بہنوں میں سے ایک کے چار بیٹے ہیں، جبکہ دوسری کی پانچ بیٹیاں ہیں۔ایک بہن نے اپنے سب سے بڑے بھانجے کو دودھ پلایا اور اس کے علاوہ کسی کو نہیں پلایا۔اسی طرح دوسری بہن نے بڑی سے چھوٹی بھانجی کو دودھ پلایا۔اب ان میں سے کس کس کا نکاح آپس میں حرام ہے؟ مفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

خالہ نے جس بھانجے کو دودھ پلایا ہے اس پر خالہ کی تمام بیٹیاں حرام ہیں اور اسی طرح دوسری خالہ نے جس بھانجی کو دودھ پلایا اس پر اس کے تمام یعنی چاروں بیٹے حرام ہیں اور دیگر اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہے۔

لما فی التاتارخانیة (۴۲۱/۳): ولو أرضعت أم البنات واحدا من البنين وأرضعت التي لها البنون واحدة من البنات لايجوز لذلك الابن أن يتزوج بتلك المرأة ولا باحدى بناتها وجاز لاخوته أن يتزوجوا بنات تلك المرأة الا البنت التي أرضعتها أمهم۔

وفی الدرالمختار(۲۱۷/۳): (وتحل أخت أخيه رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

(۲۹۰) رضاعی ماں کی نواسی سے نکاح جائز نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ رضاعی ماں کی نواسی سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک عورت عائشہ کا دودھ پیا اور عائشہ کی ایک حقیقی بیٹی تھی جس کا نام ناصرہ تھا، اب ناصرہ کی شادی ہوگئی اور اس کی بیٹیاں ہیں ایک بیٹی کا نام باجدہ ہے اب زید اس باجدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا شرعاً یہ نکاح درست ہوگا نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ ناصرہ نے بھی عائشہ ہی کا دودھ پیا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حدیث شریف میں آتا ہے "**الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة**"(بخاری، ۲ / ۷۶۴)۔یعنی جو رشتے ولادت (نسب) کی وجہ سے حرام ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا اپنی رضاعی ماں کی نواسی سے نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ زید کی رضاعی بہن کی بیٹی ہے یعنی آپس میں رشتہ ماموں، بھانجی والا ہے تو جیسے نسبی بھانجی سے نکاح جائز نہیں ایسے ہی رضاعی بھانجی سے بھی جائز نہیں۔

لما فی الخانیة علی هامش الهندية (۴۱۶/۱): الرضاع في إثبات حرمة المناكحة بمنزلة النسب والصهرية كما أن الحرمة بالنسب إذا ثبتت في الأمهات والبنات تتعدى إلى الجدات والتوافل فكذا إذا ثبتت بالرضاع تتعدى إلى أصول المرضعة وفروعها واخوتها وأخواتها وهذه الحرمة كما تثبت في جانب الأم تثبت في جانب الأب

Marfat.com

وفی الشامیة (۲۱۵/۳): وبیان ذلك أن الحدیث دل علی أن کل ما یحرم من النسب یحرم نظیره من الرضاء فیقال تحرم الأم نسبا فکذا تحرم الأم رضاعا وتحرم البنت نسبا فکذا تحرم البنت رضاعا وهکذا إلی آخر المحرمات النسبیة۔

(۲۹۱) جنس تبدیل کرانے سے رضاعت کے احکام

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے جنس تبدیل کرائی تھی بعد میں اس نے دوسری لڑکی سے شادی کرلی (جنس تبدیل کرنے میں مرد کی شرمگاہ وغیرہ اس میں آگئی) اب پوچھنا یہ ہے کہ اس لڑکی نے جنس تبدیل کرنے سے پہلے ایک بچے کو دودھ پلایا تھا تو یہ عورت اس بچے کی ماں شمار ہوگی یا نہیں؟ جنس تبدیل کرنے سے شرعاً وہ عورت مرد بن گئی ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تعالیٰ کی حکیم ذات نے انسان کو جس جنس وطرز پر پیدا فرمایا ہے اس میں ہزاروں حِکَم وسرائر پنہاں ہیں، جن کا عقلِ انسانی ادراک نہیں کرسکتی۔ اس لئے اس میں کسی بھی قسم کی وصفاً یا جنساً تبدیلی وتغیر کرنا، ناجائز وحرام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے: "أُولٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا" (النساء:۱۲۱) یعنی ایسے (کرنے والے) لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پاویں گے۔ (بیان القرآن)..... نیز ایسا شخص از روئے حدیث مورد لعنت ہے۔

البتہ اگر کسی نے جنس تبدیل کرلی (جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں ہے) تو شرعاً وہ مرد شمار ہوگا۔ یعنی مردوں کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔ نیز بحالت سابق یعنی عورت ہونے کی حالت میں اس نے جس بچہ کو دودھ پلایا تھا۔ اس بچے اور اس موجودہ مرد کے درمیان جو حرمت رضاعت ثابت ہوچکی تھی، باقی رہے گی، کیونکہ رضاعت سے مقصود غذائیت اور نشوونما ہے اور یہ مقصود حاصل ہوچکا لہٰذا حرمت رضاعت ثابت رہے گی اور اگر آئندہ اس کے مرد ہونے کی حیثیت سے اولاد ہو تو ان کا نکاح اس رضاعی بچے سے جائز نہ ہوگا۔

لما فی قوله تعالیٰ (النساء:۱۱۹): وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّن دُوْنِ اللهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا (۱۱۹) يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا (۱۲۰) أُولٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيصًا (۱۲۱)

وفی تکملة فتح الملهم (۱۹۵/۴): والحاصل: ان کل ما یفعل فی الجسم من زیادة او نقصان من

Marfat.com

اجل الزينة بما يجعل الزيادة او النقصان مستمراً مع الجسم وبما يبدو منه انه كان في اصل الخلقة فانه تلبيس وتغيير منهى عنه۔

وفي الدرالمختار(٢١٩/٣) باب الرضاع: لا (لبن رجل) ومشكل إلا إذا قال النساء إنه لا يكون على غزارته إلا للمرأة وإلا لا۔

وفي الرد تحته: قوله (إلا إذا قال الخ) لأنه حينئذ يتضح أنه امرأة كما ذكروه في باب الخنثى فيثبت به التحريم رحمتي۔

Marfat.com

فصل فی الحرمة المصاهرة

(حرمت مصاہرت کا بیان)

(۲۹۲) حرمت مصاہرت کے ثبوت کی شرائط

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ حرمت مصاہرت کے ثابت ہونے کیلئے کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟ اور کن افراد کو شہوت سے چھونے سے یہ ثابت ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت مصاہرت عورت کے بدن کو بلا حائل کے (یا اتنا باریک کپڑا وغیرہ ہو کہ جسم کی حرارت محسوس ہو) شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے، بوسہ لینے یا فرج داخل کو دیکھنے یا زنا کا مرتکب ہوجانے سے ثابت ہوجاتی ہے۔

حرمت مصاہرت کیلئے دونوں جانب سے شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں بلکہ ایک جانب شہوت کا پایا جانا کافی ہے پھر مرد میں شہوت کی حد یہ ہے کہ آلے میں انتشار پیدا ہوجائے اور اگر پہلے سے انتشار ہو تو اس میں شدت بڑھ جائے اور عورت میں شہوت کی حد یہ ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہوجائے اور اگر پہلے سے حرکت ہو تو اس میں زیادتی ہوجائے تو یہ شہوت کہلائے گی لیکن یاد رہے کہ حرمت مصاہرت کے ثبوت کیلئے فاعل کا اقرار یا دو عادل گواہوں کی گواہی کا پایا جانا ضروری ہے نیز اگر بیوی کسی شخص (مثلاً سسر وغیرہ) پر مس بالشہوۃ وغیرہ کا الزام لگائے تو شوہر کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ حرمتِ مصاہرت کے ثبوت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ ممسوسہ لڑکی نو سال سے زیادہ عمر کی ہو وگرنہ حرمت ثابت نہ ہوگی۔

لمافی الهندية (۲۷۴/۱): وتثبت حرمة المصاهرة بالنكاح الصحيح دون الفاسد كذا في محيط السرخسي ۔۔۔ وتثبت بالوطء حلالا كان أو عن شبهة أو زنا كذا في فتاوى قاضي خان فمن زنى بامرأة حرمت عليه أمها وإن علت وابنتها وإن سفلت وكذا تحرم المزني بها على آباء الزاني وأجداده وإن علوا وأبنائه وإن سفلوا كذا في فتح القدير ۔۔۔ (ص۲۷۵): وحد الشهوة

Marfat.com

في الرجل أن تنتشر آلته أو تزداد انتشارا إن كانت منتشرة كذا في التبيين وهو الصحيح كذا في جواهر الأخلاطي وبه يفتى كذا في الخلاصة۔

وفى الشامية (٦/٣٤٦): قوله (في الديانات) أي المحضة درر احتراز عما إذا تضمنت زوال ملك كما إذا أخبر عدل أن الزوجين ارتضعا من امرأة واحدة لا تثبت الحرمة لأنه يتضمن زوال ملك المتعة فيشترط العدد والعدالة جميعا إتقاني۔

وفيه ايضاً(٣/٣٢): قوله (وأصل ماسته) أي بشهوة قال في الفتح وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك۔

وفى الدر المختار(٣/٣٧): (وبنت) سنها (دون تسع ليست بمشتهاة) به يفتى۔

وفى الرد تحته: قوله (ليست بمشتهاة به يفتى) كذا في البحر عن الخانية ثم قال فأفاد أنه لا فرق بين أن تكون سمينة أو لا ولذا قال في المعراج بنت خمس لا تكون مشتهاة اتفاقا وبنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا وفيما بين الخمس والتسع اختلاف الرواية والمشايخ والأصح أنها لا تثبت الحرمة اه

(٢٩٣) حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لئے لڑکی کا نو برس کا ہونا شرط ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی ایک لڑکی ہے جس کی عمر تقریباً آٹھ سال سے کچھ زائد ہے۔ رات کو بادل گرج رہے تھے لڑکی خوف کی وجہ سے اپنے والد کے ساتھ سوگئی۔ اسی رات کو باپ نے اپنی زوجہ سے صحبت کا ارادہ کیا تو حالت شہوۃ میں اس کا ہاتھ لڑکی کو لگ گیا۔ اس صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بچی چونکہ نابالغہ ہے اور وہ حد شہوۃ تک نہیں پہنچی یعنی عمر ۹ سال سے کم ہے، اس لئے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی نیز باپ کے اس فعل پر شریعت میں اس سے کچھ مواخذہ گناہ وغیرہ کا نہ ہوگا البتہ اس عمر کی بچی کا والد کیساتھ سونا مناسب نہیں اس سے احتراز لازم ہے۔

لمافى الشامية (٣/٣٧): قوله (فدخلت فراش أبيها) كنى به عن المس وإلا فمجرد الدخول بغير

Marfat.com

مس لا يعتبر ط قوله (ليست بمشتهاة به يفتى) كذا في البحر عن الخانية ثم قال فأفاد أنه لا فرق بين أن تكون سمينة أو لا ولذا قال في المعراج بنت خمس لا تكون مشتهاة اتفاقا وبنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا وفيما بين الخمس والتسع اختلاف الرواية والمشايخ والأصح أنها لا تثبت الحرمة اه

(۲۹۴) حرمت مصاہرت سے بیوی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جب ایک آدمی کے ساس یا بیٹی کو چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے کیا اس آدمی کیلئے دوبارہ اپنی بیوی کو ساتھ رکھنے کی کوئی صورت ممکن ہے؟ قرآن اور حدیث سے مسئلہ کی وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے بعد اب بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی دوبارہ اسے رکھنے کی کوئی صورت نہیں۔

لما فی المصنف لابن ابي شيبه (۱۶۵/۴) كذا فى اعلاء السنن (۴۰/۵): عن ابي هانى رضى الله عنها مرفوعاً، ومن نظر الى فرج امرأة لم تحل له امها ولا بنتها۔

وفى اعلاء السنن (۴۰/۱۱): عن الحسن البصرى، عن عمران بن حصين قال فيمن فجر بام امرأته حرمتاعليه رواه عبدالرزاق ولا باس باسناده۔

وفى الدرالمختار (۳۰/۳): وحرم المصاهرة (بنت زوجته الموطوءة وأم زوجته) وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح (وإن لم توطأ) الزوجةلما تقرر أن وطء الأمهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الأمهات ويدخل بنات الربيبة والربيب وفي الكشاف واللمس ونحوه كالدخول عند أبي حنيفة وأقره المصنف۔

(۲۹۵) حرمت مصاھرت میں [المرأة كالقاضى] کے قاعدہ کا اجراء

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص بیوی کو تین طلاقیں دے اور بیوی سن لے

Marfat.com

ہے مرد انکار کرتے کہ میں نے تین طلاقیں نہیں دیں۔ اس صورت میں میں نے سنا ہے کہ بعض علماء تک کہتے ہیں کہ حق ہے لیکن فتویٰ
عورت کو دینا صحیح نہیں اگر سر بیہ وشہوت سے ہاتھ لگانے پر شوہر تصدیق سے انکار کردے اور قاضی فسخ کا فیصلہ کردے تو کیا
حکم ہے؟ صورت مسئولہ میں کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب بعون الملک الوھاب

طلاق سے متعلق سب فقہاء میں متفق ہے کہ اگر بعض تین طلاق سے کم از کم طلاق بھی عورت شوہر کو مکمل تعلق سے
منع یا طلاق کے بدلے میں کچھ مال حاصل کرنے یا بچوں کی جان بچانے کیلئے اپنے شوہر کو قدرت دینے جائز نہیں ہے تو قتل کرنا بھی جائز نہیں ہے
تاکہ بچوں کے ہوتے ہوئے فیصلہ دین کی تدبیر کرنا جائز ہے

جہاں تک تعلق ہے مذکورہ صورت کا کہ سر بیہ وشہوت سے چھوئے اور پھر شوہر اور سر عورت کی تصدیق نہ کریں لیکن
قاضی اور تمام صورت واقعیت سے تو ظاہر ہے تقاضہ تو فیصلہ بینہ کے خلاف ہوگا البتہ اس صورت میں تین طلاقوں کی طرح تحکیم
دینے کا قول یہ ہوجائے گا یہ نہیں کتب فقہ میں اس سے متعلق تصریح نہیں کی البتہ حیلہ ناجزہ میں ایک رسالہ "اختارات فی مہمات العشرۃ"
کے نام سے ہے اس میں حضرت قدوۃ الفقہاء سے اس مسئلے میں تحکیم نہ دینے کا قول نقل ہے عبارت یہ ہے

مسئولہ: عورت کا دعویٰ صحیح تھا مگر شہادت معتبر نہ ہوسکی اور خاوند نے حلف کرلیا اس واسطے قاضی نے مقدمہ خارج کردیا
یعنی ڈگری نہ دی اور عورت زوجیت میں رہنے کا حکم دیا تو اس عورت کہنے جانا نہیں کہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت
دے بلکہ حق مہر وغیرہ کے ذریعے اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرے اور اگر قدیر کارگر نہ ہو تو جب تک اپنا بس چلے اس شوہر کو
پاس نہ آنے دے (کذا صحح بعض المدرسین وغیرہ فیمن منعت من زوجہا الطلاق الثلاث ولایتہ
بہا)

قاضی نے عورت کا دعویٰ رد کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی کردیا کہ بدستور اس شوہر کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں
عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں اس کے متعلق ہمیں کوئی تشفی بخش جواب نہ ملا اور نہ اکابر سے اس قسم کا مسئلہ سامنے آیا اور خود غور و تلاش کے
بعد جب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند سے مکالمت ہوئی پھر بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم سے
مراجعت کی حضرت نے ارشاد فرمایا قواعد سے صاف واضح ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں ..... یہ بھی
ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اس میں شرح صدر ہے کچھ تردد نہیں اور مفتی صاحب موصوف نے بھی اس میں موافقت فرمائی (حیلہ
ناجزہ ص ۱۰)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی روشنی میں سر کے بیہ وشہوت سے چھونے کے مسئلے میں بھی عورت کو اگر یقین ہو اور عدم

Marfat.com

ساتھ رہنے کا فیصلہ کردے تو عورت کو تمکین دینا جائز نہ ہوگا۔

لمافی الطحطاوی علی الدر (۲/۱۱۳): واعلم ان المرأة کالقاضی لایحل لها أن تمکنه اذا سمعت أو شهد عندها به عدل لکن تعتبر نیته بینه وبین الله تعالیٰ، درر، فتدفعه عن نفسها بغیر القتل علی المختار للفتوی وعلی القول بالقتل فتقتله بالدواء ۔۔۔ والمراد بکون المرأة کالقاضی ان ذلك فی عدم التصدیق لا مطلقا لأن خبر الواحد یعتبر عند المرأة ولا یعتبر عند القاضی لأن شأن القاضی التفریق وشأن المرأة عدم التمکین احتیاطا، بحر۔

(۲۹۶) شوہر کی تصدیق کے بعد بیوی کا رجوع عن الاقرار درست نہیں

سؤال

ہمارے پڑوس میں ایک عورت رہتی ہے اس کی اپنے سسر کے ساتھ کسی بات پر سخت لڑائی ہوگئی۔ ایک دوسرے پر سخت الزامات لگادیئے گئے یہاں تک کہ اس عورت نے کہا کہ ایک مرتبہ سسر نے مجھے بدنیت کے ساتھ پکڑلیا اور بوسہ بھی لیا تھا۔ اس کے شوہر نے بھی اس کی تائید کی البتہ اس لڑائی کے بعد جب دونوں میں صلح ہوگئی تو اس عورت نے کہا کہ میں نے غلط الزام لگایا تھا۔ اب اس صورت میں یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت کے اس الزام (کہ سسر نے مجھے بدنیتی کے ساتھ پکڑا اور بوسہ بھی لیا) کی جب اس کے شوہر نے تصدیق کرلی تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی، البتہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کے لئے قضائے قاضی یا شوہر کے الفاظ مثلاً میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تیرا راستہ خالی کردیا وغیرہ ضروری ہوں گے اور شوہر کی تصدیق کے بعد عورت کا اپنے الزام سے رجوع معتبر نہیں لہٰذا ان دونوں کا ساتھ رہنا جائز نہیں۔

لمافی البخاري (۲/۷۶۵): عن ابن عباس رضی الله عنهما حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع ثم قرأ حرمت علیکم امهاتکم، الآیة۔

وفی الدرالمختار (۳/۳۷، ۳۸): وبحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتارکة وانقضاء العدة والوطء بها لا یکون زنا۔

وفی الرد تحته: قوله (إلا بعد المتارکة) أي وإن مضی علیها سنون کما في البزازیة وعبارة الحاوي إلا بعد تفریق القاضي أو بعد المتارکة اهـ وقد علمت أن النکاح لا یرتفع بل یفسد وقد

Marfat.com

صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولا بها كتركتك أو خليت سبيلك ۔۔۔ وبعد اسطر: قوله (وإن ادعت الشهوة في تقبيله) أي ادعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها أو فروعها بشهوة ۔۔۔ قوله (فهو مصدق) لأن ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر ۔۔۔ قوله (ولا يصدق أنه كذب إلخ) أي عند القاضي أما بينه وبين الله تعالى إن كان كاذبا فيما أقر لم تثبت الحرمة۔

(۲۹۷) حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقط شوہر کی تصدیق کی اہمیت کیوں؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حرمت مصاہرت چھونے سے کیوں ثابت ہوجاتی ہے احادیث ذکر کردیں دیگر ائمہ کا مذہب بھی بتادیں نیز شوہر کا باپ اپنی بہو کو مس بالشہوۃ کرے پھر شوہر تصدیق کردے لیکن سسر منکر ہو تو کیا ہوگا؟ حرمت ثابت ہوگی؟ یعنی بیوی کا دعویٰ اور شوہر کی تصدیق کافی ہوگی یا سسر سے تفتیش ہوگی اگر سسر ہی نہیں مان رہا تو پھر حرمت کیوں ثابت ہورہی ہے گواہ اور قسم نہیں چلیں گے۔ مسئلہ کیا ہے حل کیا ہے؟ تمام پہلوؤں پر نظر فرمائیں نیز یہ بھی بتائیں کہ شوہر کی تصدیق کی اتنی اہمیت کیوں ہے کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے سوال میں مختلف باتیں دریافت کی گئی ہیں بالترتیب ان کے جواب دیئے جارہے ہیں:

(۱) شہوت کے ساتھ چھونا یا فرج داخل کی طرف دیکھنا چونکہ قبل (شرمگاہ) میں وطی کرنے کا سبب اور ذریعہ ہے لہٰذا ان کو احتیاطاً وطی کے قائمقام کرکے ان پر وطی کا حکم لگایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لمس یا نظر کے ساتھ انزال ہوجائے تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں لمس اور نظر ہمبستری کے سبب نہیں رہتے ہیں۔

شریعت نے عورت کی عزت واحترام کا بہت زیادہ لحاظ رکھا ہے اسی وجہ سے بعضیت کے شبہ کی بنیاد پر شریعت نے رضاعت بھی موجبِ حرمت قرار دیا ہے۔

مس (چھونے) اور نظر (دیکھنے) سے حرمت مصاہرت کا ثبوت احادیث سے بھی ہوتا ہے ذیل میں چند احادیث ذکر کی جارہی ہیں:

۱) عن ابی هانی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من نظر الی فرج امرأة لم تحل له أمها ولا ابنتها" (المصنف لابن ابی شیبة، ۹۹/۹)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے راویوں کی تعدیل نقل کرکے اس حدیث کو قابلِ حجت قرار دیتے ہو

Marfat.com

فرمایا ہے "فالسند حسن إلا أنه مرسل وهو حجة عندنا وعند الجمهور من السلف" (اعلاء السنن، ۱۱/ ۳۳، ط: ادارة القرآن)

۲) عن علقمة عن عبدالله رضی اللہ عنہ قال: "لا ينظر الله إلى رجل نظر الى فرج امرأة وابنتها"

۳) عن مكحول أن عمر رضی اللہ عنہ جرد جارية له ونظر اليها فساله إياها بعض ولده فقال: انها لا تحل لك۔

۴) عن الحكم قال: قال مسروق حين حضرته الوفاة انی لم اصب من جاريتی هذه الا مايحرمها ولدی اللمس والنظر۔

۵) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال ايما رجل جرد جارية فنظر منها إلى ذلك ألا فانها لا تحل لابنه۔

۶) سئل جابر بن زيد، عن جارية كانت لرجل فمس قبلها بيده، أو أبصر عورتها ثم وهبها لابن له أيصلح له أن يتطئها قال: لا. (المصنف لابن ابی شيبة ۹۵/۹)

۷) عن ابراهيم قال إذا قبّل الرجل المرأة من شهوة او مس أو نظر إلى فرجها لا تحل لأبيه ولابنه۔ (المصنف لابن عبدالرزاق ۲۸۲/۶)

۸) عن ابن عمر رضی الله عنهما أنه قال: اذا جامع المرأة أو قبّلها أو لمسها بشهوة أو نظر إلى فرجها بشهوة حرمت على ابيه وابنه وحرمت عليه امها وابنتها"۔ (بحواله البنايه ۶۶/۴)

۹) قال ﷺ: "ملعون من نظر إلى فرج امرأة وابنتها"۔ (تبيين الحقائق، ۴۶۹/۲)

اسکے علاوہ بھی دیگر بہت سے آثار اور روایات سے حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوتا ہے جن روایات میں "من نظر إلی فرج امرأة الخ" جیسے الفاظ ہیں یعنی صرف دیکھنے سے مصاہرت کے ثبوت کا حکم ذکر ہے ان سے دخول اور لمس سے مصاہرت کے ثبوت پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ جب نظر سے حرمت کا ثبوت ہو رہا ہے تو لمس اور دخول تو درجہ میں نظر سے زیادہ ہیں لہٰذا ان سے مصاہرت کا ثبوت بدرجہ اولی ہوگا چنانچہ صاحب البدائع نظر کی احادیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"فاذا ثبتت الحرمة بالنظر فبا لدخول أولى وكذا باللمس، لأن النظر دون اللمس فی تعلق الأحكام بها"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت عمر، ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، عمران بن حصین، جابر بن عبداللہ، ابی بن کعب، حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مسلک ہے کہ شہوت کے ساتھ چھونے وغیرہ سے مصاہرت کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

جمہور تابعین مثلاً حسن بصری، شعبی، ابراہیم نخعی، محمد شہاب زہری، طاؤس، مجاہد، سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، حماد، سفیان

Marfat.com

ثوری، اسحٰق بن راہویہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی و احمد رحمہما اللہ کے نزدیک بھی شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے راجح قول کے مطابق شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مس اور نظر وغیرہ سے حرمت مصاہرت کے اثبات پر دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فقول اصحابنا الحنفية قوي رواية ودراية" (اعلاء السنن ۱۱/۲۳)

فقہاء احناف نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر بیوی سسر وغیرہ کے بالشہوۃ چھونے کی مدعی ہو اور شوہر تصدیق نہ کرے تو قضاءً حرمت ثابت نہ ہوگی۔ حرمت مصاہرت کے ثبوت کیلئے شرعاً شوہر کی تصدیق یا اقرار ضروری ہے صورت مسئولہ میں بھی جب شوہر نے بیوی کی تصدیق کر دی تو حرمت مصاہرت کا ثبوت ہو جائے گا سسر سے تفتیش نہ ہوگی۔

باقی رہا یہ اشکال کہ شوہر کی تصدیق کی اتنی اہمیت کیوں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کے اثبات سے شوہر کا حق تمتع زائل ہو رہا ہے اور اس کی بیوی ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہو رہی ہے لہٰذا وہ صاحب معاملہ ہے اس کی تصدیق کے بغیر اس کا حق زائل نہ ہوگا۔

اقرار کی صورت میں بھی شوہر خود اپنے حق کے سقوط کا اقرار کر رہا ہے تو حرمت کا ثبوت ہو جائے گا قاعدہ "المرء مؤاخذ باقرارہ" آدمی اپنے اقرار کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ تصدیق یا اقرار دونوں صورتوں میں اصل شوہر ہے شوہر بیوی کے بدن سے استمتاع کا مالک ہے اب اگر بیوی یہ دعویٰ کرے کہ مجھے شہوت کے ساتھ چھوا گیا ہے یا سسر دعویٰ کرے کہ میں نے بہو کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے تو یہاں گویا کہ شوہر کے حق تمتع کو چھینا جا رہا ہے اس لئے صاحب حق یعنی شوہر کی تصدیق ضروری ہوگی۔ البتہ سسر سے تصدیق کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا کوئی حق متعلق نہیں۔

لما في تبيين الحقائق (۲/۲۶۹): (والزنا واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة) ـــ وقال صلى الله عليه وسلم ملعون من نظر إلى فرج امرأة وابنتها وقال صلى الله عليه وسلم من نظر إلى فرج امرأة لم تحل له أمها ولا ابنتها وقال صلى الله عليه وسلم من مس امرأة بشهوة حرمت عليه أمها وابنتها وهو مذهب عمر وعمران بن الحصين وجابر بن عبد الله وأبي بن كعب وعائشة وابن مسعود وابن عباس وجمهور التابعين ـــ وفي (ص ۲۷۲) والمس بشهوة كالجماع لما روينا ولأنه يفضي الى الجماع فأقيم مقامه

وفي الهندية (۱/۲۷۵): لو أقر بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما ـــ والإصرار على هذا الإقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك وقال كذبت فالقاضي لا يصدقه ولكن فيما بينه وبين

Marfat.com

الله تعالى إن كان كاذبا فيما أقر لا تحرم عليه امرأته۔[1]

(۲۹۸) شامیہ کی ایک عبارت سے سسر اور دیور کی تصدیق بھی ضروری ہونے کے شبہ کا جواب

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حرمت مصاہرت سے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے حرمت مصاہرت میں بالفرض شوہر کا باپ اگر عورت کو شہوت سے چھولے اور عورت دعویٰ کرے تب بھی شوہر کی تصدیق کے بغیر عورت کا دعویٰ غیر معتبر ہے اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ شوہر کے مفاد پر ضرر پڑ رہا ہے لہٰذا اس کی تصدیق ضروری قرار دی گئی۔ شامیہ کی ایک عبارت سے بندے کو ایسا محسوس ہوا کہ اگر ایک لڑکا کسی لڑکی کو ہاتھ لگائے گا یا لڑکی کسی لڑکے کو ہاتھ لگانے کا دعویٰ کرتی ہے تو یہ اس وقت تک معتبر نہ ہوگا جب تک لڑکے کا باپ یا بیٹا تصدیق نہ کرے کیونکہ ان کے مفاد پر ضرر پڑتا ہے مستقبل میں یہ باپ اور بیٹا اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتے لہٰذا ان کی تصدیق بھی ضروری ہونی چاہیئے۔ وہ عبارت یہ ہے:

"وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه" (الشامية ۳۳/۳)

الجواب بعون الملک الوهاب

حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لئے ایسے شخص کی تصدیق ضروری ہے جس کا ضرر فی الحال متحقق ہو یعنی حرمت مصاہرت کے ثبوت سے اس کا فی الواقع موجود نکاح ٹوٹ رہا ہو، چنانچہ شوہر کو چونکہ فی الحال ضرر پہنچتا ہے کیونکہ شوہر کا فی الواقع نکاح ٹوٹ رہا ہے اس

---

[1] وهكذا في مبسوط السرخسي (۲۳۱/۴)، وفتح القدير (۲۲۲/۳)، والتاتارخانية (۵۹/۴)، وحاشية الطحطاوي (۱۷/۲) والهندية (۲۷۵/۱) والدر المختار (۳۴۶/۶)۔

وفي شرح المجلة (ص ۵۳) المادة ۱۷۹ المقالة الأولى "المرء مواخذ باقراره" ومثله في جامع الفصولين (۴۴/۲)

حرمت مصاہرت سے متعلق ائمہ اربعہ رحمہم اللہ علیہم کے مذاہب معلوم کرنے کیلئے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

(۱) مؤطا للامام مالك (ص ۵۰۵) (۲) الشرح الكبير لابن قدامة (۴۸۰/۷)

(۳) المجموع شرح المهذب (۳۸۱/۱۷) (۴) منح الجليل شرح مختصر الخليل (۲۱۳/۳)

(۵) التاج الاكليل لمختصر الخليل (۴۶۲/۳) (۶) حاشية الصاوي (۳۹۹/۱)

(۷) كتاب الفروع لشمس الدين المقدسي (۹۵/۳) المدوّنة الكبرى (۱۹۷/۲)

(۹) فتح الباري (۱۲۹/۹) (۱۰) اعلاء السنن (۳۳/۱۱)

Marfat.com

لئے اس کی تصدیق ضروری ہوتی ہے اور باپ اور بیٹے کی تصدیق جبکہ حرمتِ مصاہرت اجنبیہ کے ساتھ ہوتو چونکہ فی الحال باپ بیٹے کو ضرر نہیں پہنچتا کہ ان کا نکاح فی الواقع ٹوٹ رہا ہو بلکہ آگے ان کے لئے اس سے نکاح کا دروازہ بند ہوجاتا ہے اس وجہ سے ان کی تصدیق حرمتِ مصاہرت کے ثبوت کے لئے ضروری نہیں ہے۔

باقی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر کے حوالہ سے جو عبارت ذکر کی ہے اس میں حرمت مصاہرت کی مختلف صورتیں بیان کرنا مقصود ہے لیکن سب میں جس شخص کی تصدیق کو ضروری قرار دیا گیا ہے وہ شوہر ہی ہے چنانچہ فتح القدیر کی پوری عبارت اس طرح ہے:

"وثبوت الحرمة بمسها مشروط بأن يصدقها أو يقع فى أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغى أن يقال فى مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبى يوسف أنه ذكر فى الأمالى ما يفيد ذلك قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت كان عن شهوة إن كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها وقعت الفرقة الخ"

''عورت کے چھونے سے حرمتِ مصاہرت کا ثبوت اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ شوہر اس کی تصدیق کرے یا اس کی غالب رای میں یہ ہو کہ اس نے ایسا کیا ہے اور اسی بنا پر مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اگر کوئی عورت کو چھولے تو وہ عورت چھونے والے کے باپ اور بیٹے پر حرام نہ ہوگی مگر یہ کہ یہ دونوں اس کی تصدیق کریں یا ان کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ سچ کہہ رہا ہے پھر میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت دیکھی جس کو انہوں نے امالی میں ذکر کیا ہے جو اس قیاس کا فائدہ دے رہی ہے وہ عبارت یہ ہے کہ عورت نے اپنے شوہر کے بیٹے کا بوسہ لیا اور کہتی ہے کہ یہ شہوت سے تھا تو اگر شوہر اس کو جھٹلائے تو ان کے درمیان تفریق نہ ہوگی اور اگر شوہر اس کی تصدیق کرے تو فرقت واقع ہوجائے گی۔''

اس عبارت میں تین صورتوں کا ذکر ہے:

(۱) کوئی لڑکا اپنی ماں کو چاہے سگی ہو یا سوتیلی شہوت کے ساتھ چھولے تو اس صورت میں اس لڑکے کے باپ پر یہ عورت اس وقت حرام ہوگی جبکہ اس لڑکے کا باپ اپنے بیٹے کی تصدیق بھی کرے اور یہ باپ اصل میں اس عورت کا شوہر ہی ہے۔

(۲) کوئی اپنی بہو کو شہوت کے ساتھ چھولے تو یہ اس کے بیٹے پر اس وقت حرام ہوگی جبکہ اس کا بیٹا اس کی تصدیق بھی کرے یا اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اس کا والد سچ کہہ رہا ہے اور یہ بیٹا بھی دراصل اس عورت کا شوہر ہی ہے۔

(۳) تیسری صورت جو مقیس علیہ ہے وہ یہ ہے کہ عورت اگر اپنے شوہر کے بیٹے یا باپ کو شہوت کے ساتھ چھولے تو یہ عورت اپنے شوہر پر اس وقت حرام ہوگی جبکہ شوہر اس عورت کی تصدیق بھی کرے، ان تمام صورتوں میں جس کی تصدیق کو ضروری قرار دیا گیا ہے وہ دراصل شوہر ہی ہے جسکا ضرر فی الواقع متحقق ہے اور ظاہر عبارت سے جو وہم ہو رہا ہے کہ باپ بیٹے کی ہر حال میں تصدیق ضروری ہے وہ اس عبارت کا مطلب نہیں ہے۔

Marfat.com

(۲۹۹) کسی کی عزت و وجاہت کی وجہ سے حرمت ساقط نہیں ہوتی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی پہلی بیٹی کا [جس کی عمر تقریباً گیارہ سال ہے] شہوت سے بوسہ لیا۔ کیا اس سے حرمت ثابت ہوگئی جبکہ یہ بڑا نیک آدمی ہے لوگ اس کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور جہاں بھی دو فریقوں میں کوئی لڑائی وغیرہ ہوجاتی ہے تو اس آدمی کے آجانے سے دونوں میں صلح ہوجاتی ہے اور فتنہ مزید بڑھنے سے رُک جاتا ہے اور اگر یہ درمیان میں نہ آئے تو قتل وقتال کا قوی اندیشہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ہوا بھی ہے۔ اب اگر اس صورت میں اس حرمت والی بات کا چرچا ہوگیا تو آئندہ اس پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا اور پھر وہی قتل وقتال شروع ہوجائے گا جبکہ یہ آدمی بھی اپنے اس فعل پر سخت نادم ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ اور کیا ایسے حالات میں مذہب غیر پر عمل کیا جاسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حنفیہ کے نزدیک بیوی اور اس کی بیٹی اس شخص پر حرام ہوگئیں۔ اس لئے فرقت لازمی ہے کسی چیز کی حلت، وحرمت کسی شخص کی عزت و وجاہت کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوتی۔ اس میں مذہب غیر پر عمل کرنے کی گنجائش کے بارے میں فقہائے مذہب سے کوئی صراحت منقول نہیں۔

لمافی الشامیة(۳۵/۳): قوله (قبل أم امرأته الخ) قال في الذخيرة وإذا قبلها أو لمسها أو نظر إلى فرجها ثم قال لم يكن عن شهوة ذكر الصدر الشهيد أنه في القبلة يفتى بالحرمة ما لم يتبين أنه بلا شهوة وفي المس والنظر لا إلا إن تبين أنه بشهوة لأن الأصل في التقبيل الشهوة۔

وفيه ايضا: (ص۳۶): قوله (حرمت عليه امرأته الخ) أي يفتى بالحرمة إذا سئل عنها ولا يصدق إذا ادعى عدم الشهوة إلا إذا ظهر عدمها بقرينة الحال۔

(۳۰۰) شہوت سے چھونے سے حرمت مصاہرت موجب حد نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آیا حرمت مصاہرت میں مس بالشہوۃ، زنا کے قائم مقام ہے؟ اگر زنا کے قائمقام ہے تو ان پر حد زنا جاری ہوگی یا صرف حرمت ثابت ہوگی، اگر اجنبی مرد، اجنبی عورت کے ساتھ تقبیل بالشہوۃ

Marfat.com

یا مس بالشہوۃ کرے تو آیا ان کی وجہ سے اجنبی مرد پر اس اجنبی عورت کے اصول وفروع حرام ہوں گے؟ شریعت کی روشنی میں بحوالہ کتب عربی تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر اجنبی مرد اجنبی عورت کا شہوت سے بوسہ لے یا شہوت سے چھولے تو اس کی وجہ سے اجنبی مرد پر اس اجنبی عورت کے اصول وفروع حرام ہوجائیں گے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں شہوت کے ساتھ چھونے کا وہی حکم ہے جو زنا کا ہے مگر اس کی وجہ سے حد زنا جاری نہ ہوگی صرف حرمت ثابت ہوگی۔

لمافی البخاری (۱۰۰۸/۲): عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: لما أتى ماعز بن مالك رضی اللہ عنہ النبي صلى الله عليه وسلم قال له:لعلك قبلت، أو غمزت، أو نظرت قال: لا يا رسول الله، قال: أنكتها. لا يكني ، قال: نعم فعند ذلك أمر برجمه۔

وفی الهندية (۲۷۴/۱): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة۔

وفيه أيضاً (۱۴۷/۲):الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: الوطء الموجب للحد هو الزنا كذا في الكافي۔

وأيضاً(۱۴۳/۲)وركنه التقاء الختانين ومواراة الحشفة لأن بذلك يتحقق الإيلاج والوطء۔

(۳۰۱) شہوت کے ساتھ چھوئی ہوئی عورت کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سوال

ایک آدمی جس کا نام زید ہے اس نے ایک عورت کو مس بشہوۃ کیا۔ پھر اس عورت کی شادی ہوئی عمر کے ساتھ۔ پھر عمر سے اس کی ایک بیٹی میمونہ پیدا ہوئی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ میمونہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح میمونہ کا نکاح زید کے بیٹوں کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شہوت سے چھونا اگر بغیر حائل کے ہو، یا حائل تو ہو لیکن اس سے جسم کی حرارت محسوس ہوتی ہو تو اس عورت کی بیٹی میمونہ کا نکاح زید کے ساتھ جائز نہیں ہے البتہ زید کے بیٹوں کے ساتھ بہر صورت جائز ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۴/۱): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج

Marfat.com

بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط۔

وفی الشامية (۳۲/۳): قوله (وحرم أيضا بالصهرية أصل مزنيته) قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطء الحلال ويحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها اه

(۳۰۲) نانا کا نواسے کی بیوی کو شہوت سے چھونا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی اپنے نواسے کی بیوی کو شہوت سے چھو لے یا اس کے چھونے پر شہوت محسوس ہو تو حرمت کے اعتبار سے کیا اثر پڑے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر نانا نے عورت کو بلا حائل یا اتنے باریک کپڑے کے اوپر سے چھولیا جس سے جسم کی حرارت محسوس ہوتی ہو اور بوقت مس جانبین میں سے کسی ایک کو شہوت پیدا ہو جائے یا پہلے سے انتشار موجود ہو اور اس میں زیادتی ہو جائے تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اور نواسے پر بیوی حرام ہو گی۔

لمافی المصنف لابن ابي شيبة(۱۱/۴): عن مجاهد رحمه الله قال اذا قبلها او لمسها او نظر الى فرجها حرمت عليه ابنتها۔

وفی الدر المختار (۳۲/۳): وحرم أيضا بالصهرية أصل مزنيته۔الخ۔

وفی الرد تحته: قوله (وحرم أيضا بالصهرية أصل مزنيته) قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا۔الخ۔

(۳۰۳) سوتیلی بیٹی کو شہوت سے چھونے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص غلطی سے اپنی سالی سے نکاح کر لے تو کیا

Marfat.com

اس کی بیوی حرام ہوجاتی ہے؟ اسی طرح اگر بیوی کی پہلی شادی سے بیٹی ہو اور کسی وقت یہ دوسرا شوہر اسے شہوت سے چھو لے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے؟ چھونے سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے یا اسے دیتے ہوئے اس کے ساتھ ہاتھ لگ جائے اور اس سے ہلکی سی شہوت محسوس ہو تو کیا اس سے بھی بیوی حرام ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کوئی شخص اپنی سالی سے نکاح کر لے تو یہ نکاح فاسد ہوگا، اسی طرح اگر سالی سے نکاح کے بعد اس سے وطی کر لی تو ایسی صورت میں اس کا اپنی بیوی سے وطی کرنا حرام ہوگا، جب تک کہ اس کی سالی عدت نہ گزار لے، نیز بیوی کی بیٹی (پہلے شوہر سے) کو ہلکی سے شہوت سی چھونے کی صورت میں بیوی حرام نہیں ہوگی جب تک کہ آلۂ تناسل میں انتشار پیدا نہ ہو۔

لمافی القرآن المجید (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ اللَّاتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔ الآیة۔

وفی الشامیة (۲۸/۳): قوله (مصاهرة) كفروع نسائه المدخول بهن وإن نزلن وأمهات الزوجات وجداتهن بعقد صحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح فتح وكذا المقبلات أو الملموسات بشهوة لأصوله أو فروعه أو من قبل أو لمس أصولهن أو فروعهن ـــ قوله (جمع) أي بين المحارم كأختين ونحوهما أو بين الأجنبيات زيادة على أربع۔

وفی الشامیة أیضا (۳۶/۳)ورجحه في الفتح وعلى هذا فكان الأولى أن يقول لا تحرم ما لم تعلم الشهوة أي بأن قبلها منتشرا أو على الفم فيوافق ما نقلناه عن الفيض ولما سيأتي أيضا وحينئذ فلا فرق بين التقبيل والمس۔۔۔ والمعنى حرمت امرأته إذا لم يظهر عدم اشتهاء وهو صادق بظهور الشهوة وبالشك فيها أما إذا ظهر عدم الشهوة فلا تحرم ولو كانت القبلة على الفم اھ ح

وفی الشامیة أیضا (۴۰/۳): قوله (ونسي الأول) فلو علم فهو الصحيح والثاني باطل وله وطء الأولى إلا أن يطأ الثانية فتحرم الأولى إلى انقضاء عدة الثانية كما لو وطىء أخت امرأته بشبهة حيث تحرم امرأته ما لم تنقض عدة ذات الشبهة ح عن البحر۔

Marfat.com

(۳۰۴) بوڑھے سسر کا بہو سے بوسہ لینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کے والد صاحب ایک دیندار عالم دین ہیں۔ عمر اسی برس ہو چکی ہے۔ پچھلے رمضان المبارک کے مہینے سے شوگر کے مریض ہونے کے باعث دماغی حالت مندرجہ ذیل ہوگئی ہے:

(۱) پیسے جیب سے نکال کر پھینک دینا۔

(۲) ڈھیروں سبزیاں خریدنا۔

(۳) بچوں کو بلاوجہ مارنا۔

(۴) روزے کی حالت میں کھالینا۔

(۵) حالت نماز میں بھی بچوں کے ساتھ کھیلنا۔

دو مہینے پہلے ایک لڑکی کی چوٹی پکڑ لی اور ایک راہ گزرتی لڑکی کو بیہودہ بات کہہ دی۔

(صورت مسئلہ) بہو کے بچے کو بہو کو دینے کیلئے آئے اور بہو کا ہاتھ پکڑ کر گال پر بوسہ لے لیا۔ اس سلسلے میں یہ آراء ہیں:

شوگر اسپیشلسٹ کی رائے: شوگر کی بیماری چالیس برس کے مرد کی شہوت ختم کر دیتی ہے جبکہ والد صاحب کی عمر تو اسی برس ہو چکی ہے۔ والد صاحب کا جواب یہ ہے کہ جیسے میں اپنے پوتے کو پیار کرتا ہوں اسی طرح بہو کو بھی کر لیا مجھے نہیں معلوم میں نے ایسا کیوں کیا۔

بیٹے کے تاثرات: والد صاحب کی زندگی جو ہمارے سامنے گزری وہ استقامت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور پرہیز گاری پر مبنی ہے لہذا میرے نزدیک والد صاحب کی یہ حرکت سراسر دماغی خرابی کے باعث سرزد ہوئی۔

والدہ کی رائے: میرے شوہر کا جنسی تعلق میرے ساتھ دس برس پہلے بالکل ختم ہو چکا ہے اگر غلطی سے کبھی میرا پاؤں بھی ان کو لگ جاتا تھا تو ناراض ہوتے تھے کہ ایسا مت کرو۔ پچھلے دس سال سے میں نے کسی قسم کی شہوت اپنے شوہر کی طرف سے محسوس نہیں کی۔

بہو کی رائے: میری شادی کو چار سال سے زائد کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس تمام عرصہ میں ایسا کئی دفعہ ہوا کہ گھر پر صرف میرے سسر صاحب اور میں ہوتے تھے لیکن کبھی کسی طور پر بھی انہوں نے کوئی پیش قدمی نہیں کی۔ نہ کبھی کوئی ایسی بات زبان سے کہی۔ سسر صاحب کو میں نے ہمیشہ باقاعدہ تہجد وقرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کرتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔ ہر لحاظ سے ان کا عمل شریعت کے مطابق ہی پایا ہے۔ یہ مسئلہ زندگی میں پہلی بار ہوا ہے۔ درحقیقت میں نہیں جانتی کہ ایسا کیوں ہوا؟

اب علماء کرام سے یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ اس تمام مذکورہ صورتحال کے بعد آیا زید کا اپنی بیوی کے ساتھ رہنا اور اسے نکاح میں رکھنا درست ہے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب

واضح رہے کہ حرمت مصاہرت کے ثبوت کے تین اسباب ہیں:

(۱) نکاح صحیح۔

(۲) وطی (چاہے حلال ہو یا حرام ہو)۔

(۳) مس (چھونے)، بوسہ لینے یا فرج داخل کی طرف دیکھنے سے۔

دوسری بات یہ ملحوظ رہے کہ حرمت مصاہرت مس (چھونے) وغیرہ سے ثابت ہونے کیلئے نوجوان، بوڑھے اور نامرد میں معیار مختلف ہے۔ نوجوان میں معیار یہ ہے کہ انتشار آلہ ہوجائے اور اگر پہلے سے منتشر ہو تو انتشار میں زیادتی ہوجائے۔ بوڑھے اور نامرد میں معیار یہ ہے کہ خواہش سے دل حرکت کرنے لگے یا حرکت میں زیادتی ہوجائے۔ صرف میلان نفس سے بوڑھے اور عنین میں مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

لما فی الهندية (۲۷۵/۱) : هذا الحدّ إذا كان شابّا قادرا على الجماع فإن كان شيخا أو عنينا فحد الشهوة أن يتحرك قلبه بالاشتهاء إن لم يكن متحركا قبل ذلك ويزداد الاشتهاء إن كان متحركا كذا في المحيط وحد الشهوة في النساء والمجبوب هو الاشتهاء بالقلب والتلذذ به إن لم يكن وإن كان فازدياده كذا في شرح النقاية للشيخ أبي المكارم۔

تیسری بات یہ ہے کہ فقہی قاعدہ ہے کہ مس (چھونے) اور تقبیل (بوسہ لینے) میں وجود شہوت سے متعلق مبتلی بہ سے دریافت کیا جائے گا اگر وہ شہوت کا اقرار کرے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، لیکن تقبیل علی الفم والخد یعنی ہونٹ یا گال پر بوسہ لینا اس سے مستثنی ہیں۔ ہونٹ یا گال پر بوسہ مطلقا وجود شہوت پر دال ہیں لہذا اس کے بعد اگرچہ مبتلی بہ انکار بھی کرے لیکن حرمت مصاہرت کا اثبات ہوجائیگا۔ ہونٹ اور گال سے متعلق مطلقا اثبات حرمت کے قول کو فتح القدیر، بحر اور شامیہ میں راجح قرار دیا گیا ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں بوڑھے سسر سے متعلق تمام بیانات اور رپورٹس اگر ہونٹ یا گال کے علاوہ پر بوسے کی صورت میں ہوتے تو حرمتِ مصاہرت کے ثبوت کا حکم نہیں لگایا جاتا لیکن صورت مسئولہ میں بوڑھے سسر نے گال پر بوسہ لیا ہے جو کہ شہوت کے قائم مقام ہے۔ نیز بوڑھے میں شہوت کا معیار بھی ہم نے ذکر کردیا، صرف تحرک قلب ہی حرمت مصاہرت ثابت کردیگا چنانچہ یہاں حرمت ثابت ہوچکی ہے۔ اس عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا درست نہیں۔ اس کے شوہر اور سسر نے بھی اپنی اس حرکت کی تصدیق کی ہے لہذا یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوچکی ہے۔ شوہر کو چاہیئے کہ متارکت کے الفاظ (میں نے تجھے چھوڑ دیا وغیرہ) کہہ کر بیوی کو اپنے سے علیحدہ کردے۔

لما فی فتح القدير (۲۲۲/۳): والحاصل أنه إذا أقر بالنظر وأنكر الشهوة صدق بلا خلاف وفي المباشرة

Marfat.com

إذا قال بلا شهوة لا يصدق بلا خلاف فيما أعلم وفي التقبيل إذا أنكر الشهوة اختلف فيه قيل لا يصدق لأنه لا يكون إلا عن شهوة غالبا فلا يقبل إلا أن يظهر خلافه بالانتشار ونحوه وقيل يقبل وقيل بالتفصيل بين كونه على الرأس والجبهة والخد فيصدق أو على الفم فلا والأرجح هذا إلا أن الخد يتراءى إلحاقه بالفم۔

وفي الشامية (٣/٣٣) قوله (وفي امرأة ونحو شيخ الخ) قال في الفتح ثم هذا الحد في حق الشاب أما الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه أو زيادته إن كان متحركا لا مجرد ميلان النفس فإنه يوجد فيمن لا شهوة له أصلا كالشيخ الفاني۔

وفيه أيضا (٣/٣٦) لو مس أو قبل وقال لم أشته صدق إلا إذا كان المس على الفرج والتقبيل في الفم اهـ وهذا هو الموافق لما سينقله الشارح عن الحدادي ولما نقله عنه في البحر قائلا ورجحه في فتح القدير وألحق الخد بالفم اهـ قوله (حرمت عليه امرأته الخ) أي يفتى بالحرمة إذا سئل عنها ولا يصدق إذا ادعى عدم الشهوة إلا إذا ظهر عدمها بقرينة الحال وهذا موافق لما تقدم عن القهستاني والشهيد ومخالف لما نقلناه عن الجوهرة ورجحه في الفتح وعلى هذا فكان الأولى أن يقول لا تحرم ما لم تعلم الشهوة أي بأن قبلها منتشر أو على الفم فيوافق ما نقلناه عن الفيض ولما سيأتي أيضا وحينئذ فلا فرق بين التقبيل والمس۔

(٣٠٥) نکاح اور زنا سے ثابت حرمت مصاہرت میں فرق

سوال

مجھے حرمت مصاہرت سے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے ایک صاحب نے کسی مفتی صاحب سے یہ مسئلہ معلوم کیا تھا کہ نکاح کے بعد اگر ہمبستری ہو جائے تو ربیبہ (اس عورت کی پہلے کسی شوہر سے بیٹی) سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اور اس شخص کی آئندہ پیدا ہونے والی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے البتہ اگر شوہر کا بھی پہلے کسی بیوی سے بیٹا ہو تو اس ربیبہ سے اس مرد کی پہلی بیوی سے موجود بیٹے کا نکاح جائز ہے اسی طرح ممسوسہ (جسے شہوت سے چھوا ہو اس) عورت سے حرمت مصاہرت کا ثبوت ہو جاتا ہے اس کے بعد اس عورت کی زنا وغیرہ سے پیدا شدہ لڑکی سے اس مرد کے پہلے سے موجود بیٹے کا نکاح جائز نہیں۔ مفتی صاحب کیا یہ بات درست ہے؟ مفتی صاحب کیا یہاں پر نکاح سے پیدا شدہ بچوں کے احکام جاری ہوں گے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب

واضح رہے کہ مس بالشہوۃ بھی دخول کے حکم میں ہوتا ہے اور دخول چاہے حرام (یعنی زنا کی وجہ سے) ہو، اس صورت میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے یعنی فاعل (مرد) پر مفعول (عورت) کے اصول وفروع اور مفعول (عورت) پر فاعل (مرد) کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں۔ نیز نکاحِ صحیح سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔ نفسِ عقد نکاح سے بھی مرد کے اصول وفروع عورت پر اور عورت کے اصول وفروع مرد پر حرام ہوجاتے ہیں۔

البتہ نکاح اور غیر نکاح (زنا، مس بالشہوۃ) سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں اتنا فرق ہے کہ نکاح کے بعد پیدا شدہ اولاد کا نکاح سے پہلے موجود اولاد سے نکاح حرام ہوتا ہے مثلاً ایک مرد کا بیٹا ہو، اور وہ دوسری شادی کرے اور اس عورت سے اس مرد کی بیٹی ہوجائے تو اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں باپ شریک بہن بھائی ہیں۔ البتہ اگر عورت کی نکاح سے پہلے کسی اور شوہر سے لڑکی ہو تو اس سے اس لڑکے کا نکاح جائز ہوگا۔ گویا نکاح سے ثبوت مصاہرت میں نکاح سے قبل عورت کی اولاد اور بعد پیدا شدہ اولاد کا اس شخص کی پہلے سے موجود اولاد سے نکاح میں فرق ہے، جبکہ زنا یا مس بالشہوۃ سے ثبوت مصاہرت میں ایسا نہیں یعنی نکاح صحیح میں فروع کے درمیان مصاہرت ثابت ہوتی ہے جبکہ زنا یا مس بالشہوۃ میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ مصاہرت تو حقیقتاً ایک نعمت ہے قیاساً تو زنا وغیرہ سے اس کا اثبات ہی نہیں ہونا چاہیئے، لیکن ضرورتاً چونکہ اس عورت سے جزئیت بعضیت کا رشتہ قائم ہوچکا ہے لہٰذا مرد پر تو اس عورت کے اصول وفروع سے نکاح حرام قرار دیا گیا البتہ ان کے فروع کا ہر حال میں آپس میں نکاح جائز ہے اس میں زنا سے قبل یا بعد پیدا شدہ اولاد میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ مرد کا زنا سے قبل کوئی بیٹا ہو تو زنا سے یا زنا کے بعد پیدا شدہ لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہے۔ ان فروع کی آپس میں کوئی مصاہرت نہیں لہٰذا ان صاحب کی بات درست نہیں نکاح اور غیر نکاح میں ثبوت مصاہرت فروع کے درمیان ثابت ہونے کے اعتبار سے فرق ہے غیر نکاح (زنا یا مس بالشہوۃ) سے فاعل اور مفعول کی فروع کی آپس میں قبل یا بعد از زنا کوئی مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

لمافی اعلاء السنن (۳۳/۱۱): واتفق اصحابنا والثوری ومالك والاوزاعی واللیث والشافعی أن المس بالشهوة بمنزلة الجماع فی تحریم ام المرأة وبنتها، فكل من حرم بالوطء الحرام اوجبه بالمس اذا كان بشهوة ومن لم یوجبه بالوطء الحرام لم یوجبه بالمس بشهوة۔

وفی مجمع الانهر (۴۸۱/۱): (والزنا یوجب حرمة المصاهرة) حتی لو زنی بامرأة حرمت علیه أصولها وفروعها وحرمت المزنیة علی أصوله وفروعه ولا تحرم أصولها وفروعها علی ابن الواطئ وأبیه كما فی المحیط للسرخسی۔

وفی ردالمحتار (۳۲/۳): قوله (وحرم أیضا بالصهریة أصل مزیته) قال فی البحر أراد بحرمة

Marfat.com

المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا كما في الوطء الحلال ويحل لأصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها اه

(۳۰۶) شک کی بنا پر حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اپنی کسی محرم عورت "مثلاً خالہ وغیرہ" کے ساتھ سفر پر جارہا تھا دونوں ایک سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور عورت برقعہ پہنی ہوئی تھی۔ اس وقت زید کو شہوت آئی اور اس کا بدن مثلاً بازو عورت کے بدن کی ساتھ لگ گیا کپڑوں اور برقعہ کے ہوتے ہوئے، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس وقت حرارت محسوس ہوئی یا نہیں اور اسی طرح ایک وقت حرارت محسوس ہوئی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس وقت شہوت تھی یا نہیں؟ تو اس شک کی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کو سمجھنے سے قبل یہ سمجھئے کہ زید جس عورت کے ساتھ ایک سیٹ پر سفر کررہا تھا زید کا بازو اس عورت کے بدن کے ساتھ لگ گیا اور درمیان میں حائل یعنی کپڑا بھی موجود تھا تو اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کپڑا اتنا موٹا ہو کہ حرارت محسوس نہ ہو تو محض بازو کے لگنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ بازو کے لگنے سے حرارت محسوس ہوتی ہو تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی، اور اگر کوئی حائل نہ ہو تو بھی محض بازو لگنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی جب تک اس کے ساتھ شہوت نہ ہو۔ اب اس کے بعد صورت مسئولہ کو سمجھئے کہ صورت مذکورہ میں زید کا بازو عورت کے بدن کے ساتھ لگ تو گیا لیکن جس وقت حرارت محسوس ہوئی اس وقت یہ معلوم نہیں کہ شہوت تھی یا نہیں اور جس وقت شہوت تھی اس وقت (چونکہ درمیان میں کپڑا موجود تھا اس لئے) حرارت کا ہونا اور نہ ہونا معلوم نہیں یعنی دونوں میں شک ہوگیا اور فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق شک کے ذریعہ کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا لہٰذا شک کی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔

لمافی الاشباہ والنظائر (ص۵۶): القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك: ودليلها ما رواه مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا "{ إذا وجد أحدكم في بطنه شيئا فأشكل عليه أخرج منه شيء أم لا فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا ، أو يجد ريحا } "

وفيه أيضاً(ص۶۸): وفي الخانية : صغير وصغيرة بينهما شبهة الرضاء ولا يعلم ذلك حقيقة قالوا :

Marfat.com

لا بأس بالنكاح بينهما۔

وفى الدرالمختار(٣/٣٢): (و)أصل (ممسوسته بشهوة) ولو لشعر على الرأس بحائل لا يمنع الحرارة۔ وفى الردتحته: قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي ۔۔۔ قوله (بحائل لا يمنع الحرارة) أي ولو بحائل الخ فلو كان مانعا لا تثبت الحرمة كذا في أكثر الكتب ۔۔۔ قوله (وأصل ماسته) أي بشهوة قال في الفتح وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك اه

(٣٠٧) وسوسہ والا شخص کیا کرے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص وساوس کا مریض ہے اکثر وبیشتر وسوسے آتے ہیں اس کو شک ہے کہ میں نے اپنی ساس کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے ٦٠ فیصد گمان یہ ہے کہ ہاتھ نہیں لگایا ہے لیکن ٤٠ فیصد گمان یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے تو آیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت مصاہرت کے ثبوت کیلئے شہوت کے ساتھ چھونا شرط ہے۔شریعت مطہرہ میں وساوس اور توہمات کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ کم از کم غلبہ ظن کا ہونا ضروری ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اس توہم اور وسوسہ کی بناء پر حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی جب تک غلبہ ظن نہ ہو۔تاہم یہ ایک انتہائی نازک معاملہ ہے اس لئے ہاتھ لگانے اور پاؤں وغیرہ دبانے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے، تاکہ ان وساوس وتوہمات تک نوبت ہی نہ آئے۔

لمافى المصنف لعبدالرزاق باب ''وربائبكم''(٦/٢٧٨): عن ابراهيم قال: اذا قبل الرجل المرأة من شهوة او مس او نظر الى فرجها لا تحل لابيه ولا لابنه۔

وفى الشامية كتاب النكاح فصل فى المحرمات (٣/٣٣):قوله(وحدها فيهما) أي حد الشهوة في المس والنظر ح قوله (أو زيادته) أي زيادة التحرك إن كان موجودا قبلهما قوله (به يفتى) وقيل حدها أن يشتهي بقلبه إن لم يكن مشتهيا أو يزداد إن كان مشتهيا ولا يشترط تحرك الآلة وصححه في المحيط والتحفة وفي غاية البيان وعليه الاعتماد والمذهب الأول بحر قال في

Marfat.com

الفتح وفرع عليه ما لو انتشر وطلب امرأة فأولج بين فخذي بنتها خطأ لا تحرم أمها ما لم يزدد الانتشار قوله (وفي امرأة ونحو شيخ الخ) قال في الفتح ثم هذا الحد في حق الشاب، أما الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه أو زيادته إن كان متحركا لا مجرد ميلان النفس فإنه يوجد فيمن لا شهوة له أصلا كالشيخ الفاني۔

وفيه أيضاً (۳۲/۳): قوله (وأصل ماسته) أي بشهوة قال في الفتح وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك اه

(۳۰۸) حرمت مصاہرت میں مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز نہیں

سوال

ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کرلیا اور بچے بھی پیدا ہو گئے پھر بعد میں مذکورہ شخص (زوج) نے اس کی (زوجہ کی) ماں کو شہوت کی ساتھ ہاتھ لگایا۔ لہٰذا اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی اور نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ نکاح ٹوٹنے کی صورت میں ضرر خاص سے بچنے کیلئے مذہب غیر پر فتویٰ لے کر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت مصاہرت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ شہوت کے ساتھ ساتھ بدن کی حرارت بھی محسوس ہو جائے اور حرارت محسوس ہونے کیلئے ضروری ہے کہ درمیان میں کوئی حائل (کپڑا وغیرہ) نہ ہو یا ہو لیکن اتنا باریک ہو کہ وہ حرارت کے محسوس ہونے سے مانع نہ ہو تو اس صورت میں اگر داماد نے ساس کو مس کیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو کر نکاح ٹوٹ جائے گا لہٰذا اب میاں بیوی کے درمیان تفریق لازمی ہے فقہ حنفی میں مسئلہ کا صرف یہی جواب ہے جبکہ اس ضرر سے بچنے کیلئے مذہب غیر پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا خواہشات نفسانی کی پیروی ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۴۰/۱۱): عن ابي هانی مرفوعاً من نظر الی فرج امرأة لم تحل له امها ولا بنتها۔

وعن الحسن البصری عن عمران بن حصين قال فيمن فجر بام امرأة حرمتا عليه رواه عبدالرزاق ولا باس باسناده (ص۴۴) وقد ثبت بمرسل ابي هانی كون النظر الی الفرج فی ايجاب التحريم مثل اللمس وهو قول ابن مسعود ومسروق وابن عمر كما تقدم۔

وفی شرح عقود رسم المفتی (۳): وكلام القرافی دال على أن المجتهد والمقلد لايحل لهما الحكم

Marfat.com

والإفتاء بغير الراجح لأنه اتباء للهوى وهو حرام إجماعاً۔

وفى الشامية (٣٢/٣): قوله (بحائل لا يمنع الحرارة) أي ولو بحائل الخ فلو كان مانعا لا تثبت الحرمة كذا في أكثر الكتب وكذا لو جامعها بخرقة على ذكره فما في الذخيرة من أن الإمام ظهير الدين يفتي بالحرمة في القبلة على الفم والذقن والخد والرأس وإن كان على المقنعة محمول على ما إذا كانت رقيقة تصل الحرارة معها بحر۔

(۳۰۹) حرمت مصاہرت کی حدیث میں راوی ابوہانی یا ام ہانی کی تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اعلاء السنن" میں حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً یہ نقل ہے: من نظر الی فرج امرأة لم تحل له أمها ولا بنتها (۴۰/۱۱) اور یہ ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل ہے لیکن اگر ابن ابی شیبہ کے اصل نسخے میں دیکھا جائے تو وہاں ابوہانی سے منقول ہے کیا یہ الگ روایتیں ہیں یا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اعلاء السنن میں یہ روایت ابن ابی شیبہ سے نہیں لی گئی بلکہ فتح الباری سے لی گئی ہے اور "فتح الباری" میں اس روایت کو ام ہانی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے "فتح الباری" میں ام ہانی کے حوالے سے نقل کرنے میں تصحیف ہوئی ہے کیونکہ فتح الباری میں بھی مصنف ابن ابی شیبہ ہی کا حوالہ دیا گیا ہے حالانکہ مصنف ابن ابی شیبہ مین یہی روایت ابوھانی کے حوالے سے مذکور ہے نہ کہ ام ہانی اور اعلاء السنن کے حاشیہ میں خود حضرت ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے (فيه تصحيف عندى فان ابن ابى شيبة انما رواه عن ابن هانى الخولانى كما سيأتى، فلعل بعض المجاهيل من الرواة صحفه بأم هانى فافهم) اور علامہ رحمۃ اللہ علیہ خود اعلاء السنن میں آگے ذکر کرتے ہیں کہ ان کا نام حمید بن ھانی ابوھانی الخولانی ہے نام حمید بن ھانی اور کنیت ابوھانی ہے جو کہ تابعین میں سے ہیں ثقہ ہیں اور ابن وھب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شیوخ میں سے ہیں لہٰذا یہ ایک ہی روایت ہے جو کہ حمید بن ھانی ابوھانی الخولانی سے مروی ہے۔ جو کہ تابعین میں سے ہیں اور ام ھانی سے نقل کرنا بعض رواۃ سے تصحیف ہے اور اس تصحیف کا ذکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود حاشیہ میں کیا ہے۔

لما فى المصنف لابن ابي شيبة ، كتاب النكاح (٩٩/٩): حدثنا جرير بن عبدالحميد عن حجاج عن ابي هانى رحمه الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نظر الى فرج امرأة لم تحل له امها ولا ابنتها۔

وفى اعلاء السنن۔ باب من زنى بامرأة حرمت عليه امهاوبنتها (٣٠/١١): عن ام هانى مرفوعا من

Marfat.com

نظر الی فرج امرأة لم تحل له امها ولا بنتها۔ رواه ابن ابي شيبة واسناده مجهول قاله البيهقی فتح الباری (۱۳۵/۹) قوله عن ام هانی الخ قال المؤلف دلالته علی الباب صريحة وهو وان كان ضعيفا لكن يكفی للاعتضاد فان الحديث الثانی والثالث يثبتان المقصود وانما قد مته عليهما لكونه صريحا۔

وفی حاشيته فيه تصحيف عندی فان ابن ابي شيبة انما رواه عن ابن هانیء الخولانی كما سيأتی فلعل بعض المجاهيل من الرواة صحفه بام هانیء فافهم۔

(۳۱۰) زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی بندہ اپنے سالے کی بیٹی سے زنا کرتا ہے تو اس بندے کے بیٹے کی شادی اس متاثرہ لڑکی کے ساتھ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اپنے سالے کی بیٹی سے زنا کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اور زانی کے اصول وفروع پر مزنیہ حرام ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مزنیہ لڑکی کے ساتھ زانی کے بیٹے کا نکاح کرنا حرام ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۴۶/۱۱): وقال الموفق فی المغنی ووطء الحرام محرم كما يحرم وطء الحلال والشبهة يعنی انه يثبت به تحريم المصاهرة فاذا زنی بامراة حرمت علی ابيه وابنه وحرمت عليه امها وابنتها كما لو وطئها بشبهة اوحلالاً ولو وطء ام امرأته او بنتها حرمت عليه امرأته، نص احمد علی هذا فی رواية جماعة، وروی نحو ذالك عن عمران بن حصين وبه قال الحسن وعطاء وطاؤس ومجاهد والشعبی والنخعی والثوری واسحاق واصحاب الرأی رحمهم الله تعالیٰ عليهم اجمعين۔

وفی الشامية (۲۸/۳): وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنی والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح۔

Marfat.com

(۳۱۱) زانیہ کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سوال

[illegible] ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا پھر اس عورت کی [illegible] اس شخص سے حاملہ ہوئی اور اس عورت کے ایک بیٹی ہوئی اب اس شخص نے جس نے اس عورت سے زنا کیا تھا اس عورت کی لڑکی سے نکاح کیا تو اس عورت کا شوہر فوت ہو گیا اور بچی کے حصہ کی لڑکی کا بھی انتقال ہو گیا تو اس شخص نے اس عورت سے نکاح [illegible] اس سے پہلے زنا کیا تھا تو لوگوں نے اس شخص کو کہا کہ تمہارا نکاح نہیں ہوگا تو اس نے کہا کہ میں نے تو اس عورت سے اس کی لڑکی سے نکاح سے پہلے زنا کیا تھا اس سے نکاح کرنے میں کیا حرج ہے کیا شرعی حکم ہے مفتی صاحب آپ لکھیے کہ اس شخص کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں اور جب اس نے اس عورت کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا تو وہ اس پر حرام ہوئی یا نہیں اور اب حکم شرعی [illegible]

الجواب بعون الملک الوھاب

[illegible] ثابت ہے کہ حق رزق پر حرمیہ (جس عورت سے زنا کیا ہے) کے حصول مثلاً ماں سے حق [illegible] مثلاً ماں سے زنا کرنا موجب حرمت ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں رزق نے جس عورت سے زنا کیا ہے اس کی بیٹی سے رزق کے [illegible] موجب حرمت ہے لہٰذا اس سے جس نے زنا کیا ہے (جو کہ اس عورت کی لڑکی کا [illegible] ہو چکا ہے جب کہ اس عورت کے مال سے اس کا رزق کفالت نہیں بلکہ حرام ہوا ہے کیونکہ اس کی بیٹی سے نکاح (جو کہ حقیقت میں اس کی لڑکی ہے) اس کی ماں اس شخص پر حرام ہونے کا حکم یہ ہے کہ ماں سے زنا کرنے کی وجہ سے بیٹی اور بیٹی سے زنا کرنے کی وجہ سے ماں اس شخص پر حرام ہوئی تھی اس لیے اس شخص کو بیٹی کی حرمت پر صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے [illegible] چاہیے۔

لما فی القرآن الکریم (سورۃ النساء: ۲۲) وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا۔

وفی الهندیة (ج ۱ ص ۲۷۳ کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات القسم الثالث المحرمات بالمصاهرة وثبت بالوطء حلالا کان أو عن شبهة أو زنا کذا فی فتاوی قاضی خان فمن زنی بامرأة حرمت علیه أمها وان علت وابنتها وان سفلت وکذا تحرم المزنی بها علی آباء الزانی

Marfat.com

وأجداده وإن علوا وأبنائه وإن سفلوا كذا في فتح القدير۔

وفی الدرالمختار (۲۸/۳) فصل في المحرمات أسباب التحريم أنواء قرابة مصاهرة رضاء الخ۔

وفی الرد تحته:قوله (مصاهرة) كفروع نسائه المدخول بهن وإن نزلن وأمهات الزوجات و جداتهن بعقدصحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوءات آبائه و أجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوءات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح فتح وكذا المقبلات أو الملموسات بشهوة لأصوله أو فروعه أو من قبل أو لمس أصولهن أو فروعهن۔

(۳۱۲) بیٹے کو شہوت سے چھونے کے باوجود حرمت ثابت نہ ہونے کی وجہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی اپنی بالغہ بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگائے تو ہم نے سنا ہے کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر اپنے بالغ بیٹے کو شہوت سے ہاتھ لگائے تو کیا اس سے بھی اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی؟ اگر نہیں تو دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

باپ اپنی نو سال یا اس سے زائد عمر کی بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگائے یا بوسہ لے تو حرمت مصاہرت کی وجہ سے بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی، لیکن اگر اپنے بالغ بیٹے کو شہوت سے ہاتھ لگائے یا بوسہ لے تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کے ثبوت کی اصل وجہ اور سبب ایسے محل میں مجامعت کرنا ہے جس کو شریعت مطہرہ نے اس کے لئے متعین فرمایا ہے اور نسل انسانی کی افزائش کا ذریعہ بنایا ہے اور پھر اس کی طرف پہنچانے والے ذرائع اور اسباب کو بھی اس کے قائم مقام بنادیا کہ جس طرح اصل سبب سے حرمت ثابت ہوگی اسی طرح اس کے اسباب وذرائع سے بھی حرمت ثابت ہوگی لہٰذا جہاں پر اصل وجہ (محل خاص میں جماع) کے وجود کا امکان ہو تو وہاں اسباب جماع سے بھی حرمت ثابت ہوجائے گی اور جہاں پر اصل وجہ کا وجود ہی ممکن نہیں تو اسباب تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے۔ چونکہ بیٹی میں اصل وجہ یعنی محل خاص میں جماع کے وقوع کا امکان موجود ہے لہٰذا وہاں اسباب جماع سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے بخلاف بیٹے کے کہ اس میں اصل وجہ حرمت ہی ناپید ہے۔

لمافی الشامية (۳۵،۳۴/۳): في الولوالجية أتى رجل رجلا له أن يتزوج ابنته لأن هذا الفعل لو كان في الإناث لا يوجب حرمة المصاهرة ففي الذكر أولى قوله (لعدم تيقن كونه في الفرج)

Marfat.com

علة لعدم إيجاب وطء المفضاة المصاهرة فقط وأما العلة في عدم إيجاب وطء الدبر المصاهرة فالتيقن بعدم كون الوطء في الفرج الذي هو محل الحرث وإنما تركها لانفهامها بالأولى۔ قال في البحر وأورد عليهما أي على المسألتين أن الوطء فيهما وإن لم يكن سببا للحرمة فالمس بشهوة سبب لها بل الموجود فيهما أقوى وأجيب بأن العلة هي الوطء السبب للولد وثبوت الحرمة بالمس ليس إلا لكونه سببا لهذا الوطء ولم يتحقق في الصورتين اه وبه علم أنه لا فرق في المسألتين بين الإنزال وعدمه ۲۔

(۳۱۳) عورت کے جماع کے قابل بچے کو چھونے سے حرمت ثابت ہوجائے گی

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی ماں کا انتقال ہوگیا اس کے باپ نے ایک نوجوان لڑکی سے شادی کرلی۔ ایک دن زید کے سر میں درد تھا اس کی سوتیلی ماں نے شہوت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، تھوڑی دیر بعد ہٹایا تو کیا اس صورت میں یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوگئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر زید محل شہوت ہو [یعنی سن مراھقت بارہ سال کی عمر میں ہو، یا اگر اس سے کم عمر میں ہو تو اتنا بڑا ہو کہ شہوت کے ساتھ جماع کرسکے اور عورتیں اس سے حیا کریں] تو زید کی سوتیلی ماں زید کے سر پر اس طرح شہوت کے ساتھ ہاتھ رکھنے کی وجہ سے اپنے شوہر پر حرام ہوگئی ورنہ نہیں۔

لمافى الشامية (٣٢/٣): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داء إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية واستدل لذلك في الفتح بالأحاديث والآثار عن الصحابة والتابعين قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي۔

وفى (٣٥/٣): قوله (فلو جامع غير مراهق الخ) الذي في الفتح حتى لو جامع ابن أربع سنين زوجه أبيه لاتثبت الحرمة قال في البحر وظاهره اعتبار السن الآتي في حد المشتهاة أعني تسع سنين قال في النهر وأقول التعليل بعدم الاشتهاء يفيد أن من لا يشتهي لا تثبت الحرمة بجماعه ولا خفاء أن ابن تسع عار من هذا بل لا بد أن يكون مراهقا ثم رأيته في الخانية قال الصبي الذي يجامع مثله كالبالغ قالوا وهو أن يجامع ويشتهي وتستحيي النساء من مثله وهو ظاهر في اعتبار

Marfat.com

كونه مراهقا لا ابن تسع ويدل عليه ما في الفتح مس المراهق كالبالغ وفي البزازية المراهق كالبالغ حتى لو جامع امرأته أو لمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة اه وبه ظهر أن ما عزاه الشارح إلى الفتح وإن لم يكن صريح كلامه لكنه مراده فتحصل من هذا أنه لا بد في كل منهما من سن المراهقة وأقله للأنثى تسع وللذكر اثنا عشر لأن ذلك أقل مدة يمكن فيها البلوغ كما صرحوا به في باب بلوغ الغلام وهذا يوافق ما مر من أن العلة هي الوطء الذي يكون سببا للولد أوالمس الذي يكون سببالهذا الوطء ولا يخفى أن غير المراهق منهما لا يتأتى منه الولد۔

وفى (٣/٣٧): وفي الفتح لو مس المراهق وأقر بشهوة تثبت الحرمة عليه۔

(٣١٤) سسر کا شہوت سے بہو کے چہرے پر ہاتھ لگانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں دومیاں بیوی کے درمیان مختلف اوقات میں جھگڑے ہوتے رہے اور علاقے کے معزز افراد ان کے درمیان صلح بھی کرواتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جھگڑے کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ شوہر نے بیوی کو دو طلاقیں دیدیں بعدازاں پھر دورانِ عدت رجوع کرلیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد پھر جھگڑا شروع ہوا اور لڑکی اپنے میکے چلی گئی کافی وقت گزرنے کے بعد دونوں میاں بیوی اب آپس میں اپنا گھر بسانا چاہتے ہیں۔ مگر لڑکی کے ساتھ اپنے سسرال میں ایک معاملہ پیش آیا تھا جس کی تحریر خود لڑکی کے ہاتھوں سوالنامہ کے ساتھ منسلک ہے۔ اس معاملہ کے بعد آیا لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ ان کا نکاح باقی ہے؟ ازراہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

لڑکی کا سوال نامہ:..... میرا نام شکیلہ عبدالمبین ہے۔ میری شادی ۶ / مارچ ۲۰۰۵ء کو محمد اقبال ولد عبدالستار سے انجام پائی تھی۔ شادی کے چند ماہ تک میرے سسرال والوں کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک تھا۔ بچپن سے میں باپ کی شفقت اور محبت سے محروم رہی ہوں۔ سسر کا رشتہ عطا کر کے اللہ نے میری اس محرومی کو ختم کر دیا تھا۔ سسر کو ہمیشہ میں نے والد کا درجہ دیا لیکن وہ مجھے بیٹی کا درجہ نہ دے پائے۔ میری شادی کو ۴ ماہ ہوئے تھے کہ ایک دن ساس، سسر میرے کمرے میں کسی کام سے آئے ساس تو جس کام کیلئے آئی تھیں وہ پورا کر کے چلی گئیں اور سسر کمرے میں رک گئے واضح رہے کہ اس وقت میں لیڈی ڈاکٹر کے پاس سے چیک اپ کروا کر آئی تھی۔ ساس نے یہ بات سسر کو بتادی تھی۔ سسر میرے قریب آکر یہ بات پوچھنے لگے میں خاموشی سے وہاں کھڑی رہی سسر میرے اور قریب آکر کہنے لگے آج تمہاری امی (ساس) نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ تم مجھے دادا بنانے والی ہو، آج میں بہت خوش ہوں اس خوشی میں تم مجھے اپنے ہونٹ

Marfat.com

چوسنے دو کمرے میں اکیلے ہونے کی وجہ سے گھبراہٹ اور ڈر کے مارے میں نے اپنی گردن جھکالی میرے سسر میرے اور قریب آگئے اور کہنے لگے مجھ سے شرماؤ نہیں مجھے اپنی سہیلی سمجھو پھر وہی بات دہرا کر میرا چہرہ اوپر اٹھانے لگے اس پاک ذات کو میری عزت بچانی تھی کہ ایک دم ساس کمرے کی طرف سسر کو بلانے کیلئے آئیں اور اس طرح میری عزت بچ گئی۔

اس واقعے کے بعد میں بہت ڈر سہم کر رہنے لگی۔ شوہر نے اس بات کو نوٹ کیا اور مجھ سے پوچھنے لگے، شکیلہ کیا بات ہے تم کیوں اس طرح رہتی ہو میرا تو مان ٹوٹا تھا میں اس شخص کو کیسے بتاتی کہ اس کے باپ نے میرے ساتھ کیا کیا شوہر کے بار بار پوچھنے پر بھی میں نے انہیں یہ بات نہیں بتائی ایک دن غصے میں آکر شوہر گھر سے چلے گئے رات دو بجے تک میرے فون کرنے پر بھی شوہر نہیں آئے اور مجھے دھمکیاں دینے لگے کہ میں اپنی گاڑی کسی ٹرک کے ساتھ ٹکرا کر اپنی جان دیدوں گا میں نے بہت ڈر کر ایس ایم ایس کے ذریعے یہ بات ان کو فون پر پہنچائی وہ گھر آکر چیخنے چلانے لگے۔ میں نے ان کو منع بھی کیا کہ اس طرح بات کھل جائے گی میں لوگوں کا سامنا کس طرح کر پاؤں گی مجھے اس گھر میں رہنا ہے لیکن شوہر نہیں مانے اور سب کی موجودگی میں یہ بات اپنے باپ سے پوچھی۔ باپ اس بات سے مُکر گیا اور کہنے لگا کہ میں تو اس کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں اور اس نے خود مجھے کمرے میں روکا تھا۔

اس واقعہ کے بعد سے تمام گھر والوں کا رویہ مجھ سے خراب رہنے لگا اور آئے دن شوہر کو میرے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بتا کر میرے خلاف کرنے لگے اور شوہر آئے دن مجھے مارنے پیٹنے لگے اس مار پیٹ سے تنگ آکر میں میکے آجاتی پھر وہ لوگ معافی تلافی کر کے مجھے پھر لے جاتے اس بار بھی ایک سال تک میکے میں رہنے کے بعد وہ لوگ مجھے اپنے گھر لے گئے اور صرف دو ماہ پچیس دن کے بعد میرے شوہر کی غیر موجودگی میں سسر نے مجھے ذرا سی بات پر مارنا شروع کر دیا میں ساس کے کمرے کی جھاڑو لگا رہی تھی اور بیٹھی ہوئی تھی کہ سسر نے میرے سینے پر غلط جگہ پر لاتیں مارنا شروع کر دیں میں کسی طرح اپنا بچاؤ کر کے کھڑی ہوئی اور اس طرح سسر نے گھسیٹ کر مجھے گھر سے باہر پھینک دیا میں رات کے تین بجے تک باہر بیٹھی رہی لیکن مجھے ان لوگوں نے گھر میں نہیں بلایا مجبوراً میں اپنے میکے آگئی۔ اب وہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں واپس ان کے گھر چلی جاؤں۔ چاہوں تو علیحدہ کہیں اور گھر لے کر ان کے بیٹے کے ساتھ رہنے لگوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟ مجھے کوئی بہتر حل بتا کر فیصلہ کرنے میں میری راہنمائی فرمائیں۔ شکریہ

الجواب بعون الملک الوھاب

مرد و عورت کا شہوت کے ساتھ ایک دوسرے کو چھونے سے ہر ایک کے اصول و فروع دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر سسر نے اپنی بہو کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہو (جیسا کہ بظاہر عورت کے بیان کردہ تحریر "اس خوشی میں تم مجھے اپنے ہونٹ چوسنے دو..... میرا چہرہ اوپر اٹھانے لگے" سے معلوم ہوتا ہے) تو مذکورہ شخص پر اس کی بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی بشرطیکہ شوہر بیوی کی بات کی تصدیق کرے یا شوہر کا غالب گمان ہو کہ اس کی بیوی سچ بول رہی ہے۔ نیز اگر شوہر بیوی کی بات کو نہیں مان رہا ہو، اور بیوی کو یقین ہو یا قرائن قویہ سے معلوم ہو رہا ہو کہ سسر نے شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے تو عورت کیلئے مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر

Marfat.com

کرنا جائز نہیں بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعے سے اس شوہر سے خلاصی حاصل کرے۔ (کما فی **الحیلة الناجزة** ص ۱۷۳)

لما فی الشامیة (۳/۳۷): قوله (وفي الفتح إلخ) قال فيه والحاصل أنه إذا أقر بالنظر وأنكر الشهوة صدق بلا خلاف وفي المباشرة لا يصدق بلا خلاف فيما أعلم وفي التقبيل اختلف فيه قيل لا يصدق لأنه لا يكون إلا عن شهوة غالبا فلا يقبل إلا أن يظهر خلافه بالانتشار ونحوه وقيل يقبل وقيل بالتفصيل بين كونه على الرأس والجبهة والخد فيصدق أو على الفم فلا والأرجح هذا إلا أن الخد يتراءى إلحاقه بالفم اه ۔۔۔ قوله (ولا يصدق أنه كذب إلخ) أي عند القاضي أما بينه وبين الله تعالى إن كان كاذبا فيما أقر لم تثبت الحرمة۔

وفيه أيضاً (۳/۲۵۱): والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه۔

(۳۱۵) ساس سے مصافحے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی منگنی دوسال پہلے بشری کی لڑکی سے ہوئی ہے زید کے علاقے میں عورتوں اور مردوں کا آپس میں مصافحہ کرنے کا رواج ہے زید کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میرے ساتھ بشری نے مصافحہ کیا اور میں حالتِ شہوت میں تھا اب اس سے زید کے لئے بشری کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہوگا؟ چونکہ منگنی تمام رشتہ داروں میں مشہور ہے اس کو توڑنا موجب فساد اور قطع رحمی ہوگا۔ برائے مہربانی کیا صورت اختیار کی جائے تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زید نے چونکہ ہندہ کے ساتھ حالت شہوت میں مصافحہ کیا اس لئے زید ہندہ کی لڑکی سے نکاح نہیں کرسکتا، اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی ہے، باقی قطع تعلق سے بچنے کیلئے زید کوئی بہانہ کردے۔ مثلاً یہ کہ لڑکی پسند نہیں ہے وغیرہ بہرحال اب زید کا ہندہ کی لڑکی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

لما فی الهندية (۱/۲۷۴): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط۔

Marfat.com

(۳۱۶) باپ کا بہو سے زنا کرنے کی وجہ سے قطع تعلق کا حکم

سوال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) ایک شخص نے اپنی بہو کے ساتھ زنا کیا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) باپ کے ساتھ یہ بیٹا رہ سکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس عورت سے کوئی دوسرا بیٹا شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) کیا باپ سے تعلق رکھ سکتا ہے یا قطع تعلق کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

۱۔ پہلی صورت میں یہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی۔

۲۔ دوسری صورت میں کوئی دوسرا بیٹا بھی یعنی اس کے شوہر کا بھائی بھی شادی نہیں کر سکتا۔

۳۔ اگر مقصود اپنے والد کو اس غلطی پر تنبیہ ہو کہ وہ اس پر نادم ہو کر سچی توبہ کرے اور آئندہ اس فعل بد سے احتراز کا عزم کر لیں تو اس بناء پر قطع تعلق کی گنجائش ہے۔

لما فی الدر المختار (۳/۳۲): (و) حرم أيضا بالصهرية (أصل مزنيته) أراد بالزنى الوطء الحرام (و) أصل (ممسوسته بشهوة)۔

وفی الشامية تحته: قوله (وحرم أيضا بالصهرية أصل مزيته) قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا۔

(۳۱۷) خبیث الطبع باپ کا شہوت سے بیٹی کو سینے سے لگا لینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ باپ اگر اپنی بیٹی سے چھیڑ چھاڑ کرے (یعنی سینے سے لگائے، سینہ پر ہاتھ لگائے یا بوسہ لے) بُری نیت سے تو کیا اُس کا اپنی بیٹی سے باپ کا رشتہ قائم رہے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو شہوت کے ساتھ سینہ سے لگائے یا شہوت کے ساتھ سینہ پر ہاتھ مارے اور جسم کی حرارت محسوس ہو یا

Marfat.com

شہوت کے ساتھ بوسہ لے تو ان تمام صورتوں میں اس لڑکی کی ماں اس شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے گی اور دونوں کے درمیان ازدواجی تعلق بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوجائے گا، البتہ باپ بیٹی کا رشتہ برقرار رہے گا لیکن باپ اور بیٹی دونوں پر لازم ہے کہ دونوں اپنا رہن سہن الگ کرلیں نیز باپ کو چاہیئے کہ اپنے اس فعل پر ندامت کے ساتھ اللہ رب العزت سے خوب توبہ واستغفار کرے کیونکہ یہ انسانیت سے گری ہوئی حرکت ہے بعض حیوان بھی اس قسم کے گھناؤنے فعل سے پرہیز کرتے ہیں چہ جائیکہ اشرف المخلوقات انسان ایسے اقدامات کرے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ الآية۔

وفی المصنف لابن ابی شیبة (۹/۹۹): ۱۶۴۹۲۔ عن عطاء رحمه الله قال اذا اتی الرجل المرأة حراما، حرمت علیه ابنتها وان اتی ابنتها حرمت علیه امها۔

۱۶۴۸۹۔ عن عبدالله قال: لا ینظر الله الی رجل نظر الی فرج امرأة وابنتها۔

وفی الدرالمختار مع الشامیة (۳/۳۲): (و) حرم أیضا بالصهریة (أصل مزنیته) أراد بالزنی الوطء الحرام (و) أصل (ممسوسته بشهوة)۔۔۔(۳/۳۵) فلو أیقظ زوجته أو أیقظته هي لجماعها فمست یده بنتها المشتهاه أو یدها ابنه حرمت الأم أبدا۔

(۳۱۸) باپ کا بیٹی سے زنا کرنے سے بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی

سوال

ایک شخص نے اپنی بیٹی سے (نعوذ باللہ) زنا کیا اب اس شخص کی بیوی کہتی ہے کہ میں تجھ پر طلاق ہوچکی ہوں، تو کیا اس کی بیوی اس پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو قرآن کریم کی یہ آیت "وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" کا مصداق اور مذکورہ مسئلہ میں فرق واضح کرکے بتائیں تاکہ صحیح مسئلہ ہم پر واضح ہوکر ہماری پریشانی دور ہوجائے نیز اس شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر اس شخص نے واقعی اپنی بیٹی سے (نعوذ باللہ) زنا کیا ہے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی، میاں بیوی کا آپس میں زوجیت کا تعلق رکھنا بالکل ناجائز اور حرام ہے البتہ اس عورت کے لئے دوسرے شخص سے نکاح کرنا بھی جائز نہیں جب تک یہ شوہر طلاق نہ دے یا آپس میں تفریق واقع نہ ہوجائے، اور یہ شخص جس نے اپنی بیٹی سے زنا کیا ہے اس نے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس پر توبہ واستغفار

Marfat.com

لازم ہے، اس فعل پر توبہ واستغفار کرتا رہے، آیت اور اس مسئلہ کا آپس میں کوئی تعلق نہیں، آیت کا مصداق ربیبہ (بیوی کی دوسرے شوہر سے بیٹی) ہے، یعنی ربیبہ سے نکاح حرام ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۳):حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ..... وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ....الآية۔

وفی الدرالمختار(۳/۳۰،۳۱): تقرر أن وطء الأمهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الأمهات۔

وفی الدرالمختار أيضا(۳/۳۷): وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة۔

وفی الردتحته :قوله (وبحرمة المصاهرة الخ) قال في الذخيرة ذكر محمد في نكاح الأصل أن النكاح لا يرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع بل يفسد حتى لو وطئها الزوج قبل التفريق لا يجب عليه الحد اشتبه عليه أو لم يشتبه عليه اه قوله (إلا بعد المتاركة) أي وإن مضى عليها سنون كما في البزازية وعبارة الحاوي إلا بعد تفريق القاضي أو بعد المتاركة اه وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولا بها كتركتك أو خليت سبيلك وأما غير المدخول بها فقيل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود إليها وقيل لا تكون إلا بالقول فيهما حتى لو تركها ومضى على عدتها سنون لم يكن لها أن تتزوج بآخر فافهم۔

(۳۱۹) کافرہ عورت سے زنا کی صورت میں حرمت مصاہرت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان نے کافرہ عورت سے زنا کیا اس کافرہ عورت کی لڑکی مسلمان ہوگئی آیا اس مسلمان زانی کا اس نومسلمہ لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

زانی پر مزنیہ عورت کی لڑکی [اگرچہ مسلمان ہوگئی ہے] اس پر حرام ہے اس لئے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوچکی ہے۔

لما فی البحرالرائق (۳/۱۰۱): وأراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني

Marfat.com

وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا۔

وفى الهندية (٢٧٤/١): فمن زنى بامرأة حرمت عليه أمها وإن علت وابنتها وإن سفلت وكذا تحرم المزني بها على آباء الزاني وأجداده وإن علوا وأبنائه وإن سفلوا كذا في فتح القدير۔

Marfat.com

رسالة

رموز النّص إذا أخطأ في المسّ

بیوی کو شہوت سے ہاتھ لگاتے ہوئے غلطی سے بیٹی پر ہاتھ لگ جائے،

اس صورت میں حرمت مصاہرت کا حکم اور بعض شبہات کا ازالہ

(۳۲۰) شہوت کے ساتھ بیٹی کو ہاتھ لگ جانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک رات گھر دیر سے آیا کمرے میں داخل ہوا میری اہلیہ کے ساتھ میری بیٹی بھی سو رہی تھی۔ میں نے شہوت کے ساتھ اپنی اہلیہ کو پکڑنا چاہا لیکن غلطی سے اپنی بیٹی کو ہاتھ لگ گیا آیا اس طرح میرا نکاح فاسد ہو گیا یا نہیں؟ میں اگرچہ شہوت کی حالت میں تھا لیکن میرا قصد میری اہلیہ تھی نہ کہ بیٹی اس کو تو ہاتھ غلطی سے لگ گیا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ میرا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح باقی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں شہوت کے ساتھ آپ کا ہاتھ آپ کی بیٹی کو لگ گیا، خواہ غلطی سے لگ گیا ہو یا بھول کر، اس سے آپ کی بیوی آپ پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی بشرطیکہ آپ کی بیٹی کی عمر نو سال سے کم نہ ہو اگر اس کی عمر نو سال سے کم ہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی اور آپ کی بیوی بدستور آپ کی زوجیت میں رہے گی۔

لما فی الشامیة(۳/۳۲): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية واستدل لذلك في الفتح بالأحاديث والآثار عن الصحابة والتابعين قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي۔

Marfat.com

وفيه أيضا(۳۳/۳): قلت ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في الفيض لو نظر إلى فرج بنته بلا شهوة فتمنى جارية مثلها فوقعت له الشهوة على البنت تثبت الحرمة وإن وقعت على من تمناها فلا ـــ قال في الفتح وفرع عليه ما لو انتشر وطلب امرأة فأولج بين فخذي بنتها خطأ لا تحرم أمها ما لم يزدد الانتشار ـ

(۳۲۱) مذکورہ فتوی پر ایک اشکال کا جواب

سؤال

مفتی صاحب! ملحقہ فتوے پر مجھے کچھ تحفظات ہیں نیز متعلقہ فقہی عبارات بھی کچھ متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ جناب مفتی صاحب ایک شخص اپنی بیوی کو چھونا چاہتا ہے لیکن غلطی سے بیٹی پر ہاتھ لگ جاتا ہے اور شہوت موجود ہوتی ہے تو کیا بیوی اس پر حرام ہو جائیگی؟ شامیہ کی عبارت سے تو حرمت ثابت ہوتی ہے:

"قلت ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في الفيض لو نظر إلى فرج بنته بلا شهوة فتمنى جارية مثلها فوقعت له الشهوة على البنت تثبت الحرمة وإن وقعت على من تمناها فلا" (شامية ۳۳/۳)

مفتی صاحب اگر چہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ جزئیہ صرف نظر میں غلطی کا ہے لیکن ''ویشترط الوقوع ۔۔الخ'' عام ہے مس کو بھی شامل ہے۔ یہ پورا کلام علامہ نے بوقت مس اور نظر شہوت کے ضروری ہونے پر قیاس کیا ہے وہ مسئلہ نظر اور مس دونوں سے متعلق ہے لہٰذا مقیس بھی دونوں سے متعلق ہونا چاہیئے۔

مفتی صاحب احسن الفتاوی جلد ۵ ص ۸۴ پر اسی پر عدم حرمت کا فتوی دیا ہے۔ شامیہ جلد ۳ ص ۳۵ پر اگر چہ ایک جزئیہ ہے جس سے مس میں غلطی غیر معتبر معلوم ہوتی ہے لیکن بندہ آپ سے گزارش کرتا ہے کہ یہ فیض کے حوالے سے نقل جزئیہ اور کن کتب میں ذکر ہے اسے تحریر کردیں، اس پر فتوی دینا کیسا ہے؟ اصل جواب کیا ہے؟ نیز کسی کتاب میں صراحۃ مس میں غلطی غیر معتبر ہونے کا ذکر ہو تو اسے بھی تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

فقہاء کی عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل اعتبار ''اول وہلہ میں شہوت'' (یعنی پہلی مرتبہ میں شہوت) کا ہے اول وہلہ میں شہوت موجود ہوئی تو حرمت ثابت ہوجائے گی چاہے نظر کی حالت ہو چاہے مس کی۔ اگر اول وہلہ میں شہوت موجود نہ ہو چاہے نظر کی حالت ہو یا مس کی تو اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

Marfat.com

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت'' ویشترط وقوع الشهوة'' کے عموم سے یہی معلوم ہورہا ہے کہ اس جزئیہ کا تعلق مس اور نظر دونوں کے ساتھ ہے کیونکہ ماقبل میں مس اور نظر دونوں کے متعلق بات ہورہی ہے اور جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے (کہ یہ پورا کلام علامہ نے بوقت مس اور نظر شہوت کے ضروری ہونے پر قیاس کیا ہے وہ مسئلہ نظر اور مس دونوں سے متعلق ہے لہٰذا مقیس بھی دونوں سے متعلق ہونا چاہیئے) درست ہے لیکن اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اوّل وہلہ میں شہوت نہ ہو یعنی جس وقت بیٹی کو دیکھا یا چھوا اس وقت شہوت نہیں تھی پھر اس نے خواہش کی کہ میری اس جیسی باندی ہوتی اور اسے شہوت آ گئی تو اب دیکھا جائیگا کہ شہوت بیٹی پر آئی ہے یا جس باندی کی خواہش کی ہے اس پر؟ اگر بیٹی پر شہوت واقع ہوئی ہے تو حرمت ثابت ہوجائیگی اور اگر ''جاریۃ متمنی'' پر واقع ہوئی ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

شامیۃ کی جو عبارت ص ۳۵ پر ہے کہ " ولا فرق فی ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا "اس میں یہ بات ہے کہ ''شہوت اول وہلہ'' میں تھی۔ یعنی جس وقت بیوی کو جگانا چاہا اس وقت بھی شہوت تھی اور جس وقت بیٹی کو ہاتھ لگایا اس وقت بھی شہوت تھی تو اس صورت میں (جس وقت شہوت اول وہلہ میں ہو) علامہؒ نے فرمایا ہے کہ اب عمداً یا خطاً کا کوئی فرق نہیں ہر صورت میں چاہے عمداً چھوا ہو یا خطاً حرمت ثابت ہوجائیگی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض کے حوالے سے ذکر کردہ جزئیہ ان کتب محیط البرھانی، بنایہ، فتاوی ولوالجیۃ، خلاصۃ الفتاوی، فتاوی قاضیخان، تاتارخانیہ، عالمگیری، طحطاوی علی الدر میں مذکور ہے نیز اول وہلہ میں شہوت کے موجود ہونے کے وقت اس جزئیہ کو مستدل بنا کر عدم حرمت کا فتوی دینا درست نہیں۔

احسن الفتاوی جلد ۵ ص ۸۴ پر (اول وہلہ میں مس بالشہوۃ کے موجود ہونے کے باوجود) جو عدم حرمت کا فتوی دیا گیا ہے یہ محل نظر ہے اور اصل جواب یہی ہے کہ صورت مسئولہ میں حرمت ثابت ہوجائیگی اور بیوی اس پر حرام ہوجائیگی جیسا کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اگلے فتوے میں اسکی صراحت ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۴/۱): كتاب النكاح ، القسم الثانى المحرمات بالصهرية: وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة۔۔۔ وبعد اسطر: وإذا نظر الرجل فرج ابنته بغير شهوة فتمنى أن يكون له جارية مثلها فوقعت منه شهوة مع وقوع بصره قالوا إن كانت الشهوة وقعت على ابنته حرمت عليه امرأته وإن كانت الشهوة وقعت على التي تمناها لا تحرم لأن نظره في هذه الصورة إلى فرج ابنته لم يكن عن شهوة كذا في فتاوى قاضي خان والذخيرة ثم لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا كذا في فتح القدير أو نائما هكذا في معراج الدراية فلو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنته منها فقرصها بشهوة وهي ممن تشتهى يظن أنها أمها حرمت عليه الأم حرمة

Marfat.com

مؤبدة كذا في فتح القدير۔

وفى الدر المختار (٣/٣٥): (ولا فرق) فيما ذكر (بين اللمس والنظر بشهوة بين عمد ونسيان) و خطأ وإكراه فلو أيقظ زوجته أو أيقظته هي لجماعها فمست يده بنتها المشتهاه أو يدها ابنه حرمت الأم أبدا فتح۔

وفى الشامية تحته: قوله (ولا فرق فيما ذكر) أي من التحريم وقوله بين اللمس والنظر صوابه في اللمس والنظر وعبارة الفتح ولا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا الخ أفاده ح قال الرحمتي وإذا علم ذلك في المس والنظر علم في الجماع بالأولى قوله (فلو أيقظ الخ) تفريع على الخطأ ،ط قوله (أو يدها ابنه) أي المراهق كما علم مما مر وأما تقييد الفتح بكونه ابنه من غيرها فقال في النهر ليعلم ما إذا كان ابنه منها بالأولى ولا بد من التقييد بالشهوة أو ازديادها في الموضعين۔

Marfat.com

(۳۲۲) وطی فی الدبر سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ وطی فی الدبر (پچھلے حصے میں ہمبستری) سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے کہ نہیں؟ نیز وطی فی الدبر کرنے والے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

وطی فی الدبر سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی باقی اگر وطی فی الدبر اپنی باندی یا بیوی سے کرتا ہے تو اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی اور اس پر حد نہیں لیکن اگر غیر کی باندی یا بیوی سے کرتا ہے تو امام کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کو پہاڑ سے گرادے یا اس کے اوپر دیوار گرائے یا اس کو قید کرے لیکن اگر یہ اس فعل کی عادت بنالے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کو سیاسۃً قتل کیا جاسکتا ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۵/۱): ولو نظر إلى دبر المرأة لا تثبت به حرمة المصاهرة كذا في فتاوى قاضي خان وكذا لو وطئ في دبرها لا تثبت الحرمة كذا في التبيين وهو الأصح هكذا في المحيط وعليه الفتوى هكذا في جواهر الأخلاطي۔

وفی الدر المختار (۳۴/۳): (فلا) تثبت الحرمة بها أصلا كوطء دبر مطلقا۔

وفی الرد تحته: قوله (مطلقا) أي سواء كان بصبي أو امرأة كما في غاية البيان وعليه الفتوى كما في الواقعات ح عن البحر۔

وفی الدر المختار أيضا(۲۷/۴): (أو) بوطء (دبر) وقالا إن فعل في الأجانب حد وإن في عبده أو أمته أو زوجته فلا حد إجماعا بل يعزر قال في الدرر بنحو الإحراق بالنار وهدم الجدار والتنكيس من محل مرتفع باتباع الأحجار وفي الحاوي والجلد أصح وفي الفتح يعزر ويسجن حتى يموت أو يتوب ولو اعتاد اللواطة قتله الإمام سياسة۔

(۳۲۳) خون دینے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک عورت تھی جو کہ بہت بیمار رہتی تھی اور اس کو خون کی ضرورت تھی تو اس وقت میں نے اس کو خون دیدیا پھر جب وہ صحت یاب ہوگئی تو اس کی بیٹی سے میرا رشتہ طے ہوا۔ اب

Marfat.com

ہمارے محلے کے ایک صاحب فرمارہے ہیں کہ اس کی بیٹی مجھ پر حرام ہوگئی اور خون دینے کی بنا پر حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی ہے۔اب میں کافی پریشان ہوں کیونکہ مجھ کو وہ لڑکی پسند بھی ہے۔ براہ کرم اگر میرے لئے کچھ گنجائش نکلتی ہو تو بتادیں تا کہ میں اس کے مطابق عمل کرسکوں اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ صاحب کی بات غلط ہے کسی کو خون دینے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا آپ مذکورہ لڑکی سے شادی کرسکتے ہیں۔

لمافی الدر المختار (۳/۳۲-۳۶): (و) حرم أيضا بالصهرية (أصل مزنيته) أراد بالزنى الوطء الحرام(و) أصل (ممسوسته بشهوة) ۔۔۔ (وأصل ماسته وناظرة إلى ذكره والمنظور إلى فرجها) ۔۔۔۔ (وفي المس لا) تحرم (ما لم تعلم الشهوة) لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس (والمعانقة كالتقبيل)۔

(۳۲۴) موٹر سائیکل پر عورت کو ساتھ بٹھانے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ باپ اپنی بیٹی کو موٹر سائیکل پہ اسکول لیجاتا ہے یا بھائی اپنی بہن کو موٹر سائیکل پہ لیجاتا ہے اور بیٹی یا بہن جوان یعنی بالغہ ہے تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ اس سے حرمت مصاہرت تو ثابت نہیں ہوتی اور حرمت مصاہرت کیلئے کیا شرطیں ہیں اور اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کو چھونا اگر بغیر کسی کپڑے کے شہوت کے ساتھ ہو تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے لہذا کسی ضرورت کے تحت اپنی ماں بیٹی وغیرہ کو موٹر سائیکل پر اپنے ساتھ بٹھانے سے (عام طور پر) حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی تاہم پھر بھی اپنی ان خواتین کے ساتھ ایسی سواری پر زیادہ لگ کر نہ بیٹھنا چاہیئے۔

(نوٹ) حرمتِ مصاہرت کے مسائل انتہائی پیچیدہ بھی ہیں اور افراد واحوال کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے اس لئے اگر کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو تو اسے ہی تفصیلاً لکھ کر مسئلہ معلوم کرلیا جائے تا کہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھ کر حکم لکھا جاسکے۔ باقی حرمت مصاہرت کا ثبوت اگر کسی عورت کے ساتھ ہوجائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس عورت کے اصول وفروع اس چھونے والے مرد پر حرام ہوجاتے ہیں اور وہ عورت اس چھونے والے کے اصول وفروع پر حرام ہوجاتی ہے۔

Marfat.com

لمافی الهندية(۱/۲۷۴،۲۷۵):ثم المس إنما يوجب حرمة المصاهرة إذا لم يكن بينهما ثوب أما إذا كان بينهما ثوب فإن كان صفيقا لا يجد الماس حرارة الممسوس لا تثبت حرمة المصاهرة وإن انتشرت آلته بذلك وإن كان رقيقا بحيث تصل حرارة الممسوس إلى يده تثبت كذا في الذخيرة ـــ والشهوة تعتبر عند المس والنظر حتى لو وجدا بغير شهوة ثم اشتهى بعد الترك لا تتعلق به الحرمة۔

وفی الشامية (۳۲/۳): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية ـــ قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي ـــ قوله (بحائل لا يمنع الحرارة) أي ولو بحائل الخ فلو كان مانعا لا تثبت الحرمة كذا في أكثر الكتب۔

(۳۲۵) اسکول میں مس سے مصافحہ کرنے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک طالب علم ہوں اور نویں کلاس میں پڑھتا ہوں اسکول میں لڑکیوں کے ساتھ اختلاط بھی ہوتا رہتا ہے اور ہمیں پڑھانے والی اکثر عورتیں ہوتی ہیں اور وہ بہت فحش لباس میں اسکول آتی ہیں بہر حال ہم سب طلبہ ان کو دیکھتے رہتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو دیکھنے سے شہوت ہوتی ہے اور بعض دفعہ کلاس میں داخل ہوتے وقت میں اپنی مس کو سلام بھی کرتا ہوں یعنی مصافحہ کبھی کبھی مصافحہ کرتے وقت شہوت ہوجاتی ہے اور بسا اوقات ان کے ہاتھ پر بوسہ بھی دیتا ہوں جب میں نے یہ بات اپنے محلے کے ایک دینی مدرسہ کے طالب علم دوست کو بتائی تو اس نے کہا کہ بھائی وہ مس اور اس کی اولاد تم پر حرام ہوچکی ہے مجھے اس کی یہ بات بالکل سمجھ نہیں آئی چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ ہمارے قریب جو دارالافتاء ہے اس سے فتویٰ لیتے ہیں لہٰذا اب مفتی صاحب آپ ہی مسئلہ کا حل بتایئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بھی عورت کو شہوت سے دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی مگر شہوت سے ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے چاہے کسی بھی جگہ ہاتھ لگایا ہو اس لئے آپ نے جن عورتوں سے مصافحہ کیا ہے اور بوقت مصافحہ آپ کو شہوت ہو تو اس عورت سے آپ کی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔ حرمت مصاہرت کے ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کے اصول یعنی ماں، نانی وغیرہ اور فروع یعنی تمام اولاد اور پوتے وغیرہ آپ پر حرام ہوجائیں گے اور اسی طرح آپ کے اصول اور فروع اس پر حرام ہوجائیں گے۔ مگر آپ کا نکاح اس عورت سے ہوسکتا ہے وہ آپ پر حرام نہیں ہوئی اس لئے آپ کے دوست نے اولاد کے حرام ہونے کی

Marfat.com

حد تک تو مسئلہ درست بتایا ہے مگر وہ عورت [مس] بھی حرام ہوگی یہ بات درست نہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ جہاں لڑکے اور لڑکیوں کا بے محابا اختلاط ہو، نیز پردے کا کوئی انتظام نہ ہو حد یہ کہ مس بھی فحش اور تقریباً عریاں لباس میں پڑھاتی ہوں تو آیا ان اسکولوں میں پڑھنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ تو یاد رہے کہ ایسے اسکولوں میں پڑھنا قطعاً جائز نہیں یہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل سلیم کے بھی خلاف ہے لہٰذا کسی ایسے اسکول میں جہاں صرف لڑکے پڑھتے ہوں اور پڑھانے والے ٹیچر بھی مرد ہوں وہاں داخلہ لے کر پڑھیں ایسے غیر شرعی اور بدتہذیب اسکول کو چھوڑ دیں۔

لمافی الکلام المجید (النسآء: ۲۲): وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلاً۔

وفی المصنف لابن ابی شیبة ، کتاب النکاح(۹/۹۹): عن ابی هانی قال: قال رسول الله ﷺ: من نظر الی فرج امرءة لم تحل له امها ولا ابنتها۔

وفی اعلاء السنن (۱۱/۴۰): هذا وقد ظهر بذلك اتفاق اجلة التابعین واکثرهم علی کون الزنا ومقدماته موجبا للتحریم وهو قول عمران بن حصین وابن عباس وابن مسعود وابن عمر وغیرهم من الصحابة وهو مقتضی حدیث اختصام سعد بن ابی وقاص وعبد بن زمعة ۔الخ۔

وفی الهندیة (۱/۲۷۵): وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط قال أصحابنا الربيبة وغيرها في ذلك سواء هكذا في الذخيرة ۔۔۔ ثم لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا كذا في فتح القدير أو نائما هكذا في معراج الدراية فلو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنته منها فقرصها بشهوة وهي ممن تشتهى يظن أنها أمها حرمت عليه الأم حرمة مؤبدة كذا في فتح القدير ۔۔۔ ولو مس ظفرها بشهوة تثبت كذا في الخلاصة۔

(۳۲۶) سسر کے پاؤں دبانے سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بہو نے سسر کے پاؤں دبائے سسر کے کہنے پر جس کی وجہ سے سسر کا آلہ منتشر ہوگیا، کیا اس سے بہو کا نکاح اس شخص کے بیٹے کے ساتھ باقی رہا یا ختم ہوگیا اور اگر سسر کو انزال ہوجائے تو پھر کیا

Marfat.com

حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بہو کا سسر کے پاؤں دبانے سے اگر سسر کے آلہ تناسل میں انتشار پیدا ہوگیا تو بہو اپنے شوہر پر حرام ہوگئی البتہ اگر بہو کے ہاتھ لگانے سے سسر کو انتشار کے ساتھ ساتھ انزال بھی ہوگیا تو پھر حرمت ثابت نہ ہوگی نیز بہو سے جسم دبوانا درست نہیں اس سے قطعاً اجتناب برتا جائے۔

لمافی المصنف لابن ابي شيبة (۹۷/۹) كتاب النكاح: عن عمرو بن حزم قال سئل جابر بن زيد عن جارية كانت لرجل ممن قبلها بيده او بصر عورتها ثم وهبها لابن له ايصح ان يطاها قال: لا۔

وفی مصنف عبدالرزاق (۲۷۸/۶): باب "وربائبكم" عن ابراهيم قال: اذا قبل الرجل المرأة من شهوة: او مس او نظر الى فرجها لاتحل لابيه ولا لابنه۔

وفی الشامية (۳۳/۳): قوله (وحدها فيهما) أي حد الشهوة في المس والنظر قوله (أو زيادته) أي زيادة التحرك إن كان موجودا قبلهما قوله (به يفتى)--- قوله (وفي امرأة ونحو شيخ الخ) قال في الفتح ثم هذا الحد في حق الشاب أما الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه أو زيادته إن كان متحركا لا مجرد ميلان النفس فإنه يوجد فيمن لا شهوة له أصلا كالشيخ الفاني --- قوله (فلا حرمة) لأنه بالإنزال تبين أنه غير مفض إلى الوطء هداية۔

(۳۲۷) بخار چیک کرنے کیلئے ماتھے پر ہاتھ رکھنے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال

زید بہت سخت بیمار ہے ہسپتال میں اس کے ساتھ اس کی ساس ہے۔ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ زید کا ہر وقت بخار دیکھا کرو تا کہ میں جب بھی آؤں تو مجھے پتہ چلے یا اگر زیادہ ہوجائے تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔اب مسئلہ یہ ہے کہ زید کے پاس اور کوئی موجود نہیں ہے گاؤں بھی کافی دور ہے۔ساس کہتی ہے کہ مجھے شہوۃ کے آنے کا غالب گمان ہے اب کیا کیا جائے۔ساس اگر اس کے ماتھے یا ہاتھ پر کپڑا رکھ کر بخار دیکھنا چاہے تو اس کا پتہ نہیں چلتا اور اگر بغیر کپڑے کے ہاتھ لگاتی ہے تو شہوۃ کے آنے کا قوی اندیشہ ہے لہٰذا حرمت مصاہرت کا کیا حکم ہوگا؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

عام طور پر ہسپتال میں بخار چیک کرنے کے لئے "تھرمامیٹر" اور "پٹی" استعمال کی جاتی ہے لہٰذا بہتر تو یہی ہے کہ مذکورہ چیزوں کو استعمال کیا جائے اگر بالفرض یہ چیزیں موجود نہ ہوں تو صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مس بالشہوۃ ہو لہٰذا ساس اگر داماد کو شہوت سے چھوئے تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی اور اگر داماد کو چھوتے وقت شہوت نہ ہو بلکہ چھونے کے بعد ہاتھ ہٹاتے ہی شہوت آجائے تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی اور عورت میں شہوت کی علامت یہ ہے کہ دل میں خواہش اور مزہ آنے لگے اور اگر یہ کیفیت پہلے سے ہو تو اس میں زیادتی ہو جائے لہذا آپ کو چاہیئے کہ ڈاکٹر کو سمجھا دیں کہ یہ شرعی حرمات کا مسئلہ ہے داماد کو ہاتھ نہ لگانے میں ہی عافیت ہے خصوصاً جب ساس ضعیف العمر بھی نہ ہو۔

لمافی الدر المختار (۳/۳۲): والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدهما وحدها فيهما تحرك آلته أو زيادته به يفتى وفي امرأة ونحو شيخ كبير تحرك قلبه أو زيادته۔

وفی الرد تحته: قوله (والعبرة الخ) قال في الفتح وقوله بشهوة في موضع الحال فيفيد اشتراط الشهوة حال المس فلو مس بغير شهوة ثم اشتهى عن ذلك المس لا تحرم عليه اه ۔۔۔ قوله (به يفتى) وقيل حدها أن يشتهي بتحبه إن لم يكن مشتهيا أو يزداد إن كان مشتهيا ولا يشترط تحرك الآلة وصححه في المحيط والتحفة وفي غاية البيان وعليه الاعتماد والمذهب الأول بحر۔

(۳۲۸) چوڑیاں پہنانے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری جیولرز کی دوکان ہے ہماری دوکان پر مستورات آتی رہتی ہیں بسا اوقات وہ عورتیں مجھے چوڑیاں پہنانے کے لئے کہتی ہیں اور میں ان کو چوڑیاں پہناتا ہوں بسا اوقات چوڑیاں پہناتے ہوئے میرے دل میں شہوت ہوتی ہے اور کبھی اس کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔ بہرحال مفتی صاحب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ میرے اس فعل سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں جبکہ اکثر عورتیں برقعہ اوڑھے ہوئے ہوتی ہیں یعنی میں ان کا چہرہ نہیں دیکھتا صرف ہاتھ کو ہاتھ میں پکڑتا ہوں۔ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کے کسی عضو کو شہوت کی حالت میں چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو چاہیئے کہ ان کو چوڑیاں پہنانے سے اجتناب کریں اور جن جن عورتوں کو آپ نے ایسی حالت میں چوڑیاں پہناتے ہوئے چھوا ہے جس سے

Marfat.com

آپ کے آلۂ تناسل میں انتشار پیدا ہو گیا یا اگر پہلے سے انتشار تھا تو اس میں اضافہ ہو گیا تو آپ کے اور ان کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت ہو گئی ہے البتہ اگر آپ کی عمر ۱۲ سال سے کم ہے تو اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ففی المصنف لابن ابی شیبة (۹/۹۹) کتاب النکاح: قال ابراهیم وکانوا یقولون اذا اطلع الرجل من امرأة علی ما لا یحل له او نسها بشهوة فقد حرمتا علیه جمیعا۔

وفی النهایة (۱/۲۰۳): وکما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبیل والنظر إلی الفرج بشهوة کذا فی الذخیرة سواء کان بنکاح أو ملك أو فجور عندنا کذا فی الملتقط۔

وفی الشامیة (۳/۳۳): قوله (وأصل مسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داع إلی الوطء فیقام مقامه فی موضع الاحتیاط هدایة واستدل لذلك فی الفتح بالأحادیث والآثار عن الصحابة والتابعین قوله (بشهوة) أی ولو من أحدهما کما سیأتی۔

(۳۲۹) کسی عورت سے ٹکرا جانے سے حرمت مصاہرت کا ثبوت

سوال

میرا ایک دوست بازار میں جا رہا تھا کہ راستہ میں وہ کسی دوکان کے باہر لٹکی ہوئی چیز کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا کہ ایک عورت اچانک اس سے آ کر ٹکرائی بہر حال معافی تلافی ہوئی لیکن میرا دوست کہتا ہے کہ یار اگر اس عورت سے حرمت ثابت ہوگی تو پھر معاملہ بہت مشکل ہو سکتا ہے بہر حال آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ اس طرح ٹکر لگنے سے حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں نیز لڑکی کو دیکھنے سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے یا چھونا ضروری ہے اور چھوتے وقت شہوت کی کیا صورت ہوتی ہے جس سے حرمت ثابت ہو؟ تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

حرمت مصاہرت صحبت کرنے سے یا شہوت کے ساتھ بلا حائل چھونے سے یا شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کو دیکھنے سے ثابت ہوتی ہے۔ عورت کے اعضاء کو (فرج داخل کے علاوہ) دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی اسی طرح شہوت کے بغیر اعضاء کو چھونے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی اور چھوتے وقت شہوت کی صورت یہ ہے کہ دل میں شہوت ہو اور لذت محسوس ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ مردوں میں یہ بات بھی ہے کہ آلہ منتشر ہو جائے یا انتشار اور زیادہ بڑھ جائے۔ صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کے ساتھ وہ عورت اگر بغیر شہوت کے ٹکرائی ہے (جیسا کہ ظاہر سے معلوم ہوتا ہے) تو اس عورت سے حرمت (عدم شہوت کی وجہ سے) ثابت نہیں ہوئی۔

Marfat.com

لما فی الشامیة (۳/۳۲): قوله (وأصل ممسوسته الخ) لأن المس والنظر سبب داء إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط هداية واستدل لذلك في الفتح بالأحاديث والآثار عن الصحابة والتابعين قوله (بشهوة) أي ولو من أحدهما كما سيأتي۔

(۳۳۰) ہیجڑے سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندے نے ایک کتاب میں حرمت مصاہرت کا لفظ پڑھا اور کچھ تفصیلات بھی ساتھ ذکر تھیں وہ بھی پڑھیں اور پھر اپنے علاقے کے ایک صاحبِ علم سے رجوع کیا تو انہوں نے کافی تفصیل میں سمجھایا کہ حرمت مصاہرت سے کیا ہوتا ہے لیکن آج میں ناگن چورنگی سے جارہا تھا مجھے وہاں ہیجڑے نظر آئے تو میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کو چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟ مفتی صاحب ازراہِ کرم اس کا حکم بتادیں اور اگر ہیجڑا ہیج کا ہو یعنی دونوں مذکر اور مؤنث والا ہو، اس کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خنثیٰ (ہیجڑے) میں اگر مردوں کی علامتیں واضح اور غالب ہوں تو اس پر مردوں کے احکام لاگو ہوں گے اور اگر عورتوں کی علامتیں واضح اور غالب ہوں تو اس پر عورتوں کے احکام لاگو ہوں گے لہٰذا اگر کسی مرد نے ایسے ہیجڑے کو شہوت سے چھوا جس میں عورتوں کی علامتیں راجح ہوں تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی اور اس چھونے والے شخص کیلئے اس ہیجڑے کی والدہ سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس جس میں مردوں کی علامتیں راجح ہوں مرد کا اسے شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی نے خنثیٰ مشکل (ہیج والے ہیجڑے) کو شہوت سے چھوا، تو چونکہ اس میں مرد، عورت دونوں کی علامتیں برابر پائی جاتی ہیں لہٰذا ایسے خنثیٰ کو شہوت سے چھونے سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی، کیونکہ فقہاء کے کلام میں خنثیٰ مشکل کے مسائل میں احوط پر عمل کرنے کی تصریح ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مردوں کی صف میں نماز پڑھنے والے خنثیٰ مشکل کی نماز ہوجائے گی لیکن اس کے دائیں بائیں اور بالکل پیچھے کھڑے حضرات کیلئے اپنی نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔

نوٹ: آجکل جو ہیجڑے پائے جاتے ہیں وہ عام طور پر مرد ہوتے ہیں، بتکلف اپنے آپ کو مؤنث ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا ان کا حکم مردوں والا ہوگا۔[1]

---

[1] خنثیٰ سے متعلق تفصیلی احکام ومسائل جاننے کیلئے ''نجم الفتاوی'' کی اسی چوتھی جلد کے فتوی بنام "الخنثی وأحكامه للشهادة فی الشريعة الاسلامية" کا مطالعہ کریں۔ ازمرتب

Marfat.com

لمافی تبیین الحقائق کتاب الخنثی (۴۴۶/۷): ومن أحكام الخنثى المشكل أنه لو قبله رجل بشهوة لم يتزوج أمه إلا إذا تبين أنه ذكر لاحتمال أنه أنثى فيثبت به حرمة المصاهرة . وكذا إذا قبلته امرأة لا تتزوج بأبيه لما ذكرنا۔

وفی الجوهرة النيرة كتاب الخنثى (۷۶/۲): والاصل فی ذلك أن الخنثى المشكل يؤخذ له فی جميع امور بالأحوط فی امور الدين ۔۔۔ فان وقف فی صف النساء اعاد صلوته لاحتمال أنه رجل، وان قام فی صف الرجال فصلاته تامة ويعيد الذی عن يمينه والذی عن يساره والذی خلفه بحذاءه صلوتهم احتياطا لاحتمال أنه امرأة ۔۔۔ فان صلى بغير قناء أمر بالاعادة لاحتمال انه امرأة، قال فی الهداية: وهو على الاستحباب وان لم يعد أجزأه۔

وفی الطحطاوی علی الدر کتاب الخنثی (۵۳۰/۴) (مكتبة الرشيد): (قوله وان قبل رجل) ای مع انتشار الة أو ازدياد الانتشار (قوله تثبت حرمة المصاهرة) فلا يجوز لأم الخنثى التزوج بهذا المقبل ولا بنتها، ولا يجوز التزوج بأم المشكل۔

(۳۳۱) شہوت سے چھونے کی صورت میں انزال ہوجانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا اور ساتھ ہی انزال بھی ہوگیا اب اس شخص نے اس عورت کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا تو کیا شرعاً یہ نکاح صحیح ہوا کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے لیکن اگر انزال بھی ہوجائے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی لہذا یہ نکاح صحیح ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۵/۱): ووجود الشهوة من أحدهما يكفي وشرطه أن لا ينزل حتى لو أنزل عند المس أو النظر لم تثبت به حرمة المصاهرة كذا في التبيين قال الصدر الشهيد وعليه الفتوى كذا في الشمني شرح النقاية ولو مس فأنزل لم تثبت به حرمة المصاهرة في الصحيح لأنه تبين بالإنزال أنه غير داع إلى الوطء كذا في الكافي۔

وفی الدر المختار (۳۳/۳): هذا إذا لم ينزل فلو أنزل مع مس أو نظر فلا حرمة به يفتى۔

Marfat.com

وفی الرد تحته: قوله (فلا حرمة) لأنه بالإنزال تبين أنه غير مفض إلى الوطء هداية۔

(۳۳۲) ثبوت مصاہرت کے بعد اگر لڑکی کے لئے علیحدگی کی کوئی سبیل نہ ہو

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز کینیڈا میں جاب کے سلسلے میں مقیم ہیں انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی ایک نومسلم سے کی ہے دونوں اچھی زندگی گزار رہے تھے لیکن اچانک ایک عجیب واقعہ پیش آ گیا ایک دن وہ شخص گھر پر نہیں تھا کہ اس کا باپ (یاد رہے کہ اس نومسلم کا باپ مسلمان نہیں ہوا تھا) گھر آیا اور بہو کو بہکانے لگا بہو چونکہ مسلم اور باپردہ خاتون ہیں وہ ایسی قبیح حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی البتہ لڑکے کے باپ نے آگے بڑھ کر لڑکی کو بھینچ لیا اور بوسے لئے لیکن عین وقت پر پڑوسی آ گئے جس کے باعث معاملہ فی الحال رفع دفع ہو گیا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ میں لڑکی کو دوبارہ اس گھر نہیں بھیجوں گا یہ اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی نیز شوہر لڑکی کی بات تسلیم نہیں کر رہا ہے وہ کہتا ہے میرا باپ یہ نہیں کر سکتا۔ مفتی صاحب آپ بتائیں کیا کیا جائے؟ وہاں تو مسلمان جج وغیرہ بھی موجود نہیں ہیں ایک مسلم کمیونٹی کا علاقہ ہے جہاں یہ چند مسلمان گھرانے بستے ہیں اب شوہر سے علیحدگی کس طرح کی جائے؟ وہ لڑکی کی دوسری جگہ شادی کرانا چاہتے ہیں تاکہ فتنہ ختم ہو لیکن شک ہے کہ یہ پہلا نکاح ختم ہوا یا نہیں؟ لہٰذا آپ مسئلہ کا مکمل ومدلل جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جواب سے قبل یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ اگر فی الواقع عورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوا اور وہ کذب بیانی سے کام لے رہی ہے تو وہ عورت بدستور اس مرد کے نکاح میں رہے گی شرعاً کسی قسم کے فیصلے سے بھی وہ عورت مرد کے نکاح سے نہیں نکلے گی، لیکن اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا یا دواعی زنا مثلاً بوسہ گلے لگانا، چھونا وغیرہ شہوت کے ساتھ کرتا ہے تو عورت پر اس مرد کے اصول (باپ، دادا) اور فروع (بیٹا، پوتا وغیرہ) ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی اپنے شوہر کے باپ پر دعویٰ کر رہی ہے کہ اس نے بوسہ ومعانقہ کیا ہے اور شوہر اس بات کی تکذیب کر رہا ہے چونکہ شریعت میں اگر دعویٰ کرنے والے کے پاس گواہ نہ ہوں تو سامنے والے کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے لہٰذا شوہر پر بیوی حرام نہیں ہوگی البتہ اگر بیوی کے ساتھ واقعتاً ایسا ہوا ہے اور بیوی کے پاس گواہ نہیں [نیز شوہر بھی تصدیق نہیں کر رہا] لہٰذا ظاہر ہے کہ عدالت شوہر کے حق میں فیصلہ کر دے گی البتہ اگر بیوی کو یقین ہو کہ سسر نے شہوت سے اسے چھوا ہے تو پھر عورت کے لئے شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینا جائز نہیں وہ کسی بھی طرح شوہر سے چھٹکارا حاصل کرے اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو اسے خلع پر راضی کرے اور

Marfat.com

اگر شوہر خلع پر بھی راضی نہ ہوتو اگر اسلامی ملک ہوتو عورت یکطرفہ خلع کی ڈگری (جو کہ شرعاً اگرچہ معتبر نہیں ہوتی لیکن چونکہ یہ عورت حقیقتاً فی الواقع مرد پر حرام ہو چکی ہے لہٰذا یہ ڈگری اس کے لئے عدالتی طور پر علیحدگی کا ایک ثبوت بن جائے گی) عورت یہ ڈگری حاصل کر کے علیحدہ ہو جائے اور اگر وہ غیر مسلم ملک میں ہے جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے تو وہاں بھی چونکہ عورت تو شوہر پر حرام ہو چکی ہے لہٰذا وہاں کی عدالت کے موافق عورت کے مرد سے علیحدہ ہونے کا جو بھی طریقہ ہو اس کے مطابق وہ عدالت سے فیصلہ لے لے۔ وہ فیصلہ اگرچہ عام اوقات میں شرعاً غیر معتبر ہو لیکن اس عورت کے لئے علیحدگی کا ثبوت بن جائے گا۔

لمافی الشامیة (۳۵/۳): قوله (قبل أم امرأته الخ) قال في الذخيرة وإذا قبلها أو لمسها أو نظر إلى فرجها ثم قال لم يكن عن شهوة ذكر الصدر الشهيد أنه في القبلة يفتى بالحرمة ما لم يتبين أنه بلا شهوة وفي المس والنظر لا إلا إن تبين أنه بشهوة لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر ۔۔۔ قوله (وإن ادعت الشهوة في تقبيله) أي ادعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها أو فروعها بشهوة أو أن أحد أصولها أو فروعها قبله بشهوة ۔۔۔ قوله (فهو مصدق) لأنه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر۔

وفی الحیلة الناجزة (ص۱۷۱): "اگر عورت کا دعویٰ صحیح تھا مگر شہادت معتبر پیش نہ ہو سکی اور خاوند نے حلف کر لیا اس واسطے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا، یعنی نہ تفریق کی نہ زوجیت میں رہنے کا حکم دیا تو اس عورت کیلئے جائز نہیں کہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعے اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرے اور اگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو جب تک اپنا بس چلے اس شوہر کو کبھی پاس نہ آنے دے اور اگر قاضی نے عورت کا دعویٰ رد کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی کر دیا کہ بدستور شوہر کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا۔

لیکن حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں نیز یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ کو اس میں شرح صدر ہے کچھ تردد نہیں اور مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند نے بھی اس میں موافقت فرمائی مگر احقر کو ہنوز شرح صدر نہیں ہوا۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی جزئیے سے یا قواعد سے شرح صدر کے ساتھ جواز تمکین ثابت نہ ہو اس وقت تک حضرت والا کے ارشاد پر عمل واجب ہے۔

Marfat.com

فصل فی المحرمات بالجمع

(جن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے)

(۳۳۳) کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے عمر کی ربیبہ (دوسری بیوی سے بیٹی) سے نکاح کیا ہے کیا عمر کی حقیقی بیٹی سے زید نکاح کرسکتا ہے یعنی ربیبہ اور عمر کی حقیقی بیٹی ماں شریک بہنیں ہیں کیا ان کے درمیان جمع بین الاختین کی وجہ سے حرمت آتی ہے یا نہیں؟ اگر حرمت آتی ہے تو اول کو طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے کا انتظار کیا جائے یا فوراً نکاح جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دو ایسی عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا درست نہیں جن میں سے کسی بھی ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے تو پھر ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں عمر کی ربیبہ اور حقیقی بیٹی جو ربیبہ کی ماں سے ہے ان دونوں کو نکاح میں ایک ساتھ جمع کرنا درست نہیں، اگر ایک سے نکاح وہمبستری کرچکا ہے تو دوسری سے نکاح کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلی کو طلاق دے اور جب اس کی عدت ختم ہوجائے تو پھر دوسری سے نکاح کی اجازت ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۳/۱): وأما الأخوات فالأخت لأب وأم والأخت لأم وكذا بنات الأخ والأخت وإن سفلن۔

وفيه ايضا(۲۷۷/۱): وأما الجمع بين ذوات الأرحام فإنه لا يجمع بين أختين بنكاح ولا بوطء بملك يمين سواء كانتا أختين من النسب أو من الرضاء هكذا في السراج الوهاج والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاء أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط۔

وفی الدرالمختار(۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو

Marfat.com

من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)أبدا لحديث مسلم لا تنكح المرأة على عمتها۔

وفی الرد تحته:قوله (بين المحارم)۔۔۔وأراد بالمحارم ما يشمل النسب والرضاء ۔۔۔ قوله (وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها۔

(۳۳۴) کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بہت سی عورتوں کے بارے میں سنا ہے کہ انہیں نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہے کیا ایسا ہی ہے؟ کیا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے؟ کن کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہے؟ کیا کوئی اصول ہے کہ میں پہچان لوں کہ یہ قاعدہ ہے، اور کوئی عقلی وجہ اکابر نے لکھی ہو تو ازراہِ کرم وہ بھی لکھ دیں، میں اس معاملے میں پریشان ہوں کیونکہ بظاہر دو بہنیں ایک ہی گھر میں آجائیں تو یہ سہولت والا معاملہ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح سے متعلق جو نصوص وارد ہوئے ہیں ان نصوص کو مدنظر رکھتے ہوئے دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے متعلق فقہاء کرام نے ایک اصول مستنبط کیا ہے اگر آپ اس اصول کو ذہن میں رکھیں تو آپ کبھی پریشان نہ ہوں گے۔ وہ یہ ہے کہ اگر دو عورتوں میں سے ہر ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کرلیں تو اُن کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے مثلاً دو بہنوں میں سے ایک مرد دوسری کو عورت شمار کریں تو بہن بھائی بن گئے اور بہن بھائی کا نکاح آپس میں جائز نہیں اسی طرح پھوپھی بھتیجی کے رشتہ میں پھوپھی کو مرد شمار کریں تو چچا بن گیا اور چچا بھتیجی کا نکاح آپس میں جائز نہیں اس کے برعکس بھتیجی کو مرد شمار کریں تو وہ بھتیجا بن گیا اور بھتیجا اور پھوپھی کا نکاح آپس میں جائز نہیں ہے۔

لہٰذا اصول مذکورہ اور نصِ قرآنی سے معلوم ہوا کہ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور اسی طرح پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو خواہ نسبی ہوں یا رضاعی جمع کرنا جائز نہیں۔ جبکہ نکاح کے مقاصد میں سے بڑا مقصد نسل انسانی کی بڑھوتری ہے جس کا سبب تعدد ازواج ہے اور ظاہر ہے تعدد ازواج کی صورت میں بیویاں آپس میں لڑتی بھی ہیں لیکن شریعت مطہرہ نے نسل انسانی کی بڑھوتری کے عظیم نفع کے مقابلے میں بیویوں اور سوتنوں کے جھگڑے کو برداشت کیا اور تعدد ازدواج سے منع نہیں کیا لیکن جب یہی تعدد ازدواج دو خونی رشتوں کو جمع کرنے کی صورت میں ہو تو شریعت نے اس کو منع قرار دے دیا کیونکہ جب دو خونی رشتے سوتنوں کی صورت میں ظاہر

Marfat.com

ہوں گے تو اُن کا آپس میں لڑنا جھگڑنا ظاہر اور معروف ہے اور آپس کا یہ لڑنا جھگڑنا قطع رحمی کا سبب بنے گا جو کہ حرام ہے اور جو حرام کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے اور قطع رحمی سے بچانا ہی حکمت ہے دو خونی رشتوں کو جمع نہ کرنے کی۔

لمافی الدرالمختار(۳۰/۳) فصل فی المحرمات:و حرم المصاهرة (بنت زوجته الموطوءة وأم زوجته) وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح (وإن لم توطأ) الزوجةلما تقرر أن وطء الأمهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الأمهات ويدخل بنات الربيبة والربيب۔

و فی الموسوعة الفقهية (۲۱۳/۳۶):حكمة التحريم: أمر الإسلام بصلة الرحم والحرص على الروابط التي تربط الأفراد بعضهم ببعض وحمايتها من الخصومات والمنازعات،،وقد قال الكاساني: إن نكاح هؤلاء يفضي إلى قطع الرحم لأن النكاح لا يخلو من مباسطات تجري بين الزوجين عادة، وبسببها تجري الخشونة بينهما ، وذلك يفضي إلى قطع الرحم ، فكان النكاح سببا لقطع الرحم ، مفضيا إليه ، وقطع الرحم حرام ، والمفضي إلى الحرام حرام ـــ أصل الزوجة وهي أمها وأم أمها ، وأم أبيها وإن علت ـــ فروع الزوجة ، وهن بناتها ، وبنات بناتها ، وبنات أبنائها وإن نزلن ، لأنهن من بناتها بشرط الدخول بالزوجة ، وإذا لم يدخل فلا تحرم عليه فروعها بمجرد العقد۔

(۳۳۵) بیوی اور اس کی رضاعی یا سوتیلی ماں کو جمع کرنے میں فرق کی وجہ

سوال

اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز بیوی کی رضاعی ماں کا کیا حکم ہے؟ وہ جائز ہے یا ناجائز؟ نیز بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو جمع کرنا یا بیوی اور اس کی رضاعی ماں کو جمع کرنا، ان دونوں کا حکم بھی لکھ دیں۔ برائے کرم فقہ حنفی کے صریح جزئیات سے ثابت کر دیں ایک صاحب کو اشکال ہے کہ رضاعی اور سوتیلی ماں ایک جیسی ہیں حلال ہیں، یہ حقیقی ساس کی طرح نہیں لہٰذا آپ صریح جزئیات سے رضاعی اور سوتیلی ساس کے احکام لکھ دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اپنی بیوی کی رضاعی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ نکاح کے عدم جواز کیلئے دو رشتوں کا ہونا ضروری ہے، ۱۔نسب۔ ۲۔رضاعت۔ان دونوں میں سے کوئی ایک رشتہ پایا گیا تو اس مرد یا عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کے جائز ہونے کی وجہ یہی ہے کہ مذکورہ بالا دونوں رشتوں میں سے

Marfat.com

یہاں کوئی رشتہ نہیں پایا جاتا لہٰذا بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے جبکہ اپنی بیوی کی رضاعی ماں سے نکاح کے جائز نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہاں رضاعی رشتہ پایا جاتا ہے لہٰذا بیوی کی رضاعی ماں کے رضاعی ساس کے حکم میں ہونے کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہوگا، چنانچہ اپنی بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی جائز ہے جبکہ بیوی کی رضاعی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے تو ان کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی جائز نہ ہوگا۔

نیز بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا اس لئے بھی جائز ہے کیونکہ جمع کی حرمت کیلئے فقہاء نے جو اصول بیان کیا ہے وہ ان پر صادق نہیں آتا۔ اصول یہ ہے کہ جن دو عورتوں میں سے ہر ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کرلیں تو اُن کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے مثلاً دو بہنوں میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت شمار کریں تو بہن بھائی بن گئے اور بہن بھائی کا نکاح آپس میں جائز نہیں اسی طرح پھوپھی بھتیجی کے رشتہ میں پھوپھی کو مرد شمار کریں تو چچا بن گیا اور چچا بھتیجی کا نکاح آپس میں جائز نہیں اس کے برعکس بھتیجی کو مرد شمار کریں تو وہ بھتیجا بن گیا اور بھتیجا اور پھوپھی کا نکاح آپس میں جائز نہیں ہے لہذا ان کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں، جبکہ سوتیلی ماں کو اگر مرد تصور کریں تو وہ اجنبی بن جاتا ہے۔

لمافی الهندية (۲۷۷/۱) كتاب النكاح، الباب الثالث فى المحرمات (ط ماجديه): كل من تحرم بالقرابة والصهرية تحرم بالرضاء على ما عرف في كتاب الرضاء كذا في محيط السرخسي القسم الرابع المحرمات بالجمع ـــ وأما الجمع بين ذوات الأرحام فإنه لا يجمع بين أختين بنكاح ولا بوطء بملك يمين سواء كانتا أختين من النسب أو من الرضاء هكذا في السراج الوهاج والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاء أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط فلا يجوز الجمع بين امرأة وعمتها نسبا أو رضاعا وخالتها كذلك ونحوها ويجوز بين امرأة وبنت زوجها فإن المرأة لو فرضت ذكرا حلت له تلك البنت بخلاف العكس۔

وفى الدرالمختار (۳۸/۳): (و)حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)أبدا لحديث مسلم۔

وفى الرد تحته:(قوله وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها والجمع بين الأم والبنت نسبا أو رضاعا۔

Marfat.com

(۳۳۶) دو بہنوں کو کسی صورت میں نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کے عقد میں دو بیویاں ہیں اور وہ دونوں عورتیں آپس میں بہنیں ہیں کیا وہ شخص دو بہنوں کو عقد میں رکھ سکتا ہے؟ برائے مہربانی تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بھی شخص کیلئے دو بہنوں کو چاہے نسبی [عینی، خیفی، علاتی یعنی ماں باپ شریک یا صرف ماں شریک یا صرف باپ شریک ہوں] یا رضاعی یعنی دودھ شریک ہوں، ایک ہی وقت میں عقدِ نکاح میں رکھنا ناجائز، حرامِ قطعی اور گناہ کبیرہ ہے، ایسے شخص کو اللہ سے ڈرنا چاہیئے اور اپنے اس مذموم اور قبیح فعل سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اگر شخصِ مذکور نے دونوں بہنوں سے جُدا جُدا نکاح کیا ہے، تو پہلا نکاح درست اور دوسرا نکاح فاسد ہے اور اس پر لازم ہے کہ فی الفور اس دوسری بہن کو اپنے سے جدا کرے، اور اگر دوسری بہن سے صحبت کر چکا ہے تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے، پہلی بیوی سے قربت نہ کرے اور اگر وہ حاملہ ہے تو بچے کا نسب بھی شخص مذکور سے ثابت ہو جائے گا البتہ اگر وہ دونوں، چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بہنیں ہیں تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی کتاب اللہ تعالیٰ (النساء: ۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی صحیح البخاری (۷۶۶/۲) کتاب النکاح، باب {وأن تجمعوا بين الأختين إلا ما قد سلف}: أن زينب بنت أبي سلمة، أخبرته أن أم حبيبة رضى الله عنها، قالت: قلت يا رسول الله، انكح أختي بنت أبي سفيان، قال: وتحبين؟ قلت: نعم، لست لك بمخلية، وأحب من شاركني في خير أختي، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن ذلك لا يحل لي، قلت: يا رسول الله، فوالله إنا لنتحدث أنك تريد أن تنكح درة بنت أبي سلمة، قال: بنت أم سلمة، فقلت: نعم، قال: فوالله لو لم تكن في حجري ما حلت لي، إنها لابنة أخي من الرضاعة، أرضعتني وأبا سلمة ثويبة، فلا تعرضن علي بناتكن ولا أخواتكن۔

وفی الدر المختار (۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن)۔

وفی الرد تحته: وأراد بالمحارم ما يشمل النسب والرضاء فلو كان له زوجتان رضيعتان

Marfat.com

أرضعتهما أجنبية فسد نكاحهما كما في البحر قوله (أي عقدا صحيحا) الأنسب حذف قوله صحيحا كما فعل في البحر والنهر ولذا قال ح لا ثمرة لهذا القيد فيما إذا تزوجهما في عقد واحد فإنه لا يكون صحيحا قطعا ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحا فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل قطعا نعم له ثمرة فيما إذا تزوج الأولى فاسدا فإن له حينئذ أن يعقد على الثانية ويصدق عليه أنه جمع بينهما نكاحا ونكاح الأولى وإن كان فاسدا يسمى نكاحا كما شاء في عباراتهم اه

(۳۳۷) پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے نکاح کالعدم ہوگا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مثلاً زید کی ایک بیوی ہندہ ہے اب زید نے ہندہ کو نکاح باقی رکھتے ہوئے ہندہ کی بھتیجی زینب سے شادی کرلی۔ اب زید کا دونوں کے ساتھ نکاح برقرار رہے گا یا نہیں۔ اگر نکاح برقرار رہے گا تو ان میں ہندہ کے ساتھ باقی ہے یا زینب کے ساتھ اور اگر برقرار نہیں رہے گا تو ہندہ کا نکاح فسخ ہوگا یا زینب کا یا ان دونوں کا نکاح فسخ ہوجائے گا نیز جس کے ساتھ نکاح فسخ ہوجائے گا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کیلئے حلالہ شرط ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر میری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں زید کا ہندہ کے ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی زینب سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر کرلیا ہے تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا لہٰذا زینب کو چھوڑ دے۔ باقی ہندہ سے اس کا نکاح برقرار رہے گا۔ ہندہ کے ہوتے ہوئے زینب سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔

لمافی الدرالمختار(۳/۳۸): (و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)أبدا ۔

وفی الرد تحته : قوله (أي عقدا صحيحا) الأنسب حذف قوله صحيحا كما فعل في البحر والنهر ولذا قال ح لا ثمرة لهذا القيد فيما إذا تزوجهما في عقد واحد فإنه لا يكون صحيحا قطعا ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحا فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل

Marfat.com

قطعاً۔

(۳۳۸) کیا جمع بین الاختین کے اصول سے کوئی صورت مستثنیٰ ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک اصول بیان کیا جاتا ہے کہ "ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو اس کا دوسرے سے نکاح حرام ہے" کیا یہ اُصول کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے یا قیاس ہے؟ نیز کلی ہے یا اس سے کوئی صورت مستثنیٰ بھی ہے؟ نیز ایک کو مرد فرض کرلیا جائے دوسری کو عورت اس کو چند مثالوں سے بھی واضح فرمادیں تاکہ بات سمجھنا آسان ہوجائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

"تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں، ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے اُن بیبیوں سے صحبت نہ کی تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیبیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دونوں بہنوں کو (رضاعی ہوں یا نسبی اپنے نکاح میں) ایک ساتھ رکھو۔ الخ۔"

بخاری شریف میں حدیث ہے:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تنكح المرأة على عمتها أو خالتها"

"رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اس کی پھوپھی پر یا اس کی خالہ پر"

ایسے ہی دوسری جگہ فرمایا:

Marfat.com

أرضعتهما أجنبية فسد نكاحهما كما في البحر قوله (أي عقدا صحيحا) الأنسب حذف قوله صحيحا كما فعل في البحر والنهر ولذا قال ح لا ثمرة لهذا القيد فيما إذا تزوجهما في عقد واحد فإنه لا يكون صحيحا قطعا ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحا فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل قطعا نعم له ثمرة فيما إذا تزوج الأولى فاسدا فإن له حينئذ أن يعقد على الثانية ويصدق عليه أنه جمع بينهما نكاحا ونكاح الأولى وإن كان فاسدا يسمى نكاحا كما شاء في عباراتهم اه

(۳۳۷) پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے نکاح کالعدم ہوگا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مثلاً زید کی ایک بیوی ہندہ ہے اب زید نے ہندہ نکاح باقی رکھتے ہوئے ہندہ کی بھتیجی زینب سے شادی کرلی۔ اب زید کا دونوں کے ساتھ نکاح برقرار رہے گا یا نہیں۔ اگر نکاح برقرار رہے گا تو ان میں ہندہ کے ساتھ باقی ہے یا زینب کے ساتھ اور اگر برقرار نہیں رہے گا تو ہندہ کا نکاح فسخ ہوگا یا زینب کا یا ان دونوں کا نکاح ہوجائے گا نیز جس کے ساتھ نکاح فسخ ہوجائے گا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کیلئے حلالہ شرط ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر میری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں زید کا ہندہ کے ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی زینب سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر کرلیا ہے تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا لہٰذا زینب کو چھوڑ دے۔ باقی ہندہ سے اس کا نکاح برقرار رہے گا۔ ہندہ کے ہوتے ہوئے زینب سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔

لمافی الدرالمختار(۳۸/۳): (و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحا) أي عقدا صحيحا (وعدة ولو من طلاق بائن و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى)أبدا ۔

وفی الرد تحته : قوله (أي عقدا صحيحا) الأنسب حذف قوله صحيحا كما فعل في البحر والنهر ولذا قال ح لا ثمرة لهذا القيد فيما إذا تزوجهما في عقد واحد فإنه لا يكون صحيحا قطعا ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحا فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل

Marfat.com

قطعا۔

(۳۳۸) کیا جمع بین الاختین کے اصول سے کوئی صورت مستثنیٰ ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک اصول بیان کیا جاتا ہے کہ "ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو اس کا دوسرے سے نکاح حرام ہے" کیا یہ اُصول کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے یا قیاس ہے؟ نیز کلی ہے یا اس سے کوئی صورت مستثنیٰ بھی ہے؟ نیز ایک کو مرد فرض کرلیا جائے دوسری کو عورت اس کو چند مثالوں سے بھی واضح فرمادیں تا کہ بات سمجھنا آسان ہوجائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

" تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں، ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے اُن بیبیوں سے صحبت نہ کی تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیبیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دونوں بہنوں کو (رضاعی ہوں یا نسبی اپنے نکاح میں) ایک ساتھ رکھو۔ الخ۔"

بخاری شریف میں حدیث ہے:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تنكح المرأة على عمتها أو خالتها"

"رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اس کی پھوپھی پر یا اس کی خالہ پر"

ایسے ہی دوسری جگہ فرمایا:

Marfat.com

"لا یجمع بین المرأۃ وعمتہا ولا بین المرأۃ وخالتہا"

"نہ جمع کیا جائے (نکاح میں) عورت اور اس کی پھوپھی کو اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو"

قرآن پاک کی آیت اور احادیث میں جن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت آئی ہے ان کا یاد رکھنا ذرا مشکل تھا اور وہ سب ایک قاعدہ کلیہ کے تحت جمع بھی ہو جاتی تھیں لہٰذا فقہاء نے تمام صورتوں کا احاطہ کر کے یہ قاعدہ بنا دیا "ولا یجمع بین امرأتین لو کانت کل واحد منہما رجلاً لم یجز لہ ان یتزوج بالأخری" جس کا مفہوم یہ ہے کہ "ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے ہر ایک کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح نہ ہو سکتا ہو" نیز یہ اصول کلی ہے اس سے کوئی صورت مستثنیٰ نہیں۔

مثال: خالہ اور بھانجی کو ایسے ہی پھوپھی بھتیجی کو نکاح میں جمع نہیں کر سکتے مثلاً خالہ کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو وہ اس بھانجی کا ماموں بن جائے گا، اور ماموں اور بھانجی کا نکاح جائز نہیں اور بھانجی کو اگر مرد فرض کیا جائے تو وہ بھانجا بن جائے گا جبکہ خالہ اور بھانجے کا نکاح بھی جائز نہیں۔ اسی لئے ان دونوں خالہ اور بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں۔

لما فی الشامیۃ (۳۸۳): کتاب النکاح (ط سعید): (قولہ: وأیتہما فرضت إلخ) أي أیۃ واحدۃ منہما فرضت ذکرا لم یحل للأخری کالجمع بین المرأۃ وعمتہا أو خالتہا والجمع بین الأم والبنت نسبا أو رضاعا۔

(۳۳۹) بھانجی، خالہ سے بیک وقت نکاح ناجائز ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کسی لڑکی کو اغواء کر کے لے جاتا ہے اور چند دن بعد اس لڑکی سے شادی کر لیتا ہے مگر اس آدمی کی پہلی بیوی جو کہ حیات ہے اور اس کے نکاح میں موجود ہے اس دوسری لڑکی کی علاتی (باپ شریک) بھانجی ہے کیا شریعت میں یہ جائز ہے کہ ایک مرد بیک وقت ایسی دو عورتوں کو نکاح میں رکھے کہ ان کا آپس میں خالہ اور بھانجی کا رشتہ ہو۔ یہ واضح ہو کہ یہ دوسری لڑکی شخص مذکور کی پہلی بیوی کی حقیقی خالہ نہیں ہے بلکہ علاتی خالہ ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں مسئلہ بتا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے حقیقی خالہ ہو یا علاتی یا اخیافی (ماں شریک)۔ اس باب میں صریح احادیث منقول ہیں کہ خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح بخاری (۲/۷۶۶) پر حدیث ہے:

Marfat.com

"نهى رسول الله أن تنكح المرأة على عمتها أو خالتها"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ کی موجودگی میں نکاح سے منع فرمایا۔

لمافی صحیح البخاری (۷۶۶/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يجمع بين المرأة وعمتها، ولا بين المرأة وخالتها۔

وفی البحرالرائق (۱۶۴/۳): قوله (وأخته وبنتها وبنت أخيه وعمته وخالته) للنص الصريح ودخل فيه الأخوات المتفرقات وبناتهن وبنات الإخوة المتفرقين والعمات والخالات المتفرقات لأن الاسم يشمل الكل وكذا يدخل في العمات والخالات أولاد الأجداد والجدات وإن علوا وكذا عمة جده وخالته وعمة جدته وخالاتها لأب وأم أو لأب أو لأم وذلك كله بالإجماع۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۶۶۴/۹): ويحرم على الزوج أن يطأ الأولى، أي قربان زوجته الأولى حتى تنقضي عدة الثانية، لئلا يكون جامعاً بينهما، والجمع بين المحارم حرام.

(۳۴۰) بیوی کے محرم سے نکاح یا زنا کے بعد بیوی سے ہمبستری کا حکم

سوال

اگر ایک شخص بیوی اور سالی کی بیٹی سے نکاح کر لیتا ہے یعنی خالہ اور بھانجی کو جمع کر لیتا ہے ہمبستری دونوں سے ہو جاتی ہے معلوم ہونے پر بھانجی کو علیحدہ کر دیتا ہے تو وہ فوراً پہلی بیوی یعنی خالہ سے وطی کر سکتا ہے یا کچھ انتظار کرنا ہوگا نیز پھوپھی بھتیجی اور دو بہنوں کے جمع کی صورت میں دوسری کی علیحدگی کے بعد پہلی سے وطی کا حکم بھی لکھ دیں، یہ عدت کہلائے گی یا استبراء رحم؟ جمہور کا قول ہے یا کسی ایک کا، مفتی بہ کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ ایک شخص اگر اپنی بیوی کے کسی بھی محرم رشتے دار (جس سے بیوی کی موجودگی میں نکاح کرنا حرام ہو) سے نکاح کر لے تو یہ نکاح فاسد ہوگا اور اس میں علیحدگی ضروری ہوگی اور اس علیحدگی کے بعد وہ دوسری عورت تین حیض عدت گزارے گی اور اس عورت کی عدت کے دوران یہ شخص اپنی بیوی سے بھی ہمبستری نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی بیوی کی محرم مثلاً بہن اس کی عدت میں ہے اور دوران عدت نکاح کسی درجہ میں باقی رہتا ہے لہٰذا ایک وقت میں دو بہنوں کو جمع کرنا لازم آئے گا لہٰذا دوسری کی عدت کے اختتام تک یہ اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کر سکتا۔

یہی حکم سالی کی بیٹی یعنی بیوی کی بھانجی یا بیوی کی بھتیجی سے نکاح کر کے علیحدگی کا ہے البتہ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ بیوی کے

Marfat.com

کسی ایسے محرم سے جس سے بیوی کی موجودگی میں نکاح حرام ہو نکاح کر لینے سے یہ احکام جاری ہوں گے اس دوسری لڑکی کو عدت تین حیض گزارنا واجب اور ضروری ہوگا اس دوران بیوی سے ہمبستری کرنا جائز نہ ہوگا البتہ اگر کوئی شخص بیوی کی موجودگی میں اس کی کسی ایسے محرم سے جس سے نکاح حرام ہو اس سے زنا کر لے تو یہ حکم نہیں بلکہ اس صورت میں اس دوسری عورت کو ایک حیض بطور استبراء رحم کے گذارنا ہوگا اور اس دوران اس شخص کیلئے اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرنا بہتر ہے۔

لمافی الخانية على هامش الهندية (۱/۳۶۴): ولو تزوج امرأة ثم نكح أختها جاز نكاح الأولى وبطل نكاح الثانية وإن وطئ الثانية لم يطأ الأولى حتى تنقضي عدة الثانية.

وفی الشامية (۶/۳۸۰): ومنها إذا زنى بأخت امرأته أو بعمتها أو بخالتها أو بنت أخيها أو أختها بلا شبهة فإن الأفضل أن لا يطأ امرأته حتى تستبرأ المزنية فلو زنى بها بشبهة وجب عليه العدة فلا يطأ امرأته حتى تنقضي عدة المزنية۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۹/۶۶۶۴): حكم العقد الواحد أو العقدين على الأختين ونحوهما: إذا تزوج رجل امرأتين بينهما محرمية كالأختين وكالبنت وخالتها، والبنت وعمتها، ففي حكم الزواج تفصيل: أ۔ إن تزوجهما معاً في عقد واحد، فسد زواجهما معاً ولم يبطل۔۔۔ ب۔ وإن تزوج كلاً منهما بعقد مستقل، الواحدة بعد الأخرى، صح زواج الأولى وفسد زواج الثانية؛ لأن الجمع حصل بزواج الثانية، فاقتصر الفساد عليه، ويفرق بينه وبين الثانية.

(۳۴۱) مطلقہ عورت کی بھتیجی سے نکاح کرنا

سوال

ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کر لی۔ بعد میں اس کو ایک طلاق دیدی اب اس کی بھتیجی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر عورت کو طلاق دخول سے پہلے دی ہے تو اس کی بھتیجی سے جب چاہے نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر دخول کے بعد طلاق دی ہے تو جب تک اس عورت کی عدت ختم نہیں ہوتی اس وقت تک آدمی اس مطلقہ عورت کی بھتیجی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

لمافی القرآن الکریم (النسآء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

Marfat.com

وفی الهندية (۲۷۷/۱): والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاء أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط۔

وفيه أيضاً (۲۷۸/۱): وإن أراد أن يتزوج إحداهما بعد التفريق فله ذلك إن كان التفريق قبل الدخول وإن كان بعد الدخول فليس له ذلك حتى تنقضي عدتهما الخ۔

(۳۴۲) بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو ایک نکاح میں جمع کرنے پر ایک اشکال و جواب

سوال

جن دو عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے جیسے دو بہنیں، خالہ بھانجی، پھوپھی بھتیجی، وغیرہ تو ایسی عورتوں کو نکاح میں بیک وقت ساتھ نہ رکھنے کی اصل علت قطع رحمی ہے، اور یہ علتِ قطع رحمی بیوی کی سوتیلی ماں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جن دو عورتوں میں سے ایک کو مرد تصور کریں اور دوسری کو عورت تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں ہوتا ہو تو ان کو ایک ساتھ جمع کرنا بھی جائز نہیں ہوگا تو بیوی اور اس کی سوتیلی ماں میں سے بیوی کو مرد تصور کر لیا جائے تو اس بچے کا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح ابدی طور پر حرام ہے تو پھر ان دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا کیوں جائز ہے؟

دوسری بات کہ قرآن پاک میں بھی (وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُكُم مِّنَ النِّسَاءِ) باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ علت قطع رحمی کا پایا جانا ہے لہٰذا آپ بتائیں کہ قطع رحمی کی علت کے ہوتے ہوئے نکاح میں بیوی اور اس کی سوتیلی ماں کو ایک ساتھ رکھنا کیوں جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہر وہ دو عورتیں کہ جن میں نسبی و رضاعی تعلق و قرابت دونوں طرف سے پایا جاتا ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو اگر مرد تصور کیا جائے اور دوسری کو عورت تو ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہو تو شریعت نے ان کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا ہے جیسے دو بہنیں ہیں۔

البتہ ایسی دو عورتیں جن میں سے ہر ایک کو مرد تصور کریں اور دوسری کو عورت تو شریعت نے ان کو ایک دوسرے سے نکاح کی رخصت دی ہو تو ان کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے کی اجازت ہے جیسے دو اجنبی عورتیں اور خالہ زاد بہنیں، پھوپھی زاد بہنیں اور ایسی دو عورتیں ہوں کہ ایک طرف سے اگر ایک کو مرد اور دوسری کو عورت تصور کریں تو ان کا نکاح جائز نہ ہو لیکن اگر دوسری طرف سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت تصور کریں تو ان کا نکاح آپس میں جائز ہو تو پھر بھی ان کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں رکھنا جائز ہے جیسے لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں لڑکی کو اگر مرد فرض کریں تب تو لڑکے کا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح جائز نہیں لیکن اگر یہاں سوتیلی ماں کو مرد تصور

Marfat.com

کریں تو یہ اجنبی ہونے کی وجہ سے مذکورہ لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہے تو اسی وجہ سے لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں علت قطع رحمی و تعلق قرابت مفقود ہے اور نکاح کے عدم جواز کیلئے علت قطع رحمی و تعلق قرابت کا پایا جانا دونوں طرف سے ضروری ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۲۹/۱۱) باب جواز الجمع بين امرأة وبنت زوج الخ (ادارة القرآن): ولنا قول الله تعالىٰ (وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ) ولا نهما لاقرابة بينهما فاشبهتا الاجنبيتين، ولو كان لرجل ابن من غير زوجته ولها بنت من غيره او كان له بنت ولها ابن جاز تزويج احدهما من الآخر فى قول عامة الفقهاء۔

وفى الهندية (۲۷۷/۱) الباب الثالث فى المحرمات :والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاء أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط۔

(۳۴۳) بیوی کی عدت میں اسکی بہن سے نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور کچھ دن بعد ہی اس کی بہن سے نکاح کیا تو اس نکاح کا کیا حکم ہے ان کے بچوں کا نسب ان سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیں۔

(تنقیح: بیوی کو طلاق دیئے ہوئے مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دوسرا نکاح کیا گیا)۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مطلقہ بیوی کی جب تک عدت نہ گزر جائے اس وقت تک اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ صورت مسئولہ میں یہ نکاح فاسد ہے شوہر پر لازم ہے کہ عورت کو اپنے سے علیحدہ کردے یعنی یوں کہہ دے "میں نے تجھے چھوڑ دیا" یا "تو چلی جا" البتہ اس صورت میں بچے ثابت النسب سمجھے جائیں گے۔

لمافی القرآن الكريم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ..... وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفى الدرالمختار (۱۳۴/۳): (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة (وتعتبر مدته) وهي ستة أشهر (من الوطء فإن كانت منه إلى الوضع أقل مدة الحمل) يعني ستة أشهر فأكثر (يثبت) النسب

Marfat.com

(وإلا) بأن ولدته لأقل من ستة أشهر (لا) يثبت وهذا قول محمد وبه يفتى وقالا ابتداء المدة من وقت العقد كالصحيح ورجحه في النهر بأنه أحوط۔

وفی الشامیة (۱۳۱/۳): (قوله: كشهود) ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة الخ۔

(۳۴۴) سالی کی لڑکی سے بیوی کی موجودگی میں نکاح حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری سالی سے میری شادی تو اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس کی بہن میرے نکاح میں ہے مگر کیا سالی کی بیٹی سے میرا نکاح ہوسکتا ہے جبکہ اس کا باپ علیحدہ اور میری اہلیہ کے والد علیحدہ ہیں نیز میری اہلیہ اور اس لڑکی نے ایک عورت کا دودھ بھی نہیں پیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

سالی کی بیٹی چونکہ منکوحہ کی بھانجی بنتی ہے اور خالہ، بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"نهى النبى صلى الله عليه وسلم ان تنكح المرأة على عمتها والمرأة وخالتها"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ عورت سے اس کی پھوپھی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنے سے (منع فرمایا)۔ (بخاری، ۲/۷۶۶)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سالی کی بیٹی سے اس کی خالہ کی موجودگی میں نکاح جائز نہیں۔ باقی آپ کا یہ شبہ کہ آپ کی اہلیہ اور اس لڑکی کے والد الگ ہیں یا دونوں رضاعی بہنیں نہیں تو یہ درست نہیں کیونکہ حرمت صرف بہن ہونے یا رضاعت کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ نصوصِ شرعیہ میں دیگر حرمتیں بھی وارد ہوئی ہیں انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

لمافی الدرالمختار (۳۸/۳): و) حرم الجمع (وطأ بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرا لم تحل للأخرى) أبدا لحديث مسلم لا تنكح المرأة على عمتها۔

وفی الرد تحته: (قوله: وأيتهما فرضت إلخ) أي أية واحدة منهما فرضت ذكرا لم يحل للأخرى كالجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها والجمع بين الأم والبنت نسبا أو رضاعا وكالجمع بين عمتين أو خالتين كأن يتزوج كل من رجلين أم الآخر فيولد لكل منهما بنت فيكون كل من البنتين

Marfat.com

عمة الأخرى أو يتزوج كل منهما بنت الآخر ويولد لهما بنتان فكل من البنتين خالة الأخرى كما في البحر ۔۔۔ قوله (لا تنكح المرأة على عمتها) تمامه ولا على خالتها ولا على ابنة أخيها ولا على ابنة أختها۔

(۳۴۵) عورت کا اپنے بہنوئی سے حلالہ کرانے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی سالی کو اس کے شوہر نے تین طلاق دیدیں اب حلالہ کرنا چاہتا ہے لیکن ساتھ ساتھ شوہر یہ بھی چاہتا ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے تو زید کہتا ہے کہ میں تیار ہوں۔ زید یہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے واضح نصوص اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے نکاح منعقد نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے نکاح کرنا حرامِ قطعی اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جس عورت کو شوہر نے تین طلاقیں دی ہوں تو جب تک یہ عورت دوسرے مرد سے نکاح صحیح نہ کرلے اور پھر وہ دوسرا شوہر اس سے میاں بیوی کا تعلق قائم کرکے طلاق نہ دیدے اور پھر عدت بھی گزر جائے اس وقت تک پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنا حلال نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب زید کا نکاح ہی اپنی سالی سے منعقد نہیں ہوسکتا جو کہ حلالہ کے لئے شرط ہے تو پھر شوہر کے لئے اس کے بعد نکاح کیسے حلال ہوسکتا ہے۔

- لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ .... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی الخانیة (۱/۳۶۴): ومنها الجمع بين الأختين نكاحا حرتين كانتا أو أمتين إن تزوجهما جملة بطلا وإن تزوجهما على التعاقب صح الأول وبطل الثاني.

وفی الدرالمختار (۳/۳۸): وحرم (الجمع) بين المحارم (نكاحاً) اى عقدا صحيحاً اهـ

وفی (ص۴۱۰): (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله ۔۔۔ (بنكاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

Marfat.com

(۳۴۶) باپ بیٹے کا دو سگی بہنوں کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی اور اس کے بیٹے نے دو سگی بہنوں کے ساتھ نکاح کیا، بڑی بہن کے ساتھ باپ کا اور چھوٹی بہن کے ساتھ بیٹے کا نکاح ہوا، آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر درست ہوا تو ان کی اولادوں کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کو سمجھنے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ کیا نکاح کے باب میں سوتیلے رشتے اور نسبی رشتے حرمت وحلت کے اعتبار سے برابر ہوتے ہیں یا نہیں؟ تو فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق دونوں ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ جہاں جن کے نکاح حرام ہیں وہ صرف نسب یا رضاعی رشتوں میں ہوگا۔ سوتیلے رشتے اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ مثلاً خالہ پھوپھی جن کے ساتھ نکاح حرام ہیں ان سے مراد وہ افراد ہوں گے جو دادا، دادی یا نانا، نانی کی اولاد ہوں چاہے ماں باپ کی ماں شریک بہن ہو یا باپ شریک یا دونوں کی طرف سے بہن ہوں لیکن جو دادا، دادی یا نانا، نانی کی کسی بھی جہت سے اولاد میں شامل نہ ہوں ان کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جیسے دو سگی بہنیں تھیں ایک کے ساتھ باپ نے نکاح کیا اور دوسرے کے ساتھ بیٹے نے، تو یہ جائز ہے اگرچہ باپ کے نکاح کرنے سے، باپ کی بیوی کی بہن اس کے بیٹے کیلئے سوتیلی خالہ بن گئی لیکن چونکہ دادا دادی نانا نانی کی اولاد میں سے نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ بیٹے کا نکاح جائز ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں باپ (عمرو) اور بیٹے (زید) کا دو سگی بہنوں کے ساتھ نکاح جائز ہوگا، البتہ ان کی اولاد کا آپس میں نکاح کرنا درست نہیں ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر عمرو کی بیٹی ہو اور زید کا لڑکا ہو، تو عمرو کی بیٹی زید کی سوتیلی اور باپ شریک بہن ہے اور زید کے لڑکے کیلئے بھی سوتیلی خالہ ہونے کی ساتھ دادا کی بیٹی بھی ہے، اسی طرح اگر عمرو کا بیٹا ہو اور زید کی بیٹی ہو، تو یہ لڑکا زید کا باپ شریک بھائی ہے اور زید کی لڑکی کیلئے دادا شریک بیٹا یعنی چچا ہوا لہٰذا عمرو اور زید کی اولاد کا آپس میں نکاح درست نہیں ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

Marfat.com

وفی روح البیان (۱۸۶/۲): {وَعَمّٰتُكُمْ} العمة كل أنثى ولدها من ولد والدك قريباً أو بعيداً {وَخٰلٰتُكُمْ} الخالة كل أنثى ولدها من ولد والدتك قريباً أو بعيداً يعني العمات تعم أخوات الآباء والأجداد وكذا الخالات تعم أخوات الأمهات والجدات سواءكن من قبل الأب والأم أو من قبل أحدهما۔

وفی البحر الرائق (۹۲/۳، ۹۳): قوله (وأخته وبنتها وبنت أخيه وعمته وخالته) للنص الصريح ودخل فيه الأخوات المتفرقات وبناتهن وبنات الإخوة المتفرقين۔

وفی ردالمحتار (۳۱/۳): قوله (وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه حلال) وكذا بنت ابنها بحر قال الخير الرملي ولا تحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الأب ولا بنتها ولا أم زوجة ابن ولا بنتها ولا زوجة الربيب ولا زوجة الراب اه

(۳۴۷) باپ شریک بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے دو شادیاں کی ہیں اس کی ایک بیوی زینب ہے جس سے ہندہ پیدا ہوئی، دوسری بیوی جمیلہ ہے۔ جس سے ایک بیٹی راشدہ ہے۔ ہندہ کی شادی پانچ سال قبل بکر سے ہوئی تھی اب بکر راشدہ سے بھی شادی کرنا چاہتا ہے کیا یہ شادی کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں چونکہ ہندہ اور راشدہ باپ شریک بہنیں ہیں لہٰذا بکر کا، راشدہ سے شادی کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جمع بین الاختین ہے اور جمع بین الاختین (دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا) حرام ہے لہٰذا بکر کے عقد نکاح میں جب تک ہندہ باقی ہے اس وقت تک بکر راشدہ سے شادی نہیں کرسکتا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی الهندية (۲۷۷/۱): وأما الجمع بين ذوات الأرحام فإنه لا يجمع بين أختين بنكاح ولا بوطء بملك يمين سواء كانتا أختين من النسب أو من الرضاع هكذا في السراج الوهاج والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجز الجمع

Marfat.com

بينهما هكذا في المحيط۔

(۳۴۸) بیوی کے غائب ہونے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیوی سیلاب میں ڈوب گئی اور کئی مہینوں تک پتہ نہیں چلا پھر وہ شخص کئی مہینوں کے بعد اپنی سالی کی ساتھ شادی کرتا ہے اور وہ حاملہ ہوگئی لیکن حقیقتاً پہلی بیوی ڈوبی نہیں ہوتی بلکہ اس کی جان محفوظ رہ جاتی ہے اور وہ شوہر کے گھر اچانک آجاتی ہے تو شوہر ان دونوں میں سے کس کو چھوڑے گا اور کیا دوسری بیوی کے ساتھ نکاح ہوا یا نہیں اور وہ بچہ یعنی حمل ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب پہلی بیوی گھر پہنچ گئی تو گویا پہلی بیوی کے بارے میں جو آپ کا تصور قائم تھا کہ وہ فوت ہوچکی ہے یہ غلط ثابت ہوا لہٰذا دوسری بہن سے نکاح پہلی بہن کی موجودگی میں ہوا اور قرآن وحدیث کی رو سے پہلی بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے نکاح کرنے سے نکاح صحیح نہیں بلکہ فاسد ہوجاتا ہے لہٰذا دوسری بہن کو چھوڑ دیا جائے گا البتہ دوسری بہن کی اولاد ثابت النسب ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم (سورۃ النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ..... وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی الخانیة (۳۶۴/۱): وإن تزوجهما على التعاقب صح الأول وبطل الثاني.

وفی الهندیة (۲۷۷/۱): وإن تزوجهما في عقدتين فنكاح الأخيرة فاسد ويجب عليه أن يفارقها ولو علم القاضي بذلك يفرق بينهما فإن فارقها قبل الدخول لا يثبت شيء من الأحكام وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة ويثبت النسب ويعتزل عن امرأته حتى تنقضي عدة أختها كذا في محيط السرخسي۔

Marfat.com

فصل فی المحرمات لاختلاف الدین

(دین کے اختلاف کے باعث حرام عورتوں کا بیان)

(۳۴۹) عیسائی مرد سے نکاح قطعاً باطل ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی نے ایک عیسائی یا کرسچن لڑکے کے ساتھ بھاگ کر شادی کر لی۔ اس کے بعد لڑکی حاملہ ہوگئی، پھر عیسائی لڑکا مسلمان ہوگیا، اور بعد میں لڑکی عیسائی ہوگئی۔ پوچھنا ہے کہ ان دونوں کا نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اور بچہ ولد الزنا شمار ہوگا یا نہیں؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں آپ کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مسلمان عورت کا عیسائی مرد سے نکاح حرام ہے، اور ان کے ملاپ سے جو اولاد ہوگی وہ بھی حرام ہوگی، لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ بچہ ولد الحرام شمار ہوگا اور مذکورہ لڑکی جو عیسائی ہوگئی ہے، شرعاً مرتدہ کہلائی جائے گی اگر دوبارہ اسلام قبول کر لیتی ہے تو ٹھیک ورنہ اس کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں اور شرعاً اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید میں ڈال دیا جائے گا۔

لمافی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۲۱):وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ...الآیۃ۔

وفی المصنف لابن ابی شیبۃ (۵۹۶/۱۴) کتاب الحدود: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ۔

وفی الشامیۃ (۱۳۲/۳) مطلب فی النکاح الفاسد: نکح کافر مسلمۃ فولدت منہ لا یثبت النسب منہ ولا تجب العدۃ لأنہ نکاح باطل۔

Marfat.com

وفی الفقه الاسلامی (۹/۶۶۱۴) زواج المسلمة بكافر، وزواج المرتدة: فلا تحل مسلمة لكافر بالإجماء لقوله تعالى: {ولا تُنكحوا المشركين} ۔

(۳۵۰) شیعہ لڑکے سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک ساتھی ہیں ان سے کافی پرانی جان پہچان ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی کررہے ہیں۔ لڑکا کراچی ہی کا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ لڑکا شیعہ ہے۔ شیعی مجالس میں بھی شرکت کرتا ہے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ یہ درست نہیں۔ تم اپنی بیٹی کی شادی کسی سنی لڑکے سے کرو۔ شیعہ سے شادی نہ کرو۔ آپ سے درخواست ہے کہ بتائیں کہ کیا یہ شادی درست ہے؟ شیعہ سے نکاح کا کیا حکم ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذہبِ تشیع کے متبعین بہت سے گمراہ کن عقائد کے حامل ہیں اس لئے شیعہ لڑکے یا لڑکی سے بوجہ مفاسدِ کثیرہ نکاح جائز نہیں، لہذا آپ کے دوست کو چاہیئے کہ اپنی بیٹی کی شادی صحیح العقیدہ سنی لڑکے سے کریں، شیعہ لڑکے سے شادی کرکے اپنی اور اپنی آنے والی نسل کی دین ودنیا برباد نہ کریں۔

لما فی المشكوة(۹/۵۵)المطبوع مع المرقاة:كتاب الآداب، باب حفظ اللسان: وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أيما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما "

متفق عليه۔

وتحته فی المرقاة(۹/۵۵): وثالثها أنه محمول على الخوارج المكفرين للمؤمنين وهذا ضعيف لأن المذهب الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون أن الخوارج كسائر أهل البدع لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماء بلا نزاء۔

وفی الشامية(۴/۲۳۷): (باب المرتدين):نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله تعالى عنها أو أنكر صحبة الصديق أو اعتقد الألوهية في علي أو أن جبريل غلط في الوحي أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔

Marfat.com

(۳۵۱) آغاخانیوں سے نکاح حرام ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی مسلمان ہو، اور اس کی بیوی آغاخانی ہو تو کیا اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں، بغیر مسلمان کئے اگر کوئی آغاخانی عورت سے شادی کرے تو ان کی اولاد حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آغاخانی فرقہ بالاجماع کافر وزندیق ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی آغاخانی اور خاوند مسلمان ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا اس شرط کے ساتھ جائز تو ہے کہ لڑکی مسلمان ہو لیکن نہ کرنا پھر بھی بہتر ہے کیونکہ ان کے گھر سے تعلقات رکھنا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے نیز اس لڑکی کی ماں آغاخانی ہے تو یہ لڑکی ولد الزنا شمار ہوگی۔ البتہ اس لڑکی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے فی نفسہٖ نکاح جائز ہے۔ نیز آغاخانی عقائد کی لڑکی سے نکاح حرام ونا جائز ہے۔ حرام ہونے کے باوجود کسی نے آغاخانی عورت سے شادی کی تو بہت خطرے کی بات ہے کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر تک پہنچا دیتا ہے لہٰذا آغاخانی عورت سے نکاح کرنا باطل ہے اور جو اولاد ہوگی وہ ثابت النسب نہیں ہوگی۔

لمافی التفسیر المنیر (۲/۲۹۲): "وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ" دلت الآية على زواج المسلم بالمرأة المشركة كالوثنية والبودية والملحدة لايصح بحال۔

وفی الشامیة (۴/۲۴۴): حكم الدروز والتيامنة والنصيرية والإسماعيلية: تنبيه يعلم مما هنا حكم الدروز والتيامنة فإنهم في البلاد الشامية يظهرون الإسلام والصوم والصلاة مع أنهم يعتقدون تناسخ الأرواح وحل الخمر والزنا وأن الألوهية تظهر في شخص بعد شخص الحشر والصوم والصلاة والحج ويقولون المسمى به غير المعنى المراد ويتكلمون في جناب نبينا كلمات فظيعة، وللعلامة المحقق عبد الرحمن العمادي فيهم فتوى مطولة وذكر فيها أنهم ينتحلون عقائد النصيرية والإسماعيلية الذين يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف ونقل عن علماء المذاهب الأربعة أنه لا يحل إقرارهم في ديار الإسلام بجزية ولا غيرها ولا تحل مناكحتهم ولا ذبائحهم وفيهم فتوى في الخيرية أيضا فراجعها۔

مطلب جملة من لا تقبل توبته: والحاصل أنهم يصدق عليهم اسم الزنديق والمنافق والملحد ولا يخفى أن إقرارهم بالشهادتين مع هذا الاعتقاد الخبيث لا يجعلهم في حكم المرتد لعدم

Marfat.com

التصديق ولا يصح إسلام أحدهم ظاهرا إلا بشرط التبري عن جميع ما يخالف عن الإسلام لأنهم يدعون الإسلام ويقرون بالشهادتين وبعد الظفر بهم لا تقبل توبتهم أصلا۔

[وهكذا فى الهندية ۲/۲۶۴]

(۳۵۲) اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھنے والے شخص سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان سنی عورت نے اسماعیلی فرقے کے شخص سے نکاح کیا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

(۱) یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ (۲) نکاح واجب الفسخ ہے یا خود ہی ختم ہو چکا ہے؟

(۳) مسلمان عورت کے ایمان میں تو فرق نہیں آیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مسلمان عورت کا کسی کافر مرد کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور اہل سنت والجماعت نے اسماعیلی فرقہ کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کا اس اسماعیلی شخص سے نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا، ان کے درمیان فوراً جدائی کروانا ضروری ہے اور اس عورت کو توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔

لما فى القرآن الكريم (البقرة: ۲۲۱): وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ...الآية۔

وفى الشامية (۴/۲۴۴): حكم الدروز والتيامنة والنصيرية والإسماعيلية: تنبيه يعلم مما هنا حكم الدروز والتيامنة فإنهم في البلاد الشامية يظهرون الإسلام والصوم والصلاة مع أنهم يعتقدون تناسخ الأرواح وحل الخمر والزنا وأن الألوهية تظهر في شخص بعد شخص الحشر والصوم والصلاة والحج ويقولون المسمى به غير المعنى المراد ويتكلمون في جناب نبينا كلمات فظيعة،وللعلامة المحقق عبد الرحمن العمادي فيهم فتوى مطولة وذكر فيها أنهم ينتحلون عقائد النصيرية والإسماعيلية الذين يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف ونقل عن علماء المذاهب الأربعة أنه لا يحل إقرارهم في ديار الإسلام بجزية

Marfat.com

ولا غيرها ولا تحل مناكحتهم ولا ذبائحهم وفيهم فتوى في الخيرية أيضا فراجعها۔

(۳۵۳) آغاخانی، اسماعیلی اور بوہریوں سے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آغاخان کون ہیں؟ کیا عقائد ہیں؟ کافر کیوں ہیں؟ ان کی تاریخ دنیا میں کب سے ہے، اسماعیلیہ اوران میں کیا فرق ہے؟ یا نام الگ معنون ایک ہے دونوں کافر ہیں یا فرق ہے؟ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیلیہ کا ذکر کیا ہے اس سے یہ آغاخانی اسماعیلی مراد ہیں یا کوئی دیگر فرقہ تھا؟ ان کی لڑکی سے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ان کی معتبر کتب کون سی ہیں؟ نیز بوہری بھی اسماعیلیہ کی قسم ہیں یا یہ الگ فرقہ ہیں؟ ازراہِ کرم تفصیل فرماتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

دشمنانِ اسلام نے ہر دور میں مختلف تدبیروں سے اسلام اور اہل اسلام کو مغلوب کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخر دور میں یہودیت کے ایجنٹ، رہبر کے روپ میں رہزن عبداللہ بن سبا کا منافقانہ طور پر اسلام قبول کرنا ہے کیونکہ اس دور میں اللہ رب العزت نے اسلام کو چہار دانگ عالم میں اس طور پر پھیلا دیا تھا کہ منافقین وکفار میں کھلے طور پر اسلام کی مخالفت کرنے کی ہمت تو نہیں ہوتی تھی، مگر یہودیت کی اسلام دشمنی ہمیشہ ہی مشہور رہی ہے۔

جب اعلانیہ مخالفت ان کیلئے دشوار ہوگئی تو خفیہ سازشیں کرنے لگے اور اس خفیہ سازش کا حصہ ابن سبا ہے۔ یہودیوں نے اس کو آستین کا سانپ بنا کر اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے آمادہ کرتے ہوئے بظاہر اسلام قبول کرنے کیلئے تیار کرلیا بالآخر ابن سبا مدینہ طیبہ پہنچ کر امیر المؤمنین خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہوگیا پھر مدینہ طیبہ ہی سے اس نے اپنی تحریک کا آغاز کرتے ہوئے کچھ چیلے تیار کرلئے۔ آہستہ آہستہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی ذہن سازی کرنے لگا سب سے پہلے اپنے شاگردوں کو سبق پڑھایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق نہیں غاصبانہ قبضہ ہے اصل حق دار تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد، داماد اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ مختلف علاقوں میں جاجا کر اپنے لوگ تیار کئے اور ان کو مختلف سبق پڑھائے بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے۔

اس کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی پھر حضرت علی کے زمانہ خلافت میں ابن سبا نے اپنے مشن میں بہت تیزی اختیار کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت علی وصی رسول اللہ ہیں کبھی کہتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں کبھی کہتا کہ علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اور کچھ عرصہ بعد دعویٰ کردیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خود اللہ ہیں العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ، علی رضی اللہ عنہ میں حلول کر گئے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خرافات کا پتہ چلا تو پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے اس بدبخت کو بہت سمجھایا اور بالآخر اس کو جلاوطن کردیا کیونکہ یہ

Marfat.com

مختلف لوگوں کو مختلف نظریات دیتا رہتا تھا اس لئے جن لوگوں کو جو نظریہ دیا وہ اسی پر کاربند رہے اسی وجہ سے شیعوں میں مختلف فرقے بن گئے بعض اللہ تعالیٰ کے امام میں حلول کے قائل تھے اور بعض نہیں تھے مگر منجانب اللہ امامت کے عقیدے پر سب متفق ہیں سوائے تفضیلیہ کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعوں میں امامت کا سلسلہ چل نکلا حضرت علی رضی اللہ عنہ امام اوّل ہیں ان کے بعد امام، حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد امام، حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد امام، حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے بعد امام، حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے بعد امام حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان لوگوں کے بقول حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے سب سے بڑے صاحبزادے اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب بنایا مگر کچھ عرصہ بعد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں انتقال ہوگیا۔ اسماعیل کے انتقال کے بعد حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوسرے صاحبزادے حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین بنادیا۔ جب حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا تو شیعوں کے دو گروہ بن گئے۔ بعض نے کہا کہ حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ہی جانشین ہیں اور بعض نے کہا نہیں موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ امام ہیں جنہوں نے اسماعیل کو امام مانا وہ اسماعیلی کہلائے اور انہوں نے امامت کے سلسلے کو حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں جاری کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو امام بنالیا اور جنھوں نے امام حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو مانا تھا وہ موسویہ کہلائے اور انہوں نے امامت کا سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کی اولاد میں جاری کرلیا کیونکہ ابن سبا نے مختلف لوگوں کو مختلف عقائد دیئے تھے۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں خدا کے حلول والا عقیدہ فرقہ اسماعیلیہ نے اختیار کیا اور انہوں نے امامت کے سلسلے کو ہمیشہ کیلئے جاری کرلیا جبکہ فرقہ موسویہ [موجودہ اثنا عشریہ، امامیہ] انہوں نے بارہویں امام کے غار میں چھپ جانے کا عقیدہ گھڑ کے سلسلہ امامت کو اس پر ختم کردیا جبکہ اسماعیلیہ کا سلسلہ امامت جاری ہے اور موجودہ دور ۲۰۱۳ء میں ان کا پچاسواں امام پرنس کریم آغا خان ہے۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۳ھ میں اپنا جانشین بنایا تھا تب سے اس فرقے کی بنیاد پڑی ہے آغا خانی اور اسماعیلی یہ دونوں نام ایک ہی فرقے کے ہیں آغا خانی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب اسماعیلیوں کا ۴۵واں امام خلیل اللہ ۱۲۴۳ھ میں ایک سازش کے تحت قتل کردیا گیا تو اسماعیلیوں کو خوش کرنے کیلئے خلیل اللہ کے دوسالہ لڑکے جس کا نام حسن علی تھا اس کو آقا خان کا لقب دیا گیا جس پر انہیں آقا خان محلاتی پکارا جانے لگا اور ایرانی بادشاہ نے اپنی لڑکی سے بعد میں اس کی شادی بھی کردی مگر بادشاہ فتح علی کی وفات کے بعد حسن علی شاہ آقا خانی محلاتی کو ایران میں بڑی مشکلات پیش آئیں اس لئے انہوں نے ایران کو چھوڑ کر ہندوستان میں بمبئی آکر سکونت اختیار کرلی پھر یہاں آکر آقا خان سے آغا خان کہے جانے لگے۔ (آغا خانیت علماء امت کی نظر میں صفحہ ۱۰، ادیان باطلہ اور صراط مستقیم صفحہ ۷۷)

(۱) آغا خانیوں کا کلمہ "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله وأشهد أن علياً الله" ہے جو کہ مسلمانوں کے کلمہ سے جدا ہے۔ یہ لوگ (۲) نماز، (۳) روزہ، (۴) زکوٰۃ، (۵) حج کے منکر ہیں۔

Marfat.com

(۶) نبوت سے امامت کو بالاتر مانتے ہیں۔

(۷) امام میں خدا کے حلول کے قائل ہیں لہذا ان کے نزدیک امام ہی حقیقت میں خدا ہے اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ

(۸) منزل من اللہ قرآن کریم کو نہیں مانتے بلکہ اپنے حاضر امام کو بولتا قرآن کہتے ہیں اور وہ جو بھی احکام بتائے اس پر عمل کرتے ہیں۔ (مختصر از ادیان باطلہ صفحہ ۸۱)

مذکورہ بالا عقائد کفریہ کی بناء پر اسماعیلی فرقہ کافر وزندیق ہے۔ یہ مرتدین کے حکم میں ہیں۔ ان سے نکاح، معاملات وغیرہ کرنا بالکل ناجائز وحرام ہے اور علماء امت کا ان کے کفر پر اجماع ہے۔

بوہری فرقہ یہ بھی فرقہ اسماعیلیہ کی ہی ایک شاخ ہے۔ جب مستنصر باللہ ۴۲۷ھ بمطابق ۱۰۳۵ء (وفات ۴۸۷ھ بمطابق ۱۰۹۰ء) کا انتقال ہوا تو فاطمیوں میں ان کے جانشین بنانے میں اختلاف ہوا بعض نے المستنصر کے صاحبزادے نزار کو جانشین بنایا اور بعض نے المستنصر کے چھوٹے صاحبزادے المستعلی کو جانشین بنایا جنھوں نے نزار کو جانشین بنایا وہ نزاریہ کہلائے اور جنہوں نے المستعلی کو جانشین بنایا وہ مستعلویہ کہلائے۔

مستعلی کا معنی وہ غیبوبت سے کرتے ہیں کہ ان کے آخری امام طیب تھے جس نے کم سنی میں ہی غیبوبت (۵۲۴ھ بمطابق ۱۱۱۳ء میں) اختیار کرلی۔ اس وقت سے ان میں امام مستور (چھپے ہوئے امام) کا دور شروع ہوا ہے مگر دعوت کا سلسلہ داعیوں کے ذریعے اب بھی جاری ہے۔ اس فرقہ کے پیروکار یمن، مصر، ہندوستان اور پاکستان میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ہندوستان میں ان کا مرکز ۹۴۶ھ بمطابق ۱۵۴۰ء میں احمد آباد گجرات میں منتقل ہوگیا تھا اور وہاں پر ان کے منصب کا داعی یوسف بن سلیمان تھا۔

جب ان کے چھبیسویں داعی داؤد بن عجب شاہ کا انتقال ۱۵۹۱ء میں ہوا تو پھر اکثریت نے داؤد بن قطب شاہ کو ستائیسواں داعی مانا اور یمن والوں نے سلیمان بن حسن کو ستائیسواں داعی بنالیا اس بناء پر داؤد کو داعی ماننے والے داؤدی کہلائے اور سلیمان کو داعی ماننے والے سلیمانی کہلائے۔ ہندو پاک میں اب ان کے داعی غالبا برہان الدین ہیں، جو کہ ان کے ۵۲ ویں داعی کہلاتے ہیں عموماً یہ لوگ تجارت کرتے ہیں اس وجہ سے ان کو بوہری کہا جاتا ہے۔

المستنصر باللہ کے انتقال کے بعد بعض حضرات نے ان کا جانشین ان کے چھوٹے صاحبزادے المستعلی باللہ کو بنایا تھا جس کو امام طیب ہی کہا جاتا ہے اور یہ امام طیب ۵۲۴ھ کے آخر میں غائب ہوگیا تھا جب سے ان کا امام مستور چلا آرہا ہے چنانچہ اس فرقہ کی بنیاد ۵۲۴ھ میں پڑی تھی۔

عقائد ونظریات

(۱)۔ امام طیب کی نسل میں برابر امامت کا سلسلہ چل رہا ہے اگرچہ امام طیب غائب ہے مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ داعیوں کو ہدایات دیتا رہتا ہے۔

(۲) سود لینا جائز ہے۔

Marfat.com

(۳) دیوالی (مندر سوار) پر یہ لوگ بھی روشنی کرتے ہیں۔

(۴) ہندی مہینوں کے اعتبار سے حساب کتاب کو ضروری سمجھتے ہیں۔

(۵) مسجد، جماعت خانہ، قبرستان سب جدا ہے۔

(۶) کلمہ "لا اله الا الله محمد رسول الله مولانا علی ولی الله وصی رسول الله" ہے۔

(۷) اذان میں "أشهد أن محمدا رسول الله" کے بعد "أشهد أن مولانا عليا ولی الله" اور "حی علی الفلاح" کے بعد "حی علی خیر العمل محمد وعلی خیر البشر وعشرتها علی خیر العمل" کا اضافہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اکابرین علماء اہلسنت نے ان کے عقائد کی بنیاد پر ان کو کافر وزندیق لکھا ہے ان کے ساتھ بھی نکاح، رشتہ داری کے تعلقات ودیگر معاملات رکھنا بالکل ناجائز وحرام ہے۔

اسماعیلی اور بوھریوں میں فرق

محقق العصر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسماعیلی شیعوں کے دونوں فرقے آغاخانی جو حاضر امام کے معتقد ہیں اور شریعت کے تمام احکام کو معطل سمجھتے ہیں اور اسی لئے ان کے یہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی بلکہ اپنی تقریبات کیلئے جماعت خانہ میں جمع ہو جایا کرتے ہیں اور بوہری جو امام مستور کے قائل ہیں اور اس کے داعی برہان الدین کے معتقد اور چونکہ سردست ان کے یہاں احکام شرع معطل نہیں اس لئے ان کی مسجدیں بھی ہیں اور حج پر بھی چلے جاتے ہیں۔" (اسماعیلیہ صفحہ ۵)

لمافی اعلام الوریٰ (ص ۲۸۴)الفصل الخامس ذكر اولاد ابي عبدالله الصادق (دارالمعرفة): فلما مات الصادق انتقل جماعة منهم الى القول بامامة موسى بن جعفر، وافترق باقون منهم فرقتين فريق منهم رجعوا عن حياة اسماعيل وقالوا بامامة ابنه محمد بن اسماعيل لظنهم ان الامامة كانت فی ابيه وان الابن احق بمقام الامامة من الاخ وفريق منهم ثبتوا على حياة اسماعيل وهم اليوم شذاذ وهذان الفريقان يسميان الاسماعيلية۔

وفی أحكام القرآن لأبي بكر الرازی (۵۴/۱) سورة البقرة: (دارالكتب العربي): وقولهم فی ترك قبول توبة الزنديق يوجب ان لايستتاب الاسماعيلية وسائر الملحدين الذين قد علم منهم اعتقاد الكفر كسائر الزنادقة وان يقتلوا مع اظهارهم التوبة۔

وفی الشامية (۲۴۴/۴):حكم الدروز والتيامنة والنصيرية والإسماعيلية: تنبيه يعلم مما هنا حكم الدروز والتيامنة فإنهم في البلاد الشامية يظهرون الإسلام والصوم والصلاة مع أنهم يعتقدون تناسخ الأرواح وحل الخمر والزنا وأن الألوهية تظهر في شخص بعد شخص الحشر

Marfat.com

والصوم والصلاة والحج ويقولون المسمى به غير المعنى المراد ويتكلمون في جناب نبينا كلمات فظيعة،وللعلامة المحقق عبد الرحمن العمادي فيهم فتوى مطولة وذكر فيها أنهم ينتحلون عقائد النصيرية والإسماعيلية الذين يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف ونقل عن علماء المذاهب الأربعة أنه لا يحل إقرارهم في ديار الإسلام بجزية ولا غيرها ولا تحل مناكحتهم ولا ذبائحهم وفيهم فتوى في الخيرية أيضا فراجعها۔

وفى الفتاوىٰ اللجنة الدائمة (٣٨٣/٢) العقيدة،البوهرة (دارالمؤيد):فإذا كان حال البوهرة، كما ذكر في السؤال فسجودهم لكبيرهم عبادة وتأليه له، واتخاذ له شريكا مع الله أو إلها من دون الله، وأمره إياهم بذلك أو رضاه به يجعله طاغوتا يدعو إلى عبادة نفسه، فكلا الفريقين التابع والمتبوع كافر بالله خارج بذلك عن ملة الإسلام والعياذ بالله.

(۳۵۴) کیا ہندو لڑکی سے نکاح اہل کتاب سے نکاح شمار ہوگا؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے شاریہ نامی ہندو لڑکی سے ناجائز تعلقات تھے اسی بنا پر مذکورہ لڑکی کو بچہ ہوگیا جس کے بعد زید نے مذکورہ لڑکی سے نکاح کیا اور پھر سے وہ لڑکی حاملہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح سے قبل جو بچہ پیدا ہوا کیا وہ ثابت النسب ہوگا اور کیا مذکورہ نکاح منعقد ہے جبکہ زید کا کہنا ہے کہ کسی عالم سے پوچھ کر اس نے اہل کتاب سے شادی کی ہے جس کا منعقد ہونا خود قرآن سے ثابت ہے۔ یہ واضح رہے کہ شاریہ ابھی تک اپنے پرانے مذہب پر قائم ہے۔ بت پرستی وغیرہ ترک نہیں کی، تو کیا زید کا نکاح درست ہے۔ اگر نہیں تو پھر دوسرا بچہ جو کہ ابھی تک ماں کے پیٹ میں ہے کے نسب کا کیا بنے گا؟ نیز دونوں بچے مذہباً مسلم یا ہندو، کیا تصور کئے جائیں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے لیکن مشرکین "بت پرستوں وغیرہ" کی عورتوں سے نکاح کو حرام اور باطل کہا ہے اور نکاح باطل سے نسب ثابت نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ مسمی زید نے شاریہ نامی ہندو لڑکی [جو کہ اہل کتاب نہیں ہے] کے ساتھ نکاح کیا ہے، اس لئے یہ نکاح باطل اور حرام ہے اور اس نکاح سے پیدا بچہ ثابت النسب شمار نہیں ہوگا لہٰذا یہ دونوں بچے ثابت النسب شمار نہیں ہوں گے وہ بچہ بھی جو نکاح سے پہلے پیدا ہوا اور وہ بھی جو نکاح کے بعد پیدا ہوا البتہ وہ بچے مسلمان شمار ہوں گے نیز اگر وہ عورت اسلام قبول کرلے تو اس کے ساتھ نکاح درست ہوگا اور اس کے بعد جو بچہ ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا۔

Marfat.com

لما في البخاري (١٠٦٥/٢): قال رسول الله ﷺ: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔

وفي الشامية (١٩٦/٣): تنبيه يشعر التعبير بالأبوين ولد الزنى ورأيت في فتاوى الشهاب الشلبي قال واقعة الفتوى في زماننا مسلم زنى بنصرانية فأتت بولد فهل يكون مسلما أجاب بعض الشافعية بعدمه وبعضهم بإسلامه وذكر أن السبكي نص عليه وهو غير ظاهر فإن الشارع قطع نسب ولد الزنى وبنته من الزنى تحل له عندهم فكيف يكون مسلما۔۔۔ قلت يظهر لي الحكم بالإسلام للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواه هما اللذان يهودانه أو ينصرانه فإنهم قالوا إنه جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة أو على ما هو أقرب إليها حتى لو كان أحدهما مجوسيا والآخر كتابيا فهو كتابي كما يأتي وهنا ليس له أبوان متفقان فيبقى على الفطرة ولأنهم قالوا إن إلحاقه بالمسلم منهما أو بالكتابي أنفع له ولا شك أن النظر لحقيقة الجزئية أنفع له۔

(۳۵۵) جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق نہ سمجھے اس سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیار حق نہ سمجھتا ہو اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیارِ حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک ارشاد ہے:

"وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوْا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِن لَّا يَعْلَمُوْنَ" (البقرة:١٣)

یعنی تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ۔

نیز سورۃ البقرۃ میں ہی ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

"فَإِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" (البقرة:١٣٧)

یعنی سو اگر وہ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح سے تم ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ پر لگ جائیں گے۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"أصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیم اهتدیتم" (مشکوۃ، ۲/۵۵۴)

یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اتباع کرلو ہدایت پاجاؤ گے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال حجت ہیں ان سے عدول جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطے سے دین (قرآن وسنت) ہم تک پہنچا ہے لہٰذا قرآن وسنت کی جو تشریح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے قول یا عمل سے کردی وہ بلاشبہ اتباع کے لائق ہے۔ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو پورا دین مشکوک ہوکر رہ جائے گا ہر شخص اپنی من پسند تشریح کو قرآن وحدیث کا مدلول قرار دیگا اور زیغ وضلال کی گھاٹیوں میں رواں دواں ہوجائے گا یہ صرف ایک خیال یا کتابوں میں موجود چیز نہیں بلکہ عملاً جن اشخاص یا جماعتوں نے یہ روش اختیار کی اور ہر بات میں براہِ راست قرآن وحدیث سے استفادہ کو اپنا منشور بنایا وہ گمراہ ہوگئیں۔ اہل سنت والجماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق سمجھتے ہیں اہل سنت کے ہاں تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عادل تھے لہٰذا جو شخص صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق نہ سمجھتا ہو وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کی صورت میں مستقبل کے جھگڑوں نیز بچوں کے نظریات وافکار اور سب سے بڑھ کر لڑکی کے اپنے عقائد پر برے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں لہٰذا ایسے افراد سے نکاح جیسے معاملات کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

لمافی احکام القرآن للتهانوی (۴/۲۳۸): الصحابة کلهم عدل مرضیون عند الله فالطعن فیهم والغیظ علیهم من امارات الکفر والبحث والتنقید فی عدالتهم خروج من اهل السنة والجماعة۔

وفی الشامیة (۶/۷۵۴): قوله (ویستحب الترضي للصحابة) لأنهم کانوا یبالغون في طلب الرضا من الله تعالی ویجتهدون في فعل ما یرضیه ویرضون بما یلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضا فهؤلاء أحق بالرضا وغیرهم لا یلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهبا زیلعي۔

وفی اعلام الموقعین (۴/۹۲): وان لم یخالف الصحابي صحابیا آخر فاما ان یشتهر قوله فی الصحابة او لا یشتهر فان اشتهر فالذی علیه جماهیر الطوائف من الفقهاء انه اجماع وحجة ۔۔۔ وان لم یشتهر قوله اولم یعلم هل اشتهر ام لا فاختلف الناس هل یکون حجة ام لا؟ فالذی علیه جمهور الامة انه حجة هذا قول جمهور الحنفیة صرح به محمد بن الحسن وذکر عن ابی حنیفة نصا وهو مذهب مالك واصحابه وتصرفه فی مؤطئه دلیل علیه وهو قول اسحاق بن راهویه وابی عبید وهو منصوص الامام احمد فی غیر موضع عنه واختیار جمهورا صحابه وهو منصوص الشافعی فی القدیم والجدید ۔۔۔ وائمة الاسلام کلهم علی قبول قول الصحابي۔

Marfat.com

(۳۵۶) کافرہ عورت سے نکاح کی صورت میں بچے کے نسب کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان لڑکا یورپ کے ملک جرمنی میں مقیم ہو اور اسے وہاں ایک کافرہ لڑکی پسند آجائے جو دین ومذہب سے کوئی تعلق ہی نہ رکھتی ہو سیکولر، کمیونسٹ قسم کی لڑکی ہے یہ لڑکا اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے کیا کیا جائے؟ وہ لڑکی اسلام کے بارے میں سننے کے لئے تیار نہیں، اسلام لانا تو دور کی بات ہے۔ نیز اگر یہ شادی وقوع پذیر ہو جاتی ہے تو اس سے پیدا ہونے والی اولاد کا کیا حکم ہوگا؟ اولاد حلالی کہلائے گی یا غیر ثابت النسب؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک مسلمان لڑکے کا ایک کافرہ لڑکی سے نکاح کرنا باطل اور کالعدم ہے۔ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا اور اس سے پیدا شدہ اولاد کا نسب ثابت نہیں ہوتا۔ صورت مسئولہ میں انتہائی افسوسناک صورتحال کا ذکر ہے ہمارے سادہ لوح مسلمان چند کوڑیوں کے پیچھے ان غیر مسلم ممالک میں جاتے ہیں اور پھر ان کے بچھائے ہوئے جالوں میں پھنس جاتے ہیں۔ مذکورہ لڑکے کو چاہیئے کہ اپنے ایمان کی فکر کرے اور ممکن ہو تو جلد از جلد اپنے وطن لوٹ جائے اور نیک صالح لوگوں کی معیت حاصل کرے، لیکن اگر وہ لڑکا یہ نکاح کر لیتا ہے تو شرعاً یہ نکاح باطل اور کالعدم ہوگا اس سے پیدا شدہ اولاد کا نسب ثابت نہ ہوگا نیز زندگی بھر زنا کے وبال میں مبتلا رہے گا۔

لمافی قوله تعالیٰ(البقرة :۲۲۱): وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ...الآية

وفی الشامیة (۳/۱۳۲): نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل اه وهذا صريح فيقدم على المفهوم فافهم۔

(۳۵۷) ہندو لڑکی سے زنا کے بعد پیدا شدہ بچے کے نسب اور اسلام کا حکم اور شامیہ کی تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسلمان لڑکا ہندو لڑکی سے زنا کرے تو کیا بچہ ثابت النسب ہوگا؟ مسلمان بچہ شمار ہوگا یا کافر؟ فقہ حنفی میں کیا حکم ہے؟ نیز اہل کتاب سے زنا میں کیا حکم ہوگا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے

Marfat.com

حاشیہ میں (۳/۱۹۶) پر اس مسئلے سے متعلق جو بحث کی ہے اس میں نسبتِ شرعیہ اور حقیقیہ کا ذکر ہے، ان کا مطلب کیا ہے؟

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ کلام سے ایسا مترشح ہو رہا ہے کہ اس مسئلہ کا حکم فقہ حنفی میں نہیں شوافع سے لیا گیا ہے۔ کیا حقیقت یہ ہی ہے؟ کتب حنفیہ پر نظر فرمالیں..... نیز علامہؒ کی تحقیق کی سہل طریقہ پر تشریح فرمادیں..... اور کیا شامی کی تحقیق درست ہے یا اختلاف کی گنجائش موجود ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی سے زنا کرے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر ہر حال میں بچہ ثابت النسب نہ ہوگا تاہم وہ بچہ مسلمان شمار ہوگا یا نہیں اس مسئلہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ احناف میں سے کسی نے بھی بحث نہیں کی صرف علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً شوافع سے نقل کیا اور پھر اصول کے لحاظ سے بحث کر کے اس بچہ کو مسلمان شمار کیا ہے، جو اصول اور قواعد کے لحاظ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس کی بنیادی طور پر دو وجہ بیان کی ہیں، ایک یہ کہ بچہ اگرچہ شرعاً مسلمان کا جزء نہیں تاہم حقیقۃً تو اسی کا جزء ہے، کیونکہ یہ بچہ اسی کے پانی سے پیدا ہوا ہے اور حقائق کا انکار نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کے مصرف ہونے کے بیان میں فقہاء کرام نے اس جزئیتِ حقیقیہ ہونے کی وجہ سے اس بچہ کو باوجود ولد الزنا ہونے کے غیر مستحق الزکوٰۃ کہا ہے اور تحریر کیا ہے کہ زانی کا اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اگرچہ یہ حکم احتیاطاً ہے تاہم ایمان اور کفر کے مسئلہ میں اس سے بڑھ کر احتیاط کی ضرورت ہے، لہٰذا یہ بچہ مسلمان شمار ہوگا۔

اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اب اگر والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو وہ بچہ اس مسلمان کے تابع ہوگا حالانکہ یہاں تو والدین مزاحم موجود ہیں [یعنی میاں بیوی میں سے ایک غیر مسلم ہے] پھر بھی مسلمان ہونے کا حکم ہے اور ولد الزنا میں تو مزاحمت ہے ہی نہیں لہٰذا اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ بچہ مسلمان ہو چنانچہ مذکورہ صورت میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچہ ثابت النسب تو نہ ہوگا البتہ مسلمان ہوگا اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اصول کے مطابق ہونے کی وجہ سے درست ہے۔

لمافی الشامیة، باب نکاح الکافر (۳/۱۹۶): تنبیه یشعر التعبیر بالأبوین ولد الزنی ورأیت في فتاوی الشهاب الشلبي قال واقعة الفتوی في زماننا مسلم زنی بنصرانیة فأتت بولد فهل یکون مسلما أجاب بعض الشافعیة بعدمه وبعضهم بإسلامه وذکرأن السبکي نص علیه وهو غیر ظاهر فإن الشارع قطع نسب ولد الزنی وبنته من الزنی تحل له عندهم فکیف یکون مسلما وأفتی قاضي القضاة الحنبلي بإسلامه أیضا وتوقفت عن الکتابة فإنه وإن کان مقطوع النسب عن أبیه حتی لا یرثه فقد صرحوا عندنا بأن بنته من الزنی لا تحل له وبأنه لا یدفع زکاته لابنه من الزنی ولا تقبل شهادته له والذي یقوی عندي أنه لا یحکم بإسلامه علی مقتضی مذهبنا وإنما أثبتوا الأحکام المذکورة احتیاطا نظرا لحقیقة الجزئیة بینهما اهـ قلت یظهر لي الحکم بالإسلام

Marfat.com

للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواه هما اللذان يهودانه أو ينصرانه فإنهم قالوا إنه جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة أو على ما هو أقرب إليها حتى لو كان أحدهما مجوسيا والآخر كتابيا فهو كتابي كما يأتي وهنا ليس له أبوان متفقان فيبقى على الفطرة ولأنهم قالوا إن إلحاقه بالمسلم منهما أو بالكتابي أنفع له ولا شك أن النظر لحقيقة الجزئية أنفع له وأيضا حيث نظروا للجزئية في تلك المسائل احتياطا فلينظر إليها هنا احتياطا أيضا فإن الاحتياط بالدين أولى ولأن الكفر أقبح القبيح فلا ينبغي الحكم به على شخص بدون أمر صريح ولأنهم قالوا في حرمة بنته من الزنى إن الشرع قطع النسبة إلى الزاني لما فيها من إشاعة الفاحشة فلم يثبت النفقة والإرث لذلك وهذا لا ينفي النسبة الحقيقية لأن الحقائق لا مرد لها فمن ادعى أنه لا بد من النسبة الشرعية فعليه البيان۔

(۳۵۸) کفار کے آپس میں کئے گئے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ یہود ونصاری اور ہندوؤں کے ساتھ لوگ شادیاں کرتے ہیں، اور یہود ونصاریٰ وغیرہ آپس میں جو شادیاں کرتے ہیں ان کا نکاح ہوجاتا ہے، اور ان کی اولاد کس حکم میں آئے گی؟ تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ہندوؤں کے ساتھ نکاح کرنا تو علی الاطلاق حرام ہے اگر کسی مسلمان نے یہ نکاح کرلیا تو بہت خطرے کی بات ہے حرام کو حلال سمجھنا بندے کو کفر تک پہنچا دیتا ہے یہ نکاح چونکہ باطل اور سرے سے کالعدم ہے لہٰذا اس سے پیدا شدہ بچے ثابت النسب نہ ہوں گے۔

باقی اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے نکاح کو فقہاء نے غیر مسلم ممالک میں مکروہ تحریمی کہا ہے کیونکہ ان سے نکاح کی صورت میں ماں کے اثرات بچوں پر پڑیں گے نیز دیگر قبائح بھی اپنی جگہ ہیں لہٰذا اہل کتاب سے نکاح سے اجتناب کیا جائے البتہ اگر کسی نے ان سے نکاح کرلیا تو اس سے ہونے والی اولاد ثابت النسب ہوگی، لیکن یہود ونصاری سے متعلق یہ [کسی بھی درجے میں نکاح کے جواز کا] حکم ان اہل کتاب سے متعلق ہے جو کسی بھی درجے میں اپنے مذہب کے معتقد ہوں، اگر وہ اہل کتاب دہریہ اور لامذہب ہو تو اس سے عقدِ نکاح قطعاً جائز نہیں اور آج کل اکثر اہل کتاب ایسے ہی ہیں لہٰذا ان سے نکاح سے کلیۃً اجتناب کیا جائے۔

Marfat.com

نیز یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار مرد اور عورتیں آپس میں جو نکاح کرتے ہیں وہ منعقد ہو جاتے ہیں اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ثابت النسب ہوگی۔

لمافی الدر المختار (۱۸۴/۳): (كل نكاح صحيح بين المسلمين فهو صحيح بين أهل الكفر) ---وقوله عليه الصلاة والسلام ولدت من نكاح لا من سفاح۔

وفی الرد تحته: قوله (ولدت من نكاح لا من سفاح) أي لا من زنا والمراد به نفي ما كانت عليه الجاهلية من أن المرأة تسافح رجلا مدة ثم يتزوجها وقد استدل بالحديث المذكور في الفتح أيضا ووجهه أنه سمى ما وجد قبل الإسلام من أنكحة الجاهلية نكاحا۔

وفی الشامية ايضاً(۴۵/۳): قوله (كتابية) أطلقه فشمل الحربية والذمية والحرة والأمة ح عن البحر قوله (و إن كره تنزيها) أي سواء كانت ذمية أو حربية فإن صاحب البحر استظهر أن الكراهة في الكتابية الحربية تنزيهية فالذمية أولى اه ح قلت علل ذلك في البحر بأن التحريمية لا بد لها من نهي أو ما في معناه لأنها في رتبة الواجب اه وفيه أن إطلاقهم الكراهة في الحربية يفيد أنها تحريمية والدليل عند المجتهد على أن التعليل يفيد ذلك ففي الفتح ويجوز تزوج الكتابيات والأولى أن لا يفعل ولا يأكل ذبيحتهم إلا لضرورة وتكره الكتابية الحربية إجماعا لافتتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر وعلى الرق بأن تسبى وهي حبلى فيولد رقيقا وإن كان مسلما اه فقوله والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل۔

Marfat.com

فصل فی المحرمات لحق الغیر

(غیر کے حق کی بناء پر حرام عورتوں کا بیان)

(۳۵۹) منکوحۃ الغیر سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر ایک نکاح کے اوپر دوسرا نکاح ہوجائے اور شادی بھی ہوجائے اور پہلے نکاح والے آدمی نے اس کو طلاق نہ دی ہو تو یہ عورت اس پہلے شخص کی بیوی ہوگی یا دوسرے کی اور اب دوسرے شخص کیلئے شادی ہونے کے بعد اس کے ساتھ ہمبستری کرنا حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ عورت پہلے آدمی کے نکاح میں ہے، اس شادی شدہ عورت کے ساتھ دوسرے آدمی کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ جب نکاح کرنا جائز نہیں ہے تو اس کے ساتھ ہمبستری کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النسآء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ۔ الآیة۔

وفی الهندية (۲۸۰/۱): القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج۔۔۔ وبعد سطر۔۔۔ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لا يعلم أنها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لا تجب حتى لا يحرم على الزوج وطؤها كذا في فتاوى قاضي خان۔

Marfat.com

(۳۶۰) مطلقہ ثلاثہ سے اس کی عدت میں نکاح کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری موجودہ بیوی کو ان کے پہلے خاوند نے تین طلاقیں دی تھیں جس کے بعد ان کی عدت گزرنے سے پہلے پہلے میرے ساتھ ان کا نکاح ہوا ہے اور نکاح کے بعد ہی میں فوراً اپنے کورس پر چلا گیا۔ واضح رہے کہ میرے کورس پر جانے اور گھر واپس آنے کے درمیان تین مہینے گزر گئے ہیں اور اس درمیان ہمبستری کا موقع تک نہیں ملا، اور اب اس عورت کا پہلا خاوند یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ تم ان کو طلاق دیدو کیونکہ تمہارے ساتھ جو ان کا نکاح کرایا تھا وہ حلالہ کیلئے تھا جبکہ وہ عورت اس بات پر راضی نہیں ہے اور وہ ان کے پاس واپس جانا نہیں چاہتی۔ اب مفتی صاحب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا میرا نکاح اس عورت کے ساتھ ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا ہے تو کیا میں اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہوں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ میں نے جو اس عورت سے عدت گزرنے سے پہلے نکاح کیا ہے اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

دورانِ عدت کسی عورت سے نکاح کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا چنانچہ صورت مسئولہ میں آپ نے جس اجنبیہ عورت سے دورانِ عدت نکاح کیا ہے وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا البتہ عدت گزرنے کے بعد اگر آپ اس عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو ازسرنو نکاح کرنا ہوگا۔ نیز چونکہ آپ نے دورانِ عدت اس اجنبیہ عورت سے نکاح کیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار بھی کریں۔ نیز عدت میں کیا گیا نکاح جب صحیح نہ ہوا تو یہ پہلے شوہر کیلئے حلالہ شمار نہ ہوگا، کیونکہ حلالہ کیلئے نکاح صحیح مع دخول کے ضروری ہے لہٰذا یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۳۵) وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ۔

وفی الهندية (۵۳۴/۱): لا يجوز للأجنبي خطبة المعتدة صريحا سواء كانت مطلقة أو متوفى عنها زوجها كذا في البدائع۔

وفی الشامية (۱۳۲/۳): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها اهـ۔

Marfat.com

(۳۶۱) عورت سے عدت میں نکاح کرنا حرام ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک خاتون کا کسی شخص سے نکاح ہوا۔ رخصتی بعد میں طے تھی۔ نکاح کے آٹھ ماہ گزرنے پر مذکورہ شخص کا انتقال ہوگیا۔ شوہر کی وفات کے تین ماہ، چھ دن گزرنے پر مذکورہ خاتون نے اس کے بھائی سے نکاح کرلیا۔ اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ کیا اس کو از سر نو عدت گزارنی ہوگی یا صرف بقیہ ایام پورے کرنے ہوں گے؟؟؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جب کسی عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو اس عورت پر چار ماہ، دس دن عدت لازم ہوجاتی ہے۔ چاہے رخصتی ہوئی ہو یا نہیں۔ دوران عدت اس عوررت سے نکاح کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص مذکورہ عورت سے نکاح کرلیتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ وہ عورت عدت میں ہے اور عدت میں نکاح کرنا حرام ہے تو اس صورت میں اس شخص کا اس عورت کے ساتھ نکاح باطل اور ازدواجی تعلق زنا ہوں گے کیونکہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ عورت کو پہلی عدت کے بقیہ ایام پورے کرنے ہونگے۔ البتہ اگر کسی کو شبہ ہوگیا اور وہ یہ سمجھا کہ مذکورہ عورت سے نکاح جائز ہے تو اس صورت میں نکاح فاسد ہوگا اس میں بھی وطی حرام ہے اور اس نکاح کو فورا ختم کرنا ہوگا۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی فسخ کے الفاظ کہہ دے (میں یہ عقد فسخ کرتا/کرتی ہوں) یا لڑکا متارکت کے الفاظ کہہ دے (میں تجھے چھوڑتا ہوں وغیرہ) تو یہ عقد ختم ہوجائے گا۔ اب وہ ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہوں گے۔ اس صورت میں اگر اس نکاح فاسد کے بعد وطی ہوگئی تھی تو عورت عدت کے تین حیض گزارے گی ورنہ صرف پہلی عدت کے بقیہ ایام پورے کرے گی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر دوسرے بھائی کو شبہ ہوا اور اس نے یہ سمجھ کر نکاح کرلیا کہ چونکہ رخصتی نہیں ہوئی تھی لہٰذا عورت پر عدت بھی نہیں ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے فوراً جدا ہوجائیں۔ عورت تین ماہواریاں عدت میں گزارے گی۔ اگر کوئی شبہ نہیں ہوا، بلکہ یہ معلوم تھا کہ مرحوم بھائی کی بیوہ عدت میں ہے اور عدت میں نکاح کرنا حرام ہے، تو یہ نکاح باطل ہوگا اور ازدواجی تعلق زنا ہوگا، اس صورت میں تین ماہ، چھ دن اور اس کے بعد نکاح کے ایام ملا کر اگر عدت مکمل نہیں ہوئی تو بقیہ عدت مکمل کرنا ہوگی، اور اگر عدت کے دن (چار ماہ دس دن) مکمل ہوگئے ہوں تو عورت کے ذمہ کوئی عدت نہیں۔

لما فی الھندیة (۵۲۳/۱): الباب الثالث عشر فی العدة: لو تزوجت في عدة الوفاة فدخل بها الثاني ففرق بينهما فعليها بقية عدتها من الأول تمام أربعة أشهر وعشر وعليها ثلاث حيض من الآخر

Marfat.com

ويحتسب بما حاضت بعد التفريق من عدة الوفاة كذا في معراج الدراية۔

و فی الشامیة(۵۱۶/۳): مطلب في النكاح الفاسد والباطل قوله (فلا عدة في باطل) فيه أن لا فرق بين الفاسد والباطل في النكاح بخلاف البيع كما في نكاح الفتح والمنظومة المحبية لكن في البحر عن المجتبى كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زنا كما في القنية وغيرها اه

(۳۶۲) عدت میں کئے گئے نکاح کی عدت کا حکم

سوال

عدت کے اندر نکاح کرنا کیسا ہے؟ ایک مطلقہ عورت نے عدت کے اندر کسی دوسرے آدمی سے نکاح کیا۔ یعنی دو حیض گزر گئے تھے تیسرا حیض ابھی باقی تھا کہ اس نے نکاح کیا اور دوسرے آدمی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ عورت عدت کے اندر ہے، اب دوسرے شوہر نے بھی طلاق دے دی۔ تو پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت پر نکاح ثانی کی عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو پہلی عدت کے ساتھ تداخل ہوگا یا نہیں؟ یعنی تیسرا حیض صرف عدت اول میں شمار کیا جائے گا یا دونوں میں شمار ہوگا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) دورانِ عدت نکاح کرنا ناجائز ہے۔

(۲) صورت مسئولہ میں دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتوں کا آپس میں تداخل ہوگا یعنی مرد نے جس تیسرے حیض میں نکاح کیا تھا اس حیض کے ختم ہونے پر پہلے شوہر کی عدت ختم ہوجائے گی اور یہ تیسرا حیض دوسرے شوہر کی عدت کا بھی پہلا حیض شمار ہوگا یعنی تیسرا حیض دونوں عدتوں میں سے شمار ہوگا اور اس حیض کے گزر جانے کے بعد عورت دو حیض اور گزارے گی اس کے بعد عورت کی عدت مکمل ہوجائے گی۔

لما فی الهندية (۵۳۲/۱): العدتان تنقضيان بمدة واحدة عندنا كانتا من جنس واحد أو من جنسين صورة الأولى المطلقة إذا حاضت حيضة ثم تزوجت بزوج آخر ووطئها الثاني وفرق بينهما وحاضت حيضتين بعد التفريق كان لهذا الزوج الثاني أن يتزوجها لانقضاء عدة الأول۔

Marfat.com

وفی الدر المختار(۵۱۸/۳):(وإذا وطئت المعتدة بشبهة)ولو من المطلق (وجبت عدة أخرى) لتجدد السبب (وتداخلتا)۔

(۳۶۳) دعویٰ تنسیخ نکاح کے بعد قاضی کا دوسرا نکاح پڑھا دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی لڑکی کا کسی لڑکے کے ساتھ نکاح ہوا ہو، پھر لڑکی والے اس لڑکی کا نکاح تنسیخ کے ذریعے ختم کرا کے کسی مولوی صاحب کے پاس آجائیں اور کہیں اب آپ اس لڑکی کا نکاح کسی دوسرے سے کر دیں اور پھر مولوی صاحب نے بھی نکاح پڑھا دیا اور پھر لڑکے والے یہ دعویٰ کریں کہ پہلا نکاح ختم نہیں ہوا تھا، اس مولوی صاحب نے ایک نکاح کے اوپر دوسرا نکاح پڑھایا ہے ہم اس کو عدالت اور شریعت میں بلواتے ہیں کیا یہ مولوی صاحب کو عدالت یا شریعت میں بلوا سکتے ہیں اس بات پر کہ تو نے نکاح کے اوپر نکاح کیوں پڑھایا؟ جب کہ مولوی صاحب کہتے ہیں مجھے ان کے اس چکر کا پتہ نہیں تھا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غیر کی بیوی کا نکاح جان بوجھ کر کرانا حرام اور ناجائز ہے جلد از جلد اس نکاح کا فسخ کرانا ضروری ہے چونکہ صورت مسئولہ میں مولوی صاحب کو صورتِ حال کا علم نہیں تھا لہٰذا وہ معذور ہیں ان پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا ۔ہاں جرم لڑکی والوں کا ہے لیکن یہ مسئلہ اس وقت ہے جب صورت مسئولہ میں تنسیخِ نکاح شریعت کے قواعد کے مطابق نہ ہوئی ہو، اور اگر یہ تنسیخ قواعدِ شرع کے مطابق ہوئی ہو تو لڑکی والوں پر بھی کوئی گناہ نہیں اور یہ دوسرا نکاح بھی صحیح ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۲۴): وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

وفی کنز العمال (۲۲۳/۴): رفع عن أمتی الخطاء والنسیان وما استکرهوا علیه۔ (طب عن ثوبان)۔

وفی تکملة فتح الملهم (۱۳۴/۱):(۹)۔ ثم قد قصرت الشریعة الاسلامیة حق الطلاق علی الزوج، ولم یجعله بید المرأة فی الظروف العادیة، لان المراة من طبیعتها الاستعجال فی الامور. فلو کان خیار الطلاق بیدها لکانت تقع الفرقة لاسباب بسیطة واغراض تافهة۔

(۱۰)۔ ولکنها لم تسدد باب الفرقة من جهة المرأة بالکلیة، وإنما أباحت لها ذلك فی ظروف خاصة، فیمکن لها مثلاً ان تعقد النکاح بشرط تفویض الطلاق الیها. ولو لم تشترط ذلك فی

Marfat.com

العقد فلها أن تختلع من زوجها برضاه، وان لم يكن ذلك فلها ان تطلب من القاضی فسخ النكاح اذا كان الزوج عنيناً او مجنوناً او متعنتاً او مفقوداً۔

وفی الخانية (۱/۱۶۹): لايجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل، ولو تزوج بمنكوحة الغير وهولا يعلم انها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة، وان كان يعلم أنها منكوحة الغير لاتجب العدة حتى لا يحرم على الزوج وطئها۔

(۳۶۴) منکوحہ کا جان بوجھ کر دوسرا نکاح پڑھانے والے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آمنہ کا نکاح بکر سے ہوگیا، کچھ عرصہ کے بعد آمنہ کے والدین نے آمنہ کا نکاح خالد سے کردیا بکر سے طلاق لئے بغیر۔اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ

(۱).....آمنہ کا نکاح ثانی ہوگیا ہے؟

(۲).....نکاح پڑھانے والے مولوی صاحب کو نکاح ثانی کرتے وقت بتایا گیا تھا کہ یہ نکاح ثانی ہے، اس نے پھر بھی نکاح پڑھا دیا کیا اس سے مولوی صاحب کے اپنے نکاح پر اثر پڑے گا؟ اس سے تعلقات رکھنا درست ہے؟ اس کے پیچھے نمازیں پڑھنا درست ہے؟

(۳).....جولوگ اس نکاح ثانی میں دیدہ ودانستہ شامل ہوئے ہیں ان سے تعلقات رکھنا درست ہے؟

برائے مہربانی مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آمنہ کا بدستور بکر سے ہی نکاح باقی ہے، جب تک اس سے طلاق نہ لی جائے دوسری جگہ اس کا نکاح باطل وحرام ہے۔اگر دوسری جگہ رخصتی ہوچکی ہے تو فوراً ان کے درمیان تفریق کی جائے وگرنہ یہ زنا شمار ہوگا۔

(۲،۳).....نکاح پڑھانے والے اور اس میں شریک ہونے والوں نے حرام کا ارتکاب کیا ہے جب تک یہ توبہ واستغفار نہ کرلیں ان سے قطع تعلق کیا جائے۔ایسے شخص کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس نے نکاح ثانی حلال سمجھتے ہوئے پڑھایا تو اس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا اس پر تجدیدِ ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے۔

لمافی الخانية (۱/۱۶۹): ولا يجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل۔

وفی الشامية (۳/۱۳۲): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم

Marfat.com

أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها اه

وفيه أيضا (١/٥٦٠):قوله (وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك كذا في البرجندي إسماعيل وفي المعراج قال أصحابنا لا ينبغي أن يقتدى بالفاسق إلا في الجمعة لأنه في غيرها يجد إماما غيره اهـ قال في الفتح وعليه فيكره في الجمعة إذا تعددت إقامتها في المصر على قول محمد المفتى به لأنه بسبيل إلى التحول۔

(۳۶۵) کیا پھانسی کی سزا سے بیوی کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کو عدالت نے سزائے موت سنادی کچھ عرصے بعد اس کو پھانسی دیدی جائے گی تو کیا اس شخص کی بیوی اس وقت دوسری شادی کرسکتی ہے کیونکہ کچھ عرصے بعد اس کا مرنا یقینی ہوگیا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت جب تک کسی شخص کے عقد نکاح میں ہو تو کسی دوسرے شخص کیلئے اس سے نکاح کرنا حرام ہے البتہ جب پہلا شوہر مرجائے یا اس کو طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت بھی گزر جائے تو عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں صرف سزائے موت کا فیصلہ سنانے سے عورت چونکہ اس کے عقد نکاح سے نہیں نکلی لہٰذا اس کے لئے کسی دوسری جگہ شادی کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ(النساء:۲۴): وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

وفی تفسیر روح المعانی (٢/٥): وقال شيخ الاسلام المراد من المحصنات ذوات الازواج۔

وفی الدرالمختار(٣/٢٨): فصل في المحرمات أسباب التحريم أنواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك إدخال أمة على حرة فهي سبعة ذكرها المصنف بهذا الترتيب وبقي التطليق ثلاثا وتعلق حق الغير بنكاح أو عدة ذكرهما في الرجعة۔

Marfat.com

باب فی الأنكحة الفاسدة

(انکحہ فاسدہ کا بیان)

(۳۶۶) نکاحِ فاسد میں مہر اور عدت کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور وہ عورت چونکہ عدت میں تھی لہٰذا وہ نکاح فاسد ہوگیا تھا اور میں نے اس سے دخول نہیں کیا ہے بلکہ صرف خلوت کی ہے تو کیا اس عورت کا مہر مجھ پر لازم ہے یا نہیں؟ اور اس عورت پر عدت ہوگی یا نہیں؟ اور اب دوبارہ اگر میں اس سے نکاحِ صحیح کرنا چاہوں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ تسلی بخش جواب دیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ صورت میں آپ نے جو عدت کے اندر نکاح کیا ہے یہ نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں جب تک جماع نہ پایا جائے عورت پر نہ عدت واجب ہوتی ہے اور نہ خاوند پر مہر لہٰذا مذکورہ صورت میں عورت پر عدت واجب نہیں ہے اور نہ آپ پر اس عورت کیلئے مہر لازم ہے اور اگر آپ دوبارہ اس عورت سے نکاح صحیح کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت جو عدت گزار رہی تھی جب وہ عدت مکمل ہوجائے تو شرعی طریقہ پر نکاح کرلیا جائے یہ درست ہے۔

لمافی الهندية (۳۳۰/۱): الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه إذا وقع النكاح فاسدا فرق القاضي بين الزوج والمرأة فإن لم يكن دخل بها فلا مهر لها ولا عدة وإن كان قد دخل بها فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر مثلها إن كان ثمة مسمى وإن لم يكن ثمة مسمى فلها مهر المثل بالغا ما بلغ وتجب العدة ويعتبر الجماع في القبل حتى يصير مستوفيا للمعقود عليه۔

وفی الشامية (۱۳۱/۳) كتاب النكاح: مطلب في النكاح الفاسد قوله (في نكاح فاسد) وحكم الدخول في النكاح الموقوف كالدخول في الفاسد فيسقط الحد ويثبت النسب ويجب الأقل من المسمى ومن

Marfat.com

مهر المثل خلافا لما في الاختيار من كتاب العدة وتمامه في البحر ـــ وذكر في البحر هناك عن المجتبى أن كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة ـ

(۳۶۷) نکاحِ فاسد میں احصان کا ثبوت؟

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی شادی شدہ ہے لیکن اس کا نکاح گواہوں کی عدم موجودگی کی بنا پر فاسد تھا اور اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول بھی کرلیا تو اب یہ آدمی محصن (جس کو زنا کرنے کی صورت میں سنگسار کیا جاتا ہے) رہے گا یا نہیں؟ اور اگر تفریق کے بعد اسی عورت کے ساتھ وطی کرلی تو کیا اس کو حد لگے گی یا نہیں؟ قرآن وسنت اور فقہ کے حوالوں سے مدلل کر کے جواب دیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر مذکورہ شخص پہلے سے غیر محصن تھا تو نکاح فاسد کے بعد بھی غیر محصن ہی رہے گا، اگرچہ نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ دخول بھی کرلیا ہو اور اگر تفریق کے بعد اسی عورت کے ساتھ وطی کرلی (یعنی زنا کرلیا) اور اقرار یا گواہوں سے یہ بات قاضی کی عدالت میں ثابت ہوگئی، تب اس کو حد یعنی سو کوڑے لگیں گے بشرطیکہ اسلامی حکومت ہو البتہ سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

لمافی الهندية (۱۴۵/۲) :وإحصانُ الرجم أن يكون حرا عاقلا بالغا مسلما قد تزوج من امرأة حرة نكاحا صحيحا ودخل بها وهما على صفة الإحصان كذا في الكافي فلا يكون محصنا بالخلوة الموجبة للمهر والعدة ولا يكون محصنا بالجماع في النكاح الفاسد۔

وفی الدرالمختار(۱۶/۴) مطلب شرائط الاحصان:(و)شرائط (إحصان الرجم) سبعة (الحرية والتكليف) عقل وبلوغ (والإسلام والوطء) وكونه (بنكاح صحيح) حالَ الدخول۔

وفی الردتحته:قوله (وكونه بنكاح صحيح) خرج الفاسد كالنكاح بغير شهود فلا يكون به محصنا ط۔

وفيه أيضا (۲۲/۴) مطلب فی بيان شبهة الفعل: وعلى عبارة كتاب الحدود يجب لأن الملك قد أزال حق الحل فيتحقق الزنا اهـ

Marfat.com

(۳۶۸) نکاحِ فاسد میں مرد کے دخول سے انکار کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میاں بیوی کے درمیان بغیر گواہوں کے خفیہ نکاح ہوا تھا اور بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا مرد دعویٰ کر رہا ہے کہ صرف خلوت ہوئی ہے جبکہ عورت کہہ رہی ہے کہ دخول بھی ہوا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس بچے کا نسب مرد سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور مہر وعدت کا حکم بھی مذکورہ صورت میں بتادیجئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں چونکہ مرد دخول سے انکاری ہے اس لئے نسب ثابت نہ ہوگا اور اسی طرح مہر وعدت بھی عورت کے لئے ثابت نہ ہونگے۔

لمافی الهندية (۳۳۱/۱) :وإذا تزوجها نكاحا فاسدا وخلا بها وجاءت بولد وأنكر الزوج الدخول فعن أبي يوسف رحمه الله تعالى روايتان في رواية قال يثبت النسب ويجب المهر والعدة وفي رواية قال لا يثبت النسب ولا يجب المهر ولا العدة وإن لم يخل بها لا يلزمه الولد كذا في المحيط۔

وفی الدرالمختار (۱۳۱/۳): (ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود ۔۔۔ (ولم يزد) مهر المثل (على المسمى) ۔۔۔ (وتجب العدة بعد الوطء) ۔۔۔ (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج ۔۔۔ (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة۔

وتحته فی الشامیة: وفي البحر عن الذخيرة ولو اختلفا في الدخول فالقول له فلا يثبت شيء من هذه الأحكام اهـ

(۳۶۹) دوران عدت معتدہ کیلئے اپنی بیٹی کی منگنی کرانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا بیوہ اپنی لڑکی کا رشتہ دوران عدت کرسکتی ہے یا نہیں؟ میری بھتیجی بیوہ محمد اشتیاق مرحوم کی لڑکی کا رشتہ دوران عدت ہوگیا جبکہ جملہ سرپرستوں کی رضامندی سے یہ ہوا۔ منگنی کی رسم معاشرے کے

Marfat.com

مطابق ادا کی گئی۔عزیز واقارب نے اعتراض کیا کہ دوران عدت یہ منگنی بھی نہیں ہونی چاہیئے۔آپ راہنمائی فرمائیں کہ یہ غلطی اگر سرپرستوں سے سرزد ہوئی ہے تو اس کا ازالہ کیسے کیا جائے۔شریعت اس مسئلہ میں کیا ہدایت فرماتی ہے واضح کیا جائے۔اس مسئلہ میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔(عدت والدہ کی چل رہی تھی اس دوران اپنی بچی کی منگنی کرائی ہے)۔عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عدت چونکہ والدہ کی چل رہی تھی لہٰذا اس دوران والدہ کا اپنا نکاح کرنا تو شرعاً جائز نہیں البتہ اس دوران اپنی بچی کی منگنی کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ عدت میں زیب وزینت اختیار کرنا ممنوع ہے لہٰذا معتدہ عورت اگرچہ اپنی بیٹی کی منگنی کرا سکتی ہے لیکن میک اپ، خوشبو وغیرہ زیب وزینت کی کوئی چیز استعمال نہ کرے نیز نامحرموں سے پردہ کا مکمل اہتمام کرے پھر یہ منگنی کرانا اس کے لئے جائز ہے۔

لمافی بدائع الصنائع (۴/۴۴۵-۴۴۷): فصل وأما أحكام العدة فمنها أنه لا يجوز للأجنبي نكاح المعتدة لقوله تعالى { ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله }--- وأما المطلقة ثلاثا أو بائنا والمتوفى عنها زوجها فلأن النكاح حال قيام العدة قائم من كل وجه لقيام بعض آثاره كالثابت من كل وجه في باب الحرمة --- وأما التعريض فلا يجوز أيضا في عدة الطلاق ولا بأس به في عدة الوفاة۔

وفی الشامیة (۳/۵۰۴): قوله (وركنها حرمات) أي لزومات كما مر عن الفتح لا نفس التحريم أي أشياء لازمة للمرأة يحرم عليها تعديها وقوله ثابتة بها على تقدير مضاف أي بسببها عند وجود شرطها وإلا لزم ثبوت الشيء بنفسه لأن ركن الشيء ماهيته تأمل قوله (كحرمة تزوج) أي تزوجها غيره فإنها حرمة عليها بخلاف تزوجه أختها أو أربع سواها فإنه حرمة عليه فلا يكون من العدة بل هو حكمها كما أفاده في الفتح۔

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

الحد الفاصل

بین

النکاح الفاسد والباطل

نکاح فاسد اور باطل کی مختلف تعریفیں اور ان پر ہونے والے اعتراضات،

فقہاء کے اپنے تحفظات، نیز نکاح فاسد اور باطل کی ایسی جامع، مانع تعریف

جس پر اشکال نہ ہو اور ان دونوں میں فرق کا معیار۔

الغرض مسئلہ ھذا میں پایا جانے والے اغلاق کا دفع،

مختلف النوع اور کتب میں بکھری عبارات کا جمع

نکاح فاسد اور باطل کی مدلل تشریح سے متعلق ایک تحقیقی فتوی

Marfat.com

(۳۷۰) نکاح فاسد اور باطل کی جامع تعریف، فرق اور ان کا حکم

سوال

مفتی صاحب! نکاح باطل اور فاسد میں فرق ہے یا نہیں؟ فقہاء مختلف تعریفیں کرتے ہیں کون سی درست ہے؟؟ فقہاء نے کس نکاح میں عدت نہ ہونے اور نسب ثابت نہ ہونے کی صراحت کی ہے؟؟ تفصیل فرمادیں۔ کیا کوئی جامع تعریف نہیں؟ ان سوالوں کے جواب بھی مرحمت فرمادیں۔

(۱) محارم سے نکاح میں عدت اور نسب کا کیا حکم ہے؟

(۲) جمع بین الاختین نصاً حرام ہے اس میں عدت اور نسب کا کیا حکم ہے؟

(۳) حلالہ سے قبل مطلقہ ثلاثہ کا کیا حکم ہے؟ یہ نکاح باطل ہے یا فاسد؟ عدت اور نسب کا کیا حکم ہے؟

(۴) عدت اور نسب کے ثابت ہونے کا فقہ میں کوئی اصول ہے یا نہیں؟

(۵) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ معتدہ سے نکاح اگر باوجود علم کے ہو تو باطل ورنہ فاسد ہے، اس بطلان وفساد کا مدار کس اصول پر ہے؟؟؟ اگر علم سبب بطلان ہے تو نکاح بغیر شہود مع العلم باطل ہونا چاہیئے۔ الغرض نکاح فاسد و باطل کی تعریف کردیں۔ فقہاء نے جو تعریف بیان کی ہے اس پر سیر حاصل گفتگو فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح فاسد و باطل میں فرق کا مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا نتیجہ اس عقد کے زنا یا تخفیف کی صورت میں منتج ہوگا لہٰذا اس کی مفصل تنقیح ضروری ہے۔ جس میں اولاً ان دونوں کی تعریفوں کا معین کرنا ضروری ہے۔ اتنی بات مسلم اور بے غبار ہے کہ نکاح فاسد میں نکاح کے احکام آتے ہیں۔ مہر، عدت، اور ثبوت نسب ہوتا ہے۔ جبکہ نکاح باطل میں نکاح کا کوئی حکم نہیں آتا۔ یہ کالعدم اور زنا کے حکم میں ہوتا ہے لیکن نکاح فاسد اور باطل کی تعریف کیا ہو؟؟؟ کوئی ایسی جامع مانع تعریف جس پر کوئی اشکال نہ ہوتا ہو، اس کا سامنے آنا انتہائی ضروری ہے، ورنہ خلط اور ترددات کا وقوع لازماً ہوگا۔

نکاح فاسد و باطل کی پہلی تعریف

بعض حضرات نے نکاح فاسد کی تعریف یوں کی ہے:

Marfat.com

(۱)"کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه موجب للعدة أما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة إن علم أنها للغیر لأنه لم یقل أحد بجوازه فلم ینعقد أصلا قال فعلی هذا یفرق بین فاسده وباطله فی العدة ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنی کما فی القنیة وغیرها" (شامیة ۱۳۲/۳)

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جس میں کسی بھی فقیہ کا اختلاف نہ ہو وہ باطل اور جس میں کسی ایک کا بھی اختلاف ہو وہ فاسد ہے لہٰذا اسی اعتبار سے جو نکاح فاسد ہوگا اس میں مہر، عدت، نسب وغیرہ کے احکام آئیں گے اور جو باطل ہوگا اس میں یہ احکام نہیں آئیں گے۔ عموماً نکاح فاسد اور باطل کی یہ تعریف اور اس کے ذریعے فرق بیان کیا جاتا ہے۔

مذکورہ تعریف پر تحفظات

بندہ عرض کرتا ہے کہ اس تعریف پر بہت سے اشکالات وارد ہوتے ہیں یہ تعریف جامع، مانع نہیں ہے۔ سب سے پہلا اشکال تو یہ ہوتا ہے کہ "جمع بین الاختین" یعنی دو بہنوں کو عقد میں جمع کرنا نصاً حرام ہے۔ اس کے جواز کا کوئی قائل نہیں لیکن یہ بتصریح فقہاء فاسد ہے۔ اس پر احکامِ نکاح کا اجراء بھی اس کے فاسد ہونے کی دلیل ہے۔ چاہے دونوں بہنوں سے بیک وقت نکاح ہو تو دونوں فاسد اور اگر مختلف اوقات میں ہوں تو پہلا صحیح اور دوسرا فاسد ہوتا ہے لہٰذا یہ تعریف "جمع بین الاختین" پر کیوں صادق نہیں آرہی؟؟؟؟؟

عبارت یہ ہے:

قال الحصکفی: "(وإن تزوجهما معا) أی الأختین أو من بمعناهما (أو بعقدین ونسی) النکاح (الأول فرق) القاضی (بینه وبینهما) ویکون طلاقا (ولهما نصف المهر) یعنی فی مسألة النسیان إذ الحکم فی تزوجهما معا البطلان وعدم وجوب المهر إلا بالوطء کما فی عامة الکتب فتنبه۔"

وقال ابن عابدین تحتها: "أما فی مسألة تزوجهما معا فی عقد واحد فالباطل نکاح کل منهما یقینا فإذا کان التفریق قبل الدخول فلا مهر لهما ولا عدة علیهما وإن دخل بهما وجب لکل لأقل من المسمی ومن مهر المثل کما هو حکم النکاح الفاسد وعلیهما العدة بحر۔"

(الشامیة ۴۱/۳)

اسی طرح فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر بیوی کی بہن سے نکاح کرتا ہے تو اپنی بیوی سے اس وقت تک وطی نہیں کرسکتا جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے۔ یہ بھی اس پر صریح دال ہے کہ جمع بین الاختین نکاح فاسد ہے۔ اس پر نکاح کے تمام احکام مرتب ہو رہے

Marfat.com

ہیں لیکن مذکورہ تعریف اس پر صادق نہیں آرہی ہے۔

لما فی فتح القدیر(۲۱۴/۳)، باب المحرمات، صح النکاح الأول وبطل الثانی وله وطء الأولی إلا أن یطأ الثانیة فتحرم الأولی إلی انقضاء عدة الثانیة۔

اس تعریف پر ایک اور اشکال محارم عورتوں سے نکاح کا لازم آتا ہے محارم عورتوں سے نکاح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد ہے، اگرچہ علم بھی ہو کہ یہ عورت میری محرم ہے پھر بھی یہ نکاح فاسد ہے جبکہ کسی فقیہ کا اس کی حرمت میں اختلاف نہیں۔ کوئی اس کے جواز کا قائل نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں پر تردد ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"قلت ویشکل علیه أن نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد کما علمت مع أنه لم یقل أحد من المسلمین بجوازه وتقدم فی باب المهر أن الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب" (الشامیة ۵۱۶/۳)

درمختار میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا محارم سے متعلق مذہب ان الفاظ میں مذکور ہے:

"(و) لا حد أیضا (بشبهة العقد) أی عقد النکاح (عنده) أی الإمام (کوطء محرم نکحها) وقالا إن علم الحرمة حد وعلیه الفتوی خلاصة لکن المرجح فی جمیع الشروح قول الإمام فکان الفتوی علیه أولی قاله قاسم فی تصحیحه لکن فی القهستانی عن المضمرات علی قولهما الفتوی وحرر فی الفتح أنها من شبهة المحل وفیها یثبت النسب کما مر" (الدر المختار ۲۴/۴)

ان عبارات سے یہ مستفاد ہوا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محارم سے نکاح باوجود علم کے (کہ یہ محرم ہے) فاسد ہوتا ہے۔

"ونکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما، فتح" (شامیہ ۵۱۶/۳)

یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس تعریف پر مطمئن نظر نہیں آرہے ہیں۔ یہ دونوں جمع بین الاختین اور نکاح المحارم بنص قطعی حرام ہیں۔ کوئی فقیہ ان کے جواز کا قائل نہیں، لیکن پھر بھی ان پر نکاح فاسد کے احکام آرہے ہیں لہٰذا یہ تعریف مخدوش ہے۔ اسے نکاح فاسد اور باطل کی جامع تعریف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نکاح فاسد و باطل کی دوسری تعریف

نکاح فاسد اور باطل کی بعض اوقات ایک اور تعریف بیان کی جاتی ہے جس سے دونوں میں فرق کیا جائے اور وہ یہ ہے۔

"(ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد) وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود"

(الدر المختار ۱۳۱/۳)

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح فاسد وہ ہے جس میں شرائط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔ مثلاً گواہ نکاح کی صحت کی

Marfat.com

شرائط میں سے ہے بغیر گواہ کے نکاح فاسد ہوگا۔اس کے مقابلے میں باطل کیا ہوگا؟؟اسکی تصریح تو کتب میں نہیں ملتی،لیکن بظاہر باطل وہ ہوگا جس میں شرائط انعقاد یعنی رکن ہی نہ ہو۔مثلاً ایجاب وقبول نہ ہو۔جس بنیاد پر وہ نکاح باطل یعنی وجودہ کعدمہ قرار پائے۔

دوسری تعریف پر تحفظات

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ تعریف شدید تعارضات کا شکار ہے کیونکہ درمختار میں جہاں یہ تعریف ہے اس کے تحت رد المحتار میں ہے۔

"(قوله كشهود) ومثله تزوج الاختين معا ونكاح الاخت فی عدة الاخت ونكاح المعتدة" (الشامية ۱۳۱/۳)

اس عبارت میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شرائطِ نکاح کی دیگر مثالیں دی ہیں۔معتدہ سے نکاح میں بھی گویا ایک شرطِ صحت ''عدت میں نہ ہونا'' مفقود ہے،لہذا اسے فاسد ہونا چاہیئے جبکہ عدت کے علم کے ساتھ معتدہ سے نکاح باطل ہوتا ہے۔اگلے صفحے پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصریح فرمائی ہے:

"أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله فی العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما فی القنية وغيرها" (الشامية ۱۳۲/۳)

''غیر کی منکوحہ نہ ہونا'' بھی ایک شرط ہے جو کہ نکاح کی صحت کی شرائط میں سے ہے جبکہ غیر کی منکوحہ سے قصداً نکاح باطل ہے۔الغرض نکاح فاسد یا باطل کا مدار اگر شرائط صحت اور شرائط انعقاد کے مفقود ہونے پر رکھا گیا تو بات بن نہیں سکے گی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء بھی ان تعریفوں پر مطمئن نہیں کیونکہ شرائط انعقاد تو بظاہر صرف ایجاب وقبول ہی ہے۔باقی منکوحۃ الغیر نہ ہونا،معتدہ نہ ہونا،محرم نہ ہونا یہ سب تو شرائطِ صحت ہیں۔گویا ہر نکاح فاسد ہوجائیگا جبکہ ان نکاحوں کا باطل ہونا خود مصرّح ہے،بلکہ اس شرائط والی تعریف پر تفریع کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ محیط کا یہ جزئیہ بھی لے آئے ہیں:

" وفی المحيط تزوج ذمی مسلمة فرق بينهما لأنه وقع فاسدا فظاهره أنهما لا يحدان وأن النسب يثبت فيه والعدة إن دخل بحر" (الشامية ۱۳۱/۳)

بظاہر اگر اس تعریف کو لیا جائے تو ہونا بھی یہی چاہیئے کہ مرد کا مسلمان ہونا شرائطِ صحتِ نکاح میں سے ہے،لہٰذا ذمی اگر مسلمہ عورت سے شادی کرے تو وہ فاسد ہو جبکہ درحقیقت ایسا نہیں۔کافر کا مسلمہ سے نکاح باطل ہے۔اس میں نکاح کا کوئی حکم مرتب نہ ہوگا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اگلی سطور میں خود اس پر ردّ فرمایا ہے:

"قلت لكن سيذكر الشارح فی آخر فصل فی ثبوت النسب عن مجمع الفتاوى نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل وهذا صريح فيقدم

Marfat.com

على المفهوم فافهم "

(الشامیه ۱۳۲/۳)

یعنی یہ نکاح باطل ہے یہ تعارضات ان تعریفوں میں موجود سقم کی بنیاد پر لازم آرہے ہیں۔

بندہ ناچیز یہاں پر یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ یہ دو تعریفیں (ایک مالم یقل احد بجوازہ اور دوسری فقد شرط من شرائط الصحة) عموماً نکاح فاسد و باطل کی کی جاتی ہیں۔ پھر ان کے ذریعے فرق کی کوشش کی جاتی ہے، جو کہ مزید پیچیدگیوں کا سبب بنتا ہے۔ اتنی بات احقر پہلے بھی بیان کر چکا کہ یہ مسلم ہے کہ مہر، عدت اور ثبوت نسب بعد از دخول یہ احکام نکاح فاسد میں آتے ہیں باطل میں نہیں، لیکن کوئی ایسی جامع تعریف جس پر اشکال نہ ہو عموماً نہیں ملتی۔

بندہ یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ اس سلسلے میں فقہاء کی عبارات انتہائی مغلق ہیں۔ متفرق مقامات پر مختلف پیراؤں میں کی گئی نکاح فاسد اور باطل پر بحث الجھنوں سے خالی نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ تحقیق طلب رہے گا۔ کوئی حتمی بات اس سلسلے میں نہیں کی جاسکتی البتہ بعض فقہی نصوص اور علل کا استقراء کرنے سے بندہ پر ایک تعریف واضح ہوئی ہے اسے ذکر کیا جارہا ہے۔

نکاح فاسد و باطل کی جامع مانع تعریف

ایجاب وقبول نکاح کے رکن ہیں، نیز دوام بھی نکاح کا رکن ہے اگر یہ دو چیزیں (ایجاب وقبول اور دوام) نہ ہو تو نکاح باطل ہو گا۔ اس میں صحت اور فساد کی بحث ہی نہیں۔ ایجاب وقبول سے متعلق شامیہ میں ہے:

"قوله (وينعقد) قال فی شرح الوقاية العقد ربط أجزاء التصرف أی الإيجاب والقبول شرعا لكن هنا أريد بالعقد الحاصل بالمصدر وهو الارتباط لكن النكاح الإيجاب والقبول مع ذلك الارتباط إنما قلنا هذا لأن الشرع يعتبر الإيجاب والقبول أركان عقد النكاح لا أمورا خارجية كالشرائط "

(الشامية ۹/۳)

نیز متعہ اور نکاح مؤقت کا بطلان اسی بناء پر ہے کہ ان میں دوام نہیں پایا جاتا جو کہ نکاح کا رکن ہے۔

" قوله (وبطل نكاح متعة ومؤقت) قال فی الفتح قال شيخ الإسلام فی الفرق بينهما أن يذكر الوقت بلفظ النكاح والتزويج وفی المتعة أتمتع أو أستمتع يعنی ما اشتمل على مادة متعة ..... لو عقد بلفظ المتعة وأراد النكاح الصحيح المؤبد فإنه لا ينعقد وإن حضره الشهود لأنه لا يفيد ملك المتعة"

(الشامية ۵۱/۳)

لہذا ایجاب وقبول اگر موجود ہوں تو محلیت نکاح کو مدار بنا کر نکاح فاسد اور باطل کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ

(۱) نکاح باطل وہ ہے کہ جہاں عورت محل نکاح ہی نہ ہو یا ارکان نکاح ایجاب وقبول اور دوام میں خلل ہو۔

(۲) نکاح فاسد وہ ہے جہاں عورت محل نکاح تو ہو لیکن کسی عارض کی بناء پر فساد آرہا ہو۔

Marfat.com

(۳)ان دو کے تقابل میں نکاح صحیح کی تعریف بھی کی جاسکتی ہے کہ نکاح صحیح وہ ہے جہاں ارکانِ نکاح موجود ہوں اور عورت ل نکاح بھی ہو نیز کوئی عارض نہ ہو تو وہ نکاح صحیح ہے۔

کون سی عورتیں محل نکاح نہیں؟

یہاں یہ تعین کرنا بھی ضروری ہے کہ کون کون سی عورتیں محل نکاح نہیں۔

۱) محارم محل نکاح نہیں، ماں، بہن، بیٹی سے نکاح باطل اور کالعدم ہے اس میں نکاح کا کوئی حکم جاری نہ ہوگا۔

قال الحصكفي في الدر: "(كوطء محرم نكحها) وقالا ان علم الحرمة حد"

وفي الرد تحته: " ونفياها على معنى أنها ليست محلا لعقد هذا العاقد فلم يورث شبهة وتمامه في الفتح والنهر ... وحاصله أن عدم تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زنا محضا يلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد" (الشامية ۴/۴۴)

وفي الشامية أيضا: " والظاهر أن المراد بالباطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم أيضا كما يعلم مما سيأتي في الحدود" (الشامية ۳/۱۳۲)

وفي التاتارخانية (۱۶/۳۶۵): "تزوج امرأة ابيه بعد موت أبيه فولدت منه قال ابوبكر: ان أقر بذلك أربع مرات في مجالس فعليهما الحد والولد غير ثابت النسب ولا يرث منه وعليهما الاستغفار والتوبة."

گویا محرم محل نکاح نہیں لہٰذا محرم سے نکاح باطل اور زنا محض ہے۔

(۲) منکوحۃ الغیر نکاح کا محل نہیں غیر کے نکاح میں کوئی عورت ہو تو اس سے نکاح باطل اور زنا ہے۔

لما في الدر المختار (۳/۵۲۷): (وكذا لا عدة لو تزوج امرأة الغير) ووطئها (عالما بذلك) وفي نسخ المتن (ودخل بها) ولا بد منه وبه يفتى ولهذا يحد مع العلم بالحرمة لأنه زنا والمزني بها لا تحرم على زوجها.

وفي الشامية (۳/۵۱۶): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زنا كما في القنية وغيرها ... أما منكوحة الغير فهي غير محل إذا لا يمكن اجتماع ملكين في آن واحد على شيء واحد فالعقد لم يؤثر ملكا فاسدا.

ان حوالوں سے مستفاد ہوا کہ غیر کی منکوحہ محل نکاح نہیں لہٰذا یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ غیر کی منکوحہ ہے اس سے نکاح باطل اور زنا محض ہے۔

Marfat.com

(۳) معتدۃ الغیر بھی نکاح کا محل نہیں، غیر کی معتدہ سے جانتے ہوئے عدت میں نکاح باطل ہے۔

"أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا ... وعلى هذا فيقيد قول البحر هنا ونكاح المعتدة بما إذا لم يعلم بأنها معتدة"

(الشامية ۳/۱۳۲)

(۴) مطلقہ ثلاث نکاح کا محل نہیں یعنی مطلقہ ثلاث حلالہ سے قبل بعد از انقضائے عدت اس شخص کے لئے محل نکاح نہیں اگر نکاح کرتا ہے تو باطل ہوگا البتہ طلاق ثلاث کی عدت کے دوران من وجہ محلیت باقی ہے لہٰذا اس صورت میں نکاح فاسد ہوگا، عدت بھی آئی گی۔

گویا مطلقہ ثلاث سے حلالہ سے قبل ہمبستری کی چند صورتیں ہیں

[۱] ایک تو یہ کہ عدت گزر جائے اب وہ عورت محل نہیں رہی لہٰذا اس سے کیا گیا نکاح باطل اور کالعدم ہوگا۔

[۲] دوسری صورت یہ کہ عدت باقی ہو پھر نکاح کرتا ہے چاہے حرمت کا علم ہی کیوں نہ ہو یہ نکاح فاسد ہوگا۔ لبقاء المحلية من وجه۔

[۳] تیسری صورت یہ ہے کہ عدت میں ہی حلال سمجھتے ہوئے بغیر نکاح کے ہمبستری کرتا ہے تو اس میں بھی عدت وغیرہ کے احکام آئیں گے، اور وطی بالشبهة کہلائے گی کیونکہ یہ عورت پہلے اسکی موطوءۃ رہی ہے۔ اب بھی من وجہ اس کے نکاح میں ہے۔

[۴] چوتھی صورت یہ ہے کہ عدت میں بغیر نکاح کے حرمت کے جانتے ہوئے وطی کرتا ہے تو یہ زنا محض ہوگا کوئی حکم نہیں آئے گا۔ مطلقہ ثلاث چونکہ اپنی ہی مطلقہ ہے لہذا بعد از انقضاء عدت تو اس سے ہمبستری زنا اور باطل ہے البتہ عدت میں نکاح کے ساتھ چاہے حرمت کا علم ہی ہو یا بغیر نکاح کے حلت کے گمان سے وطی باعث عدت وغیرہ ہوگی، اور نکاح فاسد ہوگا۔ نیز عدت میں بغیر نکاح کے حرمت کو جانتے ہوئے وطی کرنا زنا محض ہوگا۔ حوالے درج ذیل ہیں:

لما فی الدر المختار (۳/۵۱۸): (وعدة المنكوحة نكاحا فاسدا) فلا عدة فی باطل وكذا موقوف قبل الإجازة اختيار، لكن الصواب ثبوت العدة والنسب بحر (والموطوءة بشبهة)۔

وفی الطحطاوی علی الدر تحته (۲/۲۲۲): ودخل تحت الشبهة ما لو وطی معتدته وادعی الشبهة بان تزوجها قبل زوج آخر وقال ظننت انها تحل لی او كان منكرا طلاقها ولذا تستقبل فی هذه الحالة بخلاف ما اذا كان عالما بحرمتها كما فی الفتح۔

وفی الدر المختار ایضا (۳/۵۱۸): (وإذا وطئت المعتدة بشبهة) ولو من المطلق (وجبت عدة أخرى) لتجدد السبب (وتداخلتا)۔

وفی الطحطاوی علی الدر تحته (۲/۲۲۲): (ولو من المطلق) اعلم ان المرأة اذا وجب عليها عدتان فاما ان تكونا من رجلين اور جل واحد فان كان الثانی كما اذا طلقها ثلاثا وقال ظننت انها تحل لی او

Marfat.com

طلقها بالفاظ الكناية فوطئها فى العدة فلا شك ان العدتين تداخلتا...(قوله تداخلتا)قال فى البحر: والوطء بشبهة يتحقق فى صور منها من زفت الى غير زوجها ومنها الموطوءة للزوج بعد الثلاث فى العدة بنكاح قبل زوج آخر او بعده فى العدة اذا قال ظننت انها تحل لى...الخ

وفى الشامية تحت عبارة الدر (٥١٨/٣):قوله (بشبهة) متعلق بقوله وطئت وذلك كالموطوءة للزوج فى العدة بعد الثلاث بنكاح وكذا بدونه إذا قال ظننت أنها تحل لى أو بعد ما أبانها بألفاظ الكناية وتمامه فى الفتح ومفاده أنه لو وطئها بعد الثلاث فى العدة بلا نكاح عالما بحرمتها لا تجب عدة أخرى لأنه زنا وفى البزازية طلقها ثلاثا ووطئها فى العدة مع العلم بالحرمة لا تستأنف العدة بثلاث حيض ويرجمان إذا علما بالحرمة ووجد شرائط الإحصان ولو كان منكرا طلاقها لا تنقضى العدة ولو ادعى الشبهة تستقبل.

وفى الهندية (٢٨٢/١):القسم التاسع المحرمات بالطلقات: لا يحل للرجل أن يتزوج حرة طلقها ثلاثا قبل إصابة الزوج الثانى،

وفى الدر المختار (٤٠٩/٣):(وينكح) مبانته بما دون الثلاث فى العدة وبعدها بالإجماع ومنع غيره فيها لاشتباه النسب (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها) أى بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول وما فى المشكلات باطل أو مؤول كما مر (حتى يطأها غيره).

وقال ابن عابدين تحتها: قوله (وما فى المشكلات) حيث قال من طلق امرأته قبل الدخول بها ثلاثا فله أن يتزوجها بلا تحليل وأما قوله تعالى {فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره} ففى المدخول بها قوله (باطل) أى إن حمل على ظاهره ولذا قال فى الفتح إنه زلة عظيمة مصادمة للنص والإجماع لا يحل لمسلم رآه أن ينقله فضلا عن أن يعتبره لأن فى نقله إشاعته وعند ذلك ينفتح باب الشيطان فى تخفيف الأمر فيه ولا يخفى أن مثله مما لا يسوغ الاجتهاد فيه لفوت شرطه من عدم مخالفة الكتاب والإجماع نعوذ بالله من الزيغ والضلال والأمر فيه من ضروريات الدين لا يبعد إكفار مخالفة اهـ

وفى الدر المختار (٢٨/٣) باب المحرمات:أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضاع، جمع، ملك، شرك، إدخال أمة على حرة، فهى سبعة: ذكرها المصنف بهذا الترتيب وبقى التطليق ثلاثا، وتعلق حق الغير بنكاح أو عدة ذكرهما فى الرجعة.

وقال ابن عابدين تحتها: شروع فى بيان شرط النكاح أيضا، فإن منه كون المرأة محللة لتدبير محلا له

Marfat.com

وأفرد بفصل علی حدة لکثرة شعبه بحر۔

یہ تو مطلقہ ثلاث سے نکاح کے باطل ہونے کی بحث تھی جس میں مدار محلیت نکاح بعد از انقضاء عدت اور قبل از انقضاء، تھا۔ البتہ یہاں ایک بات یہ ملحوظ رہے کہ نسب کا ثبوت مطلقہ ثلاثہ سے ہمبستری میں بہر صورت ہوگا یعنی مطلقہ ثلاث سے بعد از انقضاء عدت، نکاح، اگرچہ باطل ہے لیکن نسب کا ثبوت ہوگا۔ یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ مطلقہ ثلاث سے ہمبستری اگرچہ شبہ فی الفعل تو ہوسکتی ہے شبہ فی المحل نہیں، کیونکہ محل (مطلقہ ثلاث عورت) کی حرمت فی البدیہ ہے اور شبہہ فی الفعل میں عموماً نسب کا ثبوت نہیں ہوتا البتہ فقہاء نے مطلقہ ثلاث کو شبہ فی الفعل کے اصول سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور احتیاطاً یہاں شبہہ فی الفعل کے باوجود نسب واطی سے ثابت قرار دیا ہے۔ گویا بعد از انقضاء عدت مطلقہ ثلاث سے بدون حلالے کے نکاح اگرچہ باطل ہو لیکن نسب کا اثبات کیا گیا ہے۔

شامیہ میں ہے:

قال الحصکفی فی الدر: "الواطئ (إن ادعی النسب یثبت فی الأولی) شبهة المحل (لا فی الثانیة) أی شبهة الفعل لتمحضه زنا (إلا فی المطلقة ثلاثا)"

وقال ابن عابدین تحتها: "قوله (لتمحضه زنا) لأنه لا شبهة ملك فیه بل سقط الحد لظنه فضلا من الله تعالی وهو راجع إلیه أی إلی الواطیء لا إلی المحل فکأن المحل لیس فیه شبهة حل فلا یثبت النسب بهذا الوطء ولذا لا تثبت به عدة لأنه لا عدة من الزنا فتح ..... کلامه فیما إذا ادعی النسب وفیه یثبت مطلقا کما علمت وهو الذی حرره فی الفتح وتبعه فی البحر"

(الشامیة ۴/۲۳، باب الوطء الذی یوجب الحد)

گویا کہ مطلقہ ثلاث سے نکاح بعد از انقضاء عدت اگرچہ باطل ہو لیکن شبہہ کی بنیاد پر فقط نسب کا اثبات کیا جائے گا، لیکن نسب کے اثبات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ نکاح کا محل ہے یا یہ کوئی ممدوح فعل ہے بلکہ حرام شدید اور فعل شنیع از حد شناعت اور نص قرآنی سے عدول واعراض ہے جو کہ دنیا وآخرت میں تباہی وبربادی کا سبب ہے۔

[۵] اس کے علاوہ کافر یا کافرہ بھی مسلمان کے لئے نکاح کا محل نہیں ہے، ان سے نکاح باطل ہوگا کوئی حکم نہیں آئے گا۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہاں تک نکاح باطل کی جو تعریف بندے نے کی ہے کہ نکاح باطل وہ ہے "جہاں عورت محل نکاح نہ ہو" اس میں ان عورتوں کا ذکر ہوگیا جو نکاح کی محل نہیں اولاً محارم ثانیاً منکوحۃ الغیر ثالثاً معتدۃ الغیر رابعاً مطلقہ ثلاث بدون الحلالۃ بعد از انقضاء عدت خامساً کافرہ عورت، یہ پانچ عورتیں ذکر ہوئیں اس کے علاوہ جس عورت سے ایجاب وقبول درست نہ ہوا ہو وہ بھی نکاح کے لئے حلال نہیں ہوتی مثلاً متعہ یا نکاح مؤقت یا ایک فریق ایجاب وقبول ہی نہ کرے تو ایسے نکاح بھی باطل ہوں گے ان میں نسب آئیگا نہ مہر وعدت وغیرہ..... کیونکہ ان میں دوام نہیں اور نکاح کو بطلان سے بچانے کے لئے محلیت کے ساتھ ایک قید دوام کی بھی ہے۔ کوئی بھی ایسا لفظ جو نکاح کے دوام کے منافی ہو وہ اسے باطل کردے گا۔

Marfat.com

نکاح محارم باطل ہے یا فاسد؟

یہاں بندہ ایک وضاحت یہ بھی کر دینا مناسب سمجھتا ہے کہ محارم سے نکاح صاحبین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق باطل ہے امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک محارم سے نکاح فاسد ہے اور بتصریح فقہاء اختلاف کا مدار محلیت نکاح ہونے نہ ہونے پر ہے امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک حرمت کا علم ہوتے ہوئے بھی یہ نکاح کے محل ہونے سے نہیں نکلتیں لہذا حد نہیں لگے گی کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حد لگے گی۔ صاحبین رحمہما اللہ کا قول مفتی بہ اور معتمد علیہ ہے۔

شامیہ میں ہے:

"ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما فتح" (شامية ۵۱۶/۳)

وقال الحصكفي في الدر المختار: "(و) لا حد أيضا (بشبهة العقد) أي عقد النكاح (عنده) أي الإمام (كوطء محرم نكحها) وقالا إن علم الحرمة حد وعليه الفتوى خلاصة لكن المرجح في جميع الشروح قول الإمام فكان الفتوى عليه أولى قاله قاسم في تصحيحه لكن في القهستاني عن المضمرات على قولهما الفتوى وحرر في الفتح أنها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب كما مر"

وقال ابن عابدين تحتها: "قوله (وقالا الخ) مدار الخلاف على ثبوت محلية النكاح للمحارم وعدمه فعنده هي ثابتة على معنى أنها محل لنفس العقد لا بالنظر إلى خصوص عاقد لقبولها مقاصده من التوالد فأورث شبهة ونفياها على معنى أنها ليست محلا لعقد هذا العاقد فلم يورث شبهة وتمامه في الفتح والنهر قوله (إن علم الحرمة حد) أما إن ظن الحل فلا يحد بالإجماع ويعزر كما في الظهيرية وغيرها..... ألا ترى أن أبا حنيفة ألزم عقوبته بأشد ما يكون وإنما لم يثبت عقوبة هي الحد فعرف أنه زنا محض إلا أن فيه شبهة فلا يثبت نسبه ملخصا وحاصله أن عدم تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زنا محضا يلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد" (الشامية ۲۴/۴)

عدمِ علم بالحرمۃ بھی عارض ہے

بندہ عرض کرتا ہے کہ محارم سے متعلق اسی اختلاف اور متعدد مقامات پر محلیت کے ذکر سے بندے نے نکاح فاسد اور باطل کی یہ جامع مانع تعریف کرنے کی سعی اور کاوش کی ہے۔ بندہ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہے کہ عوارض فساد کا ذکر آگے آرہا ہے [جن کی بناء پر نکاح فاسد قرار پاتا ہے]، لیکن عدم علم بالحرمۃ بھی ایک عارض ہے۔ یعنی اگر محلیت کا نہ ہونا معلوم نہ ہو تو یہ بھی عارض ہے لہٰذا ہر وہ

Marfat.com

نکاحِ باطل جہاں محلیت نہ ہو، اگر ناکح کو اس کا علم نہ ہوتو نکاح فاسد ہوگا، کیونکہ علم کا نہ ہونا بھی ایک عارض ہے۔ احکام نکاح مہر، نسب، عدت وغیرہ یہاں آئیں گے۔ نکاح فاسد میں احکام نکاح بعد از وطی آتے ہیں۔ گویا کہ محارم، منکوحۃ الغیر، معتدۃ الغیر، مطلقۃ ثلاث اور ہر وہ عورت جو محل نکاح نہیں اس سے نکاح تب باطل ہوگا جب ناکح کو اس کا محرم، منکوحۃ، معتدۃ، مطلقہ ہونا اور اس سے نکاح کی حرمت معلوم ہو اور اگر معلوم نہ ہو مثلاً یہ معلوم نہیں کہ یہ بیٹی ہے (کسی حادثہ میں علیحدگی کی بناء پر) یا منکوحۃ الغیر ہے یا کسی کی عدت میں ہے یا میں نے جو تین طلاقیں دی تھیں شاید وہ واقع نہ ہوں یا شاید یہ عورت میرے لئے حلال ہے، الغرض ایسی صورت ہو تو پھر عدم محلیت میں بھی عارض کی بنیاد پر فساد آئے گا۔ گویا کہ محل میں عارض سے جیسے فساد آتا ہے، ویسے عدم محل (نکاح باطل) میں بھی عارض (عدم علم) کی بنیاد پر بطلان، فساد میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ ان سب کے صریح حوالجات احقر آگے ذکر کریگا۔

عوارض کا بیان

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو ذکر کردی گئیں اب ہم وہ عارض ذکر کریں گے جن کی بنیاد پر نکاح فاسد ہوتا ہے۔

(۱) گواہ نہ ہونا یہ ایک عارض ہے جس کی بنیاد پر نکاح فاسد ہوجاتا ہے۔

"وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود" (الشامیه ۱۲۱/۳)

(۲) جمع بین الاختین یعنی بیوی کی موجودگی میں دوسری بہن سے شادی کرنا فاسد ہے۔ یہاں وہ دوسری بہن محل نکاح تو ہے، لیکن بیوی کی موجودگی ایک عارض ہے۔ جس کی بناء پر یہ نکاح فاسد ہوگا اور اگر دونوں سے بیک وقت نکاح کرتا ہے تو دونوں نکاح فاسد ہوں گے کیونکہ دونوں کے لئے عارض موجود ہے۔ الغرض جمع بین الاختین کی صورت میں دوسری بہن محل نکاح ہے لیکن اس کی بہن عارض ہے لہٰذا اس سے نکاح فاسد ہوگا۔ یہاں محل کا عدم نہیں۔ نیز منکوحۃ الغیر اور معتدۃ الغیر کی طرح تعلقِ حقِ غیر کی بناء پر بھی عدم محلیت نہیں، بلکہ بیوی کی بہن محل بہر حال ہے، لیکن لوجود العارض اس میں فساد آئے گا۔ اسی بناء پر فقہاء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے اگر نکاح کرلیتا ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا اور بعد از متارکت اس بہن پر تین حیض عدت ہوگی اور تین حیض کے درمیان یہ شخص اپنی بیوی سے ہمبستری بھی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کی بیوی کی بہن اس کی عدت میں ہے۔ لہٰذا جب تک سالی کی عدت ختم نہ ہوجائے بیوی سے دور رہنا ضروری ہے۔ یہ بھی جمع بین الاختین کے فاسد ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر یہ نکاح باطل ہوتا (اور نکاح باطل زنا ہی ہے) تو سالی سے زنا خالص کیطرح یہاں بھی بیوی سے دور رہنا ضروری نہیں ہونا چاہیئے اور نہ سالی پر عدت آنی چاہیئے، جبکہ ایسا نہیں لہٰذا سالی سے نکاح کو نکاح فاسد قرار دیا جائے گا۔

لما فی الشامیة :(۴۱/۳): أما فی مسألة تزوجهما معا فی عقد واحد فالباطل نکاح کل منهما یقینا فإذا کان التفریق قبل الدخول فلا مهر لهما ولا عدة علیهما وإن دخل بهما وجب لکل الأقل من المسمی ومن مهر المثل کما هو حکم النکاح الفاسد وعلیهما العدة...

Marfat.com

وفيه ايضاً (۴۱/۳):قال فی الفتح فإن وقع التفريق قبل الدخول فله أن يتزوج أيتهما شاء للحال وإن بعده فليس له التزوج بواحدة منهما حتى تنقضی عدتهما وإن انقضت عدة إحداهما دون الأخرى فله تزوج التی لم تنقض عدتها دون الأخرى کی لا يصير جامعا وإن وقع بعد الدخول بإحداهما فله أن يتزوجها فی الحال دون الأخرى فإن عدتها تمنع من تزوج أختها۔

وفيه ايضا (۱۳۳/۳):ولو کانت هذه المرأة الموطوءة أخت امرأته حرمت عليه امرأته إلى انقضاء عدتها۔

وفی فتح القدير (۲۱۴/۳)،باب المحرمات :إذ لو کانا فی عقدة واحدة بطلا يقينا وبعدم علم الأولية إذ لو علم صح النکاح الأول وبطل الثانی وله وطء الأولى إلا أن يطأ الثانية فتحرم الأولى إلى انقضاء عدة الثانية کما لو وطئ أخت امرأته بشبهة حيث تحرم امرأته ما لم تنقض عدة ذات الشبهة وفی الدراية عن الکامل لو زنى بإحدى الأختين لا يقرب الأخرى حتى تحيض الأخرى حيضة وهذا مشکل والله سبحانه أعلم۔

لکن يقول العبد الضعيف:

لو کان الإشکال للمحقق ابن الهمام رحمه الله تعالى فی صورة الزنا على التربص لحيضة وفی صورة النکاح على التربص لعدة کاملة فلا إشکال لأن النکاح الفاسد حکمه عدة کاملة بعد الوطء۔ والزنا لا حرمة لماءه فما فی الدراية مبنی على الاستحباب وفق قول محمد وأما على قول الشيخين فلا تربص عندهما على أخت الزوجة فی الزنا معها فثبت الفرق بين نکاح أخت الزوجة والزنا معها أيضا فلا يرد الإشکال بالفرق بحيضة أو عدة وهو دليل وبرهان على أن النکاح الثانی فاسد لا باطل۔

الغرض جمع بین الاختین نکاحِ فاسد ہے۔سالی نکاح کا محل ہے۔ یہ نکاح باطل نہیں۔ ہماری تعریف ہی اس تشریح سے کفایت کرتی تھی لیکن اتنی وضاحت کی ضرورت اس لئے پڑی کیونکہ بعض عبارات میں سالی سے نکاح میں بیک وقت اور متفرقا نکاح میں فرق کا اظہار کرتے ہوئے اسے باطل قرار دیا گیا ہے۔فرق یہ ہے کہ بیک وقت تو دونوں کے نکاح ہی فاسد ہیں اور متفرق میں ظاہر ہے پہلی کا نکاح صحیح ہے۔وہ بیوی بن جائیگی،اس وقت عارض نہیں،دوسری کا صحیح نہیں،اس متفرق میں نکاح ثانی کا بطلان بتانے کے لئے باطل کا لفظ استعمال کر دیا جاتا ہے،لیکن وہ فاسد کے معنی میں ہوتا ہے۔تمام احکام عدت،مہر وغیرہ اس پر آتے ہیں تو اسے باطل قرار دینا ویسے بھی درست نہیں۔

(۳)اپنی مطلقہ بیوی کی عدت میں بیوی کی بہن سے نکاح کرنا،یہ بھی نکاح فاسد ہے۔بیوی کا عدت میں ہونا اس کی بہن سے

Marfat.com

نکاح کے فساد کا ایک عارض ہے۔

لما فی الشامیة(۱۳۱/۳) قوله كشهود ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت۔

وفيه ايضا:(۵۱۶/۳) ومثل له في البحر هناك بالتزوج بلا شهود وتزوج الأختين معا أو الأخت في عدة الأخت۔

(۴)ایک اور عارض بچے کا بغیر اذن ولی یا بالغہ لڑکی کا غیر کفو میں از خود نکاح کرنا ہے گویا ان دونوں نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے، بچہ نکاح کرے یا بالغہ لڑکی از خود غیر کفو میں نکاح کرے دونوں کے لئے ولی کی رضامندی ضروری ہے اور رضا کا نہ ہونا عارض ہے اگر نہ ہوئی تو بالغہ کا نکاح فاسد اور بچے کا ولی کی اجازت پر موقوف اور اجازت نہ ہونے کی صورت میں فاسد ہوگا۔

لما فی الشامیة (۷۲/۳):قوله (وفقد الكفء) أي إذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد ط وتقدم أنها المفتى بها۔

وفی الدر المختار (۵۶/۳):(ويفتى) فی غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولی بعد معرفته إياه، فليحفظ۔

وفی الهندية (۲۶۷/۱):فإن نكاح الصبی العاقل يتوقف نفاذه على إجازة وليه هكذا فی البدائع ۔ ومنها المحل القابل وهی المرأة التی أحلها الشرع بالنكاح كذا فی النهاية۔

(۵) کسی شخص کی چار بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کو طلاق دے دے، پھر اس کی عدت کے دوران ہی وہ ایک اور عورت سے نکاح کر لے تو یہ نکاح بھی فاسد ہے۔ چوتھی بیوی کا عدت میں ہونا یہ ایک عارض ہے جس کی بناء پر وہ اگلا نکاح نہیں کر سکتا۔

لما فی الشامیة(۵۱۶/۳) والخامسة في عدة الرابعة۔

(۶) آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا یہ بھی نکاح فاسد ہے۔ آزاد عورت کا نکاح میں ہونا ایک عارض ہے جس کی بناء پر باندی سے کیا نکاح فاسد ہوگا، اگرچہ باندی نکاح کا محل ہے۔

لما فی الشامیة(۱۳۱/۳): قوله كشهود ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة والأمة على الحرة۔

(۷) میاں یا بیوی میں سے کوئی ایک غلام ہو اور دوسرا اسے خرید لے تو پہلے سے موجود نکاح فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ میاں یا بیوی کا ایک دوسرے کا مالک بن جانا ایک ایسا عارض ہے جو نکاح کو فاسد کر دیتا ہے۔

لما فی الهندية(۳۳۰/۱):الحر إذا اشترى امرأته يفسد النكاح۔

(۸) ایک عارض ''عدم علم'' ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہوا کہ عدم محلیت کا علم نہ ہونا بھی اس نکاح کو باطل کے بجائے شبہہ کی بنیاد پر فاسد کر دے گا لہٰذا محارم سے نکاح ہو اور یہ علم نہ ہو کہ ''یہ محرم ہے'' اور اس سے نکاح حرام ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا۔ اس میں

Marfat.com

عدت،نسب وغیرہ احکام آئیں گے۔

قال الحصكفي في الدر المختار: تزوج بمحرمة أو منكوحة الغير أو معتدته ووطئها ظانا الحل لا يحد ويعزر۔

وقال ابن عابدين تحت عبارة الدر : قوله (ويعزر) أي إجماعا كما في الذخيرة لكنه مخالف لما في الهداية من قوله ولكن يوجع عقوبة إذا كان علم بذلك فقيد العقوبة بما إذا علم ومثله ما مر عن كافي الحاكم ۔ وفي الفتح لم يجب عليه الحد عند أبي حنيفة وسفيان الثوري وزفر وإن قال علمت أنها على حرام ولكن يجب الحد ويعاقب عقوبة هي أشد ما يكون من التعزير سياسة لا حدا مقدرا شرعا إذا كان عالما بذلك وإن لم يكن عالما لا حد ولا عقوبة تعزير۔

وقد يجاب بأن قوله ولا عقوبة تعزير المراد به نفي أشد ما يكون فلا ينافي أن يعزر بما يليق بحاله حيث جهل أمرا لا يخفى عادة تأمل۔ (الشامیة ۴/۲۴)

وفيه ايضا(۳/۵۱۶)مطلب عدة المنكوحة نكاحا فاسدا :ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما فتح۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ محارم سے نکاح باطل اس وقت ہے جب حرمت کا علم ہو اور اگر علم نہ ہو تو اس میں نکاح فاسد کے احکام آئیں گے۔اسی طرح منکوحۃ الغیر اگرچہ نکاح کا محل نہیں لیکن اگر یہ علم نہ ہو کہ یہ حرام ہے اور منکوحۃ الغیر ہے تو پھر نکاح باطل نہیں فاسد ہوگا۔

قال الحصكفي في الدر : (وكذا لا عدة لو تزوج امرأة الغير) ووطئها (عالما بذلك) وفي نسخ المتن (ودخل بها) ولا بد منه وبه يفتى، ولهذا يحد مع العلم بالحرمة لأنه زنا، والمزني بها لا تحرم على زوجها۔ وفي شرح الوهبانية : لو زنت المرأة لا يقربها زوجها حتى تحيض لاحتمال علوقها من الزنا فلا يسقي ماؤه زرع غيره، فليحفظ لغرابته (بخلاف ما إذا لم يعلم) حيث تحرم على الأول إلا أن تنقضي العدة۔

قال ابن عابدين تحتها : قوله (ولهذا) أي لكونه لا عدة عليها وقوله لأنه زنا علة للعلة فتكون علة للمعلول أيضا بواسطة ولو قدم العلة الثانية على الأولى لكان أولى۔ (شامیہ ۳/۵۲۷)

وقال الحصكفي ايضا في الدر في مقام آخر (باب العدة): (والموطوءة بشبهة) ومنه تزوج امرأة الغير غير عالم بحالها كما سيجيء۔

منکوحۃ الغیر کی طرح ،مطلقہ ثلاث سے بعد از انقضاء عدت، بدوں حلالہ کرائے اور معتدۃ الغیر سے اگر لاعلمی میں نکاح ہو

Marfat.com

جائے تو پھر یہ ایک عارض ہے جس کی بناء پر یہ نکاح فاسد ہوگا اور ان میں بعد از وطی احکام آئیں گے۔

قال ابن عابدین رحمه الله: أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا ، فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله فى العدة، ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زنا كما فى القنية وغيرها۔

(شامية ۵۱۶/۳، وكذا ايضا ۱۳۲/۳)

قال الحصكفي: تزوج بمحرمة أو منكوحة الغير أو معتدته ووطئها ظانا الحل لا يحد ويعزر۔

وقال الحصكفى ايضا :(وإذا وطئت المعتدة بشبهة) .ولو من المطلق (وجبت عدة أخرى) لتجدد السبب الخ۔

وقال ابن عابدين رحمه الله تحته: وفى البزازية طلقها ثلاثا ووطئها فى العدة مع العلم بالحرمة لا تستأنف العدة بثلاث حيض ويرجمان إذا علما بالحرمة ووجد شرائط الإحصان ولو كان منكرا طلاقها لا تنقضى العدة ولو ادعى الشبهة تستقبل۔ (الشامية ۵۱۸/۳)

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ وہ چند عوارض ہیں جن کی بناء پر نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

نکاح صحیح، فاسد اور باطل کی جامع مانع تعریفات

نکاح صحیح، باطل اور فاسد کی ان تفصیلات کی روشنی میں یہ تعریفات کی جاسکتی ہیں۔

(۱) نکاح باطل:

نکاح باطل کی تعریف یہ ہوگی کہ ”جہاں غیر محل نکاح میں قصداً عقد کیا جائے یا وہ نکاح علی الدوام نہ ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔“ اس میں بہر صورت مہر، عدت، نسب وغیرہ کا کوئی حکم نہیں آئے گا، یہ زنا ہے۔ یعنی نکاح باطل وہ ہے جس میں عورت محل نکاح نہ ہو اور باوجود علم کے اس سے نکاح کیا جائے مثلاً محارم، منکوحۃ الغیر، معتدۃ الغیر یا مطلقہ ثلاث وغیرہ سے جان کر نکاح باطل اور زنا ہے۔ اس میں نسب، عدت، مہر وغیرہ کے احکام نہیں آئیں گے البتہ مطلقہ ثلاث سے اگر قبل از حلالہ (چاہے نکاح کرے یا نہیں) وطی کرتا ہے تو بچے کا نسب شبہ کی بنیاد پر ثابت ہوگا، یہ ایک عورت نسب کی صورت میں مستثنیٰ ہے البتہ عدت اس پر بھی نہیں آئے گی نیز ارکانِ نکاح یعنی ایجاب وقبول اور دوام کا پایا جانا بھی ضروری ہے، لہذا نکاح مؤقت اور متعہ باطل ہیں۔

(۲) نکاح فاسد:

نکاح فاسد کی تعریف یہ ہوگی کہ ”جہاں ایجاب وقبول اور دوام موجود ہو نیز محل نکاح میں عقد کیا جائے لیکن کوئی عارض پایا

Marfat.com

جائے یا غیر محل نکاح میں حرمت کے علم کے بغیر [یعنی حلال سمجھتے ہوئے] عقد کیا جائے تو یہ نکاح فاسد ہے۔"

یعنی نکاح فاسد وہ نکاح ہے جس میں عورت محل نکاح تو ہو مگر کوئی عارض نکاح کو فاسد کر دے مثلاً گواہ نہ ہوں یا جمع بین الاختین (دو بہنوں کا جمع) لازم آرہا ہو یا بچے اور بالغہ لڑکی کو ولی کی اجازت حاصل نہ ہو، وغیرہ، کوئی بھی عارض ہو تو نکاح فاسد ہوگا۔ اسی طرح نکاح فاسد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت نکاح کا محل نہ ہو، لیکن لاعلمی میں اس سے نکاح ہو جائے تو یہ نکاح بھی باطل نہیں، بلکہ فاسد ہوگا۔ گویا عدم محلیت سے لاعلمی بھی ایک عارض ہے، جس سے نکاح فاسد ہو جائیگا۔ نکاح فاسد میں بعد از دخول نسب، مہر، عدت وغیرہ لازم آئیں گے لہٰذا نکاح باطل اور فاسد کو ایک ہی قرار دینا درست نہیں باطل کا وجود کالعدم ہوتا ہے۔

(۳) نکاح صحیح:

نکاح صحیح وہ نکاح ہوگا "جس میں عورت محل نکاح ہو اور کوئی عارض بھی نہ پایا جائے، نیز ارکانِ نکاح ایجاب، وقبول اور دوام میں کوئی خلل نہ ہو۔"

پھر اس نکاح اور شادی میں جتنا سنتوں کا لحاظ اور منکرات سے اجتناب ہوگا اتنا نکھار آئیگا، برکت بڑھتی جائیگی۔ اگر مکمل سنت کے مطابق ہو تو نور علی نور ہوگا۔

الغرض اصل مدار محلیت پر ہے۔ محل نہیں یا دوام نہیں اور بالقصد نکاح ہو تو باطل۔ محل ہو عارض ہو یا محل نہ ہو لیکن عارض (عدم علم) ہو تو نکاح فاسد ہوگا اور محل ہو اور عارض نہ ہو تو نکاح صحیح ہوگا۔

سائل کے سوالوں کے جوابات

اس تفصیل کی روشنی میں آپ کے سوالوں کے بالترتیب جواب یہ ہیں۔

(۱) محارم سے نکاح میں عدت اور نسب کا حکم یہ ہے کہ اگر بالقصد نکاح ہو تو وہ باطل اور کالعدم ہے نہ نسب ہوگا اور نہ عدت وغیرہ البتہ اگر لاعلمی میں ہو جائے تو اس پر نکاح فاسد کے احکام کا اجراء ہوگا اور بعد از وطی مہر، عدت، نسب کے احکام آئیں گے۔

(۲) جمع بین الاختین نصًا حرام ہے۔ اسی طرح ہر وہ دو عورتیں جن میں سے ایک کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو تو ان دونوں کو جمع کرنا بھی جائز نہیں مثلاً پھوپھی، بھتیجی یا خالہ بھانجی وغیرہ، لیکن یہ جمع نکاح فاسد کے حکم میں ہوگا کیونکہ ایک کا پہلے سے نکاح میں ہونا ایک عارض ہے البتہ دوسری لڑکی محل ضرور ہے لہٰذا یہ نکاح فاسد ہوگا۔ اگر دونوں سے بیک وقت نکاح ہو تو دونوں فاسد ہوں گے لہٰذا مہر، عدت، نسب وغیرہ کے احکام بعد از وطی آئیں گے۔ جمع بین الاختین نکاح باطل کسی صورت میں نہیں۔

(۳) حلالہ سے قبل مطلقہ ثلاثہ سے نکاح باطل ہے اگر جان کر حرام سمجھتے ہوئے کیا جائے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ مطلقہ ثلاث کی عدت گزر جائے۔ اگر عدت میں نکاح کرتا ہے تو من وجہ محلیت نکاح باقی ہونے کی وجہ سے نکاح فاسد ہوگا اور احکام آئیں

Marfat.com

گے، لیکن بعد از عدت وہ محل نکاح نہیں پھر بالقصد نکاح کیا جائے تو باطل اور وطی زنا ہوگی۔ ہاں اگر لاعلمی میں، حلال گمان کرتے ہوئے نکاح کر لیتا ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا۔

(۴) عدت، مہر اور نسب ثابت ہونے کا اصول ہے اور وہ یہ کہ جہاں نکاح فاسد ہو وہاں بعد از دخول یہ چیزیں لازم ہوتی ہیں۔ نکاح صحیح میں تو فقط نکاح سے ہی ان کا لزوم ہو جاتا ہے البتہ جہاں نکاح باطل قرار پائے یا خالص زنا ہو تو ان میں عدت، نسب وغیرہ میں سے کوئی حکم نہیں آتا۔

(۵) معتدۃ سے نکاح اگر باوجود علم کے ہو تو باطل ورنہ فاسد ہوتا ہے۔ یہ بات درست ہے کیونکہ معتدہ نکاح کا محل نہیں۔ وہ ''غیر'' سے متعلق ہے۔ بلکہ معتدۃ کو تو نکاح کا پیغام بھیجنا بھی بنص قرآنی منع ہے۔ لہٰذا مع العلم (کہ یہ معتدہ ہے) اس سے نکاح باطل ہے۔ اس میں نسب، عدت وغیرہ میں سے کوئی حکم نہیں آئے گا۔ البتہ لاعلمی ایک عارض ہے اگر لاعلمی کی بناء پر معتدۃ سے نکاح ہو جائے تو یہ نکاح فاسد ہوگا اور اس میں نکاح کے احکام بعد از دخول آئیں گے۔

بندہ آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ مسئلہ ہذا میں یہ کوئی حتمی رائے نہیں دیگر مفتیان کرام بھی اس پر تحقیق کر سکتے ہیں۔ بعض حضرات اکابرین کے فتاوی میں یہ مسئلہ زیر بحث لایا گیا ہے۔ نیز مستقبل میں بھی یہ مسئلہ تحقیق طلب رہے گا کیونکہ فقہاء کی عبارات اس سلسلے میں بہت مختلف الجہات ہیں۔ تمام کا احاطہ تو بظاہر ممکن ہی نہیں البتہ از حد جمع اور اخذ نتیجہ کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک سعی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی لہٰذا پڑھنے والوں سے بندہ یہ درخواست کرتا ہے کہ بیان کی گئی تعریف سے متعلق مدد یا مخالف امور سے مطلع فرمائیں، تاکہ اس تحقیق پر مزید آراستگی کی جا سکے۔ اتنا تو مسلّم ہے کہ نکاح فاسد میں بعد از دخول احکام آتے ہیں اور باطل میں کوئی حکم نہیں آتا۔ البتہ دونوں کی کوئی جامع تعریف اور معیار مقرر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۳) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی البحر الرائق (۲۱۸/۴): وفي المبسوط الحيضة الأولى لتعرف براءة الرحم والثانية لحرمة النكاح والثالثة لفضيلة الحرية ۔۔۔(ص۲۲۹): ولا تجب على الحامل من الزنا لأن الزنا لا يوجب العدة إلا أنه إذا تزوج امرأة وهي حامل من الزنا جاز النكاح ۔۔۔(ص۲۳۵): قوله (والمنكوحة نكاحا فاسدا والموطوءة بشبهة وأم الولد الحيض للموت وغيره) أي عدة هؤلاء ثلاث حيض في

Marfat.com

الحرة التي تحيض وحيضتان في الأمة ووضع الحمل إن كانت حاملا والأشهر إن كانت آيسة وتركه لظهوره وفهمه مما قدمه ولو صرح به لكان أولى۔ وإنما كان كذلك لأنها وجبت لتعرف براءة الرحم لا لقضاء حق النكاح إذ لا نكاح صحيح والحيض هو المعرف وإنما لم يكتف بحيضة كالاستبراء لأن الفاسد ملحق بالصحيح ۔۔۔ ودخل تحت النكاح الفاسد النكاح بغير شهود ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل عند الإمام خلافا لهما وقد مرت المسألة في كتاب النكاح ۔۔۔ وقيد الوطء بشبهة لأنه لو تزوج امرأة الغير عالما بذلك ودخل بها لا تجب العدة عليها حتى لا يحرم على الزوج وطؤها وبه يفتى لأنه زنا والمزني بها لا تحرم على زوجها وفي شرح المنظومة إذا زنت المرأة لا يقربها زوجها حتى تحيض لاحتمال علوقها من الزنا فلا يسقي ماءه زرع غيره اه و يجب حفظه لغرابته بخلاف ما إذا لم يعلم كما في الذخيرة والخانية ۔۔۔(ص٢٤٢) كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه يوجب العدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونه زنا كما فى القنية وغيرها۔

وفى منحة الخا لق على البحر الرا ئق (٣/٢٩٨ـ٣/٢٩٩):(قو ل المصنف :يثبت النسب والعدة)قال الرملى سيأتى فى الحدود فى شرح قوله ''وبمحرم نكحها'' ماهو صريح فى ان نكاح المحارم لا يثبت النسب ولا العدة وهو من النكاح الفا سد فيكون هذا مستثنى لكن قدم فى المقولة السابقة أن المرا دمن الفا سد النكاح الذى لم تجتمع شرا ئطه كتزو ج الأختين معا الى آخر ما ذكره فلعل هذا من النكاح البا طل فلم يد خل فى كلا مه وقد رأينا كثيرا فى كلا مهم ما يو جب الفرق بين الفا سد والبا طل ففى البزا زيةنكا ح المحا رم فا سد ام با طل قيل با طل وسقو ط الحد بشبهة الاشتباه وقيل فا سد وسقو ط الحد بشبهة العقد الخ ـ وفى فتح القديرقبل التكلم على نكاح المتعة ما صورته :قوله ''فا لنكاح با طل'' ذكر الفا سد فيما تقدم ولا فر ق بينهما فى النكاح بخلاف البيع الخ ـاقو ل والذى ظهر لى ان المرا د با لبا طل فى كلا م البزازية فى قو له ''نكاح المحارم فا سد ام با طل الخ'' الذى وجو ده كعد مه لا ان النكاح ينقسم الى با طل وفاسد تأمل الخ،كلا م الرملى۔ قلت والصحيح ان سقو ط الحد لشبهة العقد كما نص عليه فى حدو د المعراج لأنهم ذكرو ا فى الحدود مبنى الخلا ف بين الامام وصا حبيه حيث يحد عند هما لا عنده أن العقد

Marfat.com

هل يوجب شبهة أو لا ؟ومدا ره أنه هل ورد على ما هو محله اولا ـ

وفى البزازية على هامش الهندية (١٤٤/٤): نكاح المحارم فاسد أم باطل قيل باطل وسقوط الحد بشبهة الاشتباه وقيل فاسد وسقوط الحد بشبهة بقية العقد ـ الدخول في نكاح بلا شهود يوجب العدة لأنه مختلف في صحته فإن مالكاً رحمه الله شرط الإعلان لا الإشهاد وكل نكاح هذا وصفه فالدخول فيه يوجب العدة وعدة الوفاة لا تجب في النكاح الفاسد ـــ ولا نفقة في النكاح الفاسد ولا في عدته وإن صالح عن النفقة في النكاح الفاسد لا يجوز ـ

وفى الهندية (٢٨٠/١): ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لا يعلم أنها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لا تجب حتى لا يحرم على الزوج وطؤها كذا في فتاوى قاضي خان ويجوز لصاحب العدة أن يتزوجها كذا في محيط السرخسي ـ

وفى فتح القدير(٢٥٢/٥):ثم الشبهة عند أبي حنيفة تثبت بالعقد وإن كان العقد متفقا على تحريمه وهو عالم به وعند الباقين لا تثبت هذه الشبهة إذا علم بتحريمه ويظهر ذلك في نكاح المحارم فصارت الشبهة على قول أبي حنيفة رحمه الله ثلاثة شبهة الفعل وشبهة العقد وشبهة المحل ـــ (ص٢٥٩)قوله(ومن تزوج امرأة لا يحل له نكاحها) بأن كانت من ذوي محارمه بنسب كأمه أو ابنته(فوطئها لم يجب عليه الحد عند أبي حنيفة) وسفيان الثوري وزفر وإن قال علمت أنها على حرام ولكن يجب عليه بذلك المهر ويعاقب عقوبة هي أشد ما يكون من التعزير سياسةً لاحدا مقدرا شرعا إذا كان عالما بذلك وإذا لم يكن عالما لاحد ولا عقوبة تعزير (وقال أبو يوسف ومحمد والشافعي رحمهم الله)وكذا مالك وأحمد يجب الحد إذا كان عالما بذلك ـــ (ص٢٦٢)ألا ترى أن أبا حنيفة ألزم عقوبته بأشد ما يكون وإنما لم يثبت عقوبة هي الحد فعرف أنه زنا محض عنده إلا أن فيه شبهة فلا يثبت نسبه ـ

وفى الدر المختار(١٣٢/٣)مطلب فى النكاح الفاسد :(ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود ـ

وفى الشامية تحته:قوله (في نكاح فاسد) وحكم الدخول في النكاح الموقوف كالدخول في الفاسد فيسقط الحد ويثبت النسب ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل خلافا لما في الاختيار من كتاب العدة وتمامه في البحر وسنذكر في العدة التوفيق بين ما في الاختيار وغيره ـ قوله (وهو الذي الخ) بخلاف ما لو شرط شرطا فاسدا كما لو تزوجته على أن لا يطأها فإنه يصح النكاح

Marfat.com

ويفسد الشرط رحمتي ـ (قوله كشهود) ومثله تزوج الأختين معا ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة والخامسة في عدة الرابعة والأمة على الحرة وفي المحيط تزوج ذمي مسلمة فرق بينهما لأنه وقع فاسدا اه فظاهره أنهما لا يحدان وأن النسب يثبت فيه والعدة إن دخل بحر ـ قلت لكن سيذكر الشارح في آخر فصل في ثبوت النسب عن مجمع الفتاوى نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل اه وهذا صريح فيقدم على المفهوم فافهم ومقتضاه الفرق بين الفاسد والباطل في النكاح لكن في الفتح قبيل التكلم على نكاح المتعة أنه لافرق بينهمافي النكاح بخلاف البيع نعم في البزازية حكاية قولين في أن نكاح المحارم باطل أو فاسد والظاهر أن المراد بالباطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم أيضا كما يعلم مما سيأتي في الحدود وفسر القهستاني هنا الفاسد بالباطل ومثله بنكاح المحارم وبإكراه من جهتها أو بغير شهود الخ وتقييده الإكراه بكونه من جهتها قدمنا الكلام عليه أول النكاح قبيل قوله "وشرط حضور شاهدين" وسيأتي في باب العدة أنه لا عدة في نكاح باطل وذكر في البحر هناك عن المجتبى أن كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها ـ

وفى الفقه الا سلامى (٩/٦٦٠٢):حكم الزواج الفاسد وأنواعه عند الحنفية:الزواج الفاسد عند الحنفية: هو مافقد شرطاً من شروط الصحة، وأنواعه: هي الزواج بغير شهود، والزواج المؤقت، وجمع خمس في عقد، والجمع بين المرأة وأختها أو عمتها أو خالتها، وزواج امرأة الغير بلا علم بأنها متزوجة، ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل: فاسد عند أبي حنيفة، وباطل عند الصاحبين، وهو الراجح ـــ حكم الزواج الباطل عندالحنفية:الزواج الباطل عندالحنفية: هو ـ كما تقدم ـ الذي حصل خلل في ركنه أو في شرط من شروط انعقاده، كزواج الصبي غير المميز والزواج بصيغة تدل على المستقبل، والزواج بالمحارم كالأخت والعمة على الرأي الراجح، والمرأة المتزوجة برجل آخر مع العلم بأنها متزوجةوحكم الزواج الباطل: أنه لا يترتب عليه شيء من آثار الزواج الصحيح، فلا يحل فيه الدخول بالمرأة، ولا يجب به مهر ولا نفقة ولا طاعة، ولا يثبت به توارث ولا مصاهرة ـــ ولا عدة فيه بعد التفريق كالموقوف قبل إجازته.

Marfat.com

(۳۷۱) لڑکی کا بوقتِ نکاح انکار کے بعد راضی ہونے کا حکم

سوال

ایک بالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح والدین نے اپنی مرضی کی جگہ کر دیا مگر لڑکی کسی طور بھی راضی نہ ہوئی لڑکی کو شوہر جو لڑکی کا چچازاد بھائی تھا بالکل پسند نہ تھا نیز بوقتِ نکاح لڑکی نے قبول سے انکار کر دیا یہاں تک کہ اس کو قتل کی دھمکی دی گئی پھر بھی نہ مانی۔ غرض یہ کہ لڑکی کو زبردستی شوہر کے کمرے میں بند کر کے تالا لگوا دیا گیا اور شوہر بھی اس کے ساتھ بند کر دیا گیا لڑکی چیختی تھی اور یہی کہتی تھی کہ اس سے شادی نہیں کروں گی مگر ایک دو دن کے بعد معلوم ہوا کہ اب شوہر کے ساتھ خوش ہے اور دونوں میاں بیوی کی صورت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اب آپ یہ بتائیں کہ یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اس لئے کہ عقد کے شروع میں لڑکی نے بالکل اجازت نہیں دی۔ بعد میں راضی ہو گئی کہیں یہ زنا میں تو مبتلا نہیں۔ تسلی بخش جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عاقلہ بالغہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا عقد نکاح کو جب اس لڑکی نے رد کر دیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا اور غیر منعقد عقد پر دوبارہ راضی ہونا لغو ہے اس کے لئے تجدید نکاح ضروری ہے بغیر تجدید نکاح کے وہ اس کی بیوی نہیں بن سکتی۔

لمافی المشكوة (ص۲۷۰): عن أبي هريرة قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن " . قالوا : يا رسول الله وكيف إذنها ؟ قال : "أن تسكت " ---- عن ابن عباس قال : إن جارية بكرا أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت أن أباها زوجها وهي كارها فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم . رواه أبو داود۔

وفی الهندية (۲۸۸/۱): ولو زوجها وليها فقالت لا أرضى ثم رضيت في المجلس لم يجز كذا في محيط السرخسي۔

وفی الشامية (۶۰/۳): قوله (بخلاف ما لو بلغها الخ) لأن نفاذ التزويج كان موقوفا على الإجازة وقد بطل بالرد والرد في الأول كان للاستئذان لا للتزوج العارض بعده لكن قال في الفتح الأوجه عدم الصحة لأن ذلك الرد الصريح يضعف كون ذلك السكوت دلالة الرضا اه وأقره في البحر۔

Marfat.com

(۳۷۲) خنثیٰ کے نکاح کے احکام

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ہیجڑا خواجہ سرا مصر ہو کہ اس کی شادی کرائی جائے اور وہ ہیجڑا مرد ہو۔ کیا کسی خاتون سے اس کی شادی کرائی جاسکتی ہے؟ اور اگر خنثیٰ مشکل ہو تو نکاح کا کیا حکم ہے؟ الغرض ہیجڑے اور خنثیٰ مشکل کے نکاح کے احکام درج کردیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ہیجڑے کے بارے میں اگر مرد ہونا معلوم ہوجائے یعنی اس کی مرد والی شرمگاہ استعمال ہوتی ہو یا اس کی داڑھی وغیرہ نکل جائے تو اس کا نکاح کسی عورت سے کیا جاسکتا ہے اسی طرح اگر ہیجڑے میں عورتوں کی علامات غالب آگئی ہوں یعنی حیض آگیا یا عورت کی شرمگاہ سے پیشاب وغیرہ آتا ہو تو یہ عورت کے حکم میں ہے اس کا نکاح کسی مرد سے جائز ہے۔

خنثیٰ مشکل وہ ہے جس میں دونوں میں سے کوئی علامت غالب نہ ہوں اس کا نکاح ممکن نہیں۔

لمافی الهندية (۴۳۹/۶) كتاب الخنثى: لو زوج الأب هذا الخنثى امرأة قبل بلوغه أو زوجه من رجل قبل بلوغه فالنكاح موقوف لا ينفذه ولا يبطله ولا يتوارثان حتى يستبين أمر الخنثى فإن زوجه الأب امرأة وبلغ وظهر علامات الرجال وحكم بجواز النكاح إلا أنه لم يصل إليها فإنه يؤجل سنة كما يؤجل غيره ممن لا يصل الخ۔

وفی الدر المختار(۳/۳): (هو) عند الفقهاء (عقد يفيد ملك المتعة) أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي فخرج الذكر والخنثى المشكل۔

وفی الرد تحته :قوله (فخرج الذكر والخنثى المشكل) أي أن إيراد العقد عليهما لا يفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له وكذا على الخنثى لامرأة أو لمثله ففي البحر عن الزيلعي في كتاب الخنثى لو زوجه أبوه أو مولاه امرأة أو رجلا لا يحكم بصحته حتى يتبين حاله أنه رجل أو امرأة فإذا ظهر أنه خلاف ما زوج به تبين أن العقد كان صحيحا وإلا فباطل لعدم مصادفة المحل وكذا إذا زوج خنثى من خنثى آخر لا يحكم بصحة النكاح حتى يظهر أن أحدهما ذكر والآخر أنثى اه

Marfat.com

رسالة

درر البحار فی النکاح الشغار

نکاح شغار کسے کہتے ہیں؟

مصداق اور حکم سے متعلق مدلل فتوی

(۳۷۳) ادلے بدلے (وٹہ سٹہ) کے نکاح کی شرعی حیثیت

سؤال

مفتی صاحب درج ذیل باتوں کا جواب مطلوب ہے: ۱۔ نکاح شغار (ادلہ بدلہ کا نکاح) کن کن شرائط کے ساتھ جائز ہے؟

۲۔ ہمارے علاقے کا رواج ہے کہ نکاح شغار میں جب ایک لڑکی دوسری لڑکی سے چھوٹی ہو یا حسین نہ ہو تو اس لڑکی والوں سے اضافی پیسے لئے جاتے ہیں مثلاً ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ جب کہ بڑی لڑکی اور حسین لڑکی والوں سے کوئی بھی روپیہ نہیں لیا جائے گا۔ کیا ہمارا یہ موجودہ عرف اور رواج صحیح ہے اور قرآن وحدیث کے موافق ہے؟

۳۔ نکاح شغار میں یہ شرط لگائی جاتی ہو کہ اگر ایک لڑکی مرگئی تو اس لڑکی والوں کو مثلاً ایک لاکھ یا جتنا وہ مقرر کرے دیا جائے گا کیا یہ شرط صحیح ہے؟

۴۔ نکاح شغار میں چونکہ مہر مثل ہمارے ہاں لازم ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی دونوں طرف سے مہر کی ایک مقدار معین کرے تو کیا یہ مقرر کرنا صحیح ہے؟ مندرجہ بالا مسائل کے قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جوابات دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ نکاح شغار (جو کہ ممنوع ہے) اور ہمارے زمانے کے مروّج ادلے بدلے کے نکاح میں فرق ہے۔

نکاحِ شغار کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا اپنی لڑکی کا نکاح کرے گا اور مہر کچھ

Marfat.com

ہوگا۔یعنی ہر ایک کی شادی ہی مہر ہوگی اور الگ سے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ یہ شرط (مہر نہ ہوگا) لگانا نکاح شغار کے تحقق کیلئے ضروری ہے اور اس نکاحِ شغار کی حدیث میں ممانعت آئی ہے ایسا کرنا جائز نہیں البتہ اگر کوئی اس طرح نکاحِ شغار کر لے تو یہ نکاح مہر مثل کے ساتھ منعقد ہوجائیں گے لیکن ایسا کرنے والے معصیت کے مرتکب ہوں گے۔

اب آجائیں ادلے بدلے کی مروجہ صورت کی طرف تو اسے نکاحِ شغار کہنا درست نہیں کیونکہ اس میں یا تو ادلے بدلے کے وقت مہر متعین کیا جاتا ہے یا مہر کا ذکر ہی نہیں ہوتا، پہلی صورت میں نکاح، معین کردہ مہر کے ساتھ اور دوسری صورت میں نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہوجاتا ہے۔ یہ ادلہ بدلہ بلاشبہ نکاحِ صحیح اور منعقد ہے۔حدیث میں ممنوع نکاحِ شغار کا اطلاق اس پر نہیں کیا جاسکتا۔

خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے شہرہ آفاق حاشیے ردّ المحتار میں اسی فرق کو نہایت وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

" مطلب نكاح الشغار...يشاغر الرجل أي يزوجه حريمته على أن يزوجه الآخر حريمته ولا مهر إلا هذا كذا في المغرب أي على أن يكون بضع كل صداقا عن الآخر وهذا القيد لا بد منه في مسمى الشغار حتى لو لم يقل ذلك ولا معناه بل قال زوجتك بنتي على أن تزوجني بنتك فقبل.....لم يكن شغارا بل نكاحا صحيحا اتفاقا وإن وجب مهر المثل في الكل." (الشامية ۱۰۶/۳)

ترجمہ:"آدمی کا شغار کرنا (اس کا مطلب یہ ہے کہ) ایک شخص اپنی محرم کا نکاح دوسرے سے اس شرط پر کردے، کہ دوسرا اس سے اپنی محرم کا نکاح کردے اور مہر کچھ نہ ہوگا یہ ہی مغرب (لغت کی کتاب) میں ہے یعنی یہ شرط ہو کہ ہر ایک کی بضع (شرمگاہ) ہی دوسرے کا مہر ہوگا نکاح شغار میں یہ قید ضروری ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ یا اس جیسی کوئی شرط نہ لگائے بلکہ یہ کہے میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کردو اور وہ قبول کرلے.....تو یہ نکاح شغار نہ ہوگا بلکہ بالاتفاق نکاحِ صحیح ہوگا اگرچہ ہر صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔"

لہٰذا سوال میں ادلے بدلے کی مروجہ صورت کو نکاح شغار کہنا درست نہیں یہ نکاح فی نفسہ صحیح اور جائز ہے اب آپ کے ذکر کردہ سوالات کے جواب تحریر کئے جارہے ہیں۔

۱۔نکاح شغار کی تفصیل اوپر گزر گئی اگر نکاح کی وہی صورت پائی جائے تو یہ نکاحِ شغار اور ممنوع ہوگا ورنہ نکاح جائز ہے۔

۲۔آپ کے علاقے کا یہ رواج کہ ادلے بدلے کے وقت لڑکی کے چھوٹے یا حسین نہ ہونے کی صورت میں پیسے وصول کئے جاتے ہیں یہ ناجائز اور انتہائی قبیح حرکت ہے۔فقہاء نے اسے رشوت لکھا ہے اور اس کی شناعت بیان کی محتاج نہیں۔

۳۔یہ شرط بھی فاسد ہے نکاح درست ہوجائے گا شرط لغو ہوگی اور مرنے کے بعد کسی کو پیسے وصول کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

۴۔نکاح شغار کی تفصیل تحریر کردی گئی ہے مہر مثل، مہر متعین یا بغیر ذکر مہر کے نکاح نکاحِ شغار نہیں بلکہ تینوں صورتوں میں یہ نکاح صحیح ہے اور مقرر کردہ مقدار کی صورت میں وہ مقدار اور مہر مثل یا بغیر ذکر مہر کی صورت میں مہر مثل لازم ہوجاتا ہے باقی نکاحِ شغار یہ ہے کہ ایسی شرط بوقتِ نکاح لگائی جائے کہ مہر نہ ہوگا یا دونوں کی بضع (شرمگاہ) ایک دوسرے کا مہر ہوگا، یہ ممنوع ہے۔

Marfat.com

لمافى صحيح البخارى (٧٦٦/٢) باب الشغار: عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشغار۔والشغار أن يزوج الرجل ابنته على أن يزوجه الآخر ابنته، ليس بينهما صداق۔

وفى الشامية (مطلب نكاح الشغار) (١٠٦/٣): قال في النهر وهو أن يشاغر الرجل أي يزوجه حريمته على أن يزوجه الآخر حريمته ولا مهر إلا هذا كذا في المغرب۔۔۔۔۔ الخ۔

Marfat.com

(۳۷۴) عمر یا تعلیم وغیرہ میں دھوکہ دہی سے فسخ نکاح کا اختیار ہوگا یا نکاح کالعدم ہوگا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکا نکاح کے بعد جاہل نکلے اور بتایا گیا کہ BSC کیا ہوا ہے یا عالم ہے اور بعد میں سندات موجود نہ ہوں تو کیا لڑکی کو اختیار ملے گا؟ اسی طرح لڑکا نوجوان ۲۳ سال کا دکھایا گیا بعد میں ۵۰ سال کا بوڑھا نکلے اب ایجاب وقبول تو ہوگیا تو کیا کیا جائے؟ نیز تصویر دکھانے میں تصویر پر کچھ دکھایا جائے اور لڑکا کچھ نکلے تو کیا اختیار ہوگا یا نکاح سرے سے کالعدم ہوگا؟ اور یہی ساری صورتیں بالعکس لڑکی کی صورت میں ہوں تو نکاح کا کیا حکم ہوگا یعنی لڑکی بڑی عمر یا جاہل نکلے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر لڑکا دھوکا دے کر شادی کر لے تو لڑکی کو فسخِ نکاح کا اختیار ملے گا، لہٰذا صورت مسئولہ کی تمام صورتوں میں اگرچہ لڑکا، لڑکی کے کفوٴ (یعنی برابری) کا کیوں نہ ہو پھر بھی لڑکی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، نیز یہ اختیار فقط لڑکی کو حاصل ہوگا، اس کے اولیاء کو نہیں یاد رہے کہ! یہ حق لڑکی کو دھوکہ کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہے کفوٴ کی وجہ سے نہیں، ہاں اگر دھوکے کی صورت میں لڑکا غیر کفوٴ بھی نکلے تو یہ حق (فسخ نکاح) اولیاء کو بھی حاصل ہوگا، اور اگر دھوکا لڑکی کی طرف سے ہو تو لڑکے اور اس کے اولیاء کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ لڑکے کو کوئی ضرر نہیں وہ طلاق دے سکتا ہے۔

لما فی فتح القدیر (۲۹۵/۳) فصل فی الکفاءۃ: ولنا أنه شرط لنفسها في النكاح زيادة منفعة۔۔۔ وأيضا الاستفراش ذل في جانبها فقد ترضى به ممن هو أفضل منها لا من مثلها فإذا ظهر خلافه فقد غرها وتبين عدم رضاها بالعقد فيثبت لها الخيار ولو كان هذا الانتساب من جانبها والغرور لم يكن له خيار لأنه لا يفوت عليه شيء من مقاصد النكاح بما ظهر من غرورها ولتخلصه منها بطريق يمكنه وهو الطلاق فلا حاجة إلى إثبات الخيار۔

وفی البحر الرائق (۱۳۷/۳) : وفي الذخيرة إذا تزوج امرأة على أنه فلان بن فلان فإذا هو أخوه أو عمه فلها الخيار اھ

وفی الشامیة (۸۵/۳) : لو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فإن ظهر دونه وهو ليس بكفء فحق الفسخ ثابت للكل وإن كان كفؤا فحق الفسخ لها دون الأولياء وإن كان ما ظهر فوق ما أخبر فلا فسخ أحد وعن الثاني أن لها الفسخ لأنها عسى تعجز عن المقام معه اھ

Marfat.com

وفيه أيضاً(۵۰۲/۳) باب العنين وغيره:لكن ظهر لي الآن أن ثبوت حق الفسخ لها للتغرير لا لعدم الكفاءة بدليل أنه لو ظهر كفؤا يثبت له حق الفسخ لأنه غرها ولا يثبت للأولياء لأن التغرير لم يحصل لهم وحقهم في الكفاءة وهي موجودة وعليه فلا يلزم من ثبوت الخيار لها في هذه المسائل ظهور غير كفء والله سبحانه أعلم۔

(۳۷۵) نکاح فاسد کی صورتیں اور حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی شادی ہولیکن نکاح فاسد ہو۔ پھر وہ اس عورت کے ساتھ ممنوع حصے میں ہمبستری کرلے تو اس صورت میں اس شخص پر مہر واجب ہوگا یا نہیں؟ نکاح کن چیزوں کی بناء پر فاسد ہوتا ہے؟ مختصر جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح فاسد میں وطی فی الدبر سے مہر واجب نہیں ہوتا، کیونکہ نکاح فاسد حقیقت میں منعقد نہیں ہوتا البتہ وطی فی القبل سے نکاح کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔عورت اگر نکاح کا محل ہے لیکن کسی عارض کی بناء پر اس سے نکاح کرنا جائز نہ ہو تو ایسی عورت سے نکاح نکاح فاسد ہوتا ہے جیسے

(۱) دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا"تزويج الاختين معا" (شامیہ ۳/۱۳۱)۔

(۲) اپنی مطلقہ بیوی کی عدت میں بیوی کی بہن سے نکاح کرنا۔"نكاح الاخت فی عدة الاخت" (شامیہ ایضا)۔

(۳) چار بیویوں کے کے ہوتے ہوئے ایک کو طلاق دے کر اسکی عدت میں پانچویں عورت سے نکاح کرنا"والخامسة فی عدة الرابعة" (شامیہ ایضا)۔

(۴) آزاد بیوی پر باندی سے نکاح کرنا"والأمة على الحرة" (شامیہ ایضا)

(۵) میاں بیوی میں سے کوئی ایک غلام ہو اور دوسرا اسے خرید لے"الحر إذا اشترى امرأته يفسد النكاح" (الھندیۃ ۱/۳۳۰)

(۶) بغیر گواہوں کے نکاح کرنا"النكاح بغير شهود" (البحر الرائق ۳/۳۹۲)۔

(۷) اپنی مطلقہ ثلاثہ سے اسکی عدت میں نکاح کرنا"كالموطوءة للزوج فی العدة بعد الثلاث بنكاح وكذا بدونه إذا قال ظننت أنها تحل لی (شامیہ ۳/۵۱۸)۔

Marfat.com

(۸) بچے کا بغیر اذن ولی کے نکاح کرنا، اور ولی کا نکاح کی اجازت سے انکار کر دینا۔ "نکاح الصبی العاقل یتوقف نفاذہ علی إجازة ولیه هکذا فی البدائع" (الھندیۃ ۱/۲۶۷)۔

(۹) بالغہ لڑکی کا غیر کفوٴ میں از خود نکاح کرنا۔ "(وفقد الکفء) أی إذا نکحت غیر الکفء فللأولیاء حق الفسخ وهذا علی ظاهر الروایة أما علی روایة الحسن فالعقد فاسد۔ وتقدم أنها المفتی بها"۔ (شامیة ۲/۷۲)

(۱۰) اگر عورت نکاح کا محل نہیں اور عدم علم [حرمت کے علم نہ ہونے] کے عارض کی بناء پر نکاح ہو گیا تو یہ نکاح بھی فاسد ہوتا ہے۔ جیسے

(۱) محارم سے عدم علم کی بناء پر نکاح کرنا۔

(۲) کسی کی منکوحہ سے نکاح کرنا جبکہ اسکے منکوحہ ہونے کا علم نہ ہو۔

(۳) کسی کی معتدہ سے نکاح کرنا عدم علم کی بناء پر۔

وفی المجتبی تزوج بمحرمه أو منکوحة الغیر أو معتدته ووطئها ظانا الحل لا یحد ویعزر (الدر المختار) وفی الشامیة تحته: "قوله (ویعزر)۔ لا حدا مقدرا شرعا إذا کان عالما بذلك وإن لم یکن عالما لا حد ولا عقوبة تعزیر" (شامیه ۴/۲۴)۔

اور اگر عورت محل نکاح نہیں ہے تو معلوم ہونے کے باوجود ایسی عورت سے نکاح باطل ہوگا۔ جیسے

(۱) محارم سے باوجود حرمت کے علم کے نکاح کرنا۔

(۲) منکوحة الغیر یا معتدة الغیر سے باوجود علم ہونے کے نکاح کرنا۔

"أما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة إن علم أنها للغیر لأنه لم یقل أحد بجوازه فلم ینعقد أصلا ... أما منکوحة الغیر فهی غیر محل إذا لا یمکن اجتماع ملکین فی آن واحد علی شیء واحد فالعقد لم یؤثر ملکا فاسدا" (شامیه ۳۔۵۱۶)

لما فی الهندیة۔ الباب الثامن فی النکاح الفاسد واحکامه (۱/۳۳۰): والنکاح الفاسد لا حکم له قبل الدخول ۔۔۔۔ الحر إذا اشتری امرأته یفسد النکاح بخلاف العبد المأذون إذا اشتری امرأته کذا فی السراجیة۔

وفی الدر المختار کتاب النکاح باب المهر (۳/۱۳۱) (ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد) وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود (بالوطء) فی القبل (لا بغیره) کالخلوة لحرمة وطئها۔

وفی الشامیة تحته: قوله کشهود ومثله تزوج الأختین معا ونکاح الأخت فی عدة الأخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة والأمة علی الحرة ۔۔۔ قوله (فی القبل) فلو فی الدبر لا یلزمه

Marfat.com

مهر لأنه ليس بمحل النسل كما في الخلاصة والقنية۔[1]

(۳۷۶) گواہوں کے بغیر خفیہ نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جاوید ایک عورت مسمی عمائمہ کے ساتھ گزشتہ چار ماہ سے ایک گھر میں رہ رہا ہے اہل محلہ پہلے تو ناواقف تھے بعد میں جب ان سے نکاح کے بارے میں تحقیق کی گئی تو کہتے کہ فلاں گواہ کے سامنے ہم نے نکاح کیا ہے اور وہ گواہ ایسے ہیں کہ دونوں باہر ملک میں ہیں جب چہ میگوئیاں بڑھیں تو بات پلٹ دی کہنے لگے کہ ہم نے فلاں گواہ کے روبرو نکاح کیا ہے لیکن نکاح کا معاملہ خفیہ تھا ظاہر نہ تھا، تو اس طرح کے خفیہ نکاح کا شریعت میں کیا حکم ہے اور اگر بغیر گواہ کے نکاح کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

سب سے پہلے میاں بیوی سے نکاح نامہ (نکاح فارم) طلب کیا جائے گا، کیونکہ نکاح فارم عام طور پر موجود ہی ہوتا ہے، لیکن اگر فارم موجود نہیں ہے تو ان کا کوئی رشتہ دار ضرور ہوگا جس سے ان دونوں کے نکاح کی تحقیق کی جائے گی، اور اگر کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے اور ان کے پاس نکاح فارم بھی نہیں ہے تو اہل محلہ ان کو قاضی کی عدالت میں لے جائیں گے، پھر اگر ان دونوں میاں اور بیوی نے قاضی کے سامنے بھی اپنے نکاح کا اقرار کرلیا اور وہ لڑکا لڑکی کا کفوء بھی ہو تو ان کا نکاح ثابت ہو جائے گا (مطلق اقرار کے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا البتہ قاضی کے سامنے اقرار کے الفاظ سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے)۔ نیز دو گواہوں کی موجودگی میں جو نکاح ہوتا ہے وہ خفیہ نکاح شمار نہیں ہوتا، البتہ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

لما فی التاتارخانية (۳۶/۴): من شرائط النكاح الشهادة عندنا ۔۔۔ وشرطه أن يكون كلا شطريه بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين او حضور رجل وامرأتين۔

وفی الشامية (۱۳/۳): قوله (ولا بالإقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق لأن المراد هنا أن الإقرار لا يكون من صيغ العقد والمراد من قولهم إنه يثبت بالتصادق أن القاضي يثبته به أي بالتصادق ويحكم به أبو السعود عن الحانوتي۔

---

[1] نوٹ: مسئلہ ھذا سے متعلق مزید تفصیل کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے "**باب الانکحة الفاسدة**" کے فتوی "**الحد الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل**" کا مطالعہ کریں۔ (از مرتب ابوعزام عفی عنہ)

Marfat.com

(۳۷۷) کیا نکاح فاسد میں قاضی سے تفریق کرانا ضروری ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی کی منکوحہ سے نکاح کرلے یا کسی عورت سے عدت میں نکاح کرلے یا بغیر گواہوں کے نکاح کرے.....الغرض نکاح فاسد ہوتو پھران کے درمیان تفریق کرائی جائے گی پوچھنا یہ ہے کہ قاضی فسخ کرے گا یا مرد اور عورت خود تفریق کرسکتے ہیں یعنی مرد کہدے میں نے تجھے چھوڑا یہ کافی ہے یا قاضی سے تفریق کرانا ضروری ہے؟ ھندیہ جلد اوّل صفحہ ۳۳۰ پر ہے:

"اذا وقع النکاح فاسداً فرق القاضی بین الزوج والمرأة" اس سے تو قاضی سے تفریق کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح فاسد میں زوجین پر افتراق لازم ہے ورنہ بصورت دیگر قاضی پر تفریق واجب ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب نکاح فاسد منعقد ہوا ہے تو زوجین میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ نکاح کو فسخ کرے یا ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے یا میں نے تیرا راستہ خالی کردیا ہے (یاد رہے کہ متارکت کے لئے زبان سے متارکت کے الفاظ کہنا ضروری ہیں ورنہ صرف ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرنے سے نکاح ختم نہیں ہوتا اگرچہ کئی سال کیوں نہ گزر جائیں) اور اگر زوجین خود عقد نکاح کو فسخ نہ کریں بلکہ مقدمہ قاضی کے پاس لے جائیں تو قاضی پر لازم ہے کہ ان کے درمیان تفریق کردے الغرض نکاح فاسد میں قاضی سے تفریق کرانا ضروری نہیں ہے بلکہ زوجین میں سے ہر ایک متارکت کے الفاظ کہہ کر ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرسکتا ہے اور فتاویٰ ہندیہ کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر زوجین خود عقد نکاح ختم نہ کریں بلکہ مقدمہ قاضی کے پاس لے جائیں تو قاضی پر تفریق لازم ہے۔

لمافی الشامیة (۱۲۲/۳) باب المهر : قوله (بل يجب على القاضي) أي إن لم يتفرقا ۔۔۔ قوله (أو متاركة الزوج) في البزازية المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة ۔۔۔ وعدم مجيء أحدهما إلى الآخر بعد الدخول ليس متاركة لأنها لا تحصل إلا بالقول وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا يتحقق إلا بالقول اه وخص الشارح المتاركة بالزوج كما فعل الزيلعي لأن ظاهر كلامهم أن لا تكون من المرأة أصلا مع أن فسخ هذا النكاح يصح من كل منهما بمحضر الآخر اتفاقا والفرق بين المتاركة والفسخ بعيد كذا في البحر۔

Marfat.com

(۳۷۸) نکاحِ فاسد میں تین طلاقیں دینے کے بعد حلالے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اجنبی عورت سے نکاح فاسد کیا پھر اس عورت کو تین طلاق دے دیں اب وہ شخص اس سے بغیر حلالہ کے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاحِ فاسد میں اگر مرد، عورت کو تین طلاقیں دے دے تو اس سے عورت کیلئے حلالہ کروانا ضروری نہیں ہوتا بلکہ بغیر حلالہ کے ہی یہ دونوں مرد وعورت آپس میں نکاح کرسکتے ہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں وہ شخص بغیر حلالہ کے اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔

لمافی الهندية (۴۷۴/۱): ولو تزوج امرأة نكاحا فاسدا وطلقها ثلاثا جاز له أن يتزوجها ولو لم تنكح زوجا غيره كذا في السراج الوهاج۔

وفی الشامية (۱۳۴/۳): طلق المنكوحة فاسدا ثلاثا له تزوجها بلا محلل قال ولم يحك خلافا فهذا أيضا مؤيد لكون الطلاق لا يتحقق في الفاسد۔

Marfat.com

رسالة

تحریر الکاتب

فی بیان أحکام النکاح الفاسد

نکاح فاسد کے احکام نیز تفریق کیلئے متارکت یا فسخ کا حکم

(۳۷۹) نکاحِ فاسد کے احکام اور تفریق کیلئے متارکت یا فسخ کرنا

سوال

ہمارے محلے کی ایک لڑکی جو پڑھی لکھی اور اچھے خاندان کی تھی اس کا والد بھی بڑی سرکاری پوسٹ پر تھا لیکن اس کو ایک آوارہ قسم کے لڑکے سے عشق ہوگیا اور رفتہ رفتہ بات خودکشی تک پہنچ گئی گھر والے تایا زاد میں ایک اچھے لڑکے سے نکاح کرانا چاہتے تھے وہ لڑکا ابھی یونیورسٹی میں اسلام آباد میں پڑھ رہا ہے لیکن یہ لڑکی کسی طرح مان نہ رہی تھی گھر والوں نے زیادہ زور دیا تو اس لڑکی نے ایک دن بغیر والدین کے علم میں لائے کورٹ میرج کر لی اور اس آوارہ لڑکے جس کا باپ بھی نشہ کا رسیا اور بیکار انسان ہے لڑکے کی تعلیم بھی صفر ہے۔ لڑکا اور اس کا باپ فقط لڑکی کا مال ہتھیانا چاہتے ہیں۔ لڑکی کے کورٹ میرج کا جب علم ہوا تو والدین نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ہمارے بغیر یہ نکاح نہیں ہوسکتا ماں غم سے بیہوش ہوگئی اب والد لڑکی کا نکاح جلد از جلد تایا زاد سے کرانا چاہتے ہیں لڑکی گھر پر ہے لیکن لڑکے کے پاس کورٹ میرج کے پیپر ہیں۔ مفتی صاحب آپ راہنمائی فرمائیں پورا مسئلہ میں نے سامنے رکھ دیا میرے ان گھر والوں سے پرانے تعلقات ہیں لہٰذا میں بھی اس مسئلے سے سخت پریشان ہوں۔ ازراہِ کرم جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی اگر غیر کفو میں نکاح کرلے اور اولیاء راضی نہ ہوں تو حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح کالعدم اور فاسد ہوتا ہے۔

Marfat.com

صورت مسئولہ میں اولاً تو یہ دیکھا جائے گا کہ کورٹ میرج میں دو گواہوں کے روبرو لڑکے اور لڑکی نے ایجاب وقبول کیا ہو تو یہ نکاح کالعدم اور فاسد ہے اور اس پر نکاح فاسد کے احکام (جو آگے تحریر کئے جارہے ہیں) لاگو ہوں گے ورنہ (اگر کورٹ میرج میں مذکورہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں) تو پھر یہ نکاح ہوا ہی نہیں۔ لڑکی کے اولیاء بغیر کسی کاروائی کے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرا سکتے ہیں۔

البتہ اگر کورٹ میرج میں دو گواہوں کے روبرو لڑکے اور لڑکی نے ایجاب وقبول کیا ہو اور لڑکا غیر کفوء ہو (یعنی مال، پیشہ، دینداری وغیرہ میں لڑکی کے برابر نہ ہو) اور سوال میں ذکر کردہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا لڑکی کا کفو نہیں لہٰذا یہ نکاح فاسد ہوگا اور حنفیہ کا مفتی بہ قول یہی ہے اور اس نکاح پر نکاحِ فاسد کے تمام احکام لاگو ہوں گے جن میں سے چند موٹے موٹے احکام درج ذیل ہیں۔

(۱) اگر لڑکی سے ہمبستری ہوجائے تو مہر مثل اور مہر مسمی میں سے کم لڑکی کو دینا ضروری ہوگا اور اگر ہمبستری نہ ہوئی ہو تو لڑکی کو کسی قسم کا مہر نہ ملے گا۔

(۲) اگر لڑکی سے ہمبستری ہوئی ہو تو تفریق (متارکت یا فسخ) کے بعد لڑکی کو عدت گزارنا تین حیض ضروری ہوگا اس سے قبل دوسری جگہ لڑکی کا نکاح جائز نہ ہوگا۔

(۳) اگر نکاح فاسد میں وطی سے بچہ پیدا ہوجائے تو اس کا نسب لڑکے سے ثابت ہوگا۔

(۴) نکاحِ فاسد میں لڑکے کا لڑکی سے ہمبستری کرنا حرام ہے اور لڑکے پر متارکت یا تفریق بذریعہ فسخ کرنا ضروری ہے۔ لڑکی بھی فسخ کرسکتی ہے اگر لڑکا فسخ نہ کرے تو لڑکی پر بھی اس نکاح کو فسخ کرنا ضروری ہے۔

(۵) نکاح فاسد میں تفریق کی مختلف صورتیں ہیں:

اوّلاً: پہلی صورت یہ کہ شوہر متارکت کردے یعنی ایسے الفاظ کہہ دے "میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تیرا راستہ خالی کردیا" متارکت کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا ضروری ہے۔ صرف عملاً لڑکی کے پاس نہ جانا متارکت نہ ہوگی چاہے سالوں گزر جائیں لڑکی اس کے عقد میں کہلائے گی اور اس کا کسی دوسری جگہ نکاح ناجائز رہے گا۔

متارکت میں دخول کے بعد تو زبان سے متارکت کے الفاظ کہنا ضروری ہونے پر سب کا اتفاق ہے البتہ دخول سے قبل ایک قول یہ ہے کہ عملاً لڑکی کے پاس نہ جانا اور یہ عزم کرنا کہ لڑکی کے پاس کبھی نہ جائے گا" اس سے بھی نکاح فاسد ختم ہوجائے گا لیکن صحیح یہی ہے کہ دخول کے بعد اور دخول سے قبل دونوں صورتوں میں نکاح فاسد میں متارکت کیلئے لڑکے کا زبانی متارکت کرنا ضروری ہے۔ نیز متارکت کا لڑکی کے علم میں لانا ضروری نہیں۔ اگر لڑکی کو علم نہ ہو اور لڑکا متارکت کردے تب بھی یہ متارکت تفریق کہلائے گی اور اگر عورت مدخول بھا ہو تو لڑکے کے متارکت کرنے والے دن سے ہی عورت کی عدت شمار ہوگی۔ نیز یہ متارکت طلاق نہیں لہٰذا بعد از متارکت اگر لڑکا دوبارہ لڑکی سے نکاحِ صحیح کرتا ہے تو اسے تین طلاقوں کا حق ملے گا۔

ثانیاً: نکاحِ فاسد میں تفریق کی دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکی یا لڑکے میں سے کوئی ایک اس نکاح کو فسخ کردے یعنی یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتا ہوں (یا فسخ کرتی ہوں)۔ اس طرح نکاح فسخ کرنے کا حق لڑکے اور لڑکی دونوں کو ہے نیز اصح ترین

Marfat.com

قول کے مطابق اس طرح نکاح فسخ کرنے کے لئے ایک دوسرے کی موجودگی ضروری نہیں ہر ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں (چاہے ہمبستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو) اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔

ثالثاً: نکاح فاسد میں تفریق کی ایک اور صورت یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی علیحدہ نہ ہو رہے ہوں تو قاضی پر واجب ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کردے قاضی کے تفریق کردینے سے بھی یہ نکاح کالعدم اور فسخ ہوجائے گا۔

نکاح فاسد کے یہ چند وہ بڑے بڑے احکام ہیں جو ہر فاسد نکاح پر لاگو ہوتے ہیں۔صورت مسئولہ میں بھی چونکہ نکاح غیر کفوٴ میں ہونے کی وجہ سے حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی مفتی بہ روایت کے مطابق اولیاء کی رضامندی کے بغیر عندالحنفیہ نکاحِ فاسد ہے اس لئے اس پر یہ تمام احکام جاری ہوں گے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اوّلاً اگر لڑکی سے دخول ہوا ہو تو اسے مہر مثل اور مقرر کردہ مہر میں سے جو کم ہو وہ ملے گا اور اگر دخول نہ ہوا ہو تو لڑکے پر لڑکی کو مہر مثل دینا واجب ہے۔ثانیاً اگر دخول ہوا ہے تو تفریق کے بعد لڑکی کو عدت گزارنا ضروری ہوگا ثالثاً اگر اس دخول سے بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب اس لڑکے سے ہی ثابت ہوگا رابعاً لڑکی کو جائز نہیں کہ وہ اپنے پر لڑکے کو قدرت دے کیونکہ یہ نکاحِ فاسد ہے جس میں وطی کرنا حرام ہے خامساً لڑکے سے تفریق یا متارکت کرانا ضروری ہے نیز تفریق میں لڑکی خود بھی اس نکاح کو فسخ کرسکتی ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور اس طرح فسخ کرنے کیلئے لڑکے کا موجود ہونا بھی ضروری نہیں لڑکے کی عدم موجودگی میں لڑکی خود یہ نکاح فسخ کرسکتی ہے۔

ان تمام احکامات کو مدنظر رکھتے ہوئے تفریق کے بعد (اور دخول کی صورت میں عدت بھی گزر جائے تو) لڑکی کا نکاح دوسری جگہ (تایا زاد وغیرہ سے) کرانا صحیح ہے اور اگر لڑکے سے تفریق نہیں کرائی گئی تو پھر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ نہیں کرایا جاسکتا لڑکی بدستور اس نکاحِ فاسد سے اس لڑکے کے عقد میں رہے گی۔

لمافی الهندية (۱/۳۳۰): الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: إذا وقع النكاح فاسدا فرق القاضي بين الزوج والمرأة فإن لم يكن دخل بها فلا مهر لها ولا عدة وإن كان قد دخل بها فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر مثلها إن كان ثمة مسمى وإن لم يكن ثمة مسمى فلها مهر المثل بالغا ما بلغ وتجب العدة ويعتبر الجماع في القبل حتى يصير مستوفيا للمعقود عليه وتعتبر العدة من حين يفرق بينهما عند علمائنا الثلاثة كذا في المحيط وفي مجموع النوازل الطلاق في النكاح الفاسد يكون متاركة ولا ينتقص من عدد الطلاق كذا في الخلاصة والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة أما لو أنكر وقال أيضا اذهبي وتزوجي كان متاركة لكن لا ينتقص من عدد الطلاق وبعدم مجيء أحدهما إلى الآخر بعد الدخول لا تحصل المتاركة وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا تتحقق إلا بالقول ولكل فسخه بغير محضر صاحبه وبعده لا إلا بمحضر صاحبه

Marfat.com

كذا في الوجيز للكردري وعلم غير المتارك شرط لصحة المتاركة هو الصحيح حتى لو لم يعلمها لا تنقضي عدتها كذا في القنية والصحيح أن علمها بالمتاركة لا يشترط في الطلاق وعدة الوفاة لا تجب في النكاح الفاسد۔

وفى البحرالرائق(٢٢٦/٣): وهو تفريع على انعقاده وأما على المفتى به فينبغي أن يجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل وأن لا نفقة لها في هذه العدة كما لا يخفى ۔۔۔ أما على المفتي به فإنه لا يجب المهر الثاني بالاتفاق لأنه نكاح فاسد كما صرح به في الخانية۔

وفى الطحطاوى على الدرالمختار(٢٧/٢): (قوله: ويفتى فى غير الكفء) وعلى هذا القول يحرم عليها تمكينه من الوطء كما يحرم عليه الوطء لعدم انعقاده وينبغى بعد الدخول ان يجب الاقل من المسمى ومهر المثل وان لا نفقة لها فى هذه العدة۔

وفى الطحطاوى على الدر(٥٩/٢): (قوله: من وقت التفريق) اى تفريق القاضى ومثله التفرق وهو فسخهما العقد أوفسخ احدهما ۔۔۔ (أو متاركة) قال فى البحر: ولا تتحقق المتاركة الا بالقول ان كان مدخولا بها كقوله تاركتك او تاركتها واما غير المدخول بها فتتحقق المتاركة بالقول وبالترك عند بعضهم وهو تركها على قصد ان لا يعود اليها وعند البعض لا تكون المتاركة الا بالقول فيهما حتى لو تركها ومضى سنون لم يكن لها ان تتزوج بآخر ۔۔۔ وخص المتاركة بالزوج بناء على انها فى معنى الطلاق فيختصّ بها الزوج اما الفسخ فرفع القيد فلا يختص به وان كان فى معنى المتاركة افاده الحلبى۔

وفى الدرالمختار(١٣٢/٣):(ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود(بالوطء) في القبل (لا بغيره) كالخلوة لحرمة وطئها (ولم يزد) مهر المثل (على المسمى) لرضاها بالحط ولو كان دون المسمى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد ولو لم يسم أو جهل لزم بالغا ما بلغ (و) يثبت (لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أو لا)في الأصح خروجا عن المعصية فلا ينافي وجوبه بل يجب على القاضي التفريق بينهما (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق لا للموت (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج وإن لم تعلم المرأة بالمتاركة في الأصح (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة۔

وفى الرد تحته:قوله (في الأصح) وقيل بعد الدخول ليس لأحدهما فسخه إلا بحضرة الآخر كما في النهر وغيره ۔۔۔ وضمير وحده لكل أي يثبت لكل منهما وحده قوله (بل يجب على القاضي) أي

Marfat.com

إن لم يتفرقا قوله (وتجب العدة) ظاهر كلامهم وجوبها من وقت التفريق قضاء وديانة ـــ قوله (أو متاركة الزوج) في البزازية المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة ـــ وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا يتحقق إلا بالقول اه وخص الشارح المتاركة بالزوج كما فعل الزيلعي لأن ظاهر كلامهم أن لا تكون من المرأة أصلا مع أن فسخ هذا النكاح يصح من كل منهما بمحضر الآخر اتفاقا۔

Marfat.com

(۳۸۰) غیر کفوء میں نکاح سے پیدا شدہ بچے کے نسب کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ غیر کفوء میں نکاح کا کیا حکم ہے؟ نیز اس صورت میں پیدا ہونے والی اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ ہمارے خاندان میں ایک لڑکی نے اس طرح کورٹ میرج کرلی ہے لڑکی مالدار اور اچھے گھرانے کی ہے لیکن انٹرنیٹ پر ایک دوست بنایا جو حیدرآباد میں رہتا ہے نائی کا بیٹا ہے اور بالکل رذیل قسم کے لوگ ہیں دین ایمان سے دور کا تعلق نہیں تو ان کی اولاد کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ولی کی اجازت کے بغیر اگر لڑکی غیر کفوء میں نکاح کرلے تو ایسا نکاح نکاحِ فاسد کے حکم میں ہوتا ہے اور اس سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہوتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی نے اگر اپنے ولی کی رضامندی کے حصول کے بغیر کورٹ میرج کی ہو، اور لڑکا بھی کفوء نہ ہو تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا البتہ اس سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہوگی نیز اس میں جلد از جلد علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔

لمافی الدرالمختار (۱۳۱/۳): (ویجب مهر المثل في نكاح فاسد)---الى قوله --- (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة۔

وقال ابن عابدين: قوله (احتياطا) أي في إثباته لإحياء الولد ط۔

وفی الشامیة (۷۲/۳): (وفقد الكفء) أي إذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد ط وتقدم أنها المفتى بها۔

(۳۸۱) نکاح فاسد میں بچے کے نسب کے ثبوت پر اشکال کا جواب

سؤال

میرے پاس آپ کے دارالافتاء کی تحریر ہے اس میں حکم لکھا ہے کہ نکاح فاسد میں عورت کا بچہ ثابت النسب ہوگا۔ مفتی صاحب! نکاح فاسد میں عورت سے جماع زنا شمار ہوگا یا نہیں؟ آپ سے درج ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) نکاح فاسد میں تفریق کے بعد بچے کی کفالت کا حق کسے ہوگا؟ بچہ ہو یا بچی۔

(۲) نکاح فاسد میں عورت کیا کرے گی یعنی وہ خود علیحدگی اختیار کرسکتی ہے یا قاضی سے تفریق ضروری ہے؟ بعض عبارات سے معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے کہ قاضی تفریق کرے گا، آج کے دور میں تو قاضی نہیں پھر کیا کیا جائے گا؟ نکاح فاسد میں تفریق کی صورت بیان کردیں۔

(۳) نکاح فاسد میں جب نسب ثابت ہورہا ہے تو یہ زنا شمار ہوگا یا نہیں؟ اور بعد علمِ فساد کے اگر مرد وطی کرے تو یہ جائز ہوگی یا نہیں عورت تمکین دے سکتی ہے؟

(۴) کتب فقہ میں یہ عبارت بھی ہوتی ہے: ویفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلاً۔

لف شدہ تحریر میں غیر کفوء میں نکاح کو فاسد کہا گیا ہے اور شامی کی ایک عبارت بھی ذکر ہے لیکن یہ مذکورہ بالا عبارت یہ دلالت دے رہی ہے کہ کفء کے بغیر نکاح کالعدم اور باطل ہوگا، اس کی بھی تحقیق کردیں کہ یہ نکاح باطل ہوتا ہے یا فاسد؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) صورت مسئولہ میں حق پرورش لڑکا ہونے کی صورت میں سات سال تک اور لڑکی ہونے کی صورت میں نو سال تک ماں کو ہوگا اور نفقہ باپ کے ذمہ ہے۔

(۲) نکاح فاسد میں زوجین پر علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے، بصورت دیگر قاضی پر تفریق واجب ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب نکاح فاسد ہوا ہے تو زوجین میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ نکاح کو فسخ کردے یا ان میں سے ایک دوسرے کو کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے یا میں نے تیرا راستہ خالی کردیا ہے نکاح فاسد میں دخول کے بعد متارکت کیلئے زبان سے متارکت کے الفاظ کہنا ضروری ہیں۔ فقہاء کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر زوجین خود عقد ختم نہ کریں تو قاضی پر تفریق کرنا لازم ہے البتہ ابتداءً دونوں بھی عقد کو فسخ کرسکتے ہیں۔

(۳) نکاح فاسد میں وطی کرنا حرام ہے یہ زنا شمار نہ ہوگی اور اس سے پیدا شدہ بچے کا نسب بھی ثابت ہوگا لیکن یہ سب احتیاطاً ہے وگرنہ نکاحِ فاسد بھی کالعدم ہے اور اس میں عورت کا مرد کو قدرت دینا حرام ہے اور جب حرمت اور فساد کا علم ہو تو یہ حرمت، گناہ کے اعتبار سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

(۴) غیر کفء میں نکاح نکاح فاسد ہے کیونکہ وہ محل نکاح ہے البتہ عارض موجود ہے نیز [نکاح فاسد کی مشہور تعریف کے مطابق] اس نکاح کے جواز میں اختلاف ہوا ہے ظاہر الروایت کے مطابق جائز ہے روایت حسن کے مطابق ناجائز اور جس نکاح کے جواز میں علماء کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے نیز روایتِ حسن (مفتی بہا) کے موافق شرط صحت (کفاءۃ) مفقود ہے اور جس نکاح میں کوئی شرط مفقود ہو، وہ نکاح فاسد ہوتا ہے نہ کہ باطل اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے جیسے کہ لف شدہ فتویٰ میں مذکور ہے

اذا نکحت غیر الکفؤ فللاولیاء حق الفسخ وھذا علی ظاھر الروایۃ اما علی روایۃ الحسن فالعقد فاسد

Marfat.com

ط وتقدم انها المفتی به" مفتی بہ قول روایت حسن ہی ہے اور اسی کے مطابق علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نکاح کو فاسد کہہ رہے ہیں۔[1]

لما فی الهنديه، كتاب النكاح الباب السادس عشر فی الحضانة (۵۴۱/۱): الباب السادس عشر في الحضانة أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة غير مأمونة كذا في الكافي ۔۔۔ وبعد صفحة: والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني وقدر بسبع سنين وقال القدوري حتى يأكل وحده ويشرب وحده ويستنجي وحده وقدره أبو بكر الرازي بتسع سنين والفتوى على الأول والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض۔

وفيه ايضا(۵۶۰/۱): الفصل الرابع في نفقة الأولاد نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كذا في الجوهرة النيرة۔

وفيه أيضاً، باب المهر (۳۳۰/۱): والمتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة أما لو أنكر وقال أيضا اذهبي وتزوجي كان متاركة لكن لا ينتقص من عدد الطلاق وبعدم مجيء أحدهما إلى الآخر بعد الدخول لا تحصل المتاركة وقال صاحب المحيط وقبل الدخول أيضا لا تتحقق إلا بالقول ولكل فسخه بغير محضر صاحبه وبعده لا إلا بمحضر صاحبه كذا في الوجيز للكردري ۔۔۔ والصحيح أن علمها بالمتاركة لا يشترط في الطلاق الخ۔

وفی حاشية الطحطاوی على الدر باب الولی (۲۷/۲) (ط رشيديه): قوله ويفتى فی غير الكفء ۔۔۔ وعلى هذا القول يحرم عليها تمكينه من الوطی كما يحرم عليه الوطء لعدم انعقاده و ينبغی بعد الدخول ان يجب الاقل من المسمى ومهر المثل وان لانفقة لها فی هذه العدة وفی الخلاصة كثير من المشائخ أفتوا بظاهر الرواية أنها ليس لها أن تمنع نفسها اه، وهذا يدل على أن كثيرا من المشايخ أفتوا بانعقاده فقد اختلف الافتاء بحر۔

وفی الشامية (۶۲۰/۳): قوله (وللرضيع النفقة والكسوة) فبذلك صار على الأب ثلاث نفقات أجرة الرضاء وأجرة الحضانة ونفقة الولد من صابون ودهن وفرش وغطاء۔

---

[1] نکاح فاسد کی تعریف سے متعلق مفصل تحقیق جاننے کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی "الحد الفاصل بين النكاح الفاسد والباطل" ملاحظہ کیا جائے نیز نکاح فاسد کے تفصیلی احکام جاننے کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی "تحرير الكاتب فی بيان أحكام النكاح الفاسد" ملاحظہ کریں۔ از مرتب ابوعزام فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

وفى الدر المختار ،باب المهر (١٣٢/٣): (و) يثبت (لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أو لا)في الأصح خروجا عن المعصية فلا ينافي وجوبه بل يجب على القاضي التفريق بينهما (وتجب العدة بعد الوطء)۔

وفى الرد تحته: قوله (بل يجب على القاضي) أي إن لم يتفرقا ۔۔۔ قوله (من وقت التفريق) أي تفريق القاضي ومثله التفرق وهو فسخهما أو فسخ أحدهما ح ۔۔۔ قوله (أو متاركة الزوج) في البزازية المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك ومجرد إنكار النكاح لا يكون متاركة

وفى الفقه الاسلامى (٧٢٦١/١٠): الزواج الفاسد في إثبات النسب كالزواج الصحيح ؛لأن النسب يحتاط في إثباته إحياء للولد ومحافظة عليه ۔۔۔ متى ثبت النسب ولو بنكاح فاسد او بشبهة، ترتب عليه جميع نتائج القرابة ۔۔۔ وتستحق به نفقة القرابة والارث ۔۔۔ فاذا ثبت النسب ولو من نكاح فاسد او وطء بشبهة ترتب عليه جميع نتائج القرابة، فيمنع الزواج فى الدرجات الممنوعة وتستحق به نفقة القرابة، ويستحق به الارث۔

Marfat.com

فصل فی المتعة والنکاح المؤقت والمسیار

(متعہ اور نکاح موقت کی حرمت اور نکاح مسیار کا بیان)

(۳۸۲) متعہ کی حقیقت

سوال

متعہ کا کیا حکم ہے کیا متعہ کا اسلام میں جواز ہے یعنی نکاح کسی درجے میں بھی منعقد ہوگا؟ ایک صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کی گنجائش ہے یعنی نسب وغیرہ ثابت ہو جاتا ہے اگر چہ یہ نکاح فاسد ہو لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ متعہ سے متعلق تفصیلات تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

متعہ کا اسلام میں کوئی جواز نہیں، متعہ کا نکاح باطل، کالعدم اور زنا ہے۔ متعہ کہتے ہیں ایک ایسے عارضی عقد کو جس میں مدت انتہاء کو ابتداء میں متعین کر دیا جائے یا غیر معین مدت تک استمتاع وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے نکاح کیا جائے یہ متعہ ہے اور باطل ہے شرعاً وہی نکاح معتبر ہے جو ہمیشگی کے لئے کیا جائے نیز اس میں نسب، عدت وغیرہ کوئی حکم نہیں آتا لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کا نقطہ نظر غلط ہے۔ متعہ باطل ہے اور اس میں نسب، عدت وغیرہ نکاح کے احکام جاری نہیں ہوتے یہ زناء محض ہے۔

لما فی الدر المختار (۳ / ۵۱): (وبطل نكاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت في الأصح۔

وفی الرد تحته: ثم ذكر في الفتح أدلة تحريم المتعة وأنه كان في حجة الوداع وكان تحريم تأبيد لا خلاف فيه بين الأئمة وعلماء الأمصار إلا طائفة من الشيعة۔

Marfat.com

رسالة

کشف الظنون

عن

مصداق متعة خير القرون

خیر القرون میں رائج متعہ کیا تھا؟ مروجہ متعہ وہی ہے یا وہ کوئی اور عقد تھا؟

فتح مکہ کے موقع پر نسخ کیا گیا متعہ کیا تھا؟

مسئلہ ھذا سے متعلق بعض اکابرین کی آراء کا بیان اور راجح کا تعین

Marfat.com

(۳۸۳) متعہ کے مصداق سے متعلق مفصل تحقیق اور بعض شبہات کا ازالہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری اور مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے احسن الفتاوی میں متعہ سے متعلق یہ رائے اختیار فرمائی ہے کہ دور نبی میں مروجہ متعہ، نکاح اضمار بنیت فرقت تھا وہی منسوخ ہوا اور روافض میں مروجہ مخصوص وقت کے لئے زبانی کیا گیا عقد متعہ کبھی جائز ہی نہ تھا۔ اس سے متعلق درج ذیل باتیں دریافت کرنی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک حدیث میں جاہلیت کے نکاحوں کا ذکر فرمایا ہے پھر فرمایا کہ صرف ایک نکاح (صحیح) باقی رکھا گیا کیا ان میں متعہ کا ذکر ہے؟

(۲) جمہور کا مذہب نسخ متعہ مروجہ کا ہے یا نسخ اضمار بنیت فرقت عقد کا؟

(۳) اضمار بنیت فرقت نکاح فی زماننا جائز ہے یا ناجائز؟

(۴) صریح احادیث متعہ تحریر فرمادیں جس میں دور نبوی میں مباح متعہ کا طریقہ کار ذکر ہو کیونکہ مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ترمذی کی ایک حدیث سے استدلال فرمایا ہے جو باب المتعة میں ہے اور بظاہر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال تام ہے اس پر نظر فرمائیں۔

(۵) بعض کتب میں دو مرتبہ نسخ اور دو مرتبہ اباحت کا قول ملتا ہے؟ تو مروجہ متعہ بعد از نسخ کس طرح مباح قرار دیا جاسکتا ہے؟ اصولاً تو یہ بات عقل سے دور ہے کہ ایک زنا کو مباح قرار دیا جائے..... ایسی کیا ضرورت تھی؟ اور وہ ضرورت تو فی زماننا بھی پائی جاتی ہے پھر اب کیوں مباح نہیں؟..... کیا دوبارہ نسخ کا قول درست ہے؟ اس پر نظر فرمائیں۔

(۶) متعہ تو ایک حرام کاری ہے کیا حرام کاری اسلام میں کبھی جائز ہوسکتی ہے؟

(۷) دیگر اردو فتاوی میں اس ذیل میں کیا تحریر ہے از راہ کرم دیگر حضرات کی رائے باحوالہ تحریر فرمادیں۔

مفتی صاحب اس مسئلے میں ہم کافی الجھن کا شکار ہیں آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ ان باتوں کا مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زمانہ جاہلیت میں مختلف قسم کے نکاح رائج تھے جن میں سے چار قسم کے نکاح تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور ہیں

Marfat.com

لیکن اس کے علاوہ اور بھی کچھ نکاح رائج تھے جو اس حدیث میں تو مذکور نہیں البتہ شراح حدیث نے ان کا استدراک کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں رائج نکاح

نکاح الخدن، نکاح البدل اور نکاح المتعۃ وغیرہ دورِ جاہلیت میں رائج تھے الغرض متعہ کا ذکر اگر چہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں موجود نہیں لیکن وہ بھی زمانہ جاہلیت میں نکاح کا ایک طریقہ تھا چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

"(قوله: أربعة)قال الداودي وغيره بقي عليها انحاء لم تذكرها الأول نكاح الخدن وهو في قوله تعالى ولا متخذات اخدان۔۔۔الثاني نكاح المتعة۔۔الثالث نكاح البدل۔"(فتح الباری ۹/۱۵۰)

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے نکاحوں کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں جن کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر نہیں کیا ان میں سے ایک نکاح الخدن ہے جس کا ذکر آیت قرآنیہ "وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ "میں ہے اور دوسرا نکاح المتعۃ اور تیسرا نکاح البدل.....الخ

پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں جس نکاح متعہ کی اجازت دی گئی پھر منسوخ کر دیا گیا وہ کونسا متعہ تھا؟ اس کو متعین کرنے کے لئے پہلے یہ بات جان لینی چاہیئے کہ اس باب میں تین طرح کے نکاح پائے جاتے ہیں جن میں سے کوئی ایک عہد رسالت کا متعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ۱۔نکاح متعہ ۲۔نکاح مؤقت ۳۔نکاح باضمار نیت فرقت

[۱] نکاح متعہ کی تعریف

محدثین کرام اور فقہاء عظام رحمہم اللہ علیہم نکاح متعہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"ومعناه المشهور أن يوجد عقدا على امرأة لا يراد به مقاصد عقد النكاح من القرار للولد وتربيته بل إلى مدة معينة ينتهي العقد بانتهائها أو غير معينة بمعنى بقاء العقد ما دمت معك إلى أن أنصرف عنك فلا عقد۔"

نکاح متعہ ایک ایسا عقد ہے جس میں عورت سے نکاح کے اصل مقاصد، حصول اولاد اور ان کی تربیت وغیرہ مقصود نہ ہوں بلکہ ایک معین مدت تک عقد کیا جائے اور اس معین مدت کے پورا ہوتے ہی عقد ختم ہو جائے یا عقد غیر معینہ مدت کے لئے طے پائے لیکن مقصد یہ ہو کہ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں عقد باقی رہے گا میری واپسی کے ساتھ ہی عقد کالعدم ہو جائے گا۔ (فتح القدیر ۳/۲۴۷)

"وقال ابن عبد البر في التمهيد أجمعوا على أن المتعة نكاح لا إشهاد فيه وأنه نكاح إلى أجل تقع فيه الفرقة بلا طلاق ولا ميراث بينهما۔"

Marfat.com

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ ابن عبد البر نے تمہید میں فرمایا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ متعہ ایک ایسا نکاح ہے جس میں گواہ نہیں ہوتے اور یہ ایک مخصوص مدت کے لئے نکاح ہوتا ہے کہ اس مدت کے پورا ہونے پر بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جاتی ہے اور ان دونوں کے درمیان میراث بھی جاری نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ۱۷/۲۴۶)

"قوله(ينظر الى عطفها)۔۔۔ وفی هذا الحديث دليل على أنه لم يكن فی نكاح المتعة ولی ولا شهود۔"

(فتح الملهم ۶/۵۵۴)

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ نکاح متعہ میں نہ کوئی ولی ہوتا ہے نہ کوئی گواہ۔

"(قوله نكاح المتعة)وهو النكاح المؤقت بيوم ونحوه وفراقها يحصل بانقضاء الاجل من غير طلاق۔"

(شرح الکرمانی ۱۹/۸۸)

نکاح متعہ اس نکاح کو کہتے ہیں جو ایک دن یا اس جیسی کسی مدت کے ساتھ مؤقت ہو اور اس میں مدت پوری ہونے پر بغیر طلاق کے جدائی حاصل ہو جاتی ہے۔

خلاصہ: ان تمام عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح متعہ ایک عارضی قسم کا عقد نکاح ہے جس میں مدت انتہاء کو یا تو ابتداء میں متعین کر لیا جاتا ہے یا کسی خاص غیر متعین مدت تک مشروط نکاح کر لیا جاتا ہے مثلاً کسی غیر ملک میں ایک مرد کسی عورت سے اس شرط پر شادی کرے کہ جب تک میں یہاں ہوں تو یہ عقد ہمارے درمیان باقی ہے اور میرے اس وطن کو چھوڑتے ہی یہ عقد کالعدم ہو جائیگا۔ اسی طرح عقد متعہ میں ولی کا دخل نہیں ہوتا اور کوئی گواہ بھی نہیں ہوتے اور اس میں طلاق کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بغیر طلاق کے مدت پوری ہونے پر فرقت واقع ہو جاتی ہے۔

[۲] نکاح مؤقت کی تعریف

عبارات فقہاء کی روشنی میں نکاح مؤقت کی حقیقت درج ذیل ہے۔

۱۔"والحاصل أن معنى المتعة عقد موقت ينتهي بانتهاء الوقت فيدخل فيه ما بمادة المتعة والنكاح الموقت أيضا فيكون النكاح الموقت من أفراد المتعة وإن عقد بلفظ التزويج وأحضر الشهود" (فتح القدير ۳/۲۴۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ نکاح متعہ کا معنی ہے ایک ایسا عقد جو کہ مؤقت ہو (مؤبد نہ ہو) اور وقت کے پورا ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جائے اس میں وہ عقد بھی شامل ہوگا جو کہ متعہ کے لفظ کے ساتھ ہو اور نکاح مؤقت بھی اس میں داخل ہوگا لہٰذا نکاح مؤقت بھی نکاح متعہ کی ایک قسم ہے اگرچہ بوقت عقد تزویج کا لفظ ذکر کیا جائے اور گواہ موجود ہوں۔

Marfat.com

۲۔" قوله (وبطل نكاح متعة ومؤقت) قال في الفتح قال شيخ الإسلام في الفرق بينهما أن يذكر الوقت بلفظ النكاح والتزويج وفي المتعة أتمتع أو أستمتع اه يعني ما اشتمل على مادة متعة والذي يظهر مع ذلك عدم اشتراط الشهود في المتعة وتعيين المدة وفي المؤقت الشهود وتعيينها۔"

(شامية ۵۱/۳)

ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نکاح موقت اور متعہ میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نکاح موقت میں وقت کو لفظ نکاح یا تزویج کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جبکہ متعہ میں اتمتع یا استمتع یعنی کوئی بھی ایسا لفظ جو متعہ کے مادہ پر مشتمل ہو اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ فرق بھی ہے کہ نکاح متعہ میں گواہوں کی شرط بھی نہیں اور مدت متعین کرنا بھی ضروری نہیں جبکہ نکاح موقت میں گواہ بھی ہوتے ہیں اور مدت بھی متعین کی جاتی ہے۔

۳۔"والفرق بين نكاح المتعة ونكاح المؤقت بذكر لفظ التزويج فى المؤقت دون المتعة وكذا بشهادة فيه دون المتعة۔" (الموسوعة الفقهية ۳۴۲/۴۱)

نکاح متعہ اور نکاح موقت میں فرق یہ ہے کہ نکاح موقت میں لفظ تزویج کا ذکر ہوتا ہے لیکن نکاح متعہ میں اس کا ذکر نہیں ہوتا اور اسی طرح نکاح موقت میں گواہ بھی ہوتے ہیں جبکہ نکاح متعہ میں گواہ نہیں ہوتے۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح موقت بھی نکاح متعہ کی طرح ایک عارضی نکاح ہے اور بغیر طلاق کے ختم ہو جاتا ہے البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ اس میں وقت کی تعیین ضروری ہوتی ہے اور گواہوں کی موجودگی بھی ہوتی ہے۔

[۳] نکاح باضمار نیت فرقت کی تعریف

عبارات فقہاء کی روشنی میں نکاح باضمار نیت فرقت کی حقیقت:

۱۔ "وفي البحر ولو تزوجها بنية أن يقعد معها مدة نواها فالنكاح صحيح لأن التوقيت إنما يكون بلفظ۔" (مجمع الانهر ۴۸۸/۱)

بحر میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص دل میں ایک متعین مدت تک کسی عورت کے ساتھ رہنے کی نیت سے نکاح کرتا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے اس لئے کہ توقیت تو زبان کے تلفظ سے ہوتی ہے۔

۲۔ "وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة۔"

(الدر المختار ۵۱/۳)

نکاح متعہ میں سے نہیں ہے وہ صورت جہاں کسی عورت سے نکاح کرے اس شرط پر کہ ایک مہینہ بعد اسے طلاق دے دے گا، یا (بغیر صراحت) کے اس کے ساتھ ایک معین مدت تک رہنے کی صرف (دل میں) نیت کرے۔

Marfat.com

۲۔"قالی القاضی : واجمعوا علی أن من نکح نکاحا مطلقا ونیته ان لایمکث معها الا مدة نواها فنکاحه صحیح حلال ولیس نکاح متعة وانما نکاح المتعة ما وقع بالشرط المذکور۔"

(فتح الملهم ۲/۵۵۱)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو آدمی مطلق (بغیر کسی مدت کو متعین کئے) نکاح کرے لیکن دل میں اس کی نیت ایک خاص مدت تک اس عورت کے ساتھ رہنے کی ہو تو اس کا یہ نکاح صحیح اور حلال ہے اور یہ نکاح متعہ نہیں ہے اس لئے کہ نکاح متعہ تو وہ ہوتا ہے جو شرط مذکور کے ساتھ واقع ہو (یعنی جس میں مدت کی شرط لگا دی ہو اور صراحت کر دی ہو)۔

ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح باضمار نیت فرقت حقیقت میں نکاح صحیح ہی ہوتا ہے اور نکاح کی تمام شرائط اس میں پائی جاتی ہیں البتہ صرف دل میں یہ نیت ہوتی ہے کہ ایک عرصہ بعد طلاق دے کر جدا کر دونگا۔

دورِ نبوی میں رائج متعہ سے متعلق احادیث اور تعریفات سے تقابل

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں اب ان احادیث پر غور کیا جائے جو عہد رسالت کے متعہ کی حلت و حرمت کو بیان کرتی ہیں تو یہ بات بخوبی واضح ہو جائیگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی وہ متعہ مروجہ ہی تھا نکاح موقت یا نکاح باضمار نیت فرقت نہ تھا۔ چنانچہ وہ احادیث جو مباح متعہ کے طریقہ کو بیان کرنے میں صریح ہیں ان کو ذکر کیا جاتا ہے اور پھر مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں زمانہ رسالت کے مباح متعہ کا مصداق متعین کیا جائے گا۔

"حدثنی إیاس بن سلمة بن الأکوع عن أبیه، عن رسول الله صلی الله علیه وسلم: أیما رجل وامرأة توافقا، فعشرة ما بینهما ثلاث لیال، فإن أحبا أن یتزایدا، أو یتتارکا تتارکا فما أدری أشیء کان لنا خاصة أم للناس عامة، قال أبو عبد الله: وبینه علی، عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه منسوخ۔"

(صحیح البخاری ۲/۷۶۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مرد اور عورت ایک دوسرے کے موافق ہوں تو ان کے درمیان تین دن تک معاشرت رہنی چاہیئے اس کے بعد اگر وہ اس مدت میں اضافہ چاہیں تو اضافہ کر دیں اور اگر ایک دوسرے کو چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ دیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ ہمارے لئے خاص تھا یا تمام لوگوں کیلئے تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

"عن الربیع بن سبرة الجهنی عن أبیه سبرة رضی اللہ عنہ أنه قال أذن لنا رسول الله -صلی الله علیه وسلم- بالمتعة فانطلقت أنا ورجل إلی امرأة من بنی عامر کأنها بکرة عیطاء فعرضنا علیها أنفسنا فقالت ما تعطی فقلت

Marfat.com

ردائی. وقال صاحبی ردائی. وکان رداء صاحبی أجود من ردائی و کنت أشب منه فإذا نظرت إلی رداء صاحبی أعجبها وإذا نظرت إلی أعجبتها ثم قالت أنت ورداؤك یکفینی. فمکثت معها ثلاثا ثم إن رسول الله -صلی الله علیه وسلم- قال من کان عنده شیء من هذه النساء التی یتمتع فلیخل سبیلها." (صحیح المسلم ۱/۴۵۱)

"عن الربیع بن سبرة أن أباه رضی الله عنه غزا مع رسول الله -صلی الله علیه وسلم- فتح مکة قال فأقمنا بها خمس عشرة- ثلاثین بین لیلة ویوم- فأذن لنا رسول الله -صلی الله علیه وسلم- فی متعة النساء فخرجت أنا ورجل من قومی ولی علیه فضل فی الجمال وهو قریب من الدمامة مع کل واحد منا برد فبردی خلق وأما برد ابن عمی فبرد جدید غض حتی إذا کنا بأسفل مکة أو بأعلاها فتلقتنا فتاة مثل البکرة العنطنطة فقلنا هل لك أن یستمتع منك أحدنا قالت وماذا تبذلان فنشر کل واحد منا برده فجعلت تنظر إلی الرجلین ویراها صاحبی تنظر إلی عطفها فقال إن برد هذا خلق وبردی جدید غض. فتقول برد هذا لا بأس به. ثلاث مرار أو مرتین ثم استمتعت منها فلم أخرج حتی حرمها رسول الله صلی الله علیه وسلم." (صحیح المسلم ۱/۴۵۱)

"عن الربیع بن سبرة، عن أبیه رضی الله عنه، قال: خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع، فقالوا: یا رسول الله، إن العزبة قد اشتدت علینا، قال: فاستمتعوا من هذه النساء، فأتیناهن، فأبین أن ینکحننا، إلا أن نجعل بیننا وبینهن أجلا، فذکروا ذلك للنبی صلی الله علیه وسلم، فقال: اجعلوا بینکم وبینهن أجلا. فخرجت أنا وابن عم لی، معه برد ومعی برد، وبرده أجود من بردی، وأنا أشب منه، فأتینا علی امرأة، فقالت: برد کبرد، فتزوجتها، فمکثت عندها تلك اللیلة، ثم غدوت ورسول الله صلی الله علیه وسلم قائم بین الرکن والباب، وهو یقول: أیها الناس، إنی قد کنت أذنت لکم فی الاستمتاع، ألا وإن الله قد حرمها إلی یوم القیامة، فمن کان عنده منهن شیء فلیخل سبیلها، ولا تأخذوا مما آتیتموهن شیئا."

(ابن ماجه ص ۱۴۱)

"عن طاووس قال: کانت سنة المتعة سنة النکاح إلا أن الأجل کان فی أیدیهن."

(المصنف لابن ابی شیبه ۳/۵۴۶)

"عن سلیمان بن یسار عن أم عبد الله ابنة أبی خیثمة أن رجلا قدم من الشام فنزل علیها، فقال إن العزبة قد اشتدت علی فابغینی امرأة أتمتع معها، قالت: فدللته علی امرأة فشارطها فاشهدوا علی ذلك عدولا، فمکث معها ما شاء الله أن یمکث." (کنز العمال ۱۶/۵۲۲)

اب ان مذکورہ روایات پر ابتداء میں ذکر کردہ تعریفات کی روشنی میں غور کیا جائے تو بخوبی واضح ہوگا کہ عہد رسالت میں جس نکاح متعہ کی اجازت دی گئی تھی وہ نکاح باضمار نیت فرقت تھا اور نہ نکاح مؤقت، بلکہ مروجہ متعہ ہی تھا۔ پس نکاح باضمار نیت فرقت تو اس

Marfat.com

لئے نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے بعض روایات میں تو صراحتاً آپس میں مدت طے کرنا ثابت ہے جو اضمار نیت کے منافی ہے چنانچہ بخاری کی عبارت میں ہے "فان احبا ان یتزایدا أو ان یتتارکا تتارکا" "یعنی پھر اگر یہ آپس میں مدت میں اضافہ کرنا چاہیں تو اضافہ کردیں" اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں صراحتاً مدت کو کم زیادہ کیا جاتا تھا نہ یہ کہ صرف دل میں نیت فرقت ہو۔ اسی طرح کنز العمال کی روایت میں ہے "فشارطها" کہ ان صحابی نے اس عورت سے مشارطت کی۔ یعنی ایک عرصہ تک ساتھ رہنے کی شرط لگائی اور اس پر گواہ بھی بنائے۔ اس سے زیادہ صراحت ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

"فأتيناهن, فأبين أن ينكحننا ,إلا أن نجعل بيننا وبينهن أجلا ,فذكروا ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم, فقال: اجعلوا بينكم وبينهن أجلا ."

"یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان عورتوں سے متعہ کی خواہش ظاہر کی تو ان عورتوں نے استمتاع کے لئے مدت طے کرنے کو کہا اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ مدت طے کرلو"

پس یہ روایت تو بالکل صریح ہے اس باب میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ آپس میں مدت طے کرنے کی اجازت دی جو اضمار کے بالکل خلاف ہے۔ اسی طرح اس کو نکاح باضمار نیت فرقت قرار دینا اس لئے بھی درست معلوم نہیں ہوتا کہ نکاح باضمار نیت فرقت جو کہ نکاح صحیح کے قبیل سے ہے اس میں جدائی کے لئے طلاق ضروری ہے جب کہ وہ تمام روایات جو عہد رسالت کے متعہ کی ترجمانی کرتی ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جدا ہونے کے لئے طلاق دینے کا حکم کیا ہو اور نہ ہی صحابی رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کا ذکر ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغیر طلاق کے جدائی کا حکم منقول ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں:

"إن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال من كان عنده شىء من هذه النساء التى يتمتع فليخل سبيلها ."

"ان متعہ والی عورتوں میں سے جس کے استمتاع میں کوئی عورت ہو وہ اس کا راستہ چھوڑ دے"

لہٰذا اگر یہ عقد "نکاح باضمارِ نیتِ فرقت" ہوتا تو اس میں طلاق و میراث کے احکام ضرور چلتے جو یہاں مفقود ہیں۔

متعہ سے متعلق حضرت عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی تشدید

اسی طرح اس عقد متعہ کو نکاح باضمارِ نیتِ فرقت پر محمول کرنا اس لئے بھی ناممکن ہے کہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس عقد متعہ پر شدت سے تنقید فرمایا کرتے تھے اور اس کے مرتکب کو زانی اور رجم کا مستحق قرار دیتے تھے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے:

"قال ابن شهاب أخبرنى عروة بن الزبير أن عبد الله بن الزبير قام بمكة فقال إن ناسا -أعمى الله قلوبهم كما أعمى أبصارهم - يفتون بالمتعة - يعرّض برجل - فناداه فقال إنك لجلف جاف فلعمرى لقد كانت المتعة تفعل على عهد إمام المتقين - يريد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- - فقال له ابن الزبير فجرب بنفسك

Marfat.com

فوالله لئن فعلتها لأرجمنك بأحجارك." (صحیح مسلم ۱/۴۵۲، باب نکاح المتعة ، قدیمی)

"وفی شرح المسلم للنووی تحته :(قوله فوالله لان فعلتها لارجمنك باحجارك) هذا محمول علی انه ابلغه الناسخ لها وانه لم یبق شك فی تحریمها فقال ان فعلتها بعد ذلك ووطئت فیها کنت زانیاً ورجمتك بالاحجار التی یرجم بها الزانی ۔"

۲۔" وروی سالم بن عبدالله بن عمر رضی الله عنه أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه صعد المنبر فحمد الله واثنی علیه، ثم قال ما بال أقوام ینکحون، هذه المتعة وقد نهی رسول الله (صلی الله علیه وسلم) عنها لا أجد رجلاً نکحها إلا رجمته بالحجارة وقال هدم المتعة النکاح والطلاق والعدة والمیراث." (التفسیر الخازن ۱/۳۶۲)

ان روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے اکابرین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر شدت کے ساتھ نکیر فرمانا کہ اس کے مرتکب کو زانی اور رجم کا مستحق قرار دینا اس پر کافی دلیل ہے کہ وہ نکاح باضمار نیت فرقت نہ تھا بلکہ عقد کی کوئی اور صورت تھی جو باوجود زنا کے مشابہ ہونے کے کچھ وقت کے لئے مباح کی گئی تھی پھر بعد میں منسوخ کردی گئی تھی۔ اس لئے یہ حضرات اس پر شدت سے نکیر فرماتے تھے کہ چونکہ وہ من وجہٍ زنا ہی تھا اور اب حلت بھی ختم ہوچکی تھی تو وہ فرماتے کہ نسخ معلوم ہونے کے باوجود کوئی اس کا ارتکاب کرے تو گویا وہ زانی ہے اور رجم کا مستحق ہے، جبکہ یہ بات نکاح باضمار نیت فرقت میں نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ وہ تو ابتداء ہی سے حلال تھا اور بعد میں بھی حلال رہا۔ اگرچہ قائلین کے نزدیک دیانۃً ناجائز ہے لیکن قضاءً تو وہ بھی جواز کے قائل ہیں۔

کیا اس نکاح کو نکاح مؤقت یا نکاح باضمارِ نیتِ فرقت قرار دے سکتے ہیں؟

مسئلہ ھذا میں فیض الباری شرح صحیح البخاری **علامة الکشمیری** رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں تضاد بھی ہے۔ پہلے نکاح باضمار نیت فرقت کو منسوخ بتایا اور پھر قضاءً جائز اور دیانۃً ۔ع قرار دیا۔ منسوخ شئ دیانۃً ممنوع ہونے کے ساتھ قضاءً اور اصلاً بھی ممنوع ہوتی ہے۔ صرف دیانۃً ممنوع تو کوئی ایسا حکم نہیں کہ اس کے لئے نص وارد ہو لہٰذا عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد متعہ کو نکاح باضمار نیت فرقت پر محمول کرنا نصاً وعقلاً کسی طرح درست نہیں۔

البتہ اس عقد متعہ کو نکاح مؤقت پر محمول کرنا جیسا کہ دوسرے بعض حضرات کا موقف ہے اگرچہ کسی نہ کسی درجہ میں گنجائش رکھتا ہے لیکن فقہاء نے نکاح مؤقت کی جو تعریفات کی ہیں اگر ان کی روشنی میں روایات متعہ پر غور کیا جائے تو یہ احتمال بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ فقہاء نے نکاح مؤقت کی جو تعریفات کی ہیں ان میں یہ بات مصرح ہے کہ نکاح مؤقت میں گواہ بھی ہوتے ہیں جیسا کہ شامی میں مذکور ہے۔

۱۔" قال في الفتح قال شیخ الإسلام في الفرق بینهما أن یذکر الوقت بلفظ النکاح والتزویج وفي المتعة أتمتع أو أستمتع اھ یعني مااشتمل علی مادة متعة والذي یظهر مع ذلك عدم اشتراط الشهود

Marfat.com

في المتعة وتعيين المدة وفي المؤقت الشهود وتعيينها۔" (شامية ۳/۵۱)

۲۔"والفرق بين نكاح المتعة ونكاح المؤقت بذكر لفظ التزويج فى المؤقت دون المتعة وكذا بالشهادةفيه دون المتعة۔" (الموسوعةالفقهية۴۱/۳۴۲)

پس ان عبارات سے واضح ہے کہ نکاح موٴقت میں گواہ ہوتے ہیں جبکہ روایات متعہ کے اندر عہد رسالت کے منقول واقعات میں متعہ میں گواہوں کا کہیں ذکر نہیں (کہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس ایجاب وقبول پر گواہ بناتے ہوں)۔لہٰذا عہد رسالت کے عقد متعہ کو نکاح موٴقت پر محمول کرنا بھی درست نہیں۔نیز نکاح موٴقت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے،وہ فرماتے ہیں کہ نکاح موٴقت بھی ایک مکمل عقد ہے۔گواہ وغیرہ سب موجود ہیں۔صرف تابید کی شرط مفقود ہے لہذا عقد درست اور شرط باطل ہوگی اور یہ عقد علی التابید درست ہوجائیگا۔شامیہ میں ہے:

"ثم ذكر في الفتح أدلة تحريم المتعة وأنه كان في حجة الوداء وكان تحريم تأبيد لا خلاف فيه بين الأئمة وعلماء الأمصار إلا طائفة من الشيعة ونسبة الجواز إلى مالك كما وقع في الهداية غلط ثم رجح قول زفر بصحة المؤقت على معنى أنه ينعقد مؤبدا ويلغو التوقيت ۔۔۔ بخلاف ما لو عقد بلفظ المتعة وأراد النكاح الصحيح المؤبد فإنه لا ينعقد وإن حضره الشهود لأنه لا يفيد ملك المتعة كلفظ الإحلال فإن من أحل لغيره طعاما لا يملكه فلم يصلح مجازا عن معنى النكاح كما مر اه ملخصا۔" (شامية۳/۵۱)

فقہاء کی بیان کردہ متعہ کی تعریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح موٴقت،متعہ کا ایک فرد ہے اور اس پر بھی متعہ کا معنی صادق آتا ہے،اگرچہ اصل متعہ وہی ہے جو بغیر گواہ کے م،ت،ع کے الفاظ کے ساتھ ہو۔

"قوله (وبطل نكاح متعة ومؤقت) قال في الفتح قال شيخ الإسلام في الفرق بينهما أن يذكر الوقت بلفظ النكاح والتزويج وفي المتعة أتمتع أو أستمتع اه يعنى ما اشتمل على مادة متعة والذي يظهر مع ذلك عدم اشتراط الشهود في المتعة وتعيين المدة وفي المؤقت الشهود وتعيينها ولا شك أنه لا دليل لهم على تعيين كون المتعة الذي أبيح ثم حرم هو ما اجتمع فيه مادة م ت ع للقطع من الآثار بأنه كان أذن لهم في المتعة وليس معناه أن من باشر هذا يلزمه أن يخاطبها بلفظ أتمتع ونحوه لما عرف أن اللفظ يطلق ويراد معناه فإذا قيل تمتعوا فمعناه أوجدوا معنى هذا اللفظ ومعناه المشهور أن يوجد عقدا على امرأة لا يراد به مقاصد عقد النكاح من القرار للولد وتربيته بل إلى مدة معينة ينتهي العقد بانتهائها أو غير معينة بمعنى بقاء العقد ما دام معها إلى أن ينصرف عنها فلا عقد فيدخل فيه ما بمادة المتعة والنكاح المؤقت أيضا فيكون من أفراد

Marfat.com

المتعة وإن عقد بلفظ التزويج وأحضر الشهود اه ملخصا۔ وتبعه في البحر والنهر۔ ثم ذكر في الفتح أدلة تحريم المتعة وأنه كان في حجة الوداء وكان تحريم تأبيد لا خلاف فيه بين الأئمة وعلماء الأمصار إلا طائفة من الشيعة ونسبة الجواز إلى مالك كما وقع في الهداية غلط ۔ ثم رجح قول زفر بصحة المؤقت على معنى أنه ينعقد مؤبدا ويلغو التوقيت لأن غاية الأمر أن المؤقت متعة۔۔۔۔۔الخ" (الشامية ۵۱/۳)

لہذا نکاح موقت کو عہد اسلام میں مروج متعہ قرار دینا بھی مشکل ہے۔شامیہ میں ہی آگے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح موقت کے جواز کے قول پر وارد اشکال (کہ یہ متعہ کی تعریف میں داخل ہے اور جائز بھی ،تو پھر منسوخ کیسے؟؟؟) کا جواب دیا گیا ہے،لیکن ہمارا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ یہ تمام بحث اس پر دال ہے کہ نکاح موقت مستقل عقد ہے اور متعہ ایک الگ عقد ہے۔دونوں کو ایک قرار دینا محل نظر ہے۔

"قول زفر بصحة المؤقت على معنى أنه ينعقد مؤبدا ويلغو التوقيت لأن غاية الأمر أن المؤقت متعة وهو منسوخ لكن المنسوخ معناها الذي كانت الشريعة عليه وهو ما ينتهي العقد فيه بانتهاء المدة فإلغاء شرط التوقيت أثر النسخ وأقرب نظير إليه نكاح الشغار وهو أن يجعل بضع كل من المرأتين مهرا للأخرى فإنه صح النهي عنه وقلنا يصح موجبا لمهر المثل لكل منهما فلم يلزمنا النهي بخلاف ما لو عقد بلفظ المتعة وأراد النكاح الصحيح المؤبد فإنه لا ينعقد وإن حضره الشهود لأنه لا يفيد ملك المتعة كلفظ الإحلال فإن من أحل لغيره طعاما لا يملكه فلم يصلح مجازا عن معنى النكاح كما مر اه ملخصا" (الشامية ۵۱/۳)

الغرض عہد رسالت میں جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی وہ نہ نکاح باضمار نیت فرقت تھا اور نہ ہی نکاح موقت بلکہ وہ مروجہ متعہ ہی تھا جو ضرورت کی بناء پر کچھ وقت کے لئے ایک رخصت تھی پھر وہ رخصت ختم کر دی گئی اور دوبارہ حرمت لوٹ آئی۔باقی نکاح باضمار نیت فرقت ،ابتداء سے حلال تھا اور اب بھی بالکل حلال وجائز ہے حتی کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱۔"قال القاضي : وأجمعوا على أن من نكح نكاحا مطلقا ونيته أن لا يمكث معها الا مدة نواها فنكاحه صحيح حلال وليس نكاح متعة وانما نكاح المتعة ما وقع بالشرط المذكور ولكن قال مالك: ليس هذا من أخلاق الناس وشذ الأوزاعي فقال: هو نكاح متعة ولا خير فيه۔"

(فتح الملهم ۵۵۱/۶)

"قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو آدمی مطلقاً (یعنی بغیر کسی مدت کو متعین کئے) نکاح کرے

Marfat.com

لیکن دل میں اس کی نیت ایک خاص مدت تک اس عورت کے ساتھ رہنے کی ہوتو اس کا یہ نکاح صحیح اور حلال ہے اور یہ نکاح متعہ نہیں ہے اس لئے کہ نکاح متعہ تو وہ ہوتا ہے جو شرط مذکور کے ساتھ واقع ہو (یعنی جس میں مدت کی شرط لگا دی ہو اور صراحت کر دی ہو)۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاقاً ایسا کرنا مناسب نہیں ہے اور اس مقام پر امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے شذوذ اختیار کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح متعہ ہی کے قبیل سے ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں۔"

۲۔ "أما لو تزوج وفی نیته أن یطلقها بعد مدة نواها صح۔" (فتح القدیر ۲۴۹/۳)

"اگر نکاح کرے اس طرح کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ ایک خاص مدت کے بعد اس عورت کو طلاق دے دے گا تو اس طرح کا نکاح صحیح ہے۔"

۲۔ "ولو تزوجها مطلقا وفی نیته أن یقعد معها مدة نواها فالنکاح صحیح۔" (الهندیة ۲۸۳/۱)

"اگر کسی عورت سے بغیر کسی صراحت وشرط کے مطلق نکاح کرے لیکن اس کی نیت یہ ہو کہ وہ ایک خاص مدت تک اس کے ساتھ رہے گا (پھر طلاق دے کر جدائی اختیار کر لے گا) تو یہ نکاح صحیح ہے۔"

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح باضمار نیت فرقت اب بھی جائز وحلال ہے اگرچہ اخلاقاً مناسب نہیں لیکن جائز ضرور ہے۔ گویا کہ نکاح باضمار نیت فرقت میں دل میں علیحدگی کی نیت ہوتی ہے اور متعہ وغیرہ میں علیحدگی زبانی طور پر مشروط ہوتی ہے لہٰذا دونوں میں بڑا فرق ہے اس کی واضح مثال حلالہ کا نکاح ہے۔ کہ حلالہ کا نکاح اگر بشرط التحلیل (زبانی شرط کے ساتھ) ہو تو مکروہ تحریمی اور سخت گناہ ہے لیکن اگر زبانی طور پر مشروط نہ ہو بلکہ دل میں نیت ہو تو یہ باعث گناہ نہیں، بلکہ بغرض اصلاح اور نیک مقصد کو مدّنظر رکھتے ہوئے فقہاء نے بعض اوقات اسے ثواب کا باعث بھی لکھا ہے لہٰذا یہاں عام نکاح میں بھی زبانی مشروط نکاح اور باضمارِ نیت فرقت نکاح، میں فرق ہوگا اور باضمارِ نیت فرقت نکاح دیانت اور قضاء دونوں میں جائز ہوگا لہٰذا جس متعہ کو منسوخ کیا تھا وہ متعہ مروجہ ہی تھا۔

متعہ مروجہ کی ابتداء اسلام میں حلت پر ایک اشکال اور اس کے جوابات

البتہ سوال میں ذکر کردہ اشکال یہاں بہر حال وارد ہوتا ہے کہ متعہ تو ایک زنا اور حرام کاری ہے اسلام میں یہ شناعت کیسے مباح ہو سکتی ہے؟؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس کو صریح زنا قرار دینا مشکل ہے اس لئے کہ عقد متعہ میں باقاعدہ ایجاب وقبول بھی ہوتا تھا اور مہر بھی مقرر ہوتا تھا۔ صرف تابید کی شرط جو نکاح کی اصل بنیاد ہے وہ کچھ وقت کے لئے ضرورتاً اٹھالی گئی تھی اور نکاح مؤبد اور غیر مؤبد دونوں کو مباح قرار دیا گیا تھا۔ ضرورت ختم ہونے پر نکاح کو اپنی اصل حالت کی طرف لوٹا دیا گیا اور صرف تابیدی نکاح جائز رہا غیر تابیدی کو باطل قرار دے دیا گیا۔

ثانیاً اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ زنا اور ایک قبیح فعل ہے تو ایک چیز چاہے کتنی ہی بری نظر آتی ہو جب شریعت اس کی اجازت دے تو اب وہ قبیح وشنیع نہیں رہتی، لیکن اگر شارع اس سے منع کر دے تو چاہے وہ کتنی ہی مرغوب ہو اور عند الطبائع کتنی ہی اچھی ہو لیکن اب وہ

Marfat.com

قبیح ہوگی جیسے شراب جب تک حرام نہیں تھی اگرچہ اس کے برے اثرات روز روشن کی طرح واضح تھے لیکن جب تک شارع نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا اس وقت تک کوئی اسے حرام خوری نہیں کہہ سکتا تھا لیکن جب شارع نے اس سے منع فرمادیا تو اب، وہ حرام خوری ہے۔ اسی طرح متعہ کی جب تک شارع کی طرف سے اجازت تھی تو وہ زنا اور حرام کاری نہ ہوگی لیکن جب شارع نے اجازت اٹھالی تو اب وہ حرام کاری ہے۔ الغرض جب شریعت کی طرف سے متعہ کی اجازت دی گئی تو وہ شریعت کی اجازت کی وجہ سے اتنے وقت کے لئے حرام ہونے سے نکل گیا ہاں جب اس سے منع کر دیا گیا تو وہ دوبارہ حرام ہوگیا۔ چنانچہ اسی بات کو امام المفسرین ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''احکام القران'' میں اس پیرائے میں ذکر کرتے ہیں:

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه سئل عن المتعة فقال ذلك السفاح وروى عن هشام بن عروة عن أبيه قال كان نكاح المتعة بمنزلة الزنا فإن قيل لا يجوز أن تكون المتعة زنا لأنه لم يختلف أهل النقل أن المتعة قد كانت مباحة في بعض الأوقات أباحها رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ولم يبح الله تعالى الزنا قط قيل له لم تكن زنا في وقت الإباحة فلما حرمها الله تعالى جاز إطلاق اسم الزنا عليها۔" (احکام القران للجصاص ۲/۱۴۷)

''سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ متعہ ایک زنا ہے..... چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے متعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تو سفاح یعنی زنا ہے۔ اسی طرح ہشام بن عروۃ اپنے والد عروہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نکاح متعہ زنا ہی کے درجے میں ہے۔ پس اگر یہ اشکال کیا جائے کہ متعہ کو زنا قرار دینا ممکن نہیں اس لئے کہ تمام اہل روایات اس پر متفق ہیں کہ متعہ کو بعض مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباح قرار دیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تو زنا کو کبھی مباح نہیں کیا (لہٰذا معلوم ہوا کہ متعہ کو زنا کہنا ٹھیک نہیں) تو اس اشکال کا جواب یہ دیا جائے گا کہ (متعہ اصل کے اعتبار سے زنا ہی ہے البتہ) جس وقت اس کو مباح کر دیا گیا اس وقت وہ زنا نہیں رہا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ حرام کر دیا تو اب اس پر زنا کا اطلاق ٹھیک ہوگا۔''

معلوم ہوا کہ ایک چیز محرم اور کتنی ہی قبیح اور شنیع ہو لیکن جب شارع خود اجازت دے دے تو پھر وہ محرم اور قبیح نہیں رہتی اگرچہ فی نفسہ کتنی ہی قبیح معلوم ہو۔

ثالثاً یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ کسی چیز کی حلت وحرمت کا اختیار چونکہ شارع ہی کو ہے وہ جسے چاہے حلال کر دے اگرچہ وہ انسانوں میں کتنی ہی قبیح سمجھی جاتی ہو لہٰذا کسی چیز کا قبیح وشنیع ہونا شارع کے لئے اس چیز کی حلت ورخصت میں مانع نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ حدود حرم میں قتال اگرچہ حرام تھا اور حرمت کعبہ اور حرم کے خلاف سمجھا جاتا تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر کچھ دیر کیلئے حلال کیا گیا۔ اسی طرح متعہ اگرچہ فی نفسہ زنا اور قبیح فعل ہے لیکن کسی موقع پر شارع اگر اپنے اختیار سے اس کی رخصت دے دیں تو اس کی قباحت وشناعت اس رخصت سے مانع نہیں۔

Marfat.com

رابعاً اس اشکال کا جواب بایں طور بھی ممکن ہے کہ یہ کہنا کہ ''عقد متعہ تو ایک زنا اور حرام کاری ہے لہٰذا یہ جائز وحلال نہ ہونا چاہیئے'' یہ ہمیں تسلیم ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ابتداء اسلام میں ہی اسے حرام کر دیا گیا تھا جیسا کہ ابتداء میں ذکر کیا گیا اور پھر بعد میں حلال کیا ہی نہیں گیا البتہ بعض مواقع پر ضرورت کی بناء پر صرف رخصت دی گئی لہٰذا یہ حلال نہیں بلکہ رخصت للمضطر کی قبیل سے ہے۔ جیسے مردار حرام ہے، البتہ مضطر کے لئے اس کے کھانے کی رخصت ہے، لیکن وہ مردار اس کے لئے بھی حلال نہیں لہذا ضرورت سے زیادہ اور تلذذ کے طور پر کھانے میں گنہگار ہوگا۔ اسی طرح متعہ فی نفسہ زنا اور حرام ہے لیکن بعض مواقع میں ضرورت اور اضطرار کی بناء پر صرف رخصت تھی حلال تو اس وقت بھی نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت کے متعہ کو بیان کرنے والی اکثر احادیث میں ''رخصت'' اور ''اذن'' کا لفظ مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک حرام فعل ہی تھا البتہ ضرورت کی وجہ سے رخصت اور اجازت دی گئی تھی اس لئے ضرورت کے ختم ہونے پر رخصت بھی ختم کر دی۔

۱۔ "عن قیس قال سمعت عبد الله رضی الله عنه یقول کنا نغزو مع رسول الله -صلی الله علیه وسلم- لیس لنا نساء فقلنا ألا نستخصی فنهانا عن ذلك ثم رخص لنا أن ننکح المرأة بالثوب إلی أجل ثم قرأ عبد الله (یا أیها الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما أحل الله لکم ولا تعتدوا إن الله لا یحب المعتدین). (صحیح مسلم ۱/۴۵۰)

۲۔ عن إیاس بن سلمة عن أبیه قال رخص رسول الله -صلی الله علیه وسلم- عام أوطاس فی المتعة ثلاثا ثم نهی عنها." (صحیح مسلم ۱/۴۵۱)

۳۔ "عن الربیع بن سبرة الجهنی عن أبیه سبرة أنه قال أذن لنا رسول الله -صلی الله علیه وسلم- بالمتعة الخ"

(صحیح مسلم ۱/۴۵۱)

۴۔ "قال ابن أبی عمرة إنها کانت رخصة فی أول الإسلام لمن اضطر إلیها کالمیتة والدم ولحم الخنزیر ثم أحکم الله الدین ونهی عنها." (صحیح مسلم ۱/۴۵۲)

ابن ابی عمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ متعہ ابتداء اسلام میں صرف اس شخص کے لئے رخصتاً جائز تھا جو متعہ کرنے پر مجبور ہو جیسے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت (اگرچہ حرام ہے لیکن مضطر کے لئے رخصتاً جائز ہے) لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے دین کو مضبوطی عطاء فرمادی (لہٰذا متعہ کی ضرورت نہ رہی اس لئے پھر ہمیشہ کے لئے) اس سے منع فرمادیا۔

۵۔ "قال القاضی: کل ماروی فی جوازه کان فی أسفارهم عند ضرورتهم وقلة النسآء وکثرة احتیاجهم لأن بلادهم کانت حارة ونحوه وقیل انها کانت رخصة فی أول الاسلام لمن اضطر الیها کالمیتة ونحوها۔"

(شرح الکرمانی ۱۹/۸۸)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: وہ تمام روایات جو متعہ کے جواز میں مروی ہیں وہ سفر کے مواقع کی ہیں اور ضرورت کے وقت کی ہیں جب ان کے پاس عورتیں بھی کم تھیں اور ان کو احتیاج بھی زیادہ تھی۔ اس لئے کہ ان کے شہر گرم ہوتے تھے (لہٰذا صبر ممکن

Marfat.com

نہ ہوتا) وغیرہ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام میں صرف مضطر کے لئے رخصت تھی جیسے مضطر کے لئے مردار کھانے کی رخصت ہوتی ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ متعہ جو کہ مانند زنا اور قبیح فعل ہے مطلقاً حلال نہیں کیا گیا بلکہ مضطر کے لئے رخصت کی حد تک تھا۔

ایک اور اشکال اور اس کے جوابات

باقی رہا یہ اشکال کہ وہی ضرورت ہمارے زمانے میں بھی پائی جاتی ہے پھر اب کیوں مباح نہیں؟؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ تسلیم ہی نہیں کہ ضرورت فی زماننا بھی باقی ہے اس لئے کہ روایات میں جن ضرورتوں کو معیار رخصت بنایا گیا ہے یعنی عورتوں کا کم ہونا، اپنی بیویوں کا ساتھ نہ ہونا، اکثر اسفار میں تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شریک کار ہونا جن میں بعض ایسے بھی ہوتے جو اپنی خواہش پر برداشت اور صبر کی قابلیت نہ رکھتے وغیرہ، یہ ضرورتیں ایسی ہیں جو اسلام کی فتوحات کے بعد ختم ہوگئیں کیونکہ عورتیں بھی کثیر ہوگئیں، جہاد میں عورتوں کے ساتھ جانے کی صورتیں بھی آسان ہوگئیں اور تمام افراد کا ہر وقت جہاد میں شریک کار ہونا بھی ضروری نہ رہا لہٰذا رخصت کے لئے جو ضروریات معیار تھیں وہ فی زماننا موجود ہی نہیں۔

ثانیاً اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ضرورت اب بھی باقی ہے اور متعہ بھی ضرورت ہی کی بنیاد پر حلال کیا گیا تھا تب بھی متعہ حلال نہ ہوگا۔ اس لئے کہ شارع نے فتح مکہ کے موقع پر جب متعہ کی تحریم کا اعلان کیا تو اسے "الی یوم القیامة" کے ساتھ مقید کر دیا۔ جس سے اشارہ ہو گیا کہ اب متعہ قیامت تک کے لئے سفر، حضر، ضرورت، غیر ضرورت، مضطر، غیر مضطر سب کے لئے حرام ہے۔

۱۔ "والأجود فی الجمع ما ذهب اليه جمع من المحققين أنها لم تحل قط فی حال الحضر والرفاهية بل فی حال السفر والحاجة والأحاديث ظاهرة فی ذلك ويبين ذلك حديث ابن مسعود كنا نغزو ليس لنا نساء فرخص لنا أن ننكح ۔۔۔ فعلى هذا كل ما ورد من التحريم فی المواطن المتعددة يُحمَل على أن المراد بتحريمها فی ذلك الوقت أن الحاجة انقضت ووقع العزم على الرجوع الى الوطن فلا يكون فی ذلك تحريم أبدا الا الذی وقع آخرا۔" (اللامع الدراری ۲۶۹/۳)

"محققین کے اقوال کی تطبیق میں سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ متعہ حالت حضر میں تو کبھی حلال نہیں ہوا بلکہ سفر اور ضرورت کے مواقع میں حلال کیا گیا اور اس بات پر احادیث کی دلالت ظاہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اس بات کو واضح کرتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ میں ہوتے اور ہمارے ساتھ ہماری عورتیں نہ ہوتیں، اس لئے ہمیں رخصت دی گئی کہ ہم (ایک خاص مدت تک کے لئے) نکاح کر لیں۔ (یہ اباحت چونکہ صرف ضرورت کی وجہ سے اور سفر میں ہوتی تھی) لہٰذا متعدد مواقع پر جو متعدد تحریمات وارد ہوئی ہیں ان سب کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس وقت اس کو حرام کر دینے سے مراد یہ تھی کہ وہ حاجت (جس کی وجہ سے رخصت دی گئی تھی) وہ ختم ہوگئی اور اب سفر سے واپس لوٹنے کا وقت آ گیا لہٰذا اس

Marfat.com

موقع پر وہ تحریم ہمیشہ کے لئے نہ ہوتی۔(بلکہ بایں معنی ہوتی کہ حاجت ختم لہٰذا رخصت ختم) مگر آخری مرتبہ میں پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔"

۲۔ "وقال أبو عبيد : المسلمون اليوم مجمعون على أن متعة النساء قد نسخت بالتحريم نسخها الكتاب والسنّة هذا قول أهل العلم جميعاً من أهل الحجاز و الشام والعراق من أصحاب الأثر والرأي وأنه لا رخصة فيها لمضطر ولا لغيره۔" (التفسیر الخازن ۱/۳۶۱)

ابوعبید فرماتے ہیں تمام مسلمانوں کا اب اس پر اجماع ہے کہ عورتوں سے متعہ منسوخ وحرام کر دیا گیا ہے کتاب، اللہ اور سنت رسول ﷺ کے ذریعے یہ منسوخ ہے۔یہی قول تمام اہل علم کا ہے۔حجاز، شام اور عراق کے تمام اصحاب رائے اور اصحاب اثر کا یہی قول ہے لہٰذا اب متعہ کی کسی کو اجازت نہ ہوگی چاہے وہ مضطر ہو یا غیر مضطر ہو۔

۳۔" قال الماوردي في الحاوي في تعيين موضع تحريم المتعة وجهان أحدهما أن التحريم تكرر ليكون أظهر وانشر حتى يعلمه من لم يكن علمه لأنه قد يحضر في بعض المواطن من لا يحضر في غيرها والثاني أنها ابيحت مرارا ولهذا قال في المرة الأخيرة إلى يوم القيامة إشارة إلى أن التحريم الماضي كان مؤذنا بان الإباحة تعقبه بخلاف هذا فإنه تحريم مؤبد لا تعقبه إباحة أصلا وهذا الثاني هو المعتمد۔" (فتح الباری ۹/۱۳۹)

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحاوی میں متعہ کی تحریم کے موضع کو متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی دو توجیہات ہیں.....اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس کی اباحت متعدد بار ہوئی ہے (اس لئے تحریم بھی متعدد بار ہوئی) اسی وجہ سے آخری مرتبہ میں "**الی یوم القیامة**" کہہ کر اس طرف اشارہ ہوگیا کہ پچھلی تحریم اس بات کو بتلاتی تھی کہ اس کے بعد دوبارہ اباحت ہو سکتی ہے بخلاف اس تحریم کے کہ یہ تحریم موبد ہے اب اس کے بعد کبھی اباحت نہیں آسکتی اور یہی دوسرا قول زیادہ معتمد ہے

پس ان عبارات سے معلوم ہوگیا کہ اب قیامت تک اگر چہ ضرورت بھی درپیش ہو متعہ شارع کی تحریم ابدی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔نیز متعہ کی اجازت چونکہ ایک ضرورت کی وجہ سے رخصت تھی۔اسی وجہ سے اس کی اباحت وتحریم بھی مکرر ہوئی۔یعنی جب ضرورت درپیش ہوئی رخصت دے دی گئی، ضرورت ختم تو پھر حرام کر دیا گیا۔پھر ضرورت پڑی تو اجازت دے، دی گئی، ضرورت ختم تو پھر حرام کر دیا گیا۔اسی وجہ سے اس باب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مختلف اقوال ملتے ہیں جن کی تعداد چھ ہے۔یعنی ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ مختلف مواقع پر اباحت وتحریم کا معاملہ ہوا ہے لیکن شارحین نے اس میں ترتیب دے کر اسی کو راجح قرار دیا ہے کہ اباحت وتحریم دو مرتبہ ہوئی ہے باقی مواقع میں اسی تحریم کی تاکید کی گئی ہے چنانچہ خیبر سے پہلے حلال تھا خیبر میں ضرورت نہ تھی حرام کر دیا پھر فتح مکہ میں ضرورت درپیش ہوئی لہٰذا احلال کیا گیا پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔چنانچہ شارحِ مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۴۔"وقال النووي الصواب المختار أن التحريم والإباحة كانا مرتين وكانت حلالا قبل خيبر

Marfat.com

ثم حرمت يوم خيبر ثم أبيحت يوم فتح مكة وهو يوم أوطاس لاتصالهما ثم حرمت يومئذ بعد ثلاثة أيام تحريما مؤبدا إلى يوم القيامة۔" (عمدة القاری ۱۷/۲۴۷)

"امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں درست اور مختار قول یہ ہے کہ متعہ کی اباحت وحرمت کا معاملہ دو مرتبہ ہوا ہے چنانچہ خیبر سے پہلے تو حلال تھا پھر خیبر میں حرام کر دیا گیا۔ پھر فتح مکہ میں حلال کیا گیا، اور یہی یوم اوطاس تھا، کیونکہ یہ دونوں ساتھ ساتھ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ پھر تین دن بعد ہمیشہ قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔"

خلاصہ کلام اور بعض اکابرین کی مسئلہ ھذا میں آراء

ان تمام ابحاث کا خلاصہ یہ ہوا کہ زمانہ رسالت میں جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی وہ متعہ مروجہ ہی تھا اور یہ زنا ہونے کے باوجود ایک رخصت کا درجہ تھا جو صرف ضرورت کے مواقع میں دو مرتبہ حلال کیا گیا پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا اور اب قیامت تک کے لئے حرام ہے۔

البتہ مسئلہ ھذا میں بعض اکابرین کی رائے مختلف ہے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کو نکاح باضمار نیت فرقت پر محمول کرتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی عزیزی مبوب (ص ۵۵۴) پر اس کو نکاح موقت پر محمول کرتے ہیں۔ نیز حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے احسن الفتاوی (۵/ ۵۳) پر اپنے فتوی "حفظ الحیاء بتحریم متعة النساء" میں اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے خیر الفتاوی (۴/ ۴۳۵) پر اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے۔ احسن الفتاوی میں تحریر ہے:

"حاصل یہ کہ متعہ شیعہ جیسی بے حیائی کی اسلام میں کبھی اجازت نہیں دی گئی، یہ جاہلیت میں مروج تھا، اسلام نے شروع ہی سے اس کو حرام قرار دیا، البتہ متعہ محرمہ میں نکاح باضمار نیتِ فرقت ونکاح موقت کا دخول منصوص نہ ہونے کی وجہ سے اس میں اجتہاد کی گنجائش تھی بعد میں بذریعہ وحی غیر متلو آیت محرمہ میں اس کا دخول بیان فرما کر اسکی حرمت بھی واضح کر دی گئی۔"

(احسن الفتاوی ۵/ ۵۳)

لیکن متعہ کو نکاح باضمار نیت فرقت پر محمول کرنا تو بالکل بعید از قیاس ہے، وہ تو اب بھی جائز ہے، جیسا کہ پہلے تفصیلاً ذکر کیا جا چکا۔ درس ترمذی (۳/ ۴۰۴) پر حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی ان کی اس رائے کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "ایک تو جس حدیث سے یہ حضرات استدلال فرماتے ہیں وہ متکلم فیہ ہے مزید برآں اس سے استدلال بھی تام نہیں"۔

جہاں تک تعلق ہے نکاح موقت والے قول کا تو اس سے متعلق عرض ہے کہ عہد نبوی میں رائج متعہ کو نکاح موقت سے ایک گونہ مشابہت ضرور معلوم ہوتی ہے لیکن عبارات فقہاء کی روشنی میں اسے نکاح موقت قرار دینا بھی مخدوش ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، لہٰذا یہ ان حضرات کا تفرد ہے اور احادیث اور فقہاء کی عبارات پر غور کرنے سے جمہور کا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ فقط۔

Marfat.com

(۳۸۴) نکاح موقت باطل ہے نیز نکاح بشرط الطلاق کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج پر جاتے ہوئے اپنے اور اپنی والدہ جو کہ بیوہ ہیں کے کاغذات بمع مقررہ فیس کے جمع کرائے مگر جب حکومت کی طرف سے قرعہ اندازی کا اعلان ہوا تو معلوم ہوا کہ زید کا قرعہ نہیں نکلا اور ان کی والدہ کا قرعہ نکل آیا۔ یعنی صرف ان کی والدہ کو (سرکاری طور پر) حج پر جانے کی اجازت مل گئی۔ زید جسے بطورِ محرم جانا تھا وہ تو جا نہ سکا اور اس عورت کیلئے محرم کی ضرورت تھی اس پر علاقے کے ایک صاحب نے یہ صورت نکالی کے اس عورت کا خالد نامی شخص کے ساتھ نکاح کرا دیا جائے خالد بھی چونکہ سرکاری طور پر حج پر جا رہا تھا واپسی پر خالد اس عورت کو طلاق دیدے یعنی سفرِ حج سے واپسی پر طلاق کی نیت سے نکاح کر لیا جائے چنانچہ اسی طرح ہوا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ نکاح کی مذکورہ صورت عام حالات میں یا مخصوص حالات میں درست ہے؟ کیا اس عورت کا اس طرح کیا ہوا حج، اس سے حج کی فرضیت ساقط کرے گا؟ بعض حضرات اسے نکاحِ موقت کہہ کر باطل قرار دے رہے ہیں، اس کی بھی وضاحت فرما دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً تو یہ سمجھ لیں کہ مذکورہ عورت پر حج کی فرضیت ہی نہیں بغیر محرم کے حج جائز نہیں لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ یہ عورت اپنی طرف سے حج بدل کرا لے۔ اس پیش آمدہ صورت کو نکاحِ موقت قرار دینا درست نہیں نکاح موقت باطل ہے لیکن نکاح موقت اسے کہتے ہیں کہ معینہ دن تک مشروط نکاح کیا جائے جو کہ ان دنوں کے گزرنے پر خود ہی ختم ہو جائے گا یہ نکاح موقت ہوتا ہے جو کہ سرے سے باطل ہے لیکن سوال میں ذکر کردہ صورت مختلف ہے۔

سوال میں ذکر کردہ صورت سے ملتی صورت فقہاء نے کتبِ معتبرہ میں ذکر کی ہے کہ کوئی شخص اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ ایک مہینے یا ایک سال بعد طلاق دیدوں گا تو یہ نکاح صحیح ہے اور شرط باطل ہے مذکورہ صورت میں نکاح صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ طلاق نکاح کو ختم کرنے والی ہے یعنی قاطع ہے پس اس شرط پر نکاح کہ ایک سال بعد یا حج سے واپسی پر طلاق دیدوں گا یہ شرط صلبِ عقد میں نہیں بلکہ قاطع یعنی طلاق میں ہے جو کہ لغو ہے جبکہ نکاحِ موقت میں تو صلب عقد میں ہی توقیت ہوتی ہے مثلاً میں ایک سال کیلئے تجھ سے نکاح کرتا ہوں لہٰذا دونوں کا فرق واضح ہے۔

صورت مسئولہ میں دل میں طلاق دینے کی نیت ہے لہٰذا یہ عقد منعقد ہوگا اور طلاق کی نیت اس پر اثر انداز نہ ہوگی البتہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ اس کی مشابہت تو بہر حال نکاح موقت اور متعہ کے ساتھ پائی جاتی ہے اور اس میں بھی ایک

Marfat.com

طرح سے نکاح ہمیشگی کیلئے نہیں کیا جارہا اس لئے حج پر جانے یا ایسے دیگر کسی مقصد کیلئے نکاح کرنا صحیح نہیں۔ان صاحب کو بھی مشورہ دینے سے پہلے غور وفکر کرنی چاہیئے، دینی مسائل میں اس طرح مشورہ زنی خطرناک ہے اس عورت سے حج کی فرضیت ہی ساقط ہوگئی تھی البتہ اگر وہ عورت اس طرح نکاح کرکے یا بغیر محرم کے ہی حج کرآتی ہے تو فریضہ حج اس کے ذمے سے ساقط ہوجائے گا اور وہ عورت گنہگار ہوگی۔ دوبارہ حج کی ضرورت نہ رہے گی۔

لمافی العنایة علی هامش فتح القدیر (۲۵۰/۳): واستشکل هذه المسئلة بما اذا شرط وقت العقد ان یطلقها بعد شهر فان النکاح صحیح والشرط باطل ولا فرق بینها وبین مافیه واجیب بان الفرق بینهما ظاهر لان الطلاق قاطع للنکاح فاشتراط بعد شهر لینقطع به دلیل علی وجود العقد مؤبدا ولهذا لومضی الشهر لم یبطل النکاح فکان النکاح صحیحا ـــ والشرط باطلا وأما صورة النزاع فالشرط انما هو فی النکاح لافی قاطعه۔

وفی الشامیة (۵۱/۳): (قوله: ولیس منه الخ) لأن اشتراط القاطع یدل علی انعقاده مؤبدا وبطل الشرط، بحر۔

وفی الدر المختار (۴۶۵/۲): ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراهة۔

وفی الشامیة(۴۶۵/۲):قلت لکن جزم في الباب بأنه لا یجب علیها التزوج مع أنه مشی علی جعل المحرم أو الزوج شرط أداء ورجح هذا في الجوهرة۔

(۳۸۵)ایک سال تک ساتھ رہنے کی شرط پر نکاح کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ دونوں ایک سال تک ساتھ رہیں گے اگر باہمی اتفاق قائم رہا تو نکاح برقرار رکھیں گے اور اگر نباہ نہ ہوسکا تو خود بخود نکاح ختم ہوجائے گا تو سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح نکاح کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایک سال تک ساتھ رہنے کی جو شرط لگائی ہے ایسی شرائط نکاح متعہ اور نکاح مؤقت میں ہوتی ہیں ایسی شرط کے ساتھ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

لمافی القدوری (ص۱۷۹): ونکاح المتعة والموقت باطلٌ۔

Marfat.com

وتحته فی هامش القدوری: قوله المتعة فی المنافع صورته أن يقول خذی هذه العشرة لاتمتع بك أو لاستمتع بك أو متعینی بنفسك أیاماً والنكاح المؤقت أن يتزوج امرأة بشهادة شاهدين عشرة أيام أو شهرا أوسنة ونحوها والفرق بذكر لفظ التزوج فی المؤقت دون المتعة وكذا بالشهادة فيه دون المتعة وفی المحيط كل نكاح موقت متعة۔

وفی الدرالمختار(۵۱/۳): (وبطل نكاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت في الأصح وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدةمعينة ولا بأس بتزوج النهاريات عينی۔

(۳۸۶) متعہ اور موقت عقد میں فرق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح متعہ کی تعریف بیان فرمادیں۔کیا متعہ کیلئے م ت ع کے الفاظ ذکر کرنا ضروری ہیں یا نہیں؟ نیز نکاحِ موقت کی تعریف بھی بیان فرمادیں اور نکاح متعہ اور موقت میں کیا فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاحِ متعہ کی تعریف:.....علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں نکاحِ متعہ کی یہ تعریف تحریر فرمائی ہے: "کسی عورت سے بلا قصدِ حصولِ ولد اور تربیت ولد کے نکاح کرنا جبکہ مقصد صرف چند دنوں کیلئے عورت سے نفع اٹھانا ہو خواہ مدت معینہ کیلئے ہو یا غیر معینہ کیلئے۔"

نکاحِ متعہ میں الفاظِ م ت ع کا استعمال ضروری نہیں۔اس اعتبار سے نکاحِ موقت بھی نکاح متعہ کی ایک صورت ہے البتہ عموماً متعہ میں م ت ع الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔

نکاح موقت کی تعریف:.....نکاح موقت یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے وقتِ مقررہ کیلئے عقدِ نکاح کیا جائے۔نکاحِ موقت میں نکاح کی تمام شرائط گواہ، ایجاب وقبول مہر وغیرہ پایا جاتا ہے فقط تابید (دوام) نہیں ہوتی جس کے باعث یہ بھی باطل ہے۔

نکاح متعہ اور موقت میں فرق:.....متعہ اور موقت میں سب سے بڑا فرق تو یہی ہے کہ موقت میں تمام شرائطِ نکاح ہوتی ہیں فقط توقیت اسے باطل کردیتی ہے جبکہ متعہ میں نہ گواہ ہوتے ہیں نہ دیگر شرائطِ نکاح۔متعہ میں مدت کی تعیین لازمی نہیں جبکہ موقت میں انتہاءِ عقد کی مدت معین ہوتی ہے۔نکاح موقت میں نکاح اور تزویج وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جبکہ متعہ میں عموماً تمتع کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

لمافی صحیح البخاری (۷۶۷/۲): ان علیا رضی الله عنه قال لابن عباس رضی الله عنهما أن النبی ﷺ نهی عن المتعة وعن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر۔

وفی شرح المسلم للنووی (۴۵۰/۱): قال القاضي واتفق العلماء على أن هذه المتعة كانت نكاحا إلى أجل لا ميراث فيها وفراقها يحصل بانقضاء الأجل من غير طلاق ووقع الاجماء بعد ذلك على تحريمها۔

وفی الدرالمختار(۵۱/۳): (وبطل نكاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت في الأصح وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدةمعينة۔

وفی الرد تحته: قوله (وبطل نكاح متعة ومؤقت) قال في الفتح قال شيخ الإسلام في الفرق بينهما أن يذكرالوقت بلفظ النكاح والتزويج وفي المتعةأتمتع أو أستمتع اه يعني مااشتمل على مادة متعة والذي يظهر مع ذلك عدم اشتراط الشهود في المتعة وتعيين المدة وفي المؤقت الشهود وتعينها ولا شك أنه لا دليل لهم على تعيين كون المتعة الذي أبيح ثم حرم هو ما اجتمع فيه مادة مرت ع للقطع من الآثار بأنه كان أذن لهم في المتعة وليس معناه أن من باشر هذا يلزمه أن يخاطبها بلفظ أتمتع ونحوه لما عرف أن اللفظ يطلق ويراد معناه فإذا قيل تمتعوا فمعناه أوجدوا معنى هذا اللفظ ومعناه المشهور أن يوجد عقدا على امرأة لا يراد به مقاصد عقد النكاح من القرار للولد وتربيته۔۔۔فيدخل فيه بمادة المتعة والنكاح المؤقت أيضا فيكون من أفراد المتعة وإن عقد بلفظ التزويج وأحضر الشهود اه ملخصاوتبعه في البحر والنهر۔

(۳۸۷) بنیت طلاق نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے خاندان میں آپس میں اکثر لڑائی رہتی ہے چنانچہ میرے چچا جان نے اپنی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن میں اس رشتہ پر دل سے تیار نہیں ہوں جب میں نے انکار کرنا چاہا کہ میں وہاں شادی نہیں کروں گا تو میرے والد صاحب نے مجھے بہت بُرا بھلا کہا کہ تم خاندان میں ہماری بے عزتی کراؤ گے لہٰذا تم کو یہ شادی کرنی ہوگی۔ اگرچہ بعد میں اس لڑکی کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لینا تو میں اس پر راضی ہوگیا چنانچہ ہمارا نکاح ہوگیا لیکن جب وہ لڑکی گھر آئی تو مجھے وہ بہت اچھی لگی اور پھر میں نے اس کو طلاق نہیں دی۔ مفتی صاحب آپ بتایئے کہ میں نے جو نکاح سے پہلے نیت کی

Marfat.com

تھی اور میں دل سے راضی نہیں تھا اس سے نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ نے نکاح کے وقت طلاق وغیرہ کی جو نیت کی تھی یا آپ دل سے راضی نہیں تھے لیکن پھر والد صاحب کے اصرار پر آپ نے رضامندی سے نکاح کرلیا تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا آپ کا نکاح شرعاً بالکل صحیح ہے اور اسے نکاحِ موقت شمار نہیں کیا جائے گا۔

لما فی القرآن (النساء:۳): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفی مشکوة المصابیح کتاب النکاح (۲۶۷/۲): یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج۔

وفی حاشیة الترمذی(۲۱۳/۱) باب ماجاء فی المحلل والمحلل له: وقیل المکروه اشتراط الزوج بالتحلیل فی القول لافی النیة بل قد قیل انه مأجور بالنیة لقصد الاصلاح۔

وفی التاتار خانیة (۵۸۶/۲): وفی الینابیع اذا تزوج بنیة أن یطلقها اذا جامعها لا بأس به۔

وفی الدرالمختار (۵۲/۳) کتاب النکاح: (وبطل نکاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت في الأصح وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة۔

وفی الرد تحته: قوله (أو نوى الخ) لأن التوقيت إنما يكون باللفظ بحر۔

وفيه أيضاً(۹/۳): (وينعقد) ملتبسا (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضي) لأن الماضي أدل على التحقيق (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك (و) يتول الآخر (تزوجت و) ينعقد أيضا (بما) أي بلفظين (وضع أحدهما له)۔

وفيه أيضا(۴۱۵/۳): (أما إذا أضمرا ذلك لا) يكره (وكان) الرجل (مأجورا) لقصد الإصلاح۔

وفی الرد تحته: قوله (أما إذا أضمرا ذلك) محترز قوله بشرط التحليل (لا يكره) بل يحل له في قولهم جميعا۔

(۳۸۸) واپسی پر طلاق کی نیت سے بیرون ملک میں شادی کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص باہر ملک میں مزدوری کرتا ہے اس کے بیوی

Marfat.com

بچے اپنے وطن میں ہیں اسے وہاں نکاح کا تقاضہ شدت سے محسوس ہوتا ہے وہ اس نیت سے کہ جب میری نوکری ختم ہوئی تو طلاق دے دونگا اس ملک میں نکاح کر لیتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہوتا ہے کہ واپس آتے وقت طلاق دے کر آجاتا ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ گھر تو اس عورت کو لا نہیں سکتا پہلی بیوی بچوں کا مسئلہ ہے ایک فساد کھڑا ہوگا لہٰذا اس نیت سے نکاح کرنا جائز ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح مع الکراہہ درست ہوگا، کیونکہ نکاح دائمی طور پر ہوتا ہے اور نکاح سے مقصود طلب اولاد ہے تاکہ اولاد کی اچھی تربیت ہوسکے، یہ باتیں اس نکاح میں نہیں پائی جاتیں، اور یہ نکاح نکاح موقت کے مشابہ ہوتا ہے اگرچہ اس میں وقت کی زبانی صراحت نہیں ہے لیکن اس کی نیت محدود وقت کی ہے لہٰذا یہ نکاح مؤقت کے مشابہ ہوگیا، پھر بلا عذر شرعی طلاق دینا بھی درست نہیں ہے کیونکہ طلاق ابغض المباحات ہے اس کی اجازت اس وقت ہے جبکہ میاں بیوی میں نباہ ممکن نہ رہے اور ان کے اکٹھے رہنے سے دین و دنیا کے اعتبار سے نقصان ہو، ایسی صورت میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے، یہ کوئی عذر شرعی نہیں ہے کہ گھر والے خاندان والے اس کو برا سمجھیں گے اور پہلی بیوی ناراض ہوگی، اللہ تعالیٰ نے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، جب اس کی استطاعت ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے اور اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں مخلوق کی ملامت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔

لمافی احکام القرآن للجصاص(۱۰۹/۲): قوله تعالى فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَّيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً يدل على أنه مندوب إلى إمساكها مع كراهته لها وقد روى عن النبي صلّى الله عليه وسلّم ما يوافق معنى ذلك ـــ عن ابن عمر عن النبي صلّى الله عليه وسلّم قال أبغض الحلال إلى الله تعالى الطلاق وحدثنا عبد الباقي بن قانع قال حدثنا محمد بن خالد بن يزيد النيلي قال حدثنا مهلب بن العلاء قال حدثنا شعيب بن بيان عن عمران القطان عن قتادة عن أبي تميمة الهجيمي عن أبي موسى الأشعرى رضي الله عنه قال قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم تزوجوا ولا تطلقوا فإن الله لا يحب الذواقين والذوقات فهذا القول من النبي صلّى الله عليه وسلّم موافق لما دلت عليه الآية من كراهة الطلاق والندب إلى الإمساك بالمعروف مع كراهته لها واخبر الله تعالى أن الخيرة ربما كانت، لنا في الصبر على ما نكره بقوله تعالى فَعَسى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً۔

وفی المرقاة (۲۹۶/۱): ولا يخفى أن كلامهم فيما سيأتي من التعاليل يصرح بأنه محظور لما فيه من كفران نعمة النكاح وللحديثين المذكورين وغيرهما وإنما أبيح للحاجة والحاجة هي الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله فشرعه رحمة منه سبحانه

Marfat.com

فبين الحكمين تدافع والأصح حظره إلا لحاجة الأدلة المذكورة ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات أعني أوقات تحقق الحاجة المبيحة وهو ظاهر في رواية لأبي داود ما أحل الله شيئا أبغض إليه من الطلاق۔

وفی الدرالمختار(۵۱/۳): وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة۔

وفی الردتحته: (قوله اونوی الخ) لأن التوقيت انما يكون باللفظ۔

(۳۸۹) نکاح مسیار کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل عوام میں نکاحِ مسیار کے نام سے ایک بحث چل رہی ہے اس نکاح کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک شخص کسی غیر ملک میں کام کے سلسلے میں جائے پھر اسے وہاں نکاح کی حاجت ہو تو طلاق کی نیت سے نکاح کر لے یعنی جب میں واپس آؤں گا سال دو سال بعد تو طلاق دیدوں گا ظاہر ہے اپنے ملک میں تو اسے رکھنا ناممکن ہوتا ہے لہٰذا مستقبل میں ایقاعِ طلاق اگرچہ مصرح نہ ہو لیکن المعروف کالمشروط یا المتیقن کالواقع کے تحت طلاق کا پایا جانا لابدی امر ہے۔ آیا ان کیفیات میں اس پردیسی شخص کا کیا ہوا یہ نکاح متعہ کی طرح نہیں؟ جائز ہے یا ناجائز؟ آیا عہد صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایسے نکاح کی نظیر ملتی ہے؟ نیز آپ کی نظر میں نکاحِ مسیار کی اور کوئی صورت بنتی ہو تو بتادیں اور سنا ہے کہ بعض لوگ عورتوں سے تمام حقوق بھی معاف کرالیتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

متعہ اس عقد کو کہا جاتا ہے جس میں محدود مدت کیلئے کسی عورت سے استمتاع کا حصول مقصود ہو اور یہ مدت علی التعیین یا الاعلی التعیین بہرحال الفاظ میں ذکر ہوتی ہے جبکہ جو عقد آپ نے ذکر کیا اس میں عقد مطلقا ہو رہا ہے البتہ نیت ایک عرصے بعد طلاق دینے کی ہے۔

نیز متعہ میں نکاح کے احکامات مثلاً وراثت، نسب کا الحاق، عدت کا وجوب وغیرہ مرتب نہیں ہوتے جبکہ سوال میں ذکر کردہ عقد میں ان سب کا اجراء ہوگا۔ متعہ میں شرائط نکاح گواہ اذن ولی وغیرہ موجود نہیں ہوتے وہ سرے سے ایک باطل عقد ہے مخصوص مدت کی انتہاء کے ساتھ خود ہی ختم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس عقد کو متعہ کہنا تو درست نہیں البتہ یہ نکاح بشرطِ طلاق کی طرح کا عقد ہے نکاح بشرط طلاق یہ ہے کہ ایک شخص اس شرط

Marfat.com

پر نکاح کرتا ہے کہ میں ایک سال بعد یا حج سے واپسی کے بعد اسے طلاق دے دوں گا۔ یہ عقد درست ہے اور طلاق کی شرط لغو ہے نہ اس سے طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ بعد میں طلاق دینا ہوگی۔ اس عقد کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط صلب عقد میں نہیں بلکہ ایجاب وقبول مطلق ہے۔ اسی طرح سوال میں ذکر کردہ عقد (اگر مسیار اسی عقد کا نام ہو تو پھر مسیار) یہ عقد صحیح ہے باقی نیت کا کچھ اعتبار نہیں اور حقوق معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتے بدستور شوہر کے ذمے باقی رہیں گے، لیکن یہاں چند باتیں ذہن نشین رہیں اوّلاً اس طرح کی نیت سے نکاح نہیں کرنا چاہیئے، دوام کی نیت ہو اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں گے ثانیاً اگر اس طرح کا عقد کرلیا ہے تو پھر از حد کوشش کرے کے طلاق نہ دے کیونکہ طلاق مبغوض چیز ہے نیز بیوی کے حقوق بھی ادا کرے۔ اسلام نے نکاح کو اسی لئے مشروع کیا ہے نکاحِ مسیار کی جو صورت آپ نے لکھی ہے اگر واقعۃً صورت یہی ہے تو بہر حال یہ فطرت سے منحرف عقد ہے اور سنت وشریعت کے مخالف ہے عقد اگرچہ منعقد ہوا امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مسلم کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

"وأجمعوا على أن من نكح نكاحا مطلقا ونيته أن لا يمكث معها الا مدة نواها فنكاحه صحيح حلال وليس نكاح متعة وإنما نكاح المتعة ما وقع بالشرط المذكور ولكن قال مالك ليس هذا من أخلاق الناس وشذ الأوزاعي فقال هو نكاح متعة ولا خير فيه والله أعلم"

"اجماع ہے اس بات پر کہ اگر ایک شخص مطلق نکاح کرے اور اس کی نیت ہو کہ وہ بیوی کے ساتھ مخصوص مدت جس کی اس نے نیت کی ہے سے زیادہ نہ رہے گا تو اس کا نکاح صحیح اور حلال ہے اور یہ نکاحِ متعہ نہیں۔ نکاح متعہ تو یہ ہے کہ مذکورہ نیت کی شرط لگائی جائے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ (بنیتِ طلاق نکاح) اخلاقیات میں سے نہیں ہے امام اوزاعی کا تفرد ہے کہ وہ فرماتے ہیں یہ بھی متعہ ہے اس میں کوئی خیر نہیں۔ واللہ اعلم"

لمافی الهندية (۲۸۳/۱): ولو تزوجها مطلقا وفي نيته أن يقعد معها مدة نواها فالنكاح صحيح كذا في التبيين۔

وفی الدرالمختار (۵۱/۳): (وبطل نكاح متعة ومؤقت) وإن جهلت المدة أو طالت، في الأصح وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة۔

وفی الشامية تحت قوله (او نوى الخ) لأن التوقيت انما يكون باللفظ، بحر۔

و فی اللجنة الدائمة (۴۴۸/۱۸): س: انتشر بين أوساط الشباب السفر خارج البلاد للزواج بنية الطلاق، والزواج هو الهدف في السفر استنادا على فتوى بهذا الخصوص، وقد فهم الكثير من الناس الفتوى خطأ، فماحكم هذا؟

ج: الزواج بنية الطلاق زواج مؤقت، والزواج المؤقت زواج باطل؛ لأنه متعة، والمتعة محرمة بالإجماع، والزواج الصحيح: أن يتزوج بنية بقاء الزوجية والاستمرار فيها، فإن صلحت له

Marfat.com

الزوجة وناسبت له وإلا طلقها، قال تعالى: { فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ } وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

Marfat.com

فصل فی نکاح زوجۃ المفقود والغائب

(مفقود اور غائب شخص کی بیوی سے نکاح کا بیان)

(۳۹۰) غائب شخص کی بیوی کے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی اچانک غائب ہوگیا، اور اس آدمی کے غائب ہونے کے پانچ سال بعد اس (مفقود) کے سسر نے اپنی بیٹی کا نکاح (جو مفقود کی منکوحہ تھی) مفقود کے بھائی کے ساتھ کرادیا، اور کئی سال گزرنے کے بعد مفقود آدمی واپس آگیا، تو اس صورت میں اس کی بیوی کے نکاح کا کیا حکم ہوگا؟ براہ کرم شریعت مقدسہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مفقود کی بیوی کے نکاح ثانی کیلئے شرط یہ ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے اور بذریعہ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، اس کے بعد گواہوں سے شوہر کا مفقود ولاپتہ ہونا ثابت کرے بعد ازاں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرائے، اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا، پھر ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدتِ وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ (کذا فی الحیلۃ الناجزۃ: ص ۲۶)

لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کا نکاح ثانی کراتے وقت اگر یہ شرائط ملحوظِ نظر نہیں رکھی گئی تھیں تو نکاح ثانی منعقد ہی نہیں ہوا اور عورت سابق شوہر کے نکاح میں ہی برقرار رہی اور اگر نکاحِ ثانی میں مذکورہ تمام شرائط کا لحاظ رکھا گیا تھا تو نکاح منعقد ہوگیا، لیکن اس صورت میں بھی مفقود کے لوٹ آنے سے نکاحِ ثانی باطل ہوگیا اور عورت اپنے سابق شوہر کے نکاح میں ہی برقرار رہی، اب اس کیلئے شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں بلکہ شوہر اول کے پاس لوٹ آئے، البتہ شوہر اول کے پاس آنے سے پہلے عدت گزارنا ضروری ہے۔ نیز شوہر ثانی نے جو مہر مقرر کیا تھا عورت اس مہر کی بھی حقدار ہوگی، وہ اسے دیا جائے گا۔

Marfat.com

نوٹ:..... چونکہ مذکورہ عورت کو شوہر ثانی کے پاس ایک طویل عرصہ ہو چکا ہے اور اب شوہرِ اول کے پاس جانے میں بہت سے معاشرتی مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ شوہر اول اس عورت کو طلاق بائنہ دیدے پھر یہ عورت عدت گزار کر دوبارہ شوہرِ ثانی سے نکاح کر لے تا کہ اس کی زندگی جس نہج پر چل رہی تھی اسی نہج پر چلتی رہے۔

لمافی الشامیة (۲۹۵/۴) کتاب المفقود: مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود قوله (خلافا لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين۔۔۔وقال في الدر المنتقى ليس بأولى لقول القهستاني لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن اھ

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶/۴۸۷۳) (الفصل العاشر: المفقود): وقال الإمامان مالك وأحمد: إذا مضى أربع سنوات يفرق القاضي بين المفقود وبين امرأته، وتعتد عدة الوفاة، ثم تتزوج من شاءت؛ لأن عمر رضي الله عنه قضى بذلك في مفقود.

وفی الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة (ص ۶۸،۶۹) (واپسی مفقود کے احکام): لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ اگر مفقود حکم بالموت کے بعد بھی واپس آجاوے تو اوس کی عورت ہر حال میں اوسی کو ملیگی خواہ عدت وفات کے اندر آجاوے یا بعد انقضائے عدت اور خواہ نکاح ثانی اور خلوت وصحبت کے بعد آئے یا پہلے۔ کما صرح به شمس الائمة فی المبسوط حیث قال وقد صح رجوعه (یعنی عمر رضی اللہ عنہ) عنه الی قول علی رضی الله عنه فانه کان یقول ترد الی زوجها الاول ویفرق بینها وبین الآخر ولها المهر بما استحل من فرجها ولا یقربها الاول حتی تنقضی عدتها من الآخر وبهذا کان یاخذ ابراهیم رحمه الله فیقول قول علی رضی الله عنه احب الی من قول عمر رضی الله عنه وبه ناخذ ایضاً۔(ص۲۷:جلد۱۱) وفی میزان الشعرانی (ص۱۲۴،جلد:۲) ومن ذلك قول ابی حنیفة ان المفقود اذا قدم بعد ان تزوجت زوجته بعدالتربص یبطل العقد وهی للاول وان کان الثانی وطئها فعلیه مهر المثل وتعتد من الثانی ثم ترد الی الاول، اور حنفی کیلئے غیر حنفیہ کے مذہب پر فتوی دینا سخت ضرورت کے وقت جائز ہے جیسے تاجیل زوجۃ مفقود وغیرہ کی صورتیں، لیکن واپسی مفقود کی صورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں۔ لہٰذا صورت ثانیہ میں بھی (یعنی جبکہ واپسی مفقود سے قبل شوہر ثانی خلوت صحیحہ بھی کر چکا ہو تب بھی) زوجہ اپنے خاوند سابق ہی کے نکاح میں رہے گی، شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں، کیونکہ شوہر اول کی واپسی سے نکاح ثانی باطل قرار دیا گیا۔

Marfat.com

(۳۹۱) تبلیغ میں جانے والے شخص کے غائب ہو جانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص عبدالرحمن نامی دعوت وتبلیغ پر نکلا لیکن پھر رائیونڈ میں ہی رہ گیا ایک عرصہ تک تو رابطہ میں تھا لیکن پھر اچانک رابطہ بھی ختم ہو گیا اب کچھ نہیں پتہ کہ کہاں ہے اس کے گھر والے سخت پریشان ہیں ۲ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کہ عبدالرحمن کا گھر سے کوئی رابطہ نہیں، نہ رائیونڈ میں اس کا کوئی پتہ لگا، معلوم نہیں کن جماعتوں میں نکل گیا ہے اس نے زندگی وقف کر دی تھی۔ تو مفتی صاحب! آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا ہے اور اب اس کی اہلیہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ اس کے دو بچوں کی کفالت کا مسئلہ ہے، مدلل جواب مرحمت فرمائیں کہ لاپتہ شخص کیلئے شریعت کیا کہتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

زوجۂ مفقود کے بارے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مجتہدین حضرات نے یہ حکم لگایا ہے کہ جب تک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اس وقت تک وہ زندہ ہے اور حسبِ قاعدہ اس کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں۔

البتہ بوقتِ ضرورتِ شدیدہ جب عورت صبر نہ کر سکے اور اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا اس کے نفقہ کی کوئی صورت نہ ہو تو اس صورت میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حال میں (یعنی ہلاکت مظنون ہو یا نہ ہو) زوجۂ مفقود کیلئے مفقود کے نکاح سے علیحدہ ہونے کی یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور بذریعۂ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولاپتہ ہونا ثابت کرے اس کے بعد قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب ناامید ہو جائے تو عورت کو مزید چار سال کے انتظار کا حکم دے، پھر اگر ان چار سال میں بھی مفقود کا پتہ نہ چلے، تو قاضی مذہب مالکیہ پر عمل کرتے ہوئے اس کی موت کا حکم لگا دے اور پھر اس کے بعد عورت عدتِ وفات چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کر لے، اور اگر عورت کیلئے چار سال انتظار کرنا مشکل ہو اور عورت کے معصیت میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر ایک سال انتظار کے بعد قاضی اُن کے درمیان تفریق کر دے اور عورت عدتِ طلاق [تین حیض] گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

لمافی الھندیہ (۲۹۹/۲) کتاب المفقود: هو الذي غاب عن أهله أو بلده أو أسره العدو ولا يدرى أحي هو أو ميت ولا يعلم له مكان ومضى على ذلك زمان فهو معدوم بهذا الاعتبار وحكمه أنه حي في حق نفسه لا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله ولا تفسخ إجارته وهو ميت في حق غيره لا يرث ممن مات حال غيبته كذا في خزانة المفتين۔

Marfat.com

وفی الشامیۃ (۲۹۵/۴) کتاب المفقود: مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود قوله (خلافا لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين وهو مذهب الشافعي القديم ۔۔۔ وعند أحمد إن كان يغلب على حاله الهلاك كمن فقد بين الصفين أو في مركب قد انكسر أو خرج لحاجة قريبة فلم يرجع ولم يعلم خبره فهذا بعد أربع سنين يقسم ماله وتعتد زوجته بخلاف ما إذا لم يغلب عليه الهلاك كالمسافر لتجارة أو لسياحة فإنه يفوض للحاكم في رواية عنه وفي أخرى يقدر بتسعين من مولده كما في شرح ابن الشحنة لكنه اعترض على الناظم بأنه لا حاجة للحنفي إلى ذلك أي لأن ذلك خلاف مذهبنا فحذفه أولى وقال في الدر المنتقى ليس بأولى لقول القهستاني لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن اھ

وفی الحیلۃ الناجزۃ (ص۱۱۹) مجموعۃ الفتاویٰ المالکیہ: (الجواب): المفقود فی بلاد الاسلام فی غیر مجاعۃ ولا وباء ان لم ترض زوجتہ بالصبر الی قدومہ فلها أن ترفع أمرها الی الخلیفۃ أو القاضی أو من یقوم مقامهما فی عدمهما لیفصحواعن حال زوجها بعد أن تثبت الزوجیۃ وغیبۃ الزوج والبقاء فی العصمۃ الی الآن، واذا ثبت ذلك عندهم کتبوا کتابا مشتملاً علی اسمہ ونسبہ وصفتہ الی حاکم البلد یظن وجودہ فیہ ۔۔۔ فاذا انتهی الکشف ورجع الیہ الرسول وأخبرہ بعدم وقوفہ علی خبرہ، فالواجب أن یضرب لہ أجل أربع سنین للحروسنتان للعبد ۔۔۔ ومحل التأجیل المذکور ان کان للمفقود مال تنفق منہ المرأۃ فی الأجل ویزاد علی ذلك عدم خشیتها الزنا بلا وطی لشدۃ ضرر ترك الوطی الناشی عنہ الزنا ۔۔۔ واما ان لم یکن لہ مال فلها التطلیق علیہ بالاعسار من غیر تاجیل لکن بعد اثبات ما تقدم وتزید اثبات العدم واستحقاقها للنفقۃ وتحلف مع البینۃ الشاهدۃ لها أنها لم تقبض منہ نفقۃ هذہ المدۃ ولا أسقطتها عنہ، وبعد ذلك یمکنها الحاکم من تطلیق تنفسها بأن توقعہ ویحکم بہ أویوقعہ الحاکم ۔۔۔ثم بعد الطلاق تعتد عدۃ الوفاۃ ۔۔۔۔ الخ۔

وفی الحیلۃ الناجزۃ (۷۲): اگر تفریق اس قاعدے[1] کے مطابق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق

---

[1] اس قاعدے سے مراد وہ صورت ہے کہ مجبوراً چار سال سے قبل ہی قاضی علیحدگی کا حکم کردے، اس صورت میں یہ تفریق طلاقِ رجعی کے حکم میں ہوگی اور یہ حکم، حکم بالطلاق ہوگا نہ کے حکم بالوفاۃ لہذا اس صورت میں عدتِ طلاق ہوگی نہ کہ عدتِ وفات، جبکہ چار سال کی مدت گزارنے پر جو حکم قاضی نافذ کرتا ہے وہ حکم بالوفاۃ ہوتا ہے لہذا اس میں عدتِ وفات لازم ہوتی ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

طلاقِ رجعی ہوگی اور اس صورت میں زوجہ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدتِ طلاق یعنی تین حیض گزارنے ہوں گے اور اگر مفقود اس صورت میں واپس آگیا تو اوس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آ کر رجوع کر لے تو رجعت صحیح ہو جائے گی۔۔الخ۔

(۳۹۲) جہاد میں غائب شخص کی بیوی سے نکاح کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے کا ایک شخص جہاد افغانستان پر گیا اور اب واپسی کا کوئی علم نہیں، اس کی بیوی کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسے مجاہدین کے گھروں کے حالات پریشان کن ہو جاتے ہیں کیا کوئی شخص ایسے مجاہد کی بیوی سے جسے غائب ہوئے سال کا عرصہ گزر چکا ہو نکاح کر سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مفقود (گمشدہ شوہر) کی بیوی کیلئے اصل حکم تو یہ ہے کہ عفت وعصمت کے ساتھ زندگی بسر کرے تاہم اگر دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ طریقہ اختیار کرے کہ مسلمان قاضی کی عدالت میں اپنا دعویٰ دائر کرے اور گواہوں سے ثابت کرے کہ میرا فلاں شخص سے نکاح ہوا تھا پھر گواہوں سے اس کا مفقود (گمشدہ) ہونا ثابت کرے۔ قاضی از خود بھی زوج مفقود کی حد درجہ تک تلاش وتفتیش کرے اگر پوری تلاش وجستجو کے بعد بھی شوہر کا کوئی سراغ نہ ملے تو بیوی کو مزید چار سال تک انتظار کا حکم دے پھر بھی اگر شوہر کا پتہ نہ چلے تو بیوی دوبارہ قاضی سے درخواست کرے جس پر قاضی شوہر کے مردہ ہونے کا حکم دے تو پھر بیوی کو عدتِ وفات یعنی چار ماہ دس دن گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا لیکن اگر عورت کیلئے باعفت چار سال گزارنے بھی ناممکن ہوں اور اس کے فتنہ میں مبتلاء ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا شوہر ایسے سفر وغیرہ میں ہو جس میں غالب گمان اس کی موت کا ہو تو قاضی ایک سال تک انتظار کا حکم دے کر شوہر کے مردہ ہونے کا حکم سنا دے پھر عدتِ وفات گزارنے کے بعد عورت جدید نکاح کی مجاز ہوگی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر عورت کو غالب گمان شوہر کی شہادت کا ہو اور مزید زندگی باعفت گزارنی بھی ناممکن ہو تو ایک سال گزارنے کے بعد عدالت کے حکم کے بعد عدتِ طلاق [یعنی تین حیض] گزار کر نکاح جدید کرنے کی اجازت ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۴۵/۱۲) امرأة المفقود امرأته حتی یاتیها البیان قال الزیلعی: لانه یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظیم اذا انقطع خبره یغلب علی الظن فی ادنی مدة انه قدمات ومقتضاه انه یجتهدو یحکم القرائن الظاهرة الدالة علی موته وعلی هذا یبتنی مافی جامع الفتاوی حیث قال واذا فقد فی المملکة فموته غالب فیحکم

Marfat.com

به كما اذا فقد فى وقت الملاقاة مع العدوا ومع قطاع الطريق ـــ وما أشبه ذلك حكم بموته لانه الغالب فى هذه الحالات وافتى به بعض مشايخنا وقال انه افتى به قاضى زاده صاحب بحر الفتاوى لكن لا يخفى انه لابد من مدة طويلة يغلب على الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقاة العدو اوسفر البحر ونحوه الخ۔

وفى الشامية (٢٩٥/٤) كتاب المفقود: مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود قوله (خلافا لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين وهو مذهب الشافعي القديم ـــ وعند أحمد إن كان يغلب على حاله الهلاك كمن فقد بين الصفين أو في مركب قد انكسر أو خرج لحاجة قريبة فلم يرجع ولم يعلم خبره فهذا بعد أربع سنين يقسم ماله وتعتد زوجته بخلاف ما إذا لم يغلب عليه الهلاك كالمسافر لتجارة أو لسياحة فإنه يفوض للحاكم في رواية عنه وفي أخرى يقدر بتسعين من مولده كما في شرح ابن الشحنة لكنه اعترض على الناظم بأنه لا حاجة للحنفي إلى ذلك أي لأن ذلك خلاف مذهبنا فحذفه أولى وقال في الدر المنتقى ليس بأولى لقول القهستاني لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن اهـــ وقد قال في البزازية الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدي كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة۔

(۳۹۳) سیلاب میں لاپتہ شخص کی بیوی کیلئے حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص حالیہ سیلاب میں لاپتہ ہوگیا ابھی ۴ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اس کی بیوی پریشان ہے گھریلو مسائل بھی ہیں وہ آپ سے سوال کرنا چاہتی ہے کہ شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ شوہر کی واپسی تقریباً ناممکن لگ رہی ہے سیلاب نے بہت سوں کو جدا کر دیا اور بہت سوں کو اپنوں سے ہمیشہ کیلئے علیحدہ کر دیا ہے۔ کیا اس عورت کیلئے دوسرے نکاح کی اجازت ہے وہ صبر کرنے کے حوصلے میں نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ شخص لاپتہ ہوگیا ہے اور اس کی واپسی کی امید نہیں ہے اور بیوی گھریلو پریشانیوں کا شکار ہے تو ایسی صورت میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حال میں یعنی ہلاکت مظنون ہو یا نہ ہو زوجہ مفقود کے لئے مفقود کے نکاح سے علیحدہ ہونے کی یہ صورت

Marfat.com

ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور بذریعہ شہادت شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولا پتہ ہونا ثابت کرے اس کے بعد قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب ناامید ہوجائے تو عورت کو مزید چار سال تک انتظار کا حکم دے پھر اگر ان چار سالوں میں بھی مفقود کا کچھ پتہ نہ چلے تو قاضی مذہب مالکیہ پر عمل کرتے ہوئے اس کی موت کا حکم لگادے اور پھر اس کے بعد عورت عدتِ وفات یعنی چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اگر عورت کے لئے چار سال انتظار کرنا مشکل ہو اور عورت کے معصیت میں مبتلا ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر ایک سال انتظار کے بعد قاضی ان کے درمیان تفریق کردے اور اس صورت میں عورت عدتِ طلاق [یعنی تین حیض] گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لمافی الشامیة (۲۹۲/۴): قوله (هو غائب الخ) أفاد أن قول الكنز هو غائب لم يدر موضعه معناه لم تدر حياته ولا موته قال في البحر فالمدار إنما هو على الجهل بحياته وموته لا على الجهل بمكانه۔

وفی الشامیة أیضا (۲۹۵/۴): مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود۔۔۔الخ۔

وفی الحیلة الناجزة (۷۲): اگر تفریق اس قاعدے[1] کے مطابق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاقِ رجعی ہوگی اور اس صورت میں زوجہ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدتِ طلاق یعنی تین حیض گزارنے ہوں گے اور اگر مفقود اس صورت میں واپس آگیا تو اوس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آکر رجوع کرلے تو رجعت صحیح ہو جائے گی۔۔الخ۔

(۳۹۴) پھانسی کے سزایافتہ کی بیوی کے نکاح کا حکم

سؤال

ایک شخص کو قتل کے کیس میں پھانسی کی سزا ہوگئی تقریباً ۹ ماہ کے اندر اسے پھانسی دے دی جائے گی کیا اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا؟ اور کیا وہ دوسری شادی کرسکتی ہے؟ یا کیا صورت اختیار کی جائے؟ وہ یہ ایک سال صبر نہیں کرسکتی کیونکہ قتل سے پہلے بھی کافی مدت تک اس کا خاوند فرار تھا، ہمبستری نہیں کی لہٰذا کیا کیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ نکاح مندرجہ ذیل چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے: (۱) احد الزوجین کی موت سے (۲) طلاق (۳) خلع (۴) ایلاء

---

[1] اس قاعدے سے مراد وہ صورت ہے کہ مجبوراً چار سال سے قبل ہی قاضی علیحدگی کا حکم کردے، اس صورت میں یہ تفریق طلاقِ رجعی کے حکم میں ہوگی اور یہ حکم، حکم بالطلاق ہوگا نہ کہ حکم بالوفاۃ لہٰذا اس صورت میں عدتِ طلاق ہوگی نہ کہ عدتِ وفات، جبکہ چار سال کی مدت گزارنے پر جو حکم قاضی نافذ کرتا ہے وہ حکم بالوفاۃ ہوتا ہے لہٰذا اس میں عدتِ وفات لازم ہوتی ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

(۵) لعان (۶) ارتداد احد الزوجین وغیرہ۔

صورت مسئولہ میں پھانسی کی سزا کا سنایا جانا ایسا سبب نہیں جس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے لہٰذا میاں، بیوی کے درمیان رشتہ ازدواج اب بھی برقرار ہے اور نہ مذکورہ شخص مفقود کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ مفقود وہ شخص ہوتا ہے جس کی موت، حیات کا علم نہ ہو۔ جبکہ مذکورہ شخص کی حیات اور جگہ دونوں کا علم ہے۔ البتہ اگر عورت کا گزارہ مشکل ہو اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو، تو چونکہ قیدی کو قانوناً یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ شب باشی کیلئے اپنی بیوی کو بلا سکتا ہے تو مذکورہ عورت اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

اگر مذکورہ صورت ممکن نہ ہو، تو بیوی شوہر سے طلاق یا خلع کا مطالبہ کرے اور اگر شوہر خوشی سے طلاق دینے پر راضی نہ ہو، تو اس صورت میں اگر بیوی شوہر سے جبراً بھی طلاق لے لے تو اس کی گنجائش ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی طلاق یا خلع کے بغیر نہ تو فسخ نکاح کر سکتی ہے، اور نہ دوسری شادی کر سکتی ہے اور اگر اسے اپنے اوپر بالکل قابو نہ رہے تو روزہ رکھ کر اپنے اوپر قابو حاصل کرے۔

لمافی اعلاء السنن (۴۲/۱۲) کتاب المفقود (ط ادارۃ القرآن): وقال الموفق فی ''المغنی'' فی احکام المفقود اذا غاب الرجل عن امراته لم یخل من حالین۔

احدهما: ان تکون غیبة غیر منقطعة یعرف خبره و یأتی کتابه فهذا لیس لامرأته أن تتزوج فی قول اهل العلم اجمعین الا ان یتعذر الانفاق علیهما فلها ان تطلب فسخ النکاح فیفسخ نکاحه (ای عند من یری فسخ النکاح باعسار الزوج) ۔۔۔ ولنا انه لیس بمفقود فلم ینفسخ نکاحه۔

وفی الهندیة (۲۹۹/۲) کتاب المفقود هو الذي غاب عن أهله أو بلده أو أسره العدو ولا یدری أحي هو أو میت ولا یعلم له مکان ومضی علی ذلك زمان فهو معدوم بهذا الاعتبار۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۷۰۶۸/۹): المبحث السادس ۔ التفریق للحبس: لم یجز جمهور الفقهاء غیرالمالکیة التفریق لحبس الزوج أو أسره أو اعتقاله، لعدم وجود دلیل شرعي بذلك. ولاتعد غیبة المسجون ونحوه عند الحنابلة غیبة بعذر. أما المالکیة فأجازواطلب التفریق للغیبةسنة فأکثر، سواء أکانت بعذر أم بدون عذر، کما تقدم۔

(۳۹۵) عمر قید کے سزا یافتہ کی بیوی کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شاکر کو عمر قید ہوگئی ابھی تین سال کا عرصہ اس کو گزر چکا ہے ظاہر ہے باقی عمر بھی قید میں گزرنی ہے اب کیا شاکر کی بیوی دوسری شادی کر سکتی ہے؟ کیونکہ شاکر کا آنا ممکن نہیں اور وہ طلاق بھی

Marfat.com

نہیں دیتا۔اب شرعاً کیا کیا جائے شاکر کو مردہ تصور کرنا جائز نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جس شخص کو عمر قید ہوگئی ہے وہ مفقود کے حکم میں نہیں ہے کہ اس پر مفقود کے احکام جاری ہوں البتہ ایسی عورت شوہر سے خلع وغیرہ لے کر اپنی جان چھڑا سکتی ہے اگر شوہر خلع پر بھی راضی نہ ہو اور عورت کو سخت مجبوری ہو جس کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے یعنی شوہر نفقہ دیتا ہو اور نہ ہی کوئی شخص عورت کے خرچ کا بندوبست کرتا ہو اور نہ خود عورت حفظ آبرو کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو، (۲) اور دوسری صورت سخت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہو سکتا ہو لیکن شوہر سے علیحدہ ہونے میں ابتلاء معصیت کا قوی اندیشہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ شوہر کے متعنت ہونے کا مقدمہ دائر کر کے قاضی سے نکاح فسخ کروالے اور عدت کے بعد دوسری شادی کر لے۔

لمافی الهندية (۲۹۹/۲): كتاب المفقود هو الذي غاب عن أهله أو بلده أو أسره العدو ولا يدرى أحي هو أو ميت ولا يعلم له مكان ومضى على ذلك زمان فهو معدوم بهذا الاعتبار۔

وفی الشامية (۲۹۲/۴) كتاب المفقود (ط سعيد): قوله (هو غائب الخ) أفاد أن قول الكنز هو غائب لم يدر موضعه معناه لم تدر حياته ولا موته قال في البحر فالمدار إنما هو على الجهل بحياته وموته لا على الجهل بمكانه فإنهم جعلوا منه كما في المحيط ۔۔۔ قلت الظاهر أن علم المكان يستلزم العلم بالموت والحياة غالبا وعدمه عدمه فالعطف للتفسير۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۲۹۹۰/۴) (ط دار الفكر): من هذا القانون على أنه: إذا غاب الزوج بلا عذر مقبول، أو حكم بعقوبة السجن أكثر من ثلاث سنوات، جاز لزوجته بعد سنة من الغياب أو السجن أن تطلب إلى القاضي التفريق، ولو كان له مال تستطيع الإنفاق منه والتفريق للغيبة بعد سنة في هذه المادة مأخوذ من القول المعتمد في مذهب المالكية.

وفی الحيلة الناجزة (ص۷۳): زوجہ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کر لے لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ ان کے نزدیک زوجہ متعنت کو تفریق کا حق مل سکتا ہے اور سخت مجبوری کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے ..... دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہو سکتا ہے لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاء معصیت کا قوی اندیشہ ہو۔

Marfat.com

(۳۹۶) مفقود کی واپسی پر عورت کیلئے عدت گزارنے کی وجہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مفقود شخص اگر لوٹ آئے تو اس کی بیوی اسے ہی ملتی ہے دوسرے شوہر سے علیحدگی کرائی جائے گی لیکن مشورہ یہ دیا جاتا ہے کہ پہلا شوہر طلاق دیدے اور بعد از عدت دوسرا شوہر دوبارہ نکاح کرلے تحقیق طلب بات یہ ہے کہ اس صورت میں تو استبراء رحم کی ضرورت ہی نہیں تو عدت کیوں؟ مفقود تو ایک عرصے سے قریب ہی نہیں آیا اور بیوی اس دوسرے شوہر سے ہمبستر تھی پھر عدت کا کیوں کہا جارہا ہے قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ پہلے شوہر کے طلاق دیتے ہی یہ نکاح کرلے۔ امید ہے آپ اس مسئلے کا مفصل جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عدت کے وجوب کیلئے دخول شرط ہے اور مذکورہ صورت میں مفقود شخص کی طرف سے دخول پایا گیا ہے جس طرح نسب کیلئے فراش (یعنی نکاح ہونا ضروری ہے) اگرچہ شوہر مغرب میں ہو اور بیوی مشرق میں پھر بھی بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ صورت میں مفقود شخص کی بیوی پر طلاق کے بعد عدت گزارنا ضروری ہوگا۔ اگرچہ وہ کئی سالوں سے اپنی بیوی کے قریب بھی نہیں آیا ایک مرتبہ دخول [یا خلوت صحیحہ] ہی عدت کیلئے کافی ہے۔

لمافی الهنديه (۵۲۶/۱) (ط حقانيه):الباب الثالث عشر في العدة هي انتظار مدة معلومة يلزم المرأة بعد زوال النكاح حقيقة أو شبهة المتأكد بالدخول أو الموت كذا في شرح النقاية للبرجندي۔

وفی الدرالمختار(۵۰۴/۳) (ط س): واصطلاحا (تربص يلزم المرأة) أو ولي الصغيرة (عند زوال النكاح) فلا عدة لزنا (أو شبهته) كنكاح فاسد ومزفوفة لغير زوجها ۔۔۔ (وسبب وجوبها) عقد (النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه) من موت أو خلوة أي صحيحة فلا عدة بخلوة الرتقاء وشرطها الفرقة وركنها حرمات ثابتة بها كحرمة تزوج وخروج۔

وفی الشامیة(۵۰۴/۳): (قوله وشرطها الفرقة) اى زوال النكاح أو شبهته۔

Marfat.com

باب فی أحکام الکفر والارتداد

(نکاح میں کفر اور ارتداد کا بیان)

(۳۹۷) عورت کا یہ کہنا کہ "ایسی شریعت کو آگ لگا دو"

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عورت نے غصے میں کہا کہ ایسی شرع کو آگ لگا دو، یہ اس وقت کہا کہ جب کسی نے کہا کہ شریعت نے مرد کو ۴ شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ وہ کیا کرے کیا اس پر تجدید ایمان ونکاح ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ کے کسی حکم کو حقیر جان کر اس کا انکار کرنا یا اس حکم کا مذاق اڑانا کفر ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اس عورت نے اپنے اختیار سے یہ کہا کہ "ایسی شریعت کو آگ لگا دو جس نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے" ان الفاظ سے شریعت کے حکم کا صریح انکار کیا ہے اور اس نے شریعت کا مذاق اڑایا ہے لہٰذا مذکورہ عورت کا تجدید ایمان کے ساتھ ساتھ تجدید نکاح کرنا بھی ضروری ہے۔

لمافی البحر الرائق (۲۱۰/۵): والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به قاضيخان في فتاواه ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل ومن تكلم بها عالما عامدا كفر عند الكل ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف۔

وفی الدرالمختار (۲۲۲/۴) كتاب الجهاد باب المرتد: وفي الفتح من هزل بلفظ كفر ارتد وإن لم يعتقده للاستخفاف فهو ككفر العناد۔

وفی الرد تحته: قوله (من هزل بلفظ كفر) أي تكلم به باختياره غير قاصد معناه وهذا لا ينافي ما مر من أن الإيمان هو التصديق فقط أو مع الإقرار لأن التصديق وإن كان موجودا

Marfat.com

حقيقة لكنه زائل حكما لأن الشارع جعل بعض المعاصي أمارة على عدم وجوده كالهزل المذكور۔۔۔ فإن فعل ذلك استخفافا واستهانة بالدين فهو أمارة عدم التصديق ۔۔۔ قلت ويظهر من هذا أن ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وإن لم يقصد الاستخفاف لأنه لو وقف على قصده لما احتاج إلى زيادة عدم الإخلال بما مر لأن قصد الاستخفاف مناف للتصديق۔

وفيه ايضا(۲۲۴/۴): (مطلب ما يشك فی انه ردة لايحكم بها) إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض أصحابنا لا يكفر لأن الكفر يتعلق بالضمير ولم يعقد الضمير على الكفر وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندي لأنه استخف بدينه اه

(۳۹۸) لڑکی کے عیسائی ہوجانے سے نکاح ٹوٹنے پر ایک اشکال کا جواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی مسلمان شادی شدہ تھی لیکن عیسائیت کی NGOs کی تبلیغ کی وجہ سے العیاذ باللہ عیسائی مذہب اختیار کرلیا تو کیا یہ ارتداد شمار ہوگا؟ نیز کیا ان کا نکاح ٹوٹ جائے گا بظاہر تو عیسائی عورت سے نکاح جائز ہے تو نکاح نہیں ٹوٹنا چاہیئے، کیونکہ انتقال جواز سے جواز کی طرف ہے، البتہ ترک اسلام اگر ارتداد ہے تو نکاح ٹوٹ جانا چاہیئے؟ شرعی فتویٰ صادر فرمائیں نیز نکاح ٹوٹنے کا مدار کس پر ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ہر وہ شخص جو اسلام سے منحرف ہوکر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلیتا ہے چاہے عیسائیت کو اختیار کرتا ہے یا یہودیت کو چاہے مرد ہو یا عورت اگر وہ شادی شدہ تھا تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور حالت ارتداد میں اس کے ساتھ کسی کا بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور نکاح کے ٹوٹنے کا مدار ارتداد ہے۔ جہاں تک عیسائی عورت سے نکاح کے جواز کا تعلق ہے تو اس سے مذکورہ عورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس عیسائی عورت سے نکاح جائز ہوتا ہے جو اسلام سے منحرف ہوکر عیسائی نہ بنی ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں انتقال جواز سے جواز کی طرف نہیں ہے اور مذکورہ عورت اگر واپس مسلمان ہوجاتی ہے تو اس کو اسی مرد کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا کسی دوسری جگہ اس کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الهنديه كتاب النكاح (۳۳۹/۱): ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال قبل الدخول وبعده ثم إن كان الزوج هو المرتد فلها كل المهر إن دخل بها ونصفه إن لم يدخل بها وإن كانت هي المرتدة فلها كل المهر إن دخل بها وإن لم يدخل بها

Marfat.com

فلا مهر لها۔۔۔ وبعد اسطر۔۔۔ فإن أسلم الزوج وتحته كتابية ثم ارتد بانت كذا في محيط السرخسي۔

وفی الدر المختار كتاب النكاح (١٩٣/٣): (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عددا (عاجل)بلا قضاء ۔۔۔ (لو ارتدت) لمجيء الفرقة منها قبل تأكده ۔۔۔وتجبر على الإسلام وعلى تجديد النكاح زجرا لها بمهر يسير كدينار وعليه الفتوى ولوالجية۔

(۳۹۹)امداد کیلئے قادیانیت کے اقرارنامے پر دستخط کا حکم

سؤال

مفتی صاحب جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل بہت برا دور آ گیا ہے ایمان بچانا مشکل ہو گیا ہے میرے ساتھ ایسا ہی ایک عجیب حادثہ پیش آیا حالیہ سیلاب میں ہم بھی کچھ امداد لے کر متاثرہ علاقوں میں گئے وہاں ایک حیرتناک چیز سامنے آئی کہ قادیانی کیمپ بھی لگے ہیں اور وہ بھی امداد تقسیم کر رہے ہیں لیکن ایک فارم پر دستخط کراتے ہیں جس میں تقریباً صراحتاً قادیانی ہونے کا اقرار ہوتا ہے بعض متاثرین لاعلمی میں اور بعض جانتے ہوئے مجبوراً یہ اقدام کرتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کیا وہ مرد اور عورتیں جو یہ دستخط کریں ان کا نکاح بچے گا؟ ایمان محفوظ رہے گا؟ یا سب غارت ہو جائے گا یہ کھلی رہزنی نہیں۔ اس طرح قادیانیت کی تبلیغ پر پابندی نہیں لگنی چاہیئے؟ مفتی صاحب مجبوری کی حالت میں اگر کہیں اپنے آپ کو شیعہ، قادیانی یا عیسائی وغیرہ ظاہر کرنا پڑے اور بندہ کر دے تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کوئی بھی ایسی تحریر یا فارم جس میں بندہ کے کفر کا اقرار ہو اور وہ اس تحریر یا فارم پر عمداً دستخط کر دے تو ایسا شخص کافر و مرتد ہو جاتا ہے ایسے شخص کا ایمان محفوظ نہیں رہتا اور نکاح بھی باطل ہو جاتا ہے اگر لاعلمی میں ایسی تحریر یا فارم پر دستخط کر دیئے تو احتیاطاً ایمان کی تجدید کر لے البتہ اگر کبھی ایسی صورت حال پیش آ جائے جیسے سیلاب زلزلہ وغیرہ تو ایسی صورت میں آدمی کو اپنے ایمان اور اپنے بچوں کے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے، اگر امداد لے رہا ہے تو پہلے تحقیق کرے آیا امداد دینے والے غیر مسلم تو نہیں ہیں قادیانی عیسائی یا شیعہ تو نہیں ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں جن حضرات نے عمداً دستخط کر دیئے ہیں ان کا ایمان ختم ہو چکا ہے اور نکاح بھی باطل ہو گیا ہے اور جنہوں نے لاعلمی میں دستخط کر دیئے ہیں ان کو احتیاطاً ایمان اور نکاح کی تجدید کر لینی چاہیئے۔ اسی طرح اگر کوئی اپنے آپ کو شیعہ قادیانی یا عیسائی وغیرہ ظاہر کرے تو یہ بھی کفر ہے اس طرح کرنے سے ایمان باقی نہیں رہتا۔

لما فی مرقاة المفاتيح (٥٦/٩)الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون أن الخوارج كسائر أهل

Marfat.com

البدء لا تكفر قلت وهذا في غير حق الرافضة الخارجة في زماننا فإنهم يعتقدون كفر أكثر الصحابة فضلا عن سائر أهل السنة والجماعة فهم كفرة بالإجماء بلا نزاء ـ

وفى الهندية (٢/٢٠٧) موجبات الكفر: ومن يرضى بكفر نفسه فقد كفر ـ

وفيه ايضا (٢/٢٧٦): إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض أصحابنا لا يكفر وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندي كذا في البحر الرائق ومن أتى بلفظة الكفر وهو لم يعلم أنها كفر إلا أنه أتى بها عن اختيار يكفر عند عامة العلماء خلافا للبعض ولا يعذر بالجهل كذا في الخلاصة ـ

وفى الشامية (٤/٢٢٤) باب المرتد: وفي البحر عن الجامع الصغير إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض أصحابنا لا يكفر لأن الكفر يتعلق بالضمير ولم يعقد الضمير على الكفر وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندي لأنه استخف بدينه اه ثم قال في البحر والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به في الخانية ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف اه

Marfat.com

باب فی الرسوم

(شادی میں رائج رسوم کا بیان)

(۴۰۰) شادی کی تقریبات سادہ اور سنت کے مطابق ہونی چاہئیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض دیہاتوں میں شادی کا طریقہ کار یوں ہے کہ پہلے دن شام کو لوگ (اقارب ورشتہ دار) جمع ہوتے ہیں اور بعض چھوٹے بڑے مہندی لگاتے ہیں، دولہا دلہن بھی مہندی لگایا کرتے ہیں، اس کو مہندی کی شام کہتے ہیں، دوسرا دن اصل شادی کا دن ہوتا ہے، دولہا تیار کیا جاتا ہے پھر دولہا کیساتھ تقریباً ۴۰۔۵۰ نفری مل کے دلہن کے گھر جاتے ہیں، وہاں ان کو کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے اور دلہن تیار کی جاتی ہے، سجاوٹ وغیرہ کر کے اس کے بعد دلہن کے ساتھ دلہن کے باپ، چچا، بھائی ودیگر رشتہ دار تقریباً ۳۰۔۴۰ نفری ہوتی ہے دولہا کے ساتھ جو تھے وہ بھی بمع دولہا اور دلہن کے ساتھ، اقارب ورشتہ دار ۳۰۔۴۰ نفری سب مل کر دولہا کے گھر آجاتے ہیں دلہن اور اقارب کیلئے الگ مکان دیا جاتا ہے وہاں شام کو ٹھہرتے ہیں۔ اس رات دولہا دلہن سے نہیں مل سکتا ہے۔ یہ دو دن تمام شرکاء کیلئے کھانے وغیرہ کا انتظام مہندی کی رات سے اب تک کیا جاتا ہے۔ پھر صبح دلہن کے اقارب دلہن کو چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں، تین دن کی دعوت کے بعد آنے والی شام کو دولہا دلہن سے مل سکتا ہے۔ کیا شادی کا یہ طریقہ شریعت میں صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں ہے تو کس حد تک قباحت ہے۔ نیز شادی بیاہ کا شرعی طریقہ کار کیا ہے؟ واضح طور پر بیان فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کے سمجھنے سے قبل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مؤمن (مسلمان) کے اعمال عند اللہ اسی وقت مقبول ہوتے ہیں جبکہ انہیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انجام دیا جائے اور شادی بیاہ میں سنت طریقہ سادگی اپنا کر فخر ونمود، بدعات اور رسم ورواج سے بچنا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مہندی کی رات میں مردوں کا مہندی لگانا ناجائز ہے اور دعوتِ ولیمہ کا رخصتی سے پہلے کرنا بھی خلاف سنت ہے۔ اسی طرح دلہن والوں کا اتنی مقدار میں دولہا کے گھر والوں پر بوجھ بنے رہنا محض رسم ورواج ہے، شریعت کا اس سے کوئی

Marfat.com

تعلق نہیں، ان امور سے بچنا ضروری ہے۔ شادی بیاہ کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اولاً نکاح کے بعد لڑکی (دلہن) کو رخصت کیا جائے، اس کے بعد دوسرے دن (شب زفاف گزرنے کے بعد) ولیمہ کی دعوت کی جائے۔ ولیمہ میں اگرچہ خاص رشتہ داروں، دوست احباب وغیرہ کو بھی مدعو کیا جاسکتا ہے، لیکن اس میں فقراء کو آنے سے منع نہ کیا جائے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اور اگر کوئی صاحب حیثیت ہو تو دوسرے اور تیسرے دن بھی ولیمہ کی دعوت کرسکتا ہے جبکہ ریاکاری اور نمائش مقصود نہ ہو۔

لمافی مشكوة المصابيح (ص۲۷۷): عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة فقال: "ما هذا؟" قال: إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب قال: "بارك الله لك أولم ولو بشاة"

وفيه أيضاً(ص۲۷۸): وعن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا دعي أحدكم إلى الوليمة فليأتها". متفق عليه۔۔۔ وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الأغنياء ويترك الفقراء ومن ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله"۔

وفی اعلاء السنن (۱۰/۱۱): باب استحباب الوليمة وكون وقته بعد الدخول والمنقول من فعل النبی صلى الله عليه وسلم انها بعد الدخول كانه يشير الى قصة زينب بنت جحش رضی الله عنها۔

وفيه أيضاً (۱۳/۱۱): باب جواز الوليمة الى أيام ان يكن فخرا" عن انس رضی اللہ عنہ قال تزوج النبی صلى الله عليه وسلم صفية، وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلاثة ايام۔

وفی الهندية (۳۴۳/۵): ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بامرأته ينبغي أن يدعو الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما وإذا اتخذ ينبغي لهم أن يجيبوا فإن لم يفعلوا أثموا قال عليه السلام من لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله ۔۔۔ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة كذا في الظهيرية۔

وفی الشامية (۴۲۲/۶): (قوله خضاب شعره ولحيته) لا يديه ورجليه فانه مكروه للتشبه بالنساء۔

(۴۰۱) مایوں کی رسم کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی وغیرہ کے موقع پر بڑی عجیب وغریب

Marfat.com

قسم کی رسمیں رائج ہیں ایک رسم جو شاید آپ کے علم میں بھی ہو "مایوں" کی ہے۔ اس میں لڑکی کو شادی سے ایک ہفتہ قبل گھر کے تمام کام کاج سے فارغ کر کے ایک کونے میں پیلے کپڑے پہنا کر بیٹھا دیا جاتا ہے۔ جس دن اسے بیٹھایا جاتا ہے اس دن ایک تقریب ہوتی ہے جس میں اکثر خواتین شریک ہوتی ہیں اور اس لڑکی کو جس کی شادی ہونے والی ہوتی ہے ابٹن مہندی وغیرہ لگاتی ہیں۔ الغرض اب یہ لڑکی اس کونے میں بیٹھی رہتی ہے اور اس کونے میں ایک پردہ لٹکا دیا جاتا ہے۔ اس میں صرف اس لڑکی کی سہیلیاں یا خواتین ہی جاتی ہیں۔ جب خواتین سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ لوگ یہ رسم کیوں کرتی ہیں تو وہ جواباً کہتی ہیں تا کہ لڑکی میں کچھ شرم وحیا اور حجاب کی عادت مزید پڑ جائے آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ آیا دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس قسم کی رسومات ہوتی تھیں؟ اگر نہیں تو پھر موجودہ دور میں رائج ان مایوں، جیسی رسوم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خیر القرون میں اس طرح کی رسوم کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے بلکہ یہ لوگوں کے من گھڑت رسم ورواج ہیں، اسلام نے شادی اور اس کے متعلقات کے طریقے نہایت ہی سادہ وسہل بتائے ہیں جن میں سادگی پائی جاتی ہے نہ کہ نمود ونمائش وریاکاری، لہٰذا یہ رسومات قابل ترک ہیں اور ان سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ ان میں مفاسدِ کثیرہ وخرافات پائی جاتی ہیں اور رسم "مایوں" میں تو بسا اوقات دلہن کے لئے نماز وغیرہ عبادات ادا کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا یہ رسم قابل ترک اور لائق ملامت ہے۔

لما فی المشکوۃ (ص۲۷): وعن ابن عباس قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " أبغض الناس إلى الله ثلاثة ملحد في الحرم ومبتغ في الإسلام سنة الجاهلية ومطلب دم امرىء بغير حق ليهريق دمه " رواه البخاري ـ

(ص۴۹): وعن علي بن الحسين رضي الله عنهما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه " . رواه مالك وأحمد ـ

(۴۰۲) مہندی کی مروّجہ رسم نیز رخصتی کا شرعی طریقہ کار

سوال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) نکاح کا سنت طریقہ کیا ہے؟

(۲) رخصتی کا سنت طریقہ کیا ہے؟

(۳) آج کل جو مہندی کی رسم چل رہی ہے اس کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

Marfat.com

نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خوشی کے مواقع پر ان چیزوں میں کوئی حرج نہیں، اتنا تھوڑا بہت ہونا چاہیئے۔ اسلام میں اتنی زیادہ سختی بھی نہیں۔ آیا اس طرح کہنا درست ہے؟ اور یہ باتیں کہاں تک صحیح ہیں؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب میاں بیوی یا ان کے اولیاء شادی کرنے پر راضی ہوجائیں تو عقد نکاح مسجد میں لوگوں کے سامنے کیا جائے۔ بایں طریقہ کے پہلے ماثور خطبۂ نکاح پڑھا جائے اور پھر باقاعدہ ایجاب وقبول کیا جائے۔

(۲) رخصتی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو دلہن بنا کر شوہر کے گھر پر پہنچا دیں اور شوہر حق زوجیت ادا کر کے اپنے اقرباء پڑوسیوں اور اپنے دوستوں کو اپنی وسعت کے مطابق کھانے پینے کی دعوتِ ولیمہ کرے۔ تاہم یاد رہے اگر دولہا کے گھر کے کچھ افراد آ کر دلہن کو شوہر کے گھر پر لے جائیں تو اس میں بھی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی اس انداز سے ہوئی کہ ان کی والدہ ام رومان نے انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر دلہن بنا کر پہنچایا تو وہاں موجود انصاری عورتوں نے ام رومان اور دلہن کے استقبال میں یہ دعائیہ جملے کہے "علی الخیر والبرکة وعلی خیر طائر" خیر اور برکت اور اچھی نصیبی پر۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی فقط اتنی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باندی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میری اس بیٹی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پر پہنچا دیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ اور خیبر کے درمیان (راستہ میں) تین دن تک قیام فرمایا اور وہاں ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کر لی تو میں نے مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولیمہ پر بلایا لیکن اس دعوت میں روٹی اور گوشت بھی نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا اور اس پر کھجور، پنیر اور گھی ڈال دیا گیا اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولیمہ تھا۔ لہٰذا ان واقعات کو دیکھ کر ہر مسلمان کو چاہیئے کہ شادی بیاہ کے موقع پر اسی طرح سادگی سے کام لیں، اور بشمول مہندی کی رسم کے تمام رسومات سے اجتناب کریں جبکہ ان رسومات پر ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں جو کہ محض اسراف ہے اور ان رسومات ہی کی نحوست سے بہت سی جوان عورتیں اور مرد کنوارے پن اور نکاح کئے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے فحاشی عام ہوتی ہے اور بطور خاص مہندی کی رسم میں تو مرد اور عورتوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے جو دیگر کئی مفاسد کو جنم دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ نکاح بہت بابرکت ہے جس کا بار کم سے کم پڑے۔ اس حدیث میں امت کو ہدایت اور راہنمائی دی گئی ہے کہ شادیاں ہلکی پھلکی اور کم خرچ ہوا کریں اور بشارت سنائی گئی ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری شادیوں کے نتیجے میں بڑی برکتیں ہوں گی۔ الغرض ان رسومات کو ناجائز قرار دینا شریعت کی کوئی سختی

Marfat.com

نہیں حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک آسانی اور یسر کا معاملہ ہے۔ ان رسومات پر عمل نہ کرنے کی صورت میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

لما فی البخاری (۷۷۵/۲): عن عائشة رضي الله عنها: " تزوجني النبي صلى الله عليه وسلم، فأتتني أمي فأدخلتني الدار، فإذانسوة من الأنصار في البيت، فقلن: على الخير والبركة، وعلى خير طائر"۔ عن أنس رضي الله عنه، قال: أقام النبي صلى الله عليه وسلم بين خيبر والمدينة ثلاثا يبنى عليه بصفية بنت حيي، فدعوت المسلمين إلى وليمته فما كان فيها من خبز ولا لحم أمر بالأنطاع، فألقى فيها من التمر والأقط والسمن، فكانت وليمته۔

وفی مشکوة المصابیح (۲۶۸/۲): وعن عائشة قالت : قال النبي صلى الله عليه وسلم : " إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة".

و فی الترمذی (۲۰۷/۱): عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف۔

وفی الدر المختار (۶۰۳/۳): ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة وإن أذنت كانا عاصيين كما مر في باب المهر۔

وفی الرد تحته: قوله (والوليمة) ظاهره ولو كانت عند المحارم لأنها تشتمل على جمع فلا تخلو من الفساد عادة۔

(۴۰۳) جوتا چھپائی کی رسم شریعت کی نظر میں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر دلہا کے جوتے چھپائے جاتے ہیں خصوصاً شادی میں سالیاں یہ کام کرتی ہیں اور پھر اس پر پیسے وصول کرتی ہیں جو کہ چار و ناچار دینے پڑتے ہیں کیا یہ عمل درست ہے؟ شریعت اس سے متعلق کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی کے موقع پر جوتا چھپائی کے نام سے جس رسم کا سوال میں ذکر ہے یہ بہت ہی قبیح اور قابل ترک رسم ہے اس میں درج ذیل مفاسد واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

اوّلاً: نامحرم (سالی) سے ہنسی مذاق ناجائز اور حرام ہے۔

ثانیاً: جبراً پیسے وصول کرنا اور کسی کی دلی رضامندی کے بغیر اس کے پیسے استعمال کرنا بنص قطعی حرام ہے۔

ثالثاً: غیروں کی رسم ہے اور غیروں سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ہر مسلمان کو ان افعال کا ارتکاب کرنے سے پہلے سوچنا چاہیئے کہ وہ کس بے حیائی اور گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے اس طرح کی بیہودہ رسوم اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہیں لہٰذا ان سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے اور اعزہ و اقارب کو ان کی قباحتیں بیان کر کے انہیں ترک کرنے کی ترغیب دی جائے۔

لمافی القرآن الکریم (النور:۳۰): قُل لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " ألالا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه " .

وفی سنن ابي داود (۲۰۳/۲): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم۔

وفی مجموعۃ الفتاویٰ (۲۱۶/۲): قال فی الوسیلة الاحمدیة شرح الطریقة المحمدیة: ولعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي ۔۔۔ ومن الرشوة ما اخذه ولي المرأة قبل النكاح اذا كان بالسؤال او كان اعطاء الزوج بناء على عدم رضاءه على تقدير عدمه اما اذا كان بلا سؤال ولا عدم رضاءه فيكون هدية فيجوز۔

(۴۰۴) بوقتِ حمل لڑکے کے گھر والوں کو کپڑے وغیرہ دینے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک رسم ہے کہ بیٹی کی شادی کے بعد جب ساتواں ماہ حمل کو ہو جائے تو تمام سسرال والوں کو کپڑے اور نقدی دی جاتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اس رسم کو ہمارے ہاں "رسمانا" کہتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورتِ مسئولہ میں اولاً یہ بات سمجھئے کہ شادی کی رسوم کا جائز اور ناجائز سے تعلق نہیں بلکہ اگر دلی رضامندی سے پیسوں یا

Marfat.com

کپڑوں وغیرہ کا لین دین ہوتو یہ درحقیقت آپس کی محبت و الفت کے بڑھنے کا ذریعہ ہے لیکن ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر شادی میں ایسے لین دین کو ایک لازمی شے اور جزء لاینفک کا درجہ دے دیا جاتا ہے گویا ان کے بغیر شادی منعقد ہی نہیں ہوتی پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان رسوم کو نہ کرنے والے پر لعن طعن کیا جاتا ہے اور اس شخص کا زندگی گزارنا دوبھر کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جہیز کی مثال واضح ہے شریعت نے اسے دلی رضا پر چھوڑا ہے لڑکی کا باپ جتنا مالدار ہو حسب استطاعت جہیز مہیا کر دے لیکن ہمارے معاشرے میں جہیز کو کیا مقام دے دیا گیا ہے اور جہیز کی ایک مخصوص مقدار سے کمی پر کیا برتاؤ کیا جاتا ہے یہ سب پر واضح ہے اسی التزام کی وجہ سے جہیز کو معاشرے کیلئے لعنت اور ناسور قرار دیا جاتا ہے ورنہ فی نفسہ جہیز کم دیا جائے یا زیادہ دونوں صورتوں میں دلی رضامندی کے ساتھ جائز ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے علاقے میں مروّج "رسمانا" کی رسم قابلِ ترک ہے اگر کسی شخص کے پاس مال وافر مقدار میں موجود ہو، اور وہ دلی رضامندی سے بھی اپنی بیٹی کے سسرال والوں کو کپڑے وغیرہ دینا چاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ ایسا نہ کرے تا کہ اس کے فعل سے اس رسم کو تقویت نہ ملے اور پھر جو اس طریق پر عمل نہ کرے یا نہ کرسکتا ہو تو اسے طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنایا جائے، ان شاء اللہ اس وجہ سے اگر کوئی شخص اس رسم سے باز رہتا ہے تو اللہ بزرگ و برتر سے امید ہے کہ اسے اجر ملے گا۔

لمافی کتاب اللہ تعالیٰ (النساء: ۲۹): يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۔الآية۔

وفی صحیح البخاری (۷۷۵/۲): عن أبي عثمان واسمه الجعد، عن أنس بن مالك، قال: مر بنا في مسجد بني رفاعة، فسمعته يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا مر بجنبات أم سليم دخل عليها فسلم عليها، ثم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم عروسا بزينب، فقالت لي أم سليم: لو أهدينا لرسول الله صلى الله عليه وسلم هدية، فقلت لها: افعلي، فعمدت الى تمر وسمن وأقط، فاتخذت حيسة في برمة، فأرسلت بها معي إليه، فانطلقت بها إليه، فقال لي: ضعها۔

وفی سنن ابی داود (۲۰۳/۲): عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۵۵): "ألالا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه".

وفی مجموعۃ الفتاویٰ (۲۱۶/۲): قال فی الوسیلۃ الاحمدیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ: ولعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی ومن الرشوۃ ما اخذہ ولی المرأۃ قبل النکاح اذا کان بالسؤال او کان اعطاء الزوج بناء علی عدم رضاءہ علی تقدیر عدمہ اما اذا کان بلا سؤال ولا عدم رضاءہ فیکون ہدیۃ فیجوز۔

Marfat.com

وفی الدر المختار (۱۵۶/۳): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔
وفی الرد تحته: قوله (عند التسليم) أي بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا وكذا لو أبى أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا لأنه رشوة بزازية۔

(۴۰۵) نیوتہ کی رسم کی شرعی حیثیت

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آجکل مختلف خاندانوں میں شادی کے موقع پر یہ رواج پا یا جاتا ہے کہ مثلاً زید کی شادی میں خالد (جو کہ زید کا چچازاد بھائی ہے) آتا ہے۔ خالد زید کو پانچ سو روپے دیتا ہے اور یہ پانچ سو روپے کاپی میں لکھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی باقی رشتہ دار پیسے دیتے ہیں۔ مثلاً کسی نے سو کسی نے دو سو روپے دیئے۔ یہ سب کاپی میں لکھے جاتے ہیں۔ پھر جب خالد کی شادی ہوگی یا ان رشتہ داروں میں سے کسی کی شادی ہوگی تو زید کو بھی اتنے ہی پیسے دینے ہوں گے جتنے انہوں نے دیئے تھے۔ یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کیلئے یہ رقم دینا جائز ہوگا جبکہ اس کو مجبور کیا جارہا ہو؟ اسی طرح زید کیلئے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی بیاہ یا کسی بھی خوشی کے موقع پر ایک دوسرے کو جو تحائف دیئے جاتے ہیں وہ عام طور پر بطور ہدیہ کے ہوتے ہیں۔ اس میں طرفین یہ لالچ اور امید بھی نہیں رکھتے کہ جتنا ہم نے اس کو دیا ہے یہ بھی ہماری تقریب میں اتنا ہی دے گا لہٰذا یہ صورت تو جائز ہے۔

البتہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ یہ تحائف قرضوں کی صورت میں دیئے جاتے ہیں۔ یعنی آج ہم نے تمہاری خوشی میں اتنے پیسے دیئے ہیں، کل تمہیں بھی اتنے ہی دینے ہوں گے۔ اگرچہ صراحۃً قرض کا لفظ استعمال نہ ہو لیکن درحقیقت یہ قرض ہے۔ اس پر قرض کے احکام جاری ہونگے۔ یہ صورت درست نہیں۔ البتہ چند شرائط کے ساتھ اس طرح کا لین دین کرنا صحیح ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی اپنی اولاد کی کوئی خوشی کرنا چاہتا ہو اور اس کے پاس اتنی آمدن نہ ہو تو اس کو بطور قرض دیئے جاسکتے ہیں۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مذکورہ لین دین کی صورت میں ایک دوسرے پر جبر واکراہ بھی نہ ہو۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ کوئی نہ دے تو اس پر طعن وتشنیع بھی نہ کی جاتی ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ فخر ونمود کا سلسلہ بھی نہ ہو۔

اگر ان شرائط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو اس طرح کا لین دین کرنا صحیح ہے، لیکن جن علاقوں میں یہ رواج ہے وہاں پر عموماً ان

Marfat.com

شرائط کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے لہٰذا ان علاقوں میں ایسی صورت میں مذکورہ لین دین کرنا صحیح نہیں۔ صرف رجسٹر پر لکھ لینے سے اسے قرض کے حکم میں نہیں لیا جائے گا۔ عموماً رجسٹر وغیرہ پر لکھ لینا صرف یادداشت کے طور پر ہوتا ہے تاکہ فرق مراتب ہو سکے۔ اس سے بھی اگرچہ احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ ہدیہ تو ہدیہ ہے، تھوڑا ہو یا زیادہ۔ دلی خوشی سے اسکا لین دین محبتوں کو بڑھاتا ہے البتہ اگر قرض کی صورت (جو کہ شاذ و نادر کچھ علاقوں میں پائی جاتی ہے) ہو تو ایسا لین دین مذکورہ بالا شرائط کے بغیر ناجائز ہے۔

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مہمانوں کو مدعو کرتے ہوئے ہی ہدیہ یا رقم وغیرہ دینے سے منع کر دیا جائے اور انہیں مطلع کر دیا جائے کہ ہمارے گھر میں شادی ہے آپ کی شرکت ہمارے لئے باعث مسرت ہے لیکن ہدیہ کچھ نہ لائیں تاکہ اس لین دین کا رواج ہی نہ ہو تو ایسے موقعوں پر خوشیوں کے علاوہ اور کوئی بات سوچنے کا موقع ہی نہ ملے گا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ :۱۸۸) وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۲/۲۵۵) عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ : "ألا لاتظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان و الدار قطني في المجتبى۔

وفی الشامیہ (۵/۶۹۶) وفي الفتاوى الخيرية سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الأعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا أجاب إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به مثليا فبمثله وإن قيميا فبقيمته وإن كان العرف خلاف ذلك بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك إلى إعطاء البدل فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه فلا رجوع فيه بعد الهلاك أو الاستهلاك والأصل فيه أن المعروف عرفا كالمشروط شرطا اهـ قلت والعرف في بلادنا مشترك نعم في بعض القرى يعدونه فرضا حتى إنهم في كل وليمة يحضرون الخطيب يكتب لهم ما يهدي فإذا جعل المهدي وليمة يراجع المهدي الدفتر فيهدي الأول إلى الثاني مثل ما أهدى إليه۔

(۴۰۶) ننھیاری اور چھوچھک نامی رسوم کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ننھیاری ہمارے علاقے میں اسے کہتے ہیں کہ لڑکی شادی

Marfat.com

کے بعد رخصت ہوکر دولہا کے گھر چلی گئی شوہر نے ولیمہ کیا سب کی دعوت کی۔ اب اس دعوت کے بعد لڑکی والے ۵ ہزار یا ۶ ہزار روپے دیتے ہیں۔

لڑکی والوں کا یہ عمل کیسا ہے اور کیا یہ رسم شرعی اصولوں سے متصادم ہے؟ نیز چھوچھک دینے کے نام سے ایک رسم اور مروّج ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کے گھر اولاد ہونے پر کپڑے، کھلونے، نقدی وغیرہ لڑکی کے گھر والے دیتے ہیں اور یہ معروف عمل ہے لڑکی کی ماں خصوصاً مطعون ہونے کے خوف سے اس چھوچھک دینے کی رسم کو انجام دینا فرض سمجھتی ہے۔ کیا شرعی نقطہ نظر سے یہ رسم جائز ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی کے موقع پر مروّج مختلف اقسام کے ہندوانہ اور اسلامی مزاج سے متصادم رواجوں نے آج شادی کو ایک پیچیدہ مسئلہ بنا دیا ہے۔ خصوصاً لڑکی کی شادی کرنا اور پھر شادی کے بعد اس شادی کو نبھانے کیلئے لڑکی والوں کی طرف سے مختلف التزامات نے لڑکی کی شادی کو انتہائی مشکل کام بنا دیا ہے جو کہ لاکھوں روپے موجود نہ ہونے کی صورت میں مشکل کے بجائے تقریباً متعذر ہوجاتی ہے۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ان قبیح اور غیر اسلامی رسومات کو مسلمانوں نے دل سے چمٹا رکھا ہے کوئی رواج، کوئی رسم چھوٹ جانا مروّجہ شادی کو بے مزہ کردینا سمجھا جاتا ہے جبکہ شریعت نے شادی کو بہت آسان بنایا ہے ایک مرد کیلئے چار تک شادیاں کرنا اگر معاشرے میں آسان کردیا جائے تو یہ فحاشی اور بے پردگی مسلم معاشرے سے خود ہی ختم ہوجائے گی، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے ایک شادی کو بھی انتہائی مشکل لیکن فحاشی اور اختلاط کو آسان بنایا ہوا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ برائیاں بڑھ رہی ہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ننھیاری اور چھوچھک دینے کی رسم سے اجتناب کیا جائے۔ اس طرح کی رسوم کو انجام دینا معاشرے میں ایسے ناسوروں کو پھیلاتا ہے اور پھر ایک مسلمان کو شادی کے تقاضے کے وقت ان دسیوں رسومات کی وجہ سے تاخیر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور عمریں ڈھلتی چلی جاتی ہیں، معاشرہ کشیدگی کا شکار ہوجاتا ہے۔ نیز لڑکے کے گھر والوں کو بھی چاہیئے کہ ان رسومات کے نہ کئے جانے پر برا ماننے کے بجائے خود آگے بڑھ کر ان قبائح کا بائیکاٹ کریں۔

لمافی سنن ابی داود (۲۰۳/۲)(باب فی لبس الشهرة): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ تشبه بقوم فهو منهم۔

وفی مشکوة المصابیح (ص۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " ألالا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه " .

وفی الشامیة (۴۲۴/۶): (کتاب الحظر والاباحة): ومن السحت ما يأخذه الصهر من المفتن بسبب بنته۔

Marfat.com

(۴۰۷) دولہا کو پھولوں یا نوٹوں کا ہار اور انگوٹھی پہنانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جو شادی ہوتی ہے اس میں بعض امور کا شرعی حل پوچھنا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دولہا کے ہاتھوں میں مہندی لگائی جاتی ہے اور اس کو پیسوں والا ہار اور انگوٹھی بھی پہنائی جاتی ہے۔ ان کا کیا حکم ہے نیز پھولوں والے ہار کا کیا حکم ہے؟

(۲) دلہن کے گھر دولہا کے ساتھ برات میں تقریباً ۱۰۰/ ۱۵۰ افراد جاتے ہیں اور ان کو لڑکی والے کھانا اور چائے وغیرہ لازماً دیتے ہیں اور رخصتی کے وقت دلہن کی طرف سے تقریباً ۵۰ افراد ساتھ چلتے ہیں جو کہ رات میں لڑکے کے ہاں قیام کرتے ہیں اور صبح ناشتے کے بعد واپس روانہ ہوجاتے ہیں لہٰذا ان امور کا شرعی نقطہ نظر بتلا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح ایک شرعی حکم ہے اسے شریعت کے مطابق مسنون طریقہ پر پورا کرنا چاہیئے، اور شادی بیاہ میں فضول خرچی، بدعات، غلط رسومات اور محض نمائش کے ہر کام سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

(۱) مردوں کے لئے مہندی لگانا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے جس کی ممانعت آئی ہے اسی طرح مردوں کو چاندی کے سوا کسی اور چیز کی انگوٹھی بھی پہننا درست نہیں، نہ سونے کی، اور نہ کسی اور چیز کی البتہ چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت ہے بشرطیکہ ساڑھے چار ماشہ سے زیادہ نہ ہو اور پیسوں کا ہار بھی نہ پہنا جائے کیونکہ اس میں ریا اور تکبر کا اظہار ہوتا ہے البتہ پھولوں والا ہار فی نفسہ جائز ہے اور امتیاز کے لئے پہنایا جاسکتا ہے، لیکن آجکل لوگ ان کاموں کو ضروری سمجھ کر انجام دیتے ہیں لہٰذا ان کی زیادہ حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

(۲) بارات یا رخصتی میں دولہا یا دلہن کے گھر والے اور ان کے اعزاء واقارب کا ساتھ جانا بشرطیکہ اس میں خلاف شرع کوئی کام نہ ہو مثلاً مرد وزن کا اختلاط، گانا بجانا اور ریاکاری وغیرہ خرافات نہ ہو تو گنجائش ہے اور جہاں تک کھانے کا تعلق ہے اگر بطور مہمان نوازی، جانبین سے اصرار کے بغیر کھلا دیں، نہ کھلانے پر کوئی برا نہ مانے اور اس کو سنت بھی نہ سمجھیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

لمافی القرآن الکریم (الانعام:۱۵۳): وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

وفی سنن ابی داؤد(۲/۲۰۳): کتاب اللباس: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: قال قال رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

من تشبه بقوم فهو منهم۔

وفی المشکوۃ(ص۲۷۹) باب الولیمۃ،الفصل الثالث: عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" المتباريان لا يجابان ولايؤكل طعامهما "قال الإمام أحمد:يعني المتعارضين بالضيافة فخرا ورياء

وفيه أيضاً(ص۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "ألالا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" .

وفی اعلاء السنن (۱۴/۱۱) (باب جواز الزفاف): عن عائشة رضی الله عنها: انها زفت امرأة الى رجل من الانصار فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یاعائشة(رضی الله عنها) ما كان معكم لهو؟ فان الانصار يعجبهم اللهو۔ رواه البخاری۔قال فی الدر وهل يكره الزفاف؟ المختار لا اذا لم يشتمل على مفسدة دينية اه. قال ابن عابدين رحمه الله :لزفاف بالكسر ككتاب! اهداء المرأة الى زوجها، قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لانه لازم له عرفا افاده الرحمتی۔

وفی الهندية (۳۵۹/۵) (الباب العشرون فی الزينة):ولا ينبغي أن يخضب يدي الصبي الذكر ورجله إلا عند الحاجة ويجوز ذلك للنساء كذا في الينابيع ۔

وفی الشامية (۶۹۶/۵) كتاب الهبة: قلت والعرف في بلادنا مشترك نعم في بعض القرى يعدونه فرضا حتى إنهم في كل وليمة يحضرون الخطيب يكتب لهم ما يهدي فإذا جعل المهدي وليمة يراجع المهدي الدفتر فيهدي الأول إلى الثاني مثل ما أهدى إليه ۔

(۴۰۸)شادی میں ڈھول بجانے کو دف پر قیاس کرنا

سوال

شادی کے موقع پر بڑی عمر کی عورتوں یا جوان عورتوں کا آپس میں دف بجا کر گیت گانا (جس میں فحش کلام نہ ہو) جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے علاقہ میں اکثر شادیوں کے موقع پر ڈھول بجا کر اسی طرح کے گیت گانے کا رواج ہے۔اگر اس عمل سے روکا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ خوشی کا موقع ہے پھر خوشی کے اظہار کے لئے کیا کریں؟ لہٰذا اگر دف بجا کر گیت گانا جائز ہے تو ڈھول وغیرہ کی خرافات کو ختم کرنے کے لئے لوگوں کو "دف" کی ترغیب دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مزید یہ کہ دف کا اطلاق گھروں میں رکھے ہوئے برتنوں مثلاً پرات وگھڑا وغیرہ پر ہوتا ہے یا نہیں؟ کہ اگر دف دستیاب نہ ہو تو ان کو بجا کر گیت گایا جائے؟ عام طور پر لوگ اس موقع پر حدیث "اعلنوا النكاح

Marfat.com

ولو بالدف" اور بخاری شریف میں موجود حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہ کی شادی کے موقع پر دف بجایا جانا وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں کیا یہ استدلال صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی اگرچہ خوشی کا موقع ہے اور اسلام خوشی کا اظہار کرنے سے نہیں روکتا، لیکن اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ خوشی کے اظہار میں حد سے تجاوز کیا جائے، ناجائز اور غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جائے لہٰذا اس موقع پر ڈھول بجا کر گیت وغیرہ گانا ناجائز اور حرام ہے البتہ شریعت نے اس موقع پر نکاح کی تشہیر کی غرض سے دف (پرات، گھڑا وغیرہ) بجانے اور اشعار پڑھنے کی رخصت دی ہے لیکن اس میں بھی مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ ایسا دف ہو جس میں "گھنگھرو" لگے ہوئے نہ ہوں۔

۲۔ پیشہ ور گلوکاروں اور موسیقاروں کی طرز پر نہ بجایا جائے اور نہ قواعدِ موسیقی کی رعایت کی جائے۔

۳۔ دف بجانے والی عورتیں ہوں نہ کہ مرد۔

۴۔ ایسے اشعار ہوں جن کا مضمون فحش اور فتنہ میں ڈالنے والا نہ ہو۔

۵۔ عورتوں کی آواز مردوں تک نہ پہنچے۔

ان مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ کر کے دف بجانا اور اشعار کا پڑھنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہوگا البتہ ہمارے زمانے میں لوگ ایسے مواقع پر شریعت کی دی ہوئی حدود کا لحاظ نہیں رکھتے اس لئے ان چیزوں سے احتیاط ہی بہتر ہے۔ مزید یہ کہ نکاح کے موقع پر دف بجانے سے مقصود نکاح کی تشہیر ہے اور آج کل اس کے بغیر بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی ضرورت نہیں رہی۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۳/۲): قالت الربیع بنت معوذ ابن عفراء، جاء النبي صلى الله عليه وسلم فدخل حين بني علي، فجلس على فراشي كمجلسك مني ، فجعلت جويريات لنا، يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائي يوم بدر إذ قالت إحداهن: وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال: دعي هذه، وقولي بالذي كنت تقولين۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۳۱۸/۲) باب الخمر ووعید شاربها: وعن أبي أمامة قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم : " إن الله تعالى بعثني رحمة للعالمين وهدى للعالمين وأمرني ربي عز وجل بمحق المعازف والمزامير والأوثان والصلب وأمر الجاهلية وحلف ربي عز وجل : بعزتي لا يشرب عبد من عبيدي جرعة خمر إلا سقيته من الصديد مثلها ولا يتركها من مخافتي إلا سقيته من حياض القدس" . رواه أحمد

Marfat.com

وفى مرقاة المفاتيح (٢١٩/٧):(قوله:بمحق المعازف) أي بمحو آلات اللهو وفي النهاية العزف اللعب بالمعازف وهي الدفوف وغيرها مما يضرب وقيل إن كل لعب عزف۔

وفى نيل الاوطار (٢٤٣/٤، جز٤): واخرج القاسم بن سلام عن على ان النبى ﷺ نهى عن ضرب الدف والطبل وصوت المزمار۔

وفى المرقاة أيضا (٢٧٥/٦) باب اعلان النكاح:بل المراد الترغيب إلى إعلان أمر النكاح بحيث لا يخفى على الأباعد فالسنة إعلان النكاح بضرب الدف وأصوات الحاضرين بالتهنئة أوالنعمة في إنشاد الشعر المباح۔

وفى فتح البارى (١٨٥/٩):واستدل بقوله واضربوا على أن ذلك لا يختص بالنساء لكنه ضعيف والأحاديث القوية فيها الإذن في ذلك للنساء فلا يلتحق بهن الرجال لعموم النهي عن التشبه بهن۔

وفى احكام القرآن للتهانوى (٢٢٦/٣): لان الغناء يطلق على رفع الصوت وعلى الترنم الذى تسميه العرب النصب وعلى الحداء ولا يسمى فاعله مغنيا ۔۔۔ ثم هذا كله كلام على الغناء من حيث انه غناء مع قطع النظر عما ينضم اليه من المنكرات والمعاصى عادة باجتماء اهل الهوى والسماء عن النساء والاجنبيات او من الامارد او سماء ما يتضمن الحرام من الكلام كالتشبيب بامراة مسماة معروفة حية او كغيبة انسان ۔۔۔ فانه حرام باطباق النصوص وباجماء المسلمين لايختلف فيه مسلمان اهـ

وفيه ايضاً(ص٢٣٤): قد تلخص مما ذكرنا من روايات المذهب واقوال المشائخ الحنفية قدس اسرارهم انهم اتفقوا على تحريم الآلات المطربة بنفسها من دون الغناء وعدوا الدف الذى فيه الجلاجل منها كمافى ردالمحتار والبحر۔ واختلفوا فى الدف والقضيب وامثالهما فى النكاح وامثاله ۔۔۔ وانهم اتفقوا على اباحة الغناء لنفسه بشرائط۔

وفى الشامية (٣٥٠/٦): وعن الحسن لا بأس بالدف في العرس ليشتهر وفي السراجية هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب اهـ

Marfat.com

(۴۰۹) رخصتی کے وقت لڑکی پر قرآن کا سایہ کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر جب لڑکی کو رخصت کیا جارہا ہوتا ہے تو اسے قرآن کے سائے میں لے کر جایا جاتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟ ازراہ کرم ذرا جلدی جواب عنایت فرمائیں تاکہ میں اپنے بڑوں کو بھی آپ کی تحریر دکھا سکوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

دلہن کو رخصت کرتے وقت اس پر قرآن شریف کا سایہ کرنا، اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں یہ محض ایک رسم ہے جس کو اگر دین سمجھ کر یا باعث اجر وبرکت سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے۔

لمافی سنن ابن ماجه (ص٦): باب اجتناب البدء والجدل:عن جابر بن عبد الله ، قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب احمرت عيناه ، وعلا صوته ، واشتد غضبه . كأنه منذر جيش , يقول : صبحكم مساكم , ويقول : بعثت أنا والساعة كهاتين ، ويقرن بين إصبعيه السبابة والوسطى , ثم يقول : أما بعد ، فإن خير الأمور كتاب الله ، وخير الهدي هدي محمد ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل بدعة ضلالة۔

وفی الدرالمختار(۱/۵۶۰): (ومبتدء) أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة۔

(۴۱۰) شادی کے موقع پر سہرا باندھنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض جگہوں پر شادی کے موقع پر دولہا ودلہن کو سہرا باندھا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ اصل میں ہندوؤں کی رسم ہے جو ہندوؤں سے منتقل ہوکر مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہے اور فقہاء نے ان رسومات سے تشبہ

Marfat.com

(ہندوؤں کی مشابہت) کی بناء پر منع فرمایا ہے لہٰذا سہرا باندھنے سے اجتناب کیا جائے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۲/۷۳۰): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم ۔۔۔ وقد روی فی هذا الحدیث عن ابن عمر رضی الله عنهماعن النبی صلی الله علیه وسلم انه نهی عن التشبه بالاعاجم وقال: "من تشبه بقوم فهو منهم" ذکره القاضی ابو یعلی وبهذا احتج غیر واحد من العلماء علی کراهة اشیاء من زی غیر المسلمین۔

(۴۱۱) شادی کے موقع پر سفید کپڑے اور سیاہ عمامہ باندھنا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کی شادی ہوئی تو اس نے سفید کپڑے اور سیاہ پگڑی پہنی ہوئی تھی لوگوں نے کہا شادی میں تو سفید پگڑی باندھی جاتی ہے اس نے سیاہ پگڑی باندھ لی ہے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا شادی میں کسی خاص رنگ کے کپڑے پہننا مسنون ہے؟ نیز سفید رنگ کے علاوہ رنگ کے کپڑے پہننے والوں کو طعن وتشنیع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے دوست کا سیاہ پگڑی پہننا بالکل درست ہے اس پر لوگوں کا تنقید کرنا جہالت ہے کیونکہ سیاہ پگڑی پہننا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، شادی کے موقع پر کسی بھی قسم کا لباس پہنا جاسکتا ہے البتہ حدیث میں عموماً سفید کپڑے پہننے کی فضیلت آئی ہے، لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سفید کپڑے کو ترجیح دینی چاہیئے۔اسی طرح پگڑی باندھنے کی سنت کو شادی کے ساتھ خاص نہ کیا جائے بلکہ ہر وقت اس سنت پر عمل کرنا چاہیئے۔

لمافی المرقاة (۸/۲۴۸): (فإنها أطهر) أي لا دنس ولا وسخ فيها قال الطيبي لأن البيض أكثر تأثرا من الثياب الملونة فتكون أكثر غسلا منها فتكون أطهر اه والأظهر أنها أطهر لكونها حاكية عن ظهور النجاسة فيها بخلاف غيرها ويحتمل أن يكون في الصبغ نجاسة والأبيض بريء منها وأطيب أي أحسن طبعا أو شرعا ويمكن أن يكون تأكيدا لما قبله لكن التأسيس أولى من التأكيد في القول السديد وقيل أطيب لدلالته غالبا على التواضع وعدم الكبر والخيلاء والعجب وسائر الأخلاق الطيبة۔

Marfat.com

(۴۱۲) دولہا سے پیسے لینا، شادی میں فائرنگ اور روپوں کا ہار ڈالنے کا حکم

سوال

ہمارے گاؤں میں شادی کے موقع پر دولہا کے گلے میں روپے کا ہار ڈالا جاتا ہے اور فائرنگ بھی کی جاتی ہے اور نکاح کے موقع پر ساس داماد کو کوئی کھانے کی چیز مثلاً بسکٹ، شہتوت، اخروٹ وغیرہ کسی آدمی کے ذریعے پیش کرتی ہے (یعنی خود نہیں لاتی کیونکہ دولہا مردوں کے کمرے میں ہوتا ہے اور وہاں غیر محرم لوگ بہت ہوتے ہیں) اور دولہا ان چیزوں کو کھاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ مرد کھانے میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن آخر میں اس پلیٹ میں دولہا خود روپے ڈالتا ہے اور ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ بھی روپے ڈالتے ہیں اور جب کوئی دولہا ساس کی پلیٹ میں روپے نہیں ڈالتا تو لوگ اسے برا سمجھتے ہیں، ساس ناراض ہوتی ہے اور لوگ اس پر طعن وتشنیع بھی کرتے ہیں پوچھنا یہ ہے کہ شادی کے موقع پر ان امور کا کیا حکم ہے؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نکاح کی اطلاع واعلان کیلئے فائرنگ کرنا جائز ہے یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دولہا کے گلے میں ہار ڈالنا جائز ہے اس لئے کہ دستار بندی کے موقع پر پھولوں کا ہار ڈالا جاتا ہے جب وہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے اس قول کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) دولہا کے گلے میں روپے کا ہار ڈالنا درست نہیں اس لئے ایک تو اس میں تصویریں ہوتی ہیں جو کہ ناجائز ہیں۔ دوسرا اس میں اسراف بھی ہے۔ اگر دولہے کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا جائے تو اس کی گنجائش ہے باقی دستار بندی کے موقع پر جو پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں اس کو حجت بنانا درست نہیں اس لئے کہ دستار بندی کے وقت بھی یہ عمل مناسب نہیں۔

(۲) شادی وغیرہ میں فائرنگ کرنا یہ اسراف اور غیر قانونی حرکت ہے اور دوسرے مفاسد (مثلاً کسی کی موت وغیرہ) بھی اس سے واقع ہوسکتی ہے اس لئے ان وجوہ کی بنیاد پر یہ ناجائز ہے۔ باقی نکاح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نکاح مسجد میں کیا جائے اس سے اعلان وتشہیر کا مقصد بھی پورا ہوجائے گا۔

(۳) دولہا کے ساس کو پیسے دینے والی جو رسم ہے چونکہ دولہا طعن وتشنیع کے ڈر سے اسی طرح ناراضگی کے خوف سے (بغیر ولی رضامندی کے) ساس کو پیسے دیتا ہے اور جبکہ بغیر ولی رضامندی کے کسی کا مال استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس لئے ساس کا دولہے سے اس طرح پیسے لینا درست نہیں ہے۔

لمافی التفسیر المظهری (۸۷/۲): يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَأْكُلُوا أَمْوالَكُمْ بَيْنَكُمْ يعنى لا يأكل أحد منكم مال غيره من المسلمين ومن تبعهم من أهل الذمّة ولا بأس بأكل مال الحربي الغير المعاهد من غير عذر بِالْباطِلِ أى بوجه ممنوع شرعا۔

Marfat.com

وفی الصحیح لمسلم (۲/۲۰۰-۱۹۹): عن أبي طلحة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تدخل الملائکة بیتا فیه کلب ولا صورة۔

قال النووی فی شرحه: قال أصحابنا وغیرهم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وهو من الکبائر لأنه متوعد علیه بهذا الوعید الشدید المذکور فی الأحادیث وسواء صنعه بما یمتهن أو بغیره فصنعته حرام بکل حال لأن فیه مضاهاة لخلق اللہ تعالی وسواء ما کان فی ثوب أو بساط أودرهم أو دینار أو فلس أو اناء أو حائط أو غیرها۔۔۔وأما اتخاذ المصور فیه صورة حیوان فان کان معلقا علی حائط أو ثوبا ملبوسا أو عمامة ونحوذلك، مما لایعد ممتهنا فهو حرام۔

وفی مرقاة المفاتیح (۶/۱۳۵): باب الغصب والعاریة: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الا لایحل مال امرىء الا بطیب نفس منه۔

وفی الدرالمختار (۳/۸): ویندب اعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد۔

وفی الشامیة (۱/۶۴۷): قال في البحر وفي الخلاصة وتکره التصاویر علی الثوب صلی فیه أو لا انتهی وهذه الکراهة تحریمیة وظاهرٌ کلام النووي في شرح مسلم الإجماء علی تحریم تصویر الحیوان وقال وسواء صنعه لما یمتهن أو لغیره فصنعته حرام بکل حال لأن فیه مضاهاة لخلق اللہ تعالی وسواء کان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغیرها اهـ فینبغي أن یکون حراما لا مکروها إن ثبت الإجماء أو قطعیة الدلیل بتواتره اهـ کلام البحر ملخصا۔

(۴۱۳) شادی کارڈ چھپوانے اور شادی کیلئے ہال بک کرانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جس طرح زمانہ تیزی سے گزر رہا ہے اور نت نئی چیزیں سامنے آرہی ہیں اسی طرح لوگوں کے طریقے بھی بدلتے جارہے ہیں۔آپ سے اس کی بابت پوچھنا تھا کہ اکثر جگہ اب شادی کی دعوت وغیرہ کیلئے "شادی کارڈ" چل گئے ہیں اس کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے؟ نیز اسی طرح اب اکثر شادی کی تقریبات، "شادی ہال" وغیر میں کی جاتی ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی کی تقریب کو چونکہ گھر میں انجام دینا مشکل ہوتا ہے اس لئے ضرورتاً شادی ھال بک کرائے جاتے ہیں اگر شادی ھال میں پردے کا انتظام ہو نیز گانا بجانا، ویڈیو ریکارڈنگ اور دوسرے منکرات سے اجتناب کیا جائے تو شادی ھال بک کرانا اور ایسی تقریب میں عام آدمی کے شرکت کرنے کی گنجائش ہے۔

شادی کارڈ ہمارے زمانے میں دعوت دینے کا آسان ذریعہ ہیں اور دعوت دینے کا کوئی بھی ذریعہ استعمال کیا جائے اس کی گنجائش ہے البتہ شادی ھال اور شادی کارڈ جیسی چیزوں میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ بے جا اسراف نہ ہو اور نمود و نمائش مقصود نہ ہو۔

لمافی احکام القرآن للجصاص (۳/۳۳): والاسراف ھو مجاوزۃ حد الاستواء فتارۃ یکون بمجاوزۃ الحلال الی الحرام وتارۃ یکون بمجاوزۃ الحد فی الانفاق۔

(۴۱۴) لڑکے والوں سے ہی پیسے لے کر ان کی دعوت کرنا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شادی کے بعد رخصتی سے پہلے لڑکی والے اپنے یہاں لڑکے والوں کی دعوت کرتے ہیں لیکن دعوت کا مکمل خرچہ لڑکے والوں سے لیتے ہیں اور لڑکے والے جب تک اس دعوت کا خرچہ نہیں دیتے تب تک رخصتی نہیں کی جاتی، آیا لڑکی والوں کیلئے لڑکے والوں سے اس طرح پیسے لے کر اپنے یہاں دعوت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ رواج کہ شادی کے موقع پر رخصتی سے قبل لڑکے والوں سے رقم لے کر ان کی دعوت کی جاتی ہے یہ رسم قابلِ ترک ہے۔ اس کے مفاسد واضح ہیں۔ اولاً تو لڑکے والے یہ رقم بلا رضامندی کے دیں گے اور کسی کی رضامندی کے بغیر اسکا مال کھانا حرام ہے ثانیاً یہ کہ کھانا لڑکی والے اپنی صوابدید پر بنائیں گے اور عین ممکن ہے کہ لڑکے والے انتہائی مہنگا کھانا بنوالیں جو ظاہر ہے لڑکے والوں پر ایک دگنا بار ہوگا لہٰذا اس قسم کی قبیح رسومات سے اجتناب کیا جائے۔ اگر چہ لڑکے والے مالدار اور مکمل دلی رضامندی سے تیار ہوں تاکہ اس طرح کی رسومات کو معاشرے میں تقویت نہ ملے اور پھر غریبوں کو اپنی اولاد کی شادی کے وقت مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے البتہ اگر دعوت کرنا ضروری ہی ہو تو لڑکی والے اپنے مال سے دعوت کریں اور دعوت کا خرچہ لڑکے والوں سے وصول نہ کریں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرۃ:۱۸۸): وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔

وفی التفسیر المنیر (۲/۱۶۴): والأکل بالباطل یشمل کل ما أخذ بغیر وجه الحق۔

Marfat.com

وفی الدرالمختار (۱۵۶/۳): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔

(۴۱۵) کیا لڑکی پر چچازاد کا حق ہے

سوال

ہمارے علاقہ میں ایک رواج ہے کہ جب کوئی اپنی بیٹی یا بہن کسی دوسرے کو نکاح میں دیتا ہے تو اس دوران ان کے چچازاد بھائی کہتے ہیں کہ اس لڑکی پر میرا حق زیادہ ہے اور یہ کہ اس لڑکی کا نکاح کسی اور جگہ نہیں ہوگا صرف میرے ساتھ ہوگا۔ تو اس کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے علاقے کا یہ رواج غلط اور شریعت محمدی کے خلاف ہے شریعت کی نظر میں حقدار ہونے کا مدار اس پر نہیں کہ اس کا رشتہ کیا ہے؟ بلکہ شریعت نے کفوء کو مدارِ اولویت قرار دیا ہے اور کفوء میں بھی خاص طور پر دین داری کو وجہ ترجیح قرار دیا گیا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ "میں لڑکی کا چچازاد ہوں اس پر میرا حق زیادہ ہے" صحیح نہیں۔

باقی لڑکی اگر بالغہ ہے تو وہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کا نکاح نہیں کرسکتا اور اگر لڑکی نابالغہ ہے تو اسکے نکاح کے معاملات کا ذمہ دار ولی ہے۔ ولی دیکھے گا کہ کون سا لڑکا کفوء کے اعتبار سے لڑکی کا ہمسر ہے جس سے نابالغہ لڑکی کا نکاح کیا جائے۔

لمافی الهداية (۳۱۶/۲): ويجوز نكاح الصغير والصغيرة إذا زوجهما الولي بكرا كانت الصغيرة أو ثيبا ۔۔۔ قال فإن زوجهما الأب أو الجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما لأنهما كاملا الرأي وافرا الشفقة فيلزم العقد بمباشرتهما كما إذا باشراه برضاهما بعد البلوغ وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء اقام على النكاح وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله۔

وفی الدرالمختار (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ۔

وفی الدر المختار (۶۵/۳): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة) جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه ومجنون شهرا (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها وزيادة مهره (أو) زوجها (بغير كفء إن كان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أبا أو جدا)۔

(۷۰/۳): وحاصله أنه إذا كان المزوج للصغير والصغيرة غير الأب والجد فلهما الخيار بالبلوغ أو

Marfat.com

العلم به فإن اختار الفسخ لا يثبت الفسخ إلا بشرط القضاء۔

(۴۱۶) ون ڈش پر پابندی اور بارہ بجے ہال بند کرانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے حکومت نے، ون ڈش پر پابندی لگائی تھی۔ کیا شادی میں اس طرح کی پابندی لگانا درست ہے؟ نیز رات بارہ بجے شادی ہال بند کرانے کا حکم کرنا حکومت کی طرف سے کیسا ہے؟ کیا یہ حکم ماننا واجب ہے؟ مفتی صاحب! بہت سے لوگ پولیس والوں کو پیسے وغیرہ دیکر رات بارہ بجے کے بعد بھی تقریب جاری رکھتے ہیں، کیا یہ پیسے دینا رشوت نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر حکومت کسی بھی قسم کی پابندی لگائے (بشرطیکہ وہ شریعت اسلامی کے خلاف نہ ہو) تو حکومت کے قوانین کی پاسداری ہر ایک شہری کے ذمہ واجب ہے، اور اس کا پابندی لگانا درست ہے۔ صورت مسئولہ میں حکومت کا ون ڈش پر پابندی لگانا اور بارہ بجے ہال بند کرانا درست ہے۔ اس پابندی کو ماننا واجب ہے۔ نیز اس قانون کو توڑنے کیلئے پیسے دینا بلاشبہ رشوت کے زمرے میں آئے گا اور بارہ بجے کے بعد ہال کھلا رکھنے کیلئے رشوت لینا اور دینا حرام ہوگا۔

لما فی القرا ن الحکیم (النساء: ۵۹) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ۔۔۔الآية۔

وفی صحیح البخاری ۔کتاب الا حکام با ب السمع والطا عة(۱۰۵۷/۲):عن ابن عمر رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: السمع والطاعة حق ما لم يؤمر بالمعصية، فإذا أمر بمعصية، فلا سمع ولا طاعة۔

وفی سنن ابي داؤد،کتاب القضا ء(۱۴۸/۲):عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشی والمرتشی۔

وفی تکملة فتح الملهم کتا ب الامارة (۲۲۳/۳) : ومن هنا صرح الفقهاء بان طاعة الامام فيما ليس بمعصية واجبة قال ابن عابد ين فی باب الا ستسقاء من رد المحتار (۲۹۷/۱) اذا أمر الامام بالصيام فی غير الا يام المنهية وجب لما قدمناه فی العيدين من ان طاعة الامام فيما ليس بمعصية واجبة وحکی ابنه العلامة علا ؤ الدين عن البيری ''ان الحاکم لو أمر أهل بلدة بصيام

Marfat.com

أيام بسبب الغلاء أو الوباء وجب امتثال أمره راجع له قرة عيون الاخيار (انتهى) ۔

وفی الهندية، كتاب السير(۱۹۲/۲): قال محمد رحمه الله تعالى وإذا أمر الأمير العسكر بشيء كان على العسكر أن يطيعوه في ذلك إلا أن يكون المأمور به معصية بيقين۔

وفی الشامية (۲۶۴/۴): كتاب السير: مطلب في وجوب طاعة الإمام قوله (افترض عليه إجابته) والأصل تعالى { وأولي الأمر منكم } سورة النساء وقال اسمعوا وأطيعوا ولو أمر عليكم عبد حبشي أجدع وروى مجدع وعن ابن عمر أنه عليه الصلاة والسلام قال عليكم بالسمع والطاعة لكل من يؤمر عليكم ما لم يأمركم بمنكر ففي المنكر لا سمع ولا طاعة۔

وفی رد المحتار كتاب ادب القاضی(۳۶۲/۵): وفي الفتح ثم الرشوة أربعة أقسام منها ما هو حرام على الآخذ والمعطي وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة الثاني ارتشاء القاضي ليحكم وهو كذلك ولو القضاء بحق لأنه واجب عليه الثالث أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط ۔۔۔ الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب اهـ ما في الفتح ملخصا ۔

(۴۱۷) مسجد میں نکاح پڑھوانے کا حکم

سؤال

مسجد کے اندر نکاح پڑھانے کا کیا حکم ہے کیونکہ آجکل نکاح کے وقت بہت سے لوگ دولہا کے ساتھ آتے ہیں۔ چھوہارے کی تقسیم مبارکباد دینے وغیرہ میں مسجد کے اندر شور بھی ہوجاتا ہے اور مسجد کے آداب کی خلاف ورزی لازم آتی ہے تو کیا ایسی صورت میں مسجد میں نکاح کرنا درست ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوهاب

مسجد میں نکاح پڑھانا مستحب ہے البتہ مسجد میں ان افعال سے پرہیز کرنا ضروری ہے جن سے مسجد کے آداب کی خلاف ورزی ہو اگر مسجد کی حرمت پامال ہو اور مسجد میں شور شرابہ ہو تو ایسا کرنے والے لوگ گنہگار ہوں گے اور مسجد میں چھوہارے تقسیم کرنا جائز ہے البتہ مسجد کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

لمافی مشكوة المصابيح(۲۷۲/۲): وعن عائشة قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " أعلنوا

Marfat.com

هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف" ـ

وفي مرقاة المفاتيح (٦/٢٨٥):(قوله:واجعلوه في المساجد)وهو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أو لحصول بركة المكان وينبغي أن يراعى فيه أيضا فضيلة الزمان ليكون نورا على نور وسرورا على سرور قال ابن الهمام ويستحب مباشرة عقدالنكاح في المسجد لكونه عبادة وكونه في يوم الجمعة اهـ

وفي الهندية (٥/٣٢١):حرمة المسجد خمسة عشر ـــ والسابع أن لا يتكلم فيه من أحاديث الدنيا ـــ الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا وفي خزانة الفقه ما يدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا في المسجد حرام قال ولا يتكلم بكلام الدنيا وفي صلاة الجلابي الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله تعالى كذا في التمرتاشي۔

وفي الشامية (٣/٨):قوله (ويندب إعلانه) أي إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد لحديث الترمذي أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد۔

(۴۱۸)شادی میں کن چیزوں کیلئے قرض لیا جاسکتا ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص کے پاس شادی کیلئے رقم نہ ہو تو اسے قرض لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔شادی میں مہر،نفقہ،ولیمہ،شادی ہال اور شادی کے کپڑے آجکل ان کے بغیر شادی کرنا ناممکن ہے اب ان سب چیزوں میں سے کس کس کے لئے قرضہ لے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت نے تمام خوشیوں کو منانے کی اجازت دی ہے چاہے وہ کسی بھی قسم کی خوشی ہو لیکن ہر معاملے کو شریعت اپنی حدود میں رکھنے کی تلقین کرتی ہے حدود اللہ سے تجاوز ایک مسنون عمل کو بھی بے برکت اور تباہی کا سبب بنا دیتا ہے۔

جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو یہ ایک ایسا نازک اور اہم معاملہ ہے جو ہر شخص سے متعلق ہے ہر انسان کا فطری تقاضہ،سرورِ دو جہاں آقا نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اس میں حدود سے تجاوز اور خطرناک ہے۔شادی جتنی سادگی سے ہو اتنی بابرکت ہے ایک حدیث صحیح میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ارشاد فرمایا کہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچہ کم ہو،لیکن آج کل رسم ورواج

Marfat.com

کے پیچھے چلتے ہوئے ہم نے شادی کے اتنے خرچے بنا دیئے ہیں کہ متوسط آمدنی والا انسان بھی اس معاملے کو انجام دینے سے گھبراتا ہے۔ شادی کے معاملے میں بالخصوص غیر شرعی رسوم مایوں، مہندی، فنکشنز وغیرہ منعقد کرنے سے تو بالکلیہ اجتناب ضروری ہے ان کا تو شرعاً انجام دینا ہی گناہ ہے البتہ جو اخراجات شرعاً گنجائش رکھتے ہیں ان میں بھی اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو ملحوظ رکھا جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے اعلیٰ ولیمہ حضرت زینب سے ہوا جس میں ایک بکری ذبح کی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کرنا دورِ نبوی میں کتنا آسان تھا۔

الغرض امیر ہو یا غریب اعتدال کی راہ سے تجاوز نہ کرے شرعاً نکاح میں لڑکے پر صرف دو چیزیں واجب ہیں۔

۱۔ مہر۔

۲۔ نفقہ (کھانا، پینا، رہائش اور کپڑے)۔

اس کے علاوہ دعوتِ ولیمہ مسنون ہے اگر بوجہ عذر ولیمہ نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں باقی مہر کیلئے قرضہ لینے کی گنجائش ہے اور ولیمہ کیلئے بھی اگر سادگی سے انجام دینے کی نیت سے قرضہ لے لے (بشرطیکہ ادائیگی کا ظن غالب ہو) تو لے سکتا ہے نفقہ کیلئے قرضہ لینے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ نفقہ تو ہر مہینے کی ضرورت ہے اس کے لئے ملازمت یا کاروبار کا ہونا ضروری ہے البتہ اگر ملازمت کے باوجود بھی نفقے میں کچھ تنگی رہ جاتی ہو تو اس کے لئے قرضہ لیا جا سکتا ہے۔ الغرض بے روزگار شخص کیلئے قرضوں پر شادی کرنے کی گنجائش شرعاً نہیں۔ برسرروزگار شخص مہر، نفقہ وغیرہ کیلئے حسب ضرورت قرضہ لے سکتا ہے بشرطیکہ واپسی کا ظن غالب ہو اس کے علاوہ رسومات اور فضول خرچیاں باوجود وسعت کے قابلِ ترک ہیں تو ایسا شخص جو ان کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے ان اشیاء کی مد میں قرضہ لینے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟ بہرحال شادی کے معاملے کو سادہ بنانا ہم سب کی ذمہ داری ہے بالخصوص صاحبِ وسعت حضرات کو چاہیئے کہ ان فضول خرچیوں کا بائیکاٹ کریں تاکہ معاشرے میں جڑ پکڑے ہوئے یہ ناسور ختم ہوں اور غریب لوگوں کیلئے بھی شادی کرنا آسان ہو امید ہے اس پر اللہ تعالیٰ انہیں بے انتہا ثواب دے گا اور معاشرے میں سے بے راہ روی اور فحاشی کا خاتمہ ہوگا۔

لمافی الشامية (۸/۳) قوله (والاستدانة له) لأن ضمان ذلك على الله تعالى فقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه ثلاث حق على الله تعالى عونهم المكاتب الذي يريد الأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله تعالى ذكره بعض المحشين۔

وفيه أيضاً(۶/۳): قلت ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضا وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له --- إلا أن يقال الشرط ملك كل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة أو يقال هذا في العاجز عن الكسب ومن ليس له جهة وفاء۔

وفی الموسوعة الفقهية (۱۱۳/۳۳): أما في حق المقترض ، فالأصل فيه الإباحة ، وذلك لمن علم من نفسه الوفاء، بأن كان له مال مرتجى، وعزم على الوفاء منه ، وإلا لم يجز ، ما لم يكن مضطرا۔

Marfat.com

(۴۱۹) کیا خوشی کے وقت ہر رسم جائز ہوتی ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آجکل شادی کے موقع پر فائرنگ کرتے ہیں اور پٹاخے پھاڑتے ہیں اور کہتے ہیں شادی خوشی کا موقع ہے اس میں خوشی کا اظہار ہونا چاہیئے تا کہ لوگ خوشی اور غمی کے درمیان فرق کرسکیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے کسی کو خوشی کے موقع پر خوش ہونے سے نہیں روکا لیکن خوشی ہو یا غم دونوں کو شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے کیا جائے، شادی کے موقع پر فائرنگ کرنا یا پٹاخے پھاڑنا یہ تبذیر یعنی مال کا ضیاع ہے جو کہ نص قرآنی سے ناجائز ہے اسی طرح اس میں اور کئی مفاسد ہیں مثلاً بسا اوقات اس سے کسی کی موت واقع ہوجاتی ہے نیز لوگوں کا سکون خراب ہوجاتا ہے۔ عبادت کرنے والوں کی عبادت میں خلل واقع ہوجانا اور یہ تمام چیزیں ایذاء مسلم ہیں اور ایذائے مسلم حرام ہے اس لئے اس فعل سے اجتناب کرنا چاہیئے، باقی خوشی اور غمی میں فرق اور بہت ساری جائز چیزوں سے ہوسکتا ہے۔

لما فی القرآن المجید (الاسراء:۲۶): وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (۲۶) إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (۲۷)

وفی تفسیر القرطبی (۲۴۷/۵، جز۱۰): الثانية قوله تعالى: (وَلا تُبَذِّرْ) أي لا تسرف في الإنفاق في غير حق. قال الشافعي رضى الله عنه: والتبذير إنفاق المال في غير حقه، ولا تبذير في عمل الخير. وهذا قول الجمهور. وقال أشهب عن مالك: التبذير هو أخذ المال من حقه ووضعه في غير حقه، وهو الإسراف، وهو حرام لقوله تعالى: " إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كانُوا إِخْوانَ الشَّياطِينِ"۔

وفی البخاری (۶/۱): عن أبي موسى رضي الله عنه، قال: قالوا يا رسول الله، أي الإسلام أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه، ويده۔

وفی فتح الملهم (۶۲۸/۱): قوله ''قال: من سلم المسلمون من لسانه'' الخ اى بالشتم واللعن والغيبة والبهتان والنميمة والسعى الى السلطان وغير ذلك حتى قيل اول بدعة ظهرت قول الناس الطريق الطريق۔قوله: ويده الخ بالضرب، والقتل، والهدم، والدفع، والكتابة بالباطل ونحوها وخصا لان اكثر الاذى بهما او اريد بهما التمثيل وقدم اللسان لان الايذاء به اكثر واسهل ولانه اشد نكاية۔

Marfat.com

(۴۲۰) شادی کے موقع کی مختلف رسوم اور امور سے متعلق چند سوالات

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل شادی بیاہ کے سلسلے میں عموماً جو امور ہمارے ہاں رائج ہوگئے ہیں ان میں سے کچھ کا خلافِ شرع ہونا تو علم میں ہے جیسے مایوں اور مہندی کی رسومات جن میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے اور خواتین وحضرات کا بے حجابانہ اختلاط شامل ہے علاوہ ازیں ان مواقع پر مووی بنانا یا دیگر طریقوں سے تصویر کشی کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے لیکن بعض امور ایسے بھی ہیں کہ جن کے بارے میں واضح علم نہ ہونے کے سبب ملوث ہونا پڑتا ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے براہ کرم ان معاملات میں راہنمائی فرمائیں۔

(۱).....شادی/نکاح سے قبل لڑکے والوں کی طرف سے "بری" کے نام سے دلہن کیلئے زیور، شادی کا جوڑا، ولیمہ کا جوڑا اور دیگر زنانہ کپڑے اور میوہ جات لڑکی کے گھر پہنچائے جاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیئے؟

(۲).....اسی طرح لڑکی والے دلہا کیلئے شادی اور ولیمہ کے موقع پر استعمال کرنے کیلئے جوڑے بھیجتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

(۳).....علاوہ ازیں "جہیز" کے نام پر لڑکی کو زیور اور گھر میں استعمال کا مختلف سامان دیا جاتا ہے جس میں بیڈ روم سیٹ، الماری، سنگھار میز وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں نیز دولہا کے والدین اور بہن بھائیوں کیلئے پہنائی کے نام پر جوڑے دیئے جاتے ہیں۔ یہ امور کہاں تک جائز ہیں اور ان اشیاء کے آجانے پر لڑکے والے قبول کریں یا انکار کردیں؟

(۴).....اگر لڑکی کے والدین خوشحال ہیں اور بغیر کسی مطالبہ/بوجھ/قرضہ کے اپنی خوشی سے یہ سب کریں (نمبر ۲ اور ۳) تو کہاں تک صحیح ہے یا صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیئے؟

(۵).....اگر مکان میں گنجائش نہ ہو تو شادی/ولیمہ کے انتظام کیلئے شادی ہال میں (خواتین وحضرات کیلئے پردے کے انتظام کے ساتھ) دعوت کا اہتمام کرنا غلط تو نہیں ہوگا؟ درخواست ہے کہ مندرجہ بالا امور میں راہنمائی فرمائی جائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی ہمارے لئے بہترین نمونہ اور قابل اتباع ہے، اس لئے ہمیں ہر قدم اور ہر موڑ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شادی، ولیمہ اور اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں کتنی سادگی سے کیں، اور ہمیں غیر کے طریقوں، نمائش ونمود اور بے جا اسراف سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لہٰذا (۱، ۲).....میں زیورات، شادی وغیرہ کا جوڑا اور دیگر تحائف وغیرہ اگر نمود ونمائش اور بے جا اسراف کے طور پر نہ دیئے

Marfat.com

گئے ہوں، بلکہ سادگی کے ساتھ بطیب خاطر دیئے گئے ہوں تو اس کی گنجائش ہے البتہ مذکورہ اشیاء بطور نمود ونمائش اور بے جا اسراف سے دی جائیں تو پھر جائز نہیں۔

(۳، ۴).....جہیز حسب استطاعت بخوشی جتنا اور جو بھی ہو جائز ہے بشرطیکہ یہ جہیز فرمائشی اور نمود ونمائش کیلئے اور بے جا اسراف نہ ہو اور قرضہ نہ اٹھانا پڑے۔ جہاں پر پہنائی کے نام پر دولہا کے والدین اور بہن بھائیوں کو جوڑے دیئے جاتے ہیں، اگر بطور تحفہ ہوں تو جائز ہیں اور اگر رسم کی بنیاد پر اور برادری سے مجبور ہو کر دیئے جائیں تو جائز نہیں۔

(۵).....اس صورت میں اگر خواتین کیلئے مکمل پردے کا انتظام ہو، اور عورتوں اور مردوں کا باہم اختلاط نہ ہو، تو ولیمہ اور دیگر دعوتوں کا اہتمام شادی ہال میں درست ہے۔

لمافی القرآن المجید (الاسراء:۲۶): وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (۲۶) إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ (۲۷)

وفی المشکوۃ (ص۳۷۵): وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من لبس ثوب شهرة من الدنيا ألبسه الله ثوب مذلة يوم القيامة " . رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه۔

وفيه أيضاً (ص۳۷۵): وعنه رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من تشبه بقوم فهو منهم " . رواه أحمد وأبو داود۔

وفيه أيضاً(ص۳۷۸): وعنه رضی اللہ عنہ قال : أقام النبي صلى الله عليه وسلم بين خيبر والمدينة ثلاث ليال يبنى عليه بصفية فدعوت المسلمين إلى وليمته وما كان فيها من خبز ولا لحم وما كان فيها إلا أن أمر بالأنطاع فبسطت فألقي عليها التمر والأقط والسمن . رواه البخاري

(۴۲۱) رسم ورواج دنیا وآخرت کے نقصان کا باعث ہیں

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ شادی یا نکاح کے دوران لڑکی کے گھر میں جو کھانا پکایا جاتا ہے وہ لڑکے یعنی شوہر کے گھر والوں سے عموماً لیا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ نیز اس کا کھانا کیسا ہے؟ اس طرح بہت سے فضول خرچیوں میں پیسے ضائع کئے جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ تفصیلاً تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی کے موقع پر صرف اور صرف ولیمہ کا کھانا سنت ہے اور ولیمہ کا مستحب وقت شبِ زفاف کے بعد ہے لیکن اگر کوئی پہلے

Marfat.com

دن کرلے تو بھی جائز ہے۔ ولیمہ کے لئے ضروری نہیں کہ قورمہ، بریانی اور دیگر طرح طرح کے کھانوں کا اہتمام کیا جائے، بلکہ حسب استطاعت جتنا ہو سکے وہ رکھنا چاہیئے، جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کر کے دکھایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بکری سے ولیمہ کرنے کی استطاعت تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کے کھانے سے ولیمہ فرمایا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بکری کے کھانے سے ولیمہ کرنے کی گنجائش نہ تھی تو اس وقت موجود اشیاء کھجور، گھی اور پنیر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولیمہ فرمایا۔

اس کے علاوہ جتنے کھانے شادی کے موقع پر بنائے اور جس طرح فضول خرچی اور بے تحاشہ اخراجات کئے جاتے ہیں ان سب میں ضیاعِ وقت، فضول خرچی، دکھاوا اور ریاکاری جیسے بڑے بڑے گناہوں میں ابتلاء ہوتا ہے، ان کے علاوہ بھی ان رسومات میں بہت سے مفاسد ہیں۔ ان غیر شرعی رسومات جن میں صورت مسئولہ میں (مذکورہ صورت بھی شامل ہے) سے بچنا بہر حال لازمی اور دینی تقاضا ہے۔

انہی رسومات کا نتیجہ ہے کہ آج کے دور میں شادی کرنا ایک انتہائی مشکل کام بن گیا ہے جسے شریعت نے بہت ہی آسان بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج گھر گھر میں لڑکیاں شادی کی عمر کو پہنچنے کے باوجود کنواری ہیں، والدین ان کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ رسومات کو ادا کرنے کے لئے خرچہ کہاں سے لائیں گے اور اگر رسومات کو ادا نہیں کیا تو برادری والے برا بھلا کہیں گے، گھر گھر باتیں ہوں گی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی یا تو گناہ کی مرتکب ہوتی ہے یا پھر کسی کے ساتھ بھاگ کر "کورٹ میرج" کر لیتی ہے اور یوں گھر والوں کو برادری میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

ہاں! اگر ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہوں، علماء کرام کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں اور رسومات کو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کی خاطر چھوڑ دیں تو انشاء اللہ ہمیں دنیاوی زندگی میں راحت وسکون اور عزت حاصل ہوگی اور آخرت کی زندگی (جو کہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے) میں سرخرو ہوں گے۔ نیز ہمیں آپس کے ماحول میں ان قبیح رسومات کے خلاف ذہن بنانا چاہیئے تا کہ ناواقفی کی وجہ سے طعن وتشنیع کرنے والے مسلمان گناہ کے وبال سے بچ سکیں۔

لما فی القرآن الکریم (سورۃ البقرۃ:۱۸۸): وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔

وفی صحیح البخاری (۲/۷۷۷): عن أنس رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أعتق صفية وتزوجها، وجعل عتقها صداقها، وأولم عليها بحيس۔

وفی اعلاء السنن (۱۱/۱۹): قال: ولاخلاف بين أهل العلم فی أن الوليمة سنة فی العرس مشروعة لما روى أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمر بها وفعلها ۔۔۔ وقال ابن عبدالبر: لاخلاف فی وجوب الاجابة الى الوليمة لمن دعی اليها اذا لم يكن فيها لهو، وبه يقول الشافعی وابو حنيفة واصحابنا والعنبری۔

وفی الشامیۃ (۳/۱۵۶): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔

Marfat.com

وفى الردتحته: قوله (عند التسليم) أي بأن أبي أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا وكذا لو أبي أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أوهالكا لأنه رشوة بزازية۔

Marfat.com

نجم الفتاوی جلد رابع میں موجود مدلل و مفصل فتاوی کے نام

نجم الفتاوی کی یہ طبع جدید جہاں اور خصوصیات کی حامل ہے وہاں اس کی زینت وہ تحقیقی اور تفصیلی فتاوی بھی ہیں جو ان چھ جلدوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عنوانات کی ان تحقیقات کو [جو کہ فتاوی کا حسن ہوتی ہیں] متعلقہ ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ اہل علم، صاحب نظر، فقہ وتفقہ کا ذوق رکھنے والوں اور تحقیق کے شناوروں کیلئے ان فتاوی میں انتہائی قابلِ قدر مواد موجود ہے۔

ہر جلد کی تفصیلی فہرست میں ان فتاوی کو نمایاں کر دیا گیا ہے نیز ''نجم الفتاوی جلد اول'' کے آخر میں مکمل چھ جلدوں میں موجود ان تمام محقق فتاوی کی فہرست مع مختصر تعارف کے موجود ہے۔ ہر جلد کے آخر میں صرف اس جلد میں موجود فتاوی کے نام مع صفحات نمبر درج کئے جا رہے ہیں۔ درج ذیل نام اس چوتھی جلد میں موجود تفصیلی فتاوی کے ہیں۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

۱	تحریر النقول فی مسئلة عدم الجهر بلفظ القبول	۱۰۱/۴
۲	نهاية الضدين فی وقوع الخطاء عند نكاح الاختين	۱۲۱/۴
۳	قواعد الفقهاء فی خطاء القاضی عند تلفظ الأسماء	۱۵۱/۴
۴	الحكم الموافق فی الفرق بين الشرائط توافق العقد و تخالف	۱۵۹/۴
۵	العقود الدرية فی تحقيق حكم النكاح بدون الشهود عند المالكية	۱۸۱/۴
۶	التقاطع فی شهادة الفاسق والتسامع	۱۹۰/۴
۷	الخنثی واحكامه للشهادة فی الشريعة الاسلامية	۲۰۶/۴
۸	حفظ المتاع فی رفع التعارض عن الآيات الواردة فی خطبة النكاح	۲۲۵/۴
۹	الاجابة فی رؤية المرأة قبل النكاح والاراءة	۲۷۳/۴

Marfat.com

١٠	الاجابة عن تحذير بعض الناس من نكاح القرابة	٣٠٧/٤
١١	رموز النصّ اذا أخطا فى المس	٤٥٨/٤
١٢	الحد الفاصل بين النكاح الفاسد والباطل	٥١٧/٤
١٣	درر البحار فى النكاح الشغار	٥٤٠/٤
١٤	تحرير الكاتب فى بيان احكام النكاح الفاسد	٥٤٩/٤
١٥	كشف الظنون عن مصداق متعة خير القرون	٥٥٩/٤

دار الإفتاء دار العلوم ياسين القرآن

Marfat.com

چنانچہ حدیثِ مبارک ہے:

"عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: لعن رسول الله المحلل والمحلل له." (المشكوة: ۲۸۴/۱)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے شخص اور جس کے لئے حلالہ کیا جارہا ہے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

اگرچہ اس صورت میں بھی وہ عورت شوہرِ اول کیلئے حلال تو ہو جاتی ہے لیکن اس طرح مشروط حلالہ کرنا معصیت اور لعنتِ خداوندی کے استحقاق کا سبب ہے۔

لما فی الخانية على هامش الهندية (۳۵۱/۱) كتاب النكاح: الفقيه يكون كفؤ اللعلوية لأن شرف الحسب فوق شرف النسب۔

وفی الدرالمختار (۵۷/۳): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولي بعد معرفته إياه فليحفظ۔

وفی الرد تحته: قوله (نكحت)۔۔۔ وقوله بلا رضا نفي منصب على المقيد الذي هو رضا الولي والقيدالذي هو بعد معرفته إياه فيصدق بنفي الرضا بعد المعرفة وبعدمها وبوجود الرضا مع عدم المعرفة ففي هذه الصور الثلاثة لا تحل وإنما تحل في الصورة الرابعة وهي رضا الولي بغير الكفء مع علمه بأنه كذلك اه ح قلت والأنسب أن يقول مع علمه به عينا لما في البحر لو قال الولي رضيت بتزوجها من غير كفء ولم يعلم بالزوج عينا هل يكفي صارت حادثة الفتوى، وينبغي لا يكفي لأن الرضا بالمجهول لا يصح كما ذكره في الخانية فيما إذا استأذنها الولي ولم يسم الزوج فقال لأن الرضا بالمجهول لا يتحقق ولم أره منقولا اه وأقره في النهر لكن ليس على عمومه لما سيأتي في كلام الشارح أنها لو فوضت الأمر إليه يصح كقولها زوجني ممن تختاره ونحوه قال الخير الرملي ومقتضاه أن الولي لو قال لها أنا راض بما تفعلين أو زوجي نفسك ممن تختارين ونحوه أنه يكفي وهو ظاهر لأنه فوض الأمر إليها ولأنه من باب الإسقاط اه قوله (فليحفظ) قال في الحقائق شرح المنظومة النسفية وهذا مما يجب حفظه لكثرة وقوعه اه وقال الكمال لأن المحلل في الغالب يكون غير كفء وأما لو باشر الولي عقد المحلل فإنها تحل للأول۔

وفی الشامية (۹۲/۳) باب الكفاءة ط سعيد: فالعالم العجمي يكون كفؤا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب وارتضاه في فتح القدير وجزم به البزازي وزاد